UrduGem.com
Urdu Novels, Books and Much More
www.urdugem.com

خواتین ڈائجسٹ

بانی و مدیر اعلیٰ ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— شادرہ خاتون

مدیر ——— آذر ریاض

نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل

مدیرِ خصوصی ——— امت الصبور

بلقیس بھٹی

نفسیات ——— عدنان

اشتہارات ——— خالدہ جیلانی

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

UrduGem.com Urdu Novels, Books and Much More

www.urdugem.com

کہنی سننی — مدیر — 14
کرن کرن روشنی — ادارہ — 15
ہمارے نام — نادرہ خاتون — 268

پیارا نشاء جی

مزاح میں بھی شائستگی — رضیہ فصیح احمد — 20

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے — امت الصبور — 266

مجھ سے ملیے

باتیں علی جوش سے — شاہین رشید — 24

انٹرویو

جگنو گلاب اور محبتیں — ادارہ — 29
عجب گل — شاہین رشید — 276

ناول

حالم — نمرہ احمد — 152
دشتِ جنوں — آمنہ ریاض — 36

مکمل ناول

حسن المآب — سائرہ رضا — 188
اسے ہم قرض کرتے ہیں — صدف نثار — 108

ناولٹ

چلو اک بار پھر — یمنیٰ اختر — 88
اپنا پن — سرور فاطمہ — 140

افسانے

پردے کے پیچھے — فائقہ رالعبہ — 69
شکر — ایمل رضا — 80
جنت — عطیہ خالد — 104
خالی ہاتھ — مہوش طالب — 149
سوہنے پروہنے — ناظمہ زیدی — 254

نظمیں غزلیں

غزل — کامی شاہ — 260
نظم — اقبال ناظر — 261
غزل — سلیم کوثر — 261
غزل — صوفی غلام مصطفٰی تبسم — 260

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

رنگ رنگ پھول

رنگارنگ سلسلہ — شگفتہ جاہ — 262
خبریں وبریں — واصفہ سہیل — 284

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی — 265

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان — 287

پکوان

موسم کے پکوان — خالدہ جیلانی — 286

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے — امت الصبور — 290

جنوری 2018
جلد 45 شمارہ 9
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

UrduGem.com
Urdu Novels, Books and Much More
www.urdugem.com

مدیرہ

کہی ان کہی

جنوری 2018ء کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

وقت کی کہانی میں ایک اور باب کا اضافہ ہوا۔

بہت سے تاریک اور روشن لمحات اپنے دامن میں لیے ایک اور سال رخصت ہوا۔ روز و شب کے پھیروں میں بہت سے خوش گوار اور جگمگاتے لمحات ہماری زندگیوں کا حصہ بنے تو کچھ روح فرسا لمحات سے بھی گزرے۔ کہیں ناکامیوں نے دل برداشتہ کیا تو کہیں غیر متوقع کامیابی نے دل کو خوشی بخشی۔ دکھ، سکھ، خوشی، غم ان ہی سے زندگی عبارت ہے۔ یہی دنیا ہے۔ وقت کے تند و تیز دھارے کے سامنے کون بند باندھ سکتا ہے۔ وقت کا کام گزرنا ہے۔ سو گزرتا جا رہا ہے۔ وقت کا ہر لمحہ قیمتی ہے۔ اور لوٹ کر نہ آنے والا۔

وطن عزیز کے حوالے سے سال گزشتہ کافی ہنگامہ خیز ثابت ہوا۔ سی پیک کا منصوبہ لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ خوش آیند تھا لیکن سیاسی اُتار چڑھاؤ اور احتجاجی دھرنوں سے ملک اور معیشت کو نقصان ہوا۔

سال گزشتہ مسلم اُمہ کے لیے بھی کوئی خوش خبری نہ لا سکا۔ روہنگیا میں مسلمانوں کا قتل عام اور مہذب دُنیا کی بے حسی ان لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہے جو مسلمانوں کو تنگ نظر اور دہشت گرد کہتے ہیں۔

بہت سی خوش آیند امیدیں اور خواب لیے ہم ایک اور نئے سال کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ دُعا گو ہیں کہ نیا سال ہمارے لیے امن و امان، خوش حالی کا پیام بر ہو، سال گزشتہ میں جن کٹھن لمحات سے گزرے، آنے والے سال میں ان کا سامنا نہ ہو۔ آمین۔

انشاجی،

لاکھوں لوگوں کے محبوب، بے مثال مزاح نگار، کالم نگار، جو لکھا وہ اُس وقت کی آواز تھا جب لکھا گیا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن انشاجی کا کمال یہ ہے کہ ان کا لکھا آج بھی وقت کی آواز ہے۔ سادگی اور پرکاری کا کمال دیکھنا ہو تو ان کے کالم پڑھیں۔ ان کے اسلوب میں بے ساختگی، برجستگی اور فطری بہاؤ ہے۔ ان کی شاعری دل کو چھو لینے والی، دل گداز، انہوں نے غم جاناں کی حکایت تو لکھی لیکن غم دوراں کو بھی اسی دردمندی سے رقم کیا۔

سادگی، خلوص و محبت، رواداری جو ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے، وہ ان کی ذات کا بھی حصہ تھی۔

انشاجی دُنیا سے بہت جلدی چلے گئے لیکن وہ آج بھی اپنے پڑھنے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔

اس شمارے میں،

- حسن المآب ۔ سائرہ رضا کے ناول کی آخری قسط، ، صدف نثار کا مکمل ناول ۔ اسے ہم فرض کرتے ہیں،
- نمرہ احمد کا مکمل ناول ۔ حالم، ، یمنیٰ اختر اور سرور فاطمہ ہنی کے ناولٹ،
- ایمل رضا، قانتہ رابعہ، مہوش طالب، عطیہ خالد اور ناظمہ زیدی کے افسانے،
- آمنہ ریاض کا ناول ۔ وحشت جنوں، ، ٹی وی اور فلم کے فنکار عجب گل سے ملاقات،
- ٹی وی فنکار علی جوش سے باتیں، ، سال نو پر قارئین سے سروے،
- کرن کرن روشنی ۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی اُلجھنیں اور عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

پانچ چیزیں

حضرت ابوبرزہ نضلہ بن عبید اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت والے دن کسی بندے کے قدم نہیں ہٹیں گے (یعنی بارگاہ الٰہی سے جانے کی اجازت نہیں ہو گی) یہاں تک کہ اس سے (پانچ چیزوں کی بابت) پوچھ نہ لیا جائے:

اس کی عمر کے متعلق کہ اس نے اسے کن کاموں میں ختم کیا۔

اس کے علم کے متعلق کہ اسے اس نے کن چیزوں میں خرچ کیا۔

اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا۔

اور کہاں خرچ کیا۔

اور اس کے جسم کے بارے میں کہ کن چیزوں میں اسے بوسیدہ کیا (کھپایا)"۔

(اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔)

فوائد و مسائل : 1۔ اس میں سب سے پہلے حیات مستعار کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔ اسے اللہ کی نافرمانی میں صرف نہ کیا جائے کیونکہ اس کا حساب دینا ہو گا۔

2۔ علم کے متعلق یہ سوال ہو گا کہ جو کچھ تم جانتے تھے کیا اس پر عمل کیا؟ اس سے اس امر کی ترغیب ملتی ہے کہ انسان دین و شریعت کا علم حاصل کرے کہ وہی اس کے لیے نافع ہے اور پھر اس کے مطابق عمل کرے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو اسے اس کا جواب سوچ لینا چاہیے کہ وہ روز قیامت بارگاہ الٰہی میں کس طرح سرخ رو ہو گا۔ مال کے بارے میں سوال سے واضح ہے کہ انسان صرف حلال اور جائز طریقے ہی سے دولت کمائے اور جائز جگہوں ہی پر اسے صرف بھی کرے۔ اگر اس نے دولت کمانے کے لیے ناجائز

www.urdugem.com

طریقہ اختیار کیا یا اللہ کی نافرمانی میں اسے خرچ کیا تو ان دونوں صورتوں میں وہ عنداللہ مجرم ہوگا اور اس کی اس کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ اپنے جسم کو محرمات سے بچائے اور اسے اللہ کے حکموں کا پابند کرے' اس میں کوتاہی کرنے کی صورت میں جب اس سے باز پرس ہوگی تو پھر مواخذہ الٰہی سے بچنا مشکل ہوگا۔ غرض اس میں عنداللہ مسئولیت کا احساس دلایا گیا ہے تاکہ انسان دنیا میں اس کا خیال رکھے اور قیامت کی شرمندگی سے وہ بچ جائے۔ کاش انسان اس بازپرس کے تصور کر ہر وقت اپنے سامنے رکھے۔

خوش

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میں کس طرح ہنسی خوشی رہ سکتا ہوں جب کہ صور (پھونکنے) والا صور کو منہ میں لیے ہوئے ہے اور اللہ کی اجازت پر کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اسے (صور) پھونکنے کا حکم دیا جائے اور وہ صور پھونکے۔"

تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر گویا گراں گزری' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا۔

"(گھبراؤ نہیں بلکہ) کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ "ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔"

(اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔)

فوائد و مسائل : 1- اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خوف الٰہی اور فکر آخرت کا بیان ہے جس میں ہمارے لیے سخت عبرت و تنبیہ ہے کہ وہ پاک' محفوظ یا مغفور ہونے کے باوجود کس طرح اللہ سے اور میدان محشر کی ہولناکیوں کے تصور سے لرزاں و ترساں رہتے تھے اور آج ہم لوگ ہیں کہ سر سے پاؤں تک گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں' رات دن اللہ کی نافرمانی کرتے اور احکام و فرائض الٰہی سے غفلت اور اعراض ہمارا شعار ہے' اس کے باوجود ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف ہے نہ آخرت کی فکر۔

2- خوف اور فکر کے وقت اللہ سے مدد طلب کی جائے اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا ورد کیا جائے۔ یہ بڑا اچھا اور پر تاثیر ورد ہے۔ یہ کسی پریشانی اور صدمے کے وقت بھی پڑھ سکتے ہیں۔

3- عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے۔

قیامت کا دن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"قیامت والے دن لوگ' ننگے پاؤں' ننگے بدن اور غیر مختون (بغیر ختنے کے) اکٹھے کیے جائیں گے۔"

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول! (وہاں تو) مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "عائشہ! معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔" (یعنی حساب کی ہولناکی اور شدت ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی مہلت ہی نہیں دے گی۔)

دوسری روایت میں ہے "معاملہ اس سے کہیں زیادہ اہم ہوگا کہ ان کا بعض بعض کو دیکھے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : 1- اس میں بھی میدان محشر کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔ ایک مومن کو آخرت کی تیاری اور روز محشر بارگاہ الٰہی میں پیش ہو کر جواب دہی کے احساس و تصور سے غافل نہیں رہنا چاہیے' بلکہ اس دن کی ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے ایمان و تقویٰ کی زندگی گزارنی چاہیے۔ جو لوگ ایسا نہیں

کریں گے اور آخرت کی فکر اور اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو کر زندگی گزاریں گے' انہیں اللہ کی نافرمانی کرنے اور حدود الٰہی کو توڑنے میں کوئی باک نہیں ہوگا۔ لیکن اس کا نتیجہ آخرت کا عذاب اور ذلت و رسوائی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے امید و رجا کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے پیغمبر! فرما دیں: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی (اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔" (الزمر-53)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ہم ناشکرے اور نافرمان ہی کو بدلہ (سزا) دیتے ہیں۔" (سبا-17)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"بے شک وہی لوگ ہماری طرف کہ عذاب کے مستحق وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔" (طٰہٰ-48)

اور فرمایا "اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔"

فائدہ آیات : 1- ان آیات میں اللہ کے نافرمانوں کو ڈرایا بھی گیا ہے اور انہیں امید کی کرن بھی دکھائی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ساری زندگی نافرمانی میں ہی گزار دی اور آخر وقت تک انہیں ایمان اور توبہ کی سعادت نصیب نہیں ہوئی تو ان کے لیے تو جہنم کا ابدی عذاب ہے' تاہم جن لوگوں میں توبہ اور ندامت کا احساس پیدا ہو جائے' چاہے وہ کتنے ہی گناہ گار ہوں' انہیں ایمان و توبہ کا راستہ اختیار کر کے کفر و شرک اور معاصی سے باز آجانا چاہیے۔ ایسے لوگ یہ نہ سوچیں کہ عمر تو عشق بتاں میں گزر گئی' اب آخر میں مسلمان ہونے کا کیا فائدہ! نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور غفور ہے' وہ تمام گناہ بخشنے پر قادر ہے۔ آخری وقت میں بھی سچے دل سے مسلمان یا تائب ہو جائیں گے اور ایمان و عمل کے تقاضوں کو بروئے کار لائیں گے تو اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

گویا یہ آیت ان کے لیے امید کی کرن ہے جن کی ساری زندگی کفر و شرک یا معصیت کے اندھیروں میں گزر گئی۔ اب اگر وہ مسلمان یا معصیتوں سے تائب ہونا چاہیں تو شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دے کہ تمہارے تو گناہ اتنے زیادہ ہیں کہ اب وہ معاف ہی نہیں ہو سکتے' اس لیے مسلمان ہونے کا یا توبہ کرنے کا کیا فائدہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے' تم اللہ کے در پر آؤ تو سہی' اس کی رحمت کا دروازہ تمہیں اپنی آغوش میں لینے کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔"

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ و رسول کے ماننے کے دعووں کے ساتھ اس کی حدوں اور ضابطوں کو پامال کرتے رہو اور دیدہ دلیری کے ساتھ اس کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے رہو اور وعظ و نصیحت کرنے اور خوف الٰہی یاد دلانے پر پوری ڈھٹائی سے کہہ دو "کوئی فکر والی بات نہیں' اللہ تو بہت مہربان اور بڑا بخشنے والا ہے۔ اللہ کے خوف اور اس کے عذاب سے یہ بے نیازی نہایت خطرناک ہے' ایسے خوش گمانوں کے لیے اس کا عذاب بھی دردناک ہے۔

اللہ کی رحمت کی امید رکھنا بلاشبہ ضروری اور ایمان کا حصہ ہے۔ رحمت الٰہی سے مایوسی یقیناً" کفر و ضلالت ہے لیکن امید کے لیے کوئی بنیاد بھی تو ہونی چاہیے۔

یتیم اور عورت کا خیال

حضرت ابوشریح خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

www.urdugem.com

''اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں کوتاہی مت کرنا) ایک یتیم اور دوسرے عورت۔'' (یہ حدیث حسن ہے، اسے امام نسائی نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فائدہ:

1- انسانی معاشرے میں کمزور طبقات کے ساتھ عام طور پر ظلم روا رکھا جاتا ہے، بالخصوص عورتیں اور یتیم اس کا خاص نشانہ بنتے ہیں۔ ان کو جائیدادوں میں ان کے شرعی حق سے محروم رکھا جاتا ہے، بلکہ ان کی جائیدادوں کو ہتھیا لیا جاتا ہے اور ان سے ہر طرح کی بدسلوکی روا رکھی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید بیان فرما کر مسلمانوں کو ان کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے سے روکا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے اور مسلمان معاشروں میں بھی یہ مذکورہ کمزور طبقات ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اسلام بدنام ہو رہا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس بارے میں اسلام کی تعلیمات تو واضح ہیں۔ مسلمانوں کا طرز عمل، اسلام سے مختلف ہے۔ اس کا الزام، ان کے مذہب پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ کاش! مسلمان اس بات کو سمجھیں کہ ان کے غلط طرز عمل کی وجہ سے اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے اور یوں وہ دوگونہ جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ایک حق تلفی اور ظلم اور دوسرا دنیا کی نظروں میں اسلام کی تذلیل اور اس کا استخفاف۔ گویا وہ اسلام کی تبلیغ کے بجائے اسلام کی طرف لوگوں کے آنے میں رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں۔

کمزور کی وجہ سے کامیابی

حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ (ان کے والد) حضرت سعد کو یہ خیال ہوا کہ انہیں اپنے سے کم تر لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم لوگ تو ان ہی کمزوروں کی وجہ سے مدد کیے اور رزق دیے جاتے ہو۔ (پھر ان سے برتر ہونے کے زعم کا کیا جواز ہے)۔'' (صحیح بخاری)

فائدہ: اس میں بہرہ ور طبقات کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اپنے سے کم تر اور بے وسیلہ لوگوں کو حقیر اور اپنے کو ان سے برتر نہ سمجھیں بلکہ ان کا احترام اور ان سے تعاون کریں۔ کیا پتا اللہ تعالیٰ ان ہی کی وجہ سے تمہیں بھی روزی اور دشمن پر غلبہ عطا فرما رہا ہو۔

اللہ کی تلاش

حضرت ابودرداء عویمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''مجھے تم کمزوروں میں تلاش کرو۔ یقیناً تمہاری، اپنے ان ضعیف لوگوں کی وجہ ہی سے مدد کی جاتی اور تمہیں روزی دی جاتی ہے۔'' (اسے ابوداؤد نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کمزور اور غریبوں کے دل زخارف دنیا (دنیا کی خوب صورتی اور جاذبیت) سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے ان میں اخلاص اور انابت الی اللہ کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی دعائیں بھی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتی ہیں۔

اس کو سنن نسائی کی ایک دوسری حدیث میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے:

''اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتا ہے اس امت کے کمزور لوگوں کی دعا، نماز اور ان کے اخلاص کی وجہ سے۔''

عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور تم ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔'' (النساء۔19)

اور فرمایا: ''اور تم ہرگز عورتوں کے درمیان برابری کا معاملہ نہیں کر سکو گے اگرچہ تم اس کی خواہش بھی رکھو، لہٰذا تم کسی ایک کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو لٹکتی چھوڑ دو اور اگر اصلاح کا رویہ اختیار کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (النساء۔129)

فائدہ آیات: مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والا تمام بیویوں کے درمیان، خواہش کے باوجود من کل الوجوہ (ہر پہلو سے) برابری کا اہتمام کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ظاہری طور پر وہ باری باری ہر بیوی کے ساتھ ایک ایک رات گزارے، تب بھی وہ پیار و محبت کے معاملے میں یکسانیت برقرار نہیں رکھ سکتا کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے، جس پر انسان کا اختیار ہی نہیں۔ یقیناً کسی ایک کے ساتھ اسے دلی محبت تم اور دوسری کے ساتھ زیادہ ہو گی، لیکن اس دلی محبت کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جن معاملات میں تم یکسانیت اور انصاف کر سکتے ہو، ان میں بھی اس کا اہتمام نہ کرو اور بعض بیویوں کو درمیان میں چھوڑ دو۔ ان کی ضروریات زندگی کا خیال رکھو، نہ ان کی خواہشات کی تسکین کا۔ وہ شادی شدہ معلوم ہوں اور نہ مطلقہ۔ بلکہ اگر تم خلوص نیت سے اصلاح احوال میں کوشش اور اپنے اختیار کی حد تک تمام ظاہری معاملات میں برابری کا اہتمام کرتے رہو گے تو دلی میلان میں کمی بیشی کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تم اس میں بے بس ہو۔

عورتوں سے اچھا سلوک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو، اس لیے کہ عورت کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر کا حصہ ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا۔ اور اگر اسے چھوڑے گا تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، چنانچہ تم عورتوں کا خیال رکھا کرو۔'' (بخاری و مسلم)

اور صحیحین ہی کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے:

''عورت پسلی کی طرح ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرے گا تو توڑ دے گا۔ اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھائے تو اس کی کجی کی حالت ہی میں فائدہ اٹھا۔''

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے:

''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ یہ کسی طریقے سے بھی تیرے لیے سیدھی نہیں ہو گی۔ چنانچہ اگر تو اس سے فائدہ اٹھائے تو اسی کجی کی حالت میں فائدہ اٹھا، اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا تو اسے توڑ ڈالے گا اور اس کا توڑ دینا اسے طلاق دینا ہے۔''

ہر دو صورتوں میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، اس لیے کہ عورت فطری طور پر مرد سے کمزور بھی ہے اور کج فطرت اور کم عقل بھی۔ بنا بریں زیادہ عقل اور زیادہ صبر و قوت رکھنے والے مرد کو تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے اس کے ساتھ حسن سلوک ہی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس وصیت اور تاکید میں خوشگوار گھریلو زندگی کا راز مضمر ہے۔

2- جو لوگ اس کے برعکس عورت کے ساتھ بے رحمانہ اور متشددانہ رویہ اختیار کرتے اور سوچتے ہیں کہ اس طرح وہ اسے سیدھا کر لیں گے وہ خام خیالی میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کا گھر جہنم کدہ بنا رہتا ہے یا پھر (طلاق کی وجہ سے) اجڑ جاتا ہے، اور اگر بچے بھی ہوں تو ان کی زندگیاں الگ برباد ہو جاتی ہیں۔

www.urdugem.com

مزاح میں بھی شائستگی

رضیہ فصیح احمد

رائٹرز گلڈ بنا تو اس کے دفتر سے ایک رسالہ ہم قلم بھی جاری ہوا۔ محسوس ہوتا تھا کہ وہاں باری باری گلڈ کے سربرآوردہ ممبر بیٹھے تھے، شاید ہم قلم کے لیے مضامین بھی منتخب کرتے تھے۔ میں نے ایک افسانہ ''وحشت کرنا شیوہ ہے'' اور ایک مضمون ''رفتار بے ادبی'' بھیجا تو ابن انشا کا خط آیا۔ خط مضمون کی تعریف میں تھا۔ میں نے جواب میں شکریے کا خط لکھا اور ہماری خط و کتابت شروع ہوگئی جو بہت سال چلی۔ میں کیا لکھتی تھی یہ یاد نہیں۔ ابن انشا ایسی ہلکی پھلکی باتیں لکھتے تھے جیسے کالم لکھتے تھے۔ اس زمانے میں یونیسکو کی طرف سے سفر بہت کرتے تھے اور مجھے اکثر لکھتے تھے کہ آپ کے خطوط اور میرے سفر کا تعلق ہے' آپ کا خط سفر کی نوید بن کر آتا ہے۔ ان کی تحریر ایک انفرادیت لیے ہوئے تھی۔ ننھے منے جملے' جمے ہوئے الفاظ چھوٹے چھوٹے' کچھ ٹیڑھے ٹیڑھے۔ اور نہایت عمدہ لکھتے تھے' اختصار اور جامعیت لیے ہوئے۔ مزاح میں شائستگی ہوتی تھی۔

انشاجی 15 نومبر 1927ء کو جالندھر ڈسٹرکٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ پیدائشی نام شیر محمد خان تھا، سو گیارہ سال کی عمر میں شیر محمد خان کے نام سے شاعری شروع کی اور اصغر تخلص رکھا۔ پھر جلد ہی کچھ ایسی مایوسی طاری ہوئی کہ مایوس عدم آبادی کے نام سے لکھنے لگے۔ اس کے بعد قیصر صحرائی۔ اس نام سے دیوان کا مسودہ تقسیم ملک کے وقت ضائع ہوگیا تو ابن انشا نام ہوا' اور اچھا ہوا کیونکہ شیر خان بھی بہت ہیں اور محمد خان بھی بہت ہیں۔ مایوس اور صحرائی بھی مل جائیں گے مگر ابن انشا تو ایک ہی ہیں۔ اسی نام سے شہرت عام اور شہرت دوام پائی۔ پہلی نظم ابن انشا کے نام سے جنگ کے دنوں میں شاہکار میں چھپی۔ اس کے بعد ادب لطیف اور ہمایوں میں چھپتے رہے۔

ریڈیو پاکستان اور منسٹری آف کلچر سے بھی وابستہ رہے اور پھر نیشنل بک سینٹر، یونیسکو کی طرف سے جاپان، فلپائن، چین، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، ہندوستان، افغانستان، ایران، ترکی، فرانس، انگلستان، امریکہ اور جانے کہاں کہاں کے سفر کیے، سیر کی اور سفرنامے لکھے۔ ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ کہتے تھے کہ اب تو ٹک کر بیٹھنے اور ''قیام نامہ'' لکھنے کو جی چاہتا ہے۔

1949ء میں ان کی ''نظم بغداد کی ایک رات'' چھپی جس میں کچھ الف لیلوی کیفیت تھی اور خاصی مشہور ہوئی۔ اس کے بعد بس لکھتے رہے اور چھپتے رہے۔ شاعری کی کتابیں ہیں۔ ''اس بستی کے اس کوچے میں' چاند نگر اور دل وحشی'' سفرنامے ''آوارہ گرد کی ڈائری، دنیا گول ہے، ابن بطوطہ کے تعاقب میں، چلتے ہو تو چین کو چلیے اور نگری نگری پھرا مسافر ہیں''، مزاح میں خمار گندم، اردو کی آخری کتاب اور خط انشاجی کے۔

اخبار جنگ میں ''دخل در معقولات'' کے عنوان سے جو کالم لکھتے تھے وہ اور کالم نگاروں کے کالموں سے مختلف۔ ادبی مزاح کے حامل ہوتے تھے۔ یہی حال ان کے سفرناموں کا تھا۔ اس میں بھی پھلجھڑیاں چھوڑتے تھے۔ ہم اردو کی آخری کتاب کے جملے اکثر دہراتے تھے۔

چین جانے سے پہلے صبح جلدی اٹھنے کی علت میں فرماتے ہیں۔

''ایک بار تو جی میں آئی کہ نہ جائیں، چین تو کبھی بھی دیکھا جا سکتا ہے آج رات کی نیند ناحق خراب ہوگی۔'' ایسے جملوں پر قہقہے نہ لگائیں مگر مسکرانا تو پڑتا ہے۔

ویسے ابن انشا نے لکھا تو بہت کچھ، بچوں کی

نظموں سے لے کر ترجمے، 1960ء میں چینی نظموں کے ترجمے کیے۔ فرضی ناموں سے اور اپنے نام سے کالم، سفرنامے اور شاعری کی، مگر ایک خط میں میرے تواتر سے لکھنے پر رشک کا اظہار بھی کیا' شاید ان دنوں ان پر تعطل طاری تھا۔ ان کے نثری مجموعے آوارہ گرد کی ڈائری، ابن بطوطہ کے تعاقب میں اور اردو کی آخری کتاب ان کے اعلا مزاح پر دال ہیں تو ان کی شاعری ان کی حزنیہ اور حساس شخصیت کی گواہ ہے۔

ایک مرتبہ کراچی جانا ہوا تو ان سے پہلی مرتبہ نیشنل بک کونسل کے دفتر میں ملنا ہوا، جمیل الدین عالی بھی وہاں موجود تھے۔ ابن انشا نے عالی سے کہا۔

''فلاں صاحبہ کو فون کر کے کہو رضیہ آئی ہوئی ہیں، ان سے ملیں۔''

عالی صاحب بولے۔ ''اگر کہوں گا میجر کی بیوی ہے تو وہ نہیں ملیں گی۔''

ابن انشا نے کہا۔ ''کہہ دو میجر جنرل کی بیوی ہیں۔''

اسی طرح مذاق ہوتا رہا، فون وون تو نہیں ہوا مگر یہ ضرور ہوا کہ ابن انشا خطوں میں فصیح کو میجر جنرل لکھنے لگے۔ (جب فصیح کرنل ہوئے تب بھی میجر جنرل لکھتے رہے) اسی وقت بات عبدالعزیز خالد کی طرف جا نکلی۔ ابن انشا بولے۔

''بھئی ہم ایم اے پاس ہیں اور یہ جو عالی بیٹھے ہیں یہ بھی کم و بیش ایم اے ہیں' جب ہم لوگ ان کی شاعری نہیں سمجھتے تو کون سمجھتا ہوگا۔''

اسی قسم کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ میں شاید دونوں کے رعب میں کچھ بولی نہیں یا کم بولی۔ ابن انشا نے خط میں لکھا۔

''آپ کی شخصیت میں وہ شرارت بلکہ فتنہ انگیزی نظر نہیں آئی جو آپ کی تحریروں میں ہے۔''

اس کے بعد میں نے ان کو خط میں شاید لکھ دیا کہ ''آپ کی کیا بات ہے، بڑا دفتر، اونچی کرسی اور چاروں طرف کتابیں۔''

اس پر انہوں نے لکھا کہ ''کسی شخص کے لیے یہ پیشن گوئی ہوئی کہ تیرے آگے پیچھے کاریں ہی

www.urdugem.com

کاریں ہوں گی تو وہ بے چارہ ٹریفک کانسٹیبل بن گیا۔

کچھ دن بعد ایک خط میں لکھا کہ

''آپ کچھ برا لکھ ہی نہیں سکتیں۔ کچھ لوگ اچھا نہیں لکھ سکتے اس طرح کچھ لوگ برا نہیں لکھ سکتے۔''

پھر یہ بھی لکھا کہ بہت جلد آپ لوگوں کو پہلی صف میں نظر آنے لگیں گی۔ آپ پہلی صف میں تو ہیں مگر ابھی بہتوں کو نظر نہیں آتیں۔''

میرے افسانے پڑھتے تھے اور تعریف بھی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جب ہم مری میں مقیم تھے۔ ابن انشا اسلام آباد یا پنڈی میں قدرت اللہ شہاب کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ خط میں لکھا کہ ''اگر اس طرف آنا ہو تو آ کر ملیں۔''

اتفاق سے ہمارا ان ہی دنوں میں پنڈی جانا ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سیل فون کا تو نام و نشان بھی نہیں تھا، ویسے عام فون کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ فصیح نے کئی مرتبہ مختلف جگہوں سے فون کیا مگر ملازم کے علاوہ کسی سے بات نہ ہوئی۔ بعد میں ابن انشا نے بتایا۔

''شہاب صاحب کے گھر میں دوستوں میں گپ بازی ہو رہی تھی۔ ہم نے ملازموں کو منع کر دیا تھا کہ فضول مداخلت نہ کریں۔ ملازم بار بار آ کر بتاتا تھا کہ کسی کرنل کا فون ہے مگر فصیح صاحب کا نام غلط بتاتا تھا۔ ہم نہیں سمجھے کہ کون ہے۔ فصیح صاحب نے آپ کا نام کیوں نہیں لیا؟''

میں نے کہا۔ ''یہ تو میجر جنرل سے ہی پوچھنے کی بات ہے۔'' بہر حال اس وقت ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک مرتبہ خط میں مری آنے کی بات بھی کی مگر آئے نہیں۔

کراچی جب بھی جانا ہوتا تھا' عالی جی کی دعوت میں یا کسی جلسے میں ابن انشا سے بھی ملاقات ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی اسکول کے جلسے میں طالب علموں کا کوئی مقابلہ تھا۔ ابن انشا، میں اور ایک اور صاحب جج تھے۔ ابن انشا نے اعلان کیا بھئی میں نمبر دو نہیں دوں گا جو آپ دونوں فیصلہ کریں وہ ٹھیک ہے۔ وہ پورے مقابلے میں کھوئے کھوئے کسی سوچ میں گم بیٹھے رہے۔ ان کے کھو جانے کو کئی لوگوں نے محسوس کیا۔ نصر اللہ خان اور سحاب قزلباش نے بھی۔ اس وقت میں سوچتی رہی کہ ان کے فیصلہ نہ کرنے میں خدا جانے کیا مصلحت ہے۔

ان کے ذاتی حالات مجھے معلوم نہیں تھے، نہ کبھی خطوں میں ذکر کیا' نہ کالموں میں، ورنہ سفر ناموں وغیرہ میں آدمی کبھی نہ کبھی خاندان کا ذکر کر ہی دیتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی خط میں کچھ ایسی بات لکھ جاتے تھے جس سے محسوس ہوتا تھا کہ کچھ پریشانی ہے۔ ساتھ میں یہ بھی لکھ دیتے تھے کہ ایسی باتیں کسی خاتون سے نہیں کی جا سکتیں۔

پھر عرصے بعد ایک مرتبہ عالی جی کے ہاں ایک خوب صورت سی کشمیری نژاد خاتون نظر آئیں تو طیبہ آپا نے بتایا کہ ''ابن انشا کی بیگم ہیں۔ ان کی شادی قدرت اللہ شہاب کی بیگم عفت نے اپنی سہیلی سے کرا دی ہے۔''

پھر ان کے دو پیارے پیارے چھوٹے چھوٹے بچے دیکھے۔ نام سعدی اور رومی۔ اب تو ظاہر ہے کہ وہ بھی خوب بڑے ہو گئے ہوں گے اور بابا کا نام روشن کر رہے ہوں گے۔

پھر سنا کہ ابن انشا بیمار ہیں۔ حکومت نے برٹش میوزم میں اردو کے مخطوطات کا کام سپرد کر کے لندن بھجوا دیا ہے کہ ان کا علاج ہو سکے۔ اس زمانے کے حالات بہت تفصیل سے سحاب قزلباش نے لکھے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آپریشن کامیاب ہو گیا تھا اور تیسرے چوتھے دن وہ اسپتال کے وارڈ میں دوڑے دوڑے پھرتے تھے جس سے انگریز مریض بہت حیرت زدہ تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ 11 جنوری 1978ء کو اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

ان کی میت تابوت میں کراچی آئی ہے۔ ان کے بھائی محمود ریاض کے گھر اقبال ٹاؤن میں۔ ہم بھی گئے۔ ان کی زندگی میں بھی بعض اوقات ان کا گول مٹول چشمایا ہوا چہرہ دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کوئی صحت مند گول مٹول معصوم سا بچہ ہو۔

شیشے کے پیچھے صرف ان کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں، سدا کی سوچ کوچ کر گئی تھی۔ ہمیشہ کا ساتھی موٹے شیشوں کا چشمہ بھی ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ البتہ چہرے پر وہی سنجیدگی تھی جو ہمیشہ رہتی تھی۔ اس وقت عورتوں میں کچھ کھسر پھسر سنائی دی۔ معلوم ہوا کہ ابن انشا کا جوان بیٹا پنجاب سے جنازے میں شرکت کے لیے آیا ہے۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھے اور ان کی اولاد بھی تھی۔

میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں ان کے بہت نزدیکی دوستوں کے علاوہ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

نصر اللہ خان نے ابن انشا کے بارے میں لکھا کہ وہ اپنے خول میں رہ کر سب کچھ دیکھتے اور سنتے اور کبھی کبھی خول سے گردن نکال کر دنیا کے کاموں میں بھی شریک ہو جاتے۔ میں سوچتی ہوں کیا ان کی آنکھوں کی وہ خاص کیفیت اس بات سے وابستہ ہو سکتی ہے! کسی سے اس طرح کا تعلق ہونا، باپ ہونا اور سب کچھ تیاگ کر ایک نیا شہر بسا لینا کیا معمولی واقعہ ہے! ان ہی کا شعر ہے۔

انشا اب ان ہی اجنبیوں میں چین سے ساری عمر کٹے
جن کی خاطر بستی چھوڑی' نام نہ لو ان پیاروں کا

بہر حال ریاض کے گھر کے نزدیک کے چمن زار میں نماز جنازہ پڑھائی گئی جس کے بعد سنا ہے کہ اس کا نام ابن انشا پارک رکھ دیا گیا۔

ابن انشا کی کتاب چاند نگر میں ابتدائی نظمیں 1945ء کی ملتی ہیں۔ 1950ء کی نظموں میں وہ کیفیت صاف ملتی ہے جو چھپائے نہیں چھپتی۔ انہوں نے خود بھی لکھا ہے کہ عشق کرنا اور ناکام رہنا' اس سے بہتر ہے کہ عشق کیا ہی نہ جائے۔ اس وقت کے ان کے کلام میں ایک خاص قسم کے درد کا احساس ہوتا ہے۔ وہ جوگ بجوگ۔

تم نے کسی کا نام لیا اور آنکھوں میں اپنی آنسو بھر آئے۔

دل درد میں گھلتا رہے یہ کس کو گوارا ہے
ہم کو تو مگر یارو یہ درد ہی پیارا ہے

ایک نظم کا عنوان ہے ''انشا نے پھر عشق کیا۔''

شاعری میں اپنا ایک الگ انداز نکالا، کچھ اردو اور ہندی کے ملاپ سے امیر خسرو کا رنگ اپنایا۔ تیسرے مجموعے میں ان کی مقبول ترین نظمیں ہیں جو بار بار گائی بھی گئی ہیں۔

کل چودھویں کی رات تھی
انشا جی اٹھو اب کوچ کرو
اک انشا نام کا دیوانہ
یہ باتیں جھوٹی باتیں ہیں

یہ فن کے لحاظ سے بہتر ہوں گی مگر وہ دل کو چھو لینے والی کیفیت نہیں جو چاند نگر کے کلام میں ہے۔ خود انہوں نے چاند نگر کی طبع دوئم میں لکھ دیا۔

''چاند جو ناقابل حصول منزلوں کا سمبل تھا' انسانی کلوخ اندازی کی زد میں آ گیا۔ اعتقاد کے کعبے اجڑ گئے اور سوچ کی لہج پلٹ گئی۔''

ان کی نثر آپ نے ملاحظہ کی۔ جنگ کے بارے میں ان کے خیالات پڑھیے۔

''میرے لیے جنگ کسی اخبار کی موٹی سرخی نہیں بلکہ آگ اور تباہی کا نام ہے اور سپاہی محض وردی، بندوق اور تمغہ نہیں بلکہ کسی بیٹے، بھائی یا پیارے کا جسم اور روپ ہے۔''

گ گبرو ہے کہ بائیس بہاروں میں پلے
ل لاشہ ہے کہ دو روز کے اندر سڑ جائے

کیا کوئی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے؟ انشا جی چلے گئے۔ ان کے خطوط کی روشنائی بھی دھندلانے لگی ہے، مگر میں نے انہیں سنبھال کر رکھا ہے۔ میں اس بات کو اپنی خوش بختی سمجھتی ہوں کہ ادب کے ان شہ سواروں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ مجھ سے رابطہ رکھیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔

☆

www.urdugem.com

ماڈل اور فن کار

باتیں علی جوش سے

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''

''محمد علی جوش۔''

2 ''پیار کا نام؟''

''میری امی مجھے Aluu بلاتی ہیں۔ اسے آپ ''الو'' نہ سمجھیے گا اور دوست اسے جج بلاتے ہیں۔''

3 ''دنیا میں آمد؟''

''23 جولائی 1991ء اور لاہور میں جنم ہوا۔''

4 ''تعلیمی ڈگریاں؟''

''میجر ــــ ''میجر ان مارکیٹنگ اینڈ میڈیا۔''

5 ''بہن بھائی اور آپ کا نمبر؟''

''میں سب سے چھوٹا ہوں۔ مجھ سے بڑی ایک بہن اور ایک بڑا ــــ بھائی ہے۔''

6 ''شادی؟''

''ابھی نہیں ہوئی۔''

7 ''پہلا پروگرام / وجہ شہرت؟''

''پہلا پروگرام ''بے قصور'' تھا۔ عاطف حسین کی پروڈکشن تھی..... اور وجہ شہرت ''کم بخت تنو'' بنا اور ''آدھی گواہی'' بھی بہت پسند کیا گیا۔''

8 ''فیلڈ میں آمد پر اعتراض؟''

''والد صاحب نے کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے ساتھ بزنس کروں۔ مگر میرا رجحان کری ایٹو ورک کی طرف تھا تو بس انہوں نے اعتراض کیا تھا۔ ''ماما'' نے تو بہت سپورٹ کیا۔''

9 ''جدوجہد کے بعد مقام ملا یا.....؟''

''نہیں جی..... آسانی سے کچھ نہیں ملتا..... بہت محنت کے بعد کچھ حاصل کیا ہے۔ ''ماما'' کی سپورٹ سے سب کچھ ملا۔''

10 ''پہلی کمائی/کہاں خرچ کی؟''

''پہلی کمائی دس ہزار تھی اور وہ سب میں نے اپنی امی کو دے دیے تھے۔''

11 ''صبح اٹھ کر دل چاہتا ہے کہ؟''

''کہ میں دوبارہ سو جاؤں۔''

12 ''اپنے چہرے کے خدوخال میں کیا پسند ہے؟''

''اب اپنی تعریف کرنی پڑے گی..... مجھے اپنے بال بہت پسند ہیں۔''

13 ''گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟''

''اپنے بیڈ پہ سکون ملتا ہے۔''

14 ''شدید بھوک میں کیا کیفیت ہوتی ہے؟''

''اگر کوئی چلتا ہوا بکرا بھی نظر آجائے تو میں اسے ''چک'' (کاٹ لوں) مار کر کھا جاؤں..... بھوک برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

15 ''اپنے مسائل کس سے شیئر کرتے ہیں؟''

''اپنی امی سے کرتا ہوں۔''

16 ''گہری نیند سے کوئی اٹھا دے تو.....؟''

''کوئی مسئلہ نہیں اٹھ جاتا ہوں۔''

17 ''دوسرے انسان میں کیا بات نوٹ کرتے ہیں؟''

''کہ اس کے بات کرنے کا انداز کیسا ہے۔ غریبوں کو، امیروں کو اور دیگر لوگوں کو کس طرح ٹریٹ کرتا ہے۔''

18 ''آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟''

''کہ کبھی خود سے بھی بات کر لیا کرو۔''

19 ''اپنے آپ کو کب بے بس محسوس کرتے ہیں؟''

''جب میں کسی کی مدد کرنا چاہوں اور کر نہ پاؤں۔ میری جیب میں پیسے نہ ہوں اور چیک آنے میں بھی ٹائم ہو۔''

20 ''کس کے لیے وقت نکالنا مشکل ہے؟''

''اپنے لیے..... ماشاءاللہ اتنی مصروفیت رہتی ہے کہ اپنے آپ کو ٹائم نہیں دے پاتا۔''

21 ''آپ کے لیے کون جان دے سکتا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ میری فیملی کے سب لوگ میرے لیے جان دے سکتے ہیں۔''

22 ''دعا سے کچھ مل سکتا تو کیا مانگتے؟''

''ہدایت۔''

23 ''ایک شخص جس نے آپ کی زندگی کو بدل دیا؟''

''ماما..... (والدہ)۔''

24 ''جب پہلی مرتبہ نیا پین استعمال کرتے ہیں تو کیا لکھتے ہیں؟''

''کچھ بھی لکھنا شروع کر دیتا ہوں۔ ویسے زیادہ تر اپنے سائن ہی کرتا ہوں۔ کبھی ڈائیلاگ لکھنا شروع کر دیتا ہوں۔''

25 ''کوئی غلطی جس کو سوچ کر پشیمانی محسوس کرتے ہیں؟''

''جی..... جی..... نہ چاہتے ہوئے بھی کسی کا دل توڑ دیا تھا میں نے۔''

26 ''کبھی کھانے پینے پہ غصہ نکلا؟''

''کھانے کا تو شوقین ہوں، لیکن جب غصے میں ہوتا ہوں تو پھر کھانا پینا بھی چھوڑ دیتا ہوں۔''

27 ''کبھی سوچا کہ چند سال بعد آپ کہاں ہوں گے؟''

''بالکل سوچا ہے۔ میں چند سال بعد اسٹیج پہ اعلا کارکردگی کا ایوارڈ لے رہا ہوں گا۔''

28 ''کھانا گھر میں کون بہت اچھا پکاتا ہے؟''

''امی..... بہت اچھا پکاتی ہیں۔''

29 ''پسندیدہ ناشتہ اور کھانا؟''

''ناشتے میں میٹھا پراٹھا۔ بہت پسند ہے کھانوں میں مجھے دالیں بہت پسند ہیں، مٹن بہت پسند ہے۔ دیسی مرغی اور دیسی کھانے بہت پسند ہیں۔''

30 ''کبھی خود کچن میں گئے؟''

''جی گیا ہوں اور ایک بار فرائیڈ انڈا بنایا تھا۔ زردی نہیں ٹوٹنے دی تھی (قہقہہ)۔''

31 ''موڈ کب خراب ہوتا ہے؟''

''کبھی بھی خراب ہو جاتا ہے اور اکثر مجھے خود بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا موڈ کیوں خراب ہے۔''

32 ''الہ دین کا چراغ ہاتھ آجائے تو؟''

''تو اس کے جن سے کہوں گا کہ مجھے ''سپر مین'' بنا دے۔''

33 ''رویے جو دکھ کا باعث بنتے ہیں؟''

''کوئی بدتمیزی کرے، کوئی عزت نہ کرے، تو بہت دکھ اور افسوس ہوتا ہے۔''

34 ''بوریت دور کرتے ہیں؟''

''دوستوں کے ساتھ گھوم پھر کر، اچھا کھانا کھا کر، کوئی اچھی مووی دیکھ کر۔''

35 ''تنہائی میں کس سے ہم کلام ہوتے ہیں؟''

''اللہ سے۔''

36 ''بھروسے کے قابل کون ہوتا ہے،

www.urdugem.com

لڑکیاں یا لڑکے؟"

"دونوں ہو بھی سکتے ہیں، دونوں نہیں بھی ہو سکتے۔ کیونکہ دھوکے تو دونوں سے ہی کھائے ہوئے ہیں۔"

37 "اپنی شخصیت میں کیا بدلنا چاہتے ہیں؟"

"سوچتا زیادہ ہوں۔ عمل کم کرتا ہوں۔ اس چیز کو بدلنا چاہتا ہوں۔"

38 "قسمت پہ کتنا یقین ہے؟"

"قسمت پہ بہت یقین ہے کیونکہ مجھے سب کچھ قسمت سے ہی ملا ہے۔ میں نے اتنی محنت نہیں کی جتنا اللہ نے مجھے نوازا ہے۔"

39 "کیا دعا سے قسمت بدل جاتی ہے؟"

"بالکل بدل جاتی ہے اور قسمت بدلنے کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک دعا دوسری ہمت۔"

40 "اللہ سے کوئی شکوہ؟"

"کوئی نہیں، اس کی رضا میں راضی ہوں۔"

41 "کبھی چھٹی حس ایکٹو ہوئی؟"

"بڑی دفعہ..... الہام ہوا بہت بار..... اور یہ میری چھٹی حس ہی تو تھی کہ میں اپنے آپ کو اس فیلڈ میں دیکھتا تھا۔ مجھے اپنی حرکتوں میں ہیرو نظر آتا تھا۔"

42 "گھر آ کر پہلی خواہش؟"

"امی سے ملنا اور اپنی بھتیجی "عنایا" سے جو ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہوگئی ہے۔"

43 "کون سی تقریبات میں جانا اچھا لگتا ہے؟"

"مجھے شادی میں جانا اور خاص طور پر مہندی کی رسم میں جانا اچھا لگتا ہے۔"

44 "تحفہ دیتے ہیں یا کیش؟"

"میں تو کیش دیتا ہوں۔"

45 "سائنس کی بہترین ایجاد؟"

"کاغذ۔"

46 "جھوٹ کب بولتے ہیں؟"

(قہقہہ) "جھوٹ بولتا ہوں کسی بھی بری سچویشن سے بچنے کے لیے یا اس وقت کہ کسی کا دل نہ دکھے۔ مگر اس کوشش میں زیادہ دل دکھا دیتا ہوں۔"

47 "زندگی کب بری لگتی ہے؟"

"کبھی بری نہیں لگتی..... تب بری لگتی ہے جب میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہوں۔"

48 "شوبز کی ایک برائی؟"

"منہ پر اچھے ہوتے ہیں اور آپ کے پیچھے آپ کی برائیاں کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی کاٹ کرتے ہیں۔"

49 "چھٹی کا دن کیسے گزارتے ہیں؟"

"آرام کرتا ہوں۔ مساج کرواتا ہوں۔ پارک میں جاتا ہوں۔ کبھی کبھی دوستوں سے بھی مل لیتا ہوں مگر زیادہ آرام کرتا ہوں۔"

50 "موبائل سروس آف ہو تو؟"

"مجھے فون کی پرواہ نہیں ہوتی۔ میں جہاں پہ ہوتا ہوں، میں وہیں ہوتا ہوں۔ زندگی کو انجوائے کرتا ہوں۔ بندے تو بند ہونے دیں۔"

51 "کوئی مسلسل گھورے تو؟"

"میں اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوں اور آگے نکل جاتا ہوں۔"

52 "پورے دن میں پسندیدہ وقت؟"

"صبح کا۔"

53 "کب چیخنے چلانے کو دل چاہتا ہے؟"

"جب کوئی مجھ سے "پنگا" لے لے تب۔"

54 "زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟"

"کسی پارٹنر کی۔"

55 "سات دنوں میں اچھا دن؟"

"ہفتہ اور جمعہ۔"

56 "سات دنوں میں بُرا دن؟"

"پیر کا دن..... آرام کے بعد کام پہ جانا ہوتا ہے۔"

57 "بارہ مہینوں میں پسندیدہ مہینہ؟"

"جولائی کیونکہ برتھ ڈے ہوتی ہے میری۔"

58 "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"

"بیٹا! یہ دوستیاں، یاریاں کچھ نہیں ہوتیں۔ دوستوں پہ ٹائم ضائع نہ کیا کرو۔ یہ نصیحت بری لگتی ہے۔ مگر اس میں حقیقت بھی ہے۔"

59 "ایک رشتہ جس نے دکھ دیا؟"

"جس سے پیار کیا اس نے دکھ دیا۔"

60 "غصہ کب آتا ہے؟"

"جب ناانصافی ہو رہی ہو۔"

61 "غصے کا ردعمل؟"

"میں بولتا ہوں۔ اسٹینڈ لیتا ہوں۔ حق کے لیے آواز اٹھاتا ہوں۔"

62 "فقیر کو فوری طور پر کیا دیتے ہیں؟"

"جتنا اس کا حق ہوتا ہے۔"

63 "کن باتوں پہ کنٹرول نہیں ہے؟"

"ہائے..... دل پہ کنٹرول نہیں ہے۔"

64 "کیا محبت ایک بار ہوتی ہے؟"

"نہیں..... بار بار ہوتی ہے۔"

65 "کبھی مانگ کر تحفہ لیا؟"

"نہیں جی۔"

66 "اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں؟"

"کر لیتا ہوں۔ کر لینا بھی چاہیے۔"

67 "سفر کرنا اچھا لگتا ہے۔ بس میں، رکشہ، بائیک یا کار؟"

"میں نے ان سب سواریوں پہ سفر کیا ہے۔ مگر اب اپنی کار پہ سفر کرتا ہوں۔"

68 "آپ کی کوئی انوکھی خواہش؟"

"میں خود سے فلمیں بنانا چاہتا ہوں۔ اور دنیا گھومنا چاہتا ہوں۔"

69 "ٹین ایج کا پیار سچا ہوتا ہے یا نادانی ہوتی ہے؟"

"سچا بھی ہو سکتا ہے۔ میرے بھائی کا پیار سچا تھا انہوں نے شادی کر لی اور میرا پیار نادانی ثابت ہوا کہ "وہ" لندن چلی گئی۔"

70 "کن چیزوں پہ بہت خرچ کرتے ہیں؟"

"زیادہ تر دوستوں کے ساتھ کھانے پینے پہ۔ گھومنے پھرنے پہ اور کپڑوں پہ۔"

71 "گھر والوں کی کس بات پہ موڈ آف ہو جاتا ہے؟"

"گھر والے جب میری بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔ رات کو دیر سے گھر آنے پہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ مطلب پابندیاں لگانے پر۔"

72 "فٹ پاتھ پہ کھڑے ہو کر کن چیزوں کا جائزہ لیتے ہیں؟"

"میں آس پاس کی چیزوں کو دیکھتا ہوں۔ درختوں کو گھاس کو، آسمان کو..... اللہ کی تخلیقات کو۔"

73 "گھر میں کس کے غصے سے ڈرتے ہیں؟"

"اپنے ابو کے غصے سے۔"

74 "اپنی کوئی اچھی عادت؟"

"میں پیسوں کے معاملے میں بالکل بھی لالچی نہیں ہوں۔ سب کا بھلا، سب کی خیر سوچنے والا بندہ ہوں۔ حسد نہیں جلن نہیں۔"

75 "اور بُری عادت؟"

"دوسروں کی بہت زیادہ بھلائی کبھی کبھی گلے پڑ جاتی ہے اور لاپرواہ بہت ہوں۔"

76 "آدھی رات کو آنکھ کھل جائے تو؟"

"کچھ دن پہلے آدھی رات کو آنکھ اس لیے کھل گئی کہ مجھے بہت برا خواب آیا تھا تو میں نے دوست کو فون کر لیا تھا..... ویسے عموماً کھلتی نہیں آنکھ۔"

77 "ملک میں کوئی تبدیلی ضروری ہے؟"

"بہت ساری تبدیلیاں ضروری ہیں مثلاً لاء اینڈ آرڈر، عدالتیں، ہیلتھ، پولیس اور تعلیمی نظام میں تبدیلیاں ضروری ہے اور مزید بھی لمبی فہرست ہے۔"

78 "کس ملک کے لیے کہتے ہیں کہ کاش ہمارا ہوتا؟"

"سوئیڈن۔"

www.urdugem.com

79 ''بستر پر لیٹتے ہی سو جاتے ہیں یا کروٹیں لیتے ہیں؟''

''کبھی تھکا ہوا ہوتا ہوں تو سو بھی جاتا ہوں کبھی کروٹیں بھی بدلتا رہتا ہوں۔''

80 ''کھانے کے لیے بہترین جگہ چٹائی، بیڈ یا ڈائیننگ ٹیبل؟''

''پہلے نمبر پہ چٹائی، دوسرے نمبر پہ اپنا بیڈ اور تیسرے نمبر پہ ڈائننگ ٹیبل۔''

81 ''خواتین کب بری لگتی ہیں؟''

''جب وہ بہت زیادہ سوال کرتی ہیں۔ شک کرتی ہیں اور نگیٹو سوچتی ہیں۔''

82 ''پیسہ کس شکل میں جمع کرتے ہیں؟''

''کیش میں، ویسے میرا پیسہ ڈائریکٹ میرے اکاؤنٹ میں آجاتا ہے۔''

83 ''اگر ایک قتل کی اجازت ہوتی تو کس کو قتل کرتے؟''

''آج کے دور کے سب سے بڑے فرعون کو مار دیتا میں۔''

84 ''آپ کے سرہانے کیا کیا چیزیں لازمی ہوتی ہیں؟''

''میرا والٹ، پانی کی بوتل، گھڑی، موبائل وغیرہ۔''

85 ''آپ کی ایک عادت جو آپ کے گھر والوں کو پسند نہیں؟''

''میری آوارہ گردی اور وقت پر گھر نہ آنا۔''

86 ''اپنی کمائی سے سب سے قیمتی چیز کیا خریدی؟''

''ابھی تک تو کچھ نہیں خریدا اور اگر خریدوں گا بھی تو کپڑے، جوتے یا گھڑی لوں گا۔''

87 ''کن چیزوں کو لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتے؟''

''فون، والٹ اور چابی۔''

88 ''آپ عام لوگوں سے کتنے مختلف ہیں؟''

''میں ہوں تو عام لوگوں جیسا مگر میری زندگی دوسروں سے کافی مختلف ہے۔''

89 ''سمندر کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟''

''بے اختیار سبحان اللہ پڑھتا ہوں۔''

90 ''فوبیا ہے آپ کو؟''

''الحمد للہ نہیں ہے۔''

91 ''لوگ گرنے والوں پہ ہنستے کیوں ہیں؟''

''کیونکہ وہ خود نہیں گرے ہوتے۔ یا شاید انہیں یہ چیز فنی لگتی ہے۔''

92 ''خدا کی حسین تخلیق؟''

''چاند۔''

93 ''لوگ آپ سے مل کر پہلا جملہ کیا بولتے ہیں؟''

''کچھ خاص نہیں۔ حال چال پوچھتے ہیں۔ کوئی اجنبی ہو تو ٹی وی ڈراموں کے بارے میں پوچھتا ہے۔''

94 ''خودکشی کرنے والا بہادر ہوتا ہے یا بزدل؟''

''بزدل۔''

95 ''کس مشہور شخصیت کے ساتھ ایک شام گزارنا چاہتے ہیں؟''

''نجے دت۔''

96 ''ٹی وی آن کرتے ہی پہلا پروگرام کون سا دیکھتے ہیں؟''

''اپنا ڈرامہ ''کم بخت تنو۔''

97 ''اخبار یا میگزین کا سب سے پہلے کون سا صفحہ پڑھتے ہیں؟''

''میڈیا والا۔''

98 ''ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں؟ کبھی یہ جملہ آپ پر فٹ آیا؟''

''ہاں جی، بہت بار۔''

99 ''وقت کی پابندی کرتے ہیں؟''

''بہت مشکل سے۔''

100 ''اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟''

''کوئی مسئلہ نہیں کچھ اور کر لیں گے۔''

محبتیں گلاب اور جگنو

ادارہ

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کریں گے
شہر اک محبتوں کا تعمیر کریں گے
ایسی اجاڑ شامیں اگلے برس نہ آئیں
اب کے بہار رت کو اسیر کریں گے

وقت ہے کہ ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے۔ جیسے اسے پر لگ گئے ہوں 2017ء کا سفر بھی اختتام کو پہنچا۔ ہر نئے سال کی آمد پر ہم دوستی کے، محبتوں کے، بہار رت کو اسیر کرنے کے، ادھورے کام مکمل کرنے کے پیمان باندھتے ہیں لیکن ماضی جیسا بھی ہو، انسان بھول نہیں سکتا' بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھتا ہے، اچھی بری یادیں ذہن پر دستک دیتی ہیں۔ 2017ء جیسے بھی بیتا، بیت گیا۔

سال بیت گیا' رنج کا' آلام کا سال
عالمی امن کی ایک خواہش ناکام کا سال
جس میں ایک لمحہ سکوں ہم کو میسر نہ ہوا
آج گزرا ہے وہی کرب کا' آلام کا سال

نئے سال کے آغاز پر ہم نے قارئین سے اسی حوالے سے سوال کیے ہیں۔ سوالات یہ ہیں۔

1- سپاٹ سے گزرتے شب و روز میں کچھ باتیں' کچھ یادیں' کچھ تعریفی جملے' کچھ محبتیں ہمیشہ گلاب بن کر مہکتی ہیں۔ جگنو کی طرح ذہن کے پردوں پر جھلملاتی ہیں۔ سال گزشتہ کی کوئی یاد' کوئی بات' کوئی خوش کن جملہ' کوئی سراہتی نظر، کوئی معصوم سی شرارت جو آپ کی یادوں کا حصہ ہو۔

2- زندگی میں ہم اچھے برے بہت سے کام کرتے ہیں۔ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جنہیں کر کے ہمیں اطمینان اور ذہنی سکون کا احساس ہوتا ہے۔ کوئی ایسا کام لکھیں جو آپ نے بے لوث، صرف دوسروں کی خوشی کے لیے کیا ہو۔

3- 2017ء میں بہت سی تحریریں آپ نے پڑھیں، کوئی ایسا جملہ جو آپ کے دل کو چھو گیا۔ آپ کو بہت اچھا لگا۔

عمیمہ راشد..... بھارت

1: ہر گزرتا سال ہمیں وہ سب دے کر جاتا ہے جو وہ ہمارے لیے لے کر آتا ہے۔ چھوٹی بڑی خوشیاں، کچھ کامیابی، کچھ پیارے رشتوں کا ملنا اور کبھی بہت پیاروں کا کھونا۔ اور یہ سب چیزیں کہیں نہ کہیں اندر تک ہمیں بدل دیتی ہیں۔ سکھاتی، سمجھاتی، بہادر بناتی، خوف زدہ کرتی ہمیں تبدیل کر ہی دیتی ہیں۔ گزشتہ سال کی سب سے پیاری بات کچھ نئے دوستوں کا بننا ہے۔ جنہوں نے میرے سنجیدہ مزاج کو بدلنے کی کافی کوشش کی ہے۔ میری حس مزاح جو کو ما میں تھی' وہ ان کی وجہ سے تھوڑی تھوڑی

www.urdugem.com

جاگنے لگی ہے۔ کچھ مشکل حالات تھے جو اللہ نے آسان کر دیے اور یہ حالات جب بدلے تو پہلے سے زیادہ سمجھ دار کر گئے۔ زندگی کی حقیقت کو کچھ اور قریب سے دیکھا۔

2: دوسروں کی بے لوث خدمت کرنا یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنوں کی بے لوث خدمت کر سکیں، جو ہم پر فرض ہوتی ہے۔ وہ رشتے جو ہم پر حق رکھتے ہیں' ہم انہیں ہی ٹھیک سے ادا نہیں کرتے تو دوسروں کے حق ادا کیا کریں گے۔ غیبت کرنا۔ پیٹھ پیچھے برا بولنا۔ مذاق اُڑانا۔ عیب جوئی کرنا۔ رازوں کی پردہ پوشی نہ کرنا۔ کوئی سدھرنا چاہے یا کچھ سیکھنا چاہے تو اسے اس کی پرانی باتیں یاد دلانا۔ ہم جب ان سب کاموں میں اتنے مصروف ہیں تو بے لوث خدمت کیسے ممکن ہے؟ ہم اجتماعی طور پر اسی لیے ہر جگہ خوار ہو رہے ہیں کیونکہ ہم اکائی کے طور پر ٹھیک نہیں ہیں۔ اللہ ہم سے بڑے بڑے کام کیسے لے گا جب ہم چھوٹے چھوٹے کام ٹھیک سے نہیں کر رہے۔

3: خواتین اور شعاع ڈائجسٹ نے کہانیوں میں اتنی جدّت اور نیا پن دیا ہے کہ پڑھ کر مزا آ جاتا ہے۔ ہر بار کچھ نیا پڑھنے کے لیے ملتا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے، کہانیوں کا معیار بلند ہو رہا ہے۔ کچھ کہانیاں تو ایسی ہوتی ہیں کہ پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ خوشی ہوتی ہے کہ پاکستان میں خواتین ایسی تحریریں لکھ رہی ہیں جو اردو ادب کو آگے لے کر جا رہی ہیں۔ ہم یہاں انڈیا میں بیٹھ کر ڈائجسٹ پڑھتے ہیں اور کہانیوں کے ذریعے پورا پاکستان گھوم پھر لیتے ہیں۔ کبھی لاہور جاتے ہیں، کبھی گوجرانوالہ اور کبھی کراچی۔

ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کا رنگ دوسری تحریر سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لکھنے والے کی سوچ، محنت، جدوجہد اور سوجھ بوجھ کو ظاہر کرتا ہے۔ کچھ کہانیوں کے رنگ اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے یاد رہ جاتے ہیں۔

ایسی ہی ایک کہانی لکھی سمیرا حمید نے ''دینا فضل کریم'' کی۔ نائی سے شیف بننے کا سفر۔ اس کہانی کا جملہ۔

''کیک کے اس آخری حصے پر ایک آنسو گرا۔ اجزاء میں سب سے قیمتی، اور دنیا کے بازار میں سب سے سستا۔''

یہ جملہ مجھے بہت پسند ہے۔ جو دل کو چھو لینے والا ہے۔

عطیہ خالد.....لاہور

(1) لمبے علاج کے لیے گھر سے دور، ملک سے دور، ہسپتال میں رہنا پڑا۔ تین ماہ بعد بچوں سے ملاقات ہوئی۔ کئی سال بعد (کہ مرض کی نوعیت ہی کچھ ایسی رہی تھی) میں نے ان کو اپنے ساتھ لپٹایا، ان کی خوب صورت اور محبت سے بھری ہوئی آنکھوں کو چوما۔ یہ ایسا لمحہ تھا کہ اس کا بیان لفظوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا

اظہار زبان سے ممکن نہیں۔ یہ منظر دل سے دل تک سفر کرتا ہے اور دل والوں میں ہی پہچانا جاتا ہے۔ انسان اپنی زندگی میں بہت سی چیزوں کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے لیکن پھر آخر کار جان ہی جاتا ہے کہ صحت، اور اولاد سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ جسے تن درستی اور دل کا سکون حاصل ہے' اسے سب کچھ حاصل ہے۔ جسے اللہ کی دی ہدایت نصیب ہے، اصل میں وہی تو خوش نصیب ہے۔

(2) انسان کب محض دوسروں کی خوشی کی خاطر کچھ کرتا ہے۔ اپنی زندگی کا جائزہ لوں تو نظر شرمندہ ہو کر لوٹ آتی ہے۔ دل میں تڑپ ہے کہ ابو بن ادھم جیسی، انسان سے بحیثیت انسان محبت کرنا چاہتی ہوں اور بہت حد تک اس میں کامیاب ہوں۔ اب تک کی زندگی نے عجب عجب اسباق پڑھائے ہیں۔ انسانی رویوں نے حیرت کے سمندر میں پھینک دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر انسان بے شمار پرتوں میں چھپا ہوا ہے۔ اس کے باوجود کمر ہمت کسی ہوئی ہے۔

چھوڑیں گے نہ ہم کوشش تعمیر نشیمن کی
گرتی ہے اگر برق تو سو بار گرے اور

سال گزشتہ میں بہت سارے لوگوں کے لیے موجود گلے شکووں کو دل سے نکال باہر کیا۔ دل کو دھو مانجھ کر نئے سرے سے محبتوں کے لیے تیار کیا ہے۔ کوشش تو یہی ہے کہ جب تک جسم میں دم ہے، خود کو ہر روز نئی منزلوں کے لیے تیار کرتے رہنا ہے۔ کبھی ہمت نہیں ہارنی بس۔

(3) کتابیں میری زندگی کا حصہ بھی ہیں اور میری زندگی بھی۔ اب تو لکھنا بھی زندگی بن گیا ہے۔ میں ڈائجسٹ کی ہر تحریر کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس لیے متاثر کرنے والی تحریروں کی فہرست طویل ہے۔ کبھی کوئی جملہ، کہانی کا خیال، کردار کی اٹھان دل و دماغ پر قابض ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی کہانی کا ماحول دل کو خوش کر دیتا ہے۔ وہ گاؤں کی پگڈنڈیاں ہوں یا شہر کے پر رونق چوراہے، ایسا لگتا ہے لکھنے والے کی انگلی تھامے تھامے، ہم سارا جہان گھوم رہے ہیں۔ یہاں وہاں سب سے مل رہے ہیں۔ کہیں چہک رہے ہیں تو کہیں آبدیدہ ہیں۔ اس سال پھر سے راجہ گدھ اور پیار کا پہلا شہر پڑھیں۔ متاثر پہلے بھی تھی، اب اور زیادہ ہو گئی کہ کچھ دہائیاں پہلے کتنی خوب صورت تحریریں لکھی گئی ہیں۔

ہمارے ڈائجسٹ کی حسن المآب اپنے حسن میں کسی سے کم تھوڑی ہے۔ پھر ایمل کی سرخ آندھی اور رقصم۔

دوران سال کئی تحریروں کے کئی جملوں نے بے حد متاثر کیا۔ لیکن سمیرا حمید کے ناول ''راہ نورد شوق'' کا جملہ۔

''خدا کے پاس ہمارے لیے جو کچھ ہے' اسے پانے کے لیے ہمیں ہمارے پاس جو ہوتا ہے وہ دینا ہوتا ہے۔ معجزے بھی ہماری ثابت قدمی پر ہی ہوتے ہیں۔'' دل و

www.urdugem.com

دماغ پر نقش ہو گیا۔

ہاجرہ عمران خان.....لاہور

اگر سروے میں آئندہ سال کے منصوبے اور امیدیں خواب پوچھے جاتے تو بہت لمبی لمبی چھوڑنی تھیں مگر یہ کیا جناب سوالات ایسے کہ فوراً ہی اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ سیدھا دل کی تاروں کو چھیڑ دیا۔

(1) سال گزشتہ کی سب سے خوب صورت ترین یاد نومبر 2017ء میں ہر دلعزیز بھائی، شیراز اسلم کی شادی خانہ آبادی رہی۔ تمام بہن بھائیوں کے بعد آخری نمبر والے بھائی کی شادی تھی اس لیے جی بھر کر اس سے لطف اندوز ہوئے.....شادی سے زیادہ شادی کی تیاری اور مہندی سے زیادہ مہندی کی تیاری گانے، ڈانس، مل کر بیٹھنا اور رات رات تک محفلیں سجانا 2017ء کو یادگار ترین سال بنا گیا۔

شادی کی خاص بات یہ تھی کہ یہ خالصتاً بھائی کی پسند سے انجام پائی اور جس کے انتظار میں بھائی نے کم از کم آٹھ سال انتظار کیا۔

پیاری بھابھی کے بھائی نے اسٹیج پر چڑھنے سے پہلے ایک ہاتھ میں دلہن اور دوسرے میں دولہا کا ہاتھ تھاما تو سارا ہال تالیوں اور سلیم بھائی کی سیٹیوں سے گونج اٹھا جب شہباز بھائی نے دلہن کا ہاتھ دولہا کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ لمحہ میری زندگی کا یادگار ترین لمحہ ہے۔ میرے مسٹر یعنی عمران خان صاحب نے جس طرح پوری شادی کا فنکشن مینج کیا اور اپنے تعاون سے بڑے بھائی کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا' اس کے لیے ان کی بے انتہا ممنون بھی ہوں اور ان کی محبتوں کی قرض دار بھی کہ شادی کے اختتام پر ان کا جملہ دل پر تحریر ہے کہ۔

''میری بیوی سب سے خوب صورت لگ رہی تھی۔''

(2) زندگی میں ہم اچھے، برے، بہت سے کام کرتے ہیں۔ ان سے ہمیں اطمینان اور ذہنی سکون بھی حاصل ہوتا ہے۔ ایسا کام بے لوث ہو اور دوسروں کی خوشی کا باعث بھی ہو تو اور بھی زیادہ اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ ایک ایسی ہی تحریر 2017ء میں اپنی نئی نویلی بھابھی کے لیے لکھی اور جب انہیں پڑھنے کا موقع ملا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ جسے دیکھ کر مجھے دکھ بھی ہوا اور خوشی بھی، تحریر افسانے کی شکل میں تھی۔ ''محبت کی فاتح شہزادی'' اس کے علاوہ الحمدللہ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ اپنے پاس ذاتی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی کسی کی مدد دل کی مسرت اور بے پایاں خوشی کا باعث بنی ایسی بہت سی بے لوث اور محبت بھری دعائیں ہیں جن کے زیر سایہ زندگی گزر رہی ہے۔

(3) 2017ء میں بہت سی تحاریر پڑھیں میں اتر گئے۔

''اللہ کو تم سے کوئی چیز چھین لینا مقصود نہیں ہے، وہ صرف تمہیں کھو دینے کے خوف اور پا لینے کے لالچ سے آزاد کر کے ایک مضبوط انسان بنانا چاہتا ہے۔''

یہ جملہ بے حد، بے انتہا پسند آیا.....مگر سوچتی ہوں انسان کبھی کھو دینے کے خوف اور پا لینے کے لالچ سے باہر نہیں آیا اور جو آ گئے وہ شاید وقت کے ولی بن گئے۔

نوال افضل گھمن.....گلستان جوہر، کراچی

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی زندگی تمام ہوتی ہے

وقت کا سائیکل اپنے پہیے کو گھمائے جا رہا ہے۔ پیارے بچھڑے، نئے سنگی ملے اور نئی رفاقتوں نے پرانی جدائیوں کے زنگ کو خلوص سے چاٹ کر اپنی محبت کی چاشنی بخشی۔ دیار غیر میں (کراچی) ساجدہ بھابھی 'شازمی اور رانی (ملیر کینٹ) کی پرخلوص محبتوں نے کبھی نہ چکا پانے والے قرض میں مقروض کر لیا۔ رب کریم' کراچی کی روشنیوں اور باسیوں کی خیر ہو' ہر دم خیر۔

(1) گزشتہ سال رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں میں، قراۃ العین کی آمد نے میری فیملی کو مکمل فیملی میں ڈھال دیا۔ رب کریم کی رحمت نے آنگن میں خوشیوں کے ڈیرے جما دیے.....طٰہٰ ابراہیم اور عینی کی مصروفیت تھکا دیتی ہے تو روز جینے کا حوصلہ بھی عنایت کرتی ہے

(2) 2017ء کی تحریریں جن میں ایمل رضا، سمیرا حمید جی، فرزانہ کھرل صاحبہ، ثمرہ جی، فریدہ فرید، اسپیشلی سمیرا حمید کا کتاب کہانی کافی موٹی ویشنل تھا۔ مصروفیت کی بنا پر جاب اور گھر کے کام' شمار سارے نہیں پڑھے جا سکے مگر الماری میں محفوظ ہیں۔

(3) دوسروں کی خوشی میں کیے جانے والے کام خالص رب کی رضا کے لیے ہوتے ہیں تو پھر میں بندہ ناچیز نشر کیسے کروں۔ فقیری لائن سے شغف ہے۔ آگے آپ سمجھ جائیں نا۔

مسرت الطاف احمد.....کراچی

(1) گزشتہ سال کے حوالے سے یادوں کی حسین وادیوں میں چلتے ہوئے جب ماضی کے اس پل کو یاد کرتی ہوں تو آج بھی لبوں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ سردیوں کی آمد سے ہی میرے پاپا جان کو سوپ پینے کی طلب شدت سے ہوتی ہے۔ آفس سے کال کر کے ہی سوپ بنانے کی فرمائش کی جاتی ہے۔ اب وہ چکن سوپ ہو یا ویجیٹیبل، کارن سوپ ہو یا جھینگے کا سوپ۔ خیر' ایک دن میں نے جھینگے کا سوپ بنایا جو پاپا جان کو اتنا پسند آیا کہ نہ صرف ابو نے مجھے گفٹ کے طور پر پیسے بھی دیے اور یہ بھی کہا۔ اس سوپ کا ٹیسٹ کراچی کے ایک معروف ریسٹورنٹ جیسا ہے۔ ابو کھانے پینے کے معاملے میں کافی کانشس ہیں۔ امی کے علاوہ کسی کے بھی ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کرتے۔

www.urdugem.com

میرے ابو کا یہ جملہ اور میری تعریف کرنا' وہ لمحہ میرے لیے بہت ہی انمول احساس تھا۔

ایک دن میٹنگ میں میم نے سب کے سامنے میرے لیے کہا۔ ''آپ پنکچوئل ہو، ریگولر ہو، رسپانسبل اور ایکٹو ہو۔ ہمیں ــــ تمہاری جیسی ٹیچر کی ضرورت ہے۔

آج بھی جب وہ لمحہ یاد کرتی ہوں' لبوں پر بہت گہری مسکراہٹ اپنا احاطہ کرتی ہے۔

(2) زندگی میں خوش رہنے کے لیے خوشیاں بانٹنا ضروری ہے۔ آپ کی خوشیاں آپ کے اندر نہیں بلکہ دوسروں کی خوشیوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ میرا ایک سویٹ سا بھانجا محمد راحیل جو پڑھنے کے معاملے میں بہت ضد اور تنگ کرتا ہے' اچھے اسکول میں ایڈمیشن کے باوجود اس کی پڑھائی ایوریج ہی رہی۔ ابو نے مجھے راحیل کو پڑھانے کے لیے کہا' میں نے فوراً منع کر دیا۔ میری روٹین ویسی ہی بہت ٹف تھی۔ ابو نے جب ریکویسٹ کی تو میں نے ہامی بھر لی۔ دو گھنٹے شام کو ٹیوشن دینا پڑا اور جاب اور ساتھ ساتھ گھر کے کام وغیرہ، روٹین تو بہت زیادہ ٹف ہو گئی تھی لیکن ۔ گھر والوں کی خوشی کے لیے میں نے محنت کی۔ خیر راحیل کا رزلٹ جب آیا تو وہ شاندار نمبروں سے فرسٹ پوزیشن پر تھا۔ میں جب اسکول سے آئی تو پورا ہال تالیوں کے شور سے گونج اٹھا۔ سب کی خوشی دیدنی تھی۔

ہمارا ٹیرس گارڈن کا منظر پیش کرتا ہے۔ مختلف قسم کے پودے اور بیلیں لگی ہوئی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کرنا' ان کو پانی دینا، گوڈی کرنا اور ان کے ساتھ وقت گزارنے سے مجھے دلی تسکین ملتی ہے۔

(3) ایسے بہت سے ناولز ہیں جس میں کوئی نہ کوئی جملہ ایسا ضرور ہے جو دل کو چھو جائے' مسمرائز کر دے۔

سائرہ رضا کا ناول ''حسن المآب''

''حسنل کو موسیٰ مل گیا اور مجھے اللہ۔'' یہ جملہ بہت ہی ہارٹ ٹچنگ تھا' نعیمہ ناز کا ناول ''فسانہ زندگی'' کا یہ جملہ دل میں اترتا ہوا محسوس ہوا۔

''ہمارے والدین ہماری ضدوں، فرمائشوں، ضرورتوں اور خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے کس طرح خود کو تھکا دیتے ہیں۔ ماں کی محبت ضرب المثل ہے مگر باپ کی شفقت کا چرچا ذرا کم ہوتا ہے۔ جو چلچلاتی دھوپ، کڑکتی سردیوں میں، برستی بارشوں میں اپنی تھکن اور تکلیف کو ایک طرف کر کے اپنے بچوں کے لیے محنت میں لگا رہتا ہے۔

وہ گھر آتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ہماری پسند کا کوئی نہ کوئی پھل، چاکلیٹ یا کھانے پینے کا کچھ نہ کچھ تھیلی میں ضرور ہوتا ہے۔''

مائنڈ بلوئنگ' مسمرائز کرنے والا جملہ، ایسا فیل ہوتا ہے کہ یہ سب جیسے میرے پاپا جان کے لیے ہی ہو۔ وہ بھی تو ہمارے لیے یہی سب کرتے نظر آتے ہیں۔ نعیمہ جی نے میرے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ تھینکس......!

ریحانہ اعجاز......کراچی

(1) جیون کے گزرے ماہ و سال میں بے پناہ حسین یادیں دل میں گلاب بن کر مہک رہی ہیں۔ الحمدللہ مجھے ہمیشہ ہر جگہ سراہا گیا ہے۔ بے شمار تعریفی کلمات دل پر نقش ہیں۔ دن بھر کے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے اعجاز کا یہ تعریفی جملہ۔

''تم جیسی سگھڑ مجھے کہاں ملتی''۔ میرے ہونٹوں پر مسکان بکھیر دیتا ہے۔

بچوں کی کامیابیوں پر ہر ایک کے سامنے اعجاز کا برملا اظہار۔

''سب کامیابیوں کا کریڈٹ ان کی ماں کو جاتا ہے۔ میں تو دن بھر مصروف ہوتا ہوں۔ ان کی ماں ہی ان کی تربیت میں لگی ہوتی ہے۔''

یہ اکثر و بیشتر کہے جانے والے الفاظ میرا سیروں خون بڑھاتے ہیں۔

دوستوں کے تعریفی جملے ''تم ملٹی ٹیلنٹڈ ہو۔'' یار تم تو ماسٹر ہو' تم بہت گریٹ ہو' ریحانہ اعجاز تمہاری صلاحیتیں خداداد ہیں'' ریحانہ اعجاز تم آئیڈیل وومین ہو۔''

بقیہ صفحہ نمبر 281

www.urdugem.com

امنہ ریاض

دشتِ جنوں

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیوشمتی.... ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔
معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔
فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ، وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے، آئے کت اور وسامہ، معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیوشمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے، اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔
کہانی کا دوسرا ٹریک جہاں بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔
صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت مائی جان ہیں اور تین بچے، رامین، کیف اور فہمینہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔
شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہ جہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں منجھلے بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔
باسط احمد تیسرے بھائی کا انتقال کا ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔ خوش نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ تنک مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی

www.urdu

ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں چچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور ٹیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

ایک حادثے میں آئے کت اپنے بچے سے محروم ہوجاتی ہے اور اس کا ذمہ دار معاویہ کو سمجھتی ہے۔ معاویہ اس سے شادی کا فیصلہ کرتا ہے، مگر وہ انکار کرکے اپنے وطن لوٹ جاتی ہے۔ معاویہ اپنے گھر آجاتا ہے۔ کچھ سالوں بعد صاعقہ ممانی کے بھتیجے کی شادی میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ جہاں معاویہ آئے کت سے اپنی شادی کا اعلان کرتا ہے۔ صاعقہ ممانی، ماموں، معاویہ کے والد سب اس رشتے سے ناخوش ہیں، مگر معاویہ اپنے دلائل سے انہیں قائل کرلیتا ہے۔ کچھ رد و کد کے بعد آئے کت بھی راضی ہوجاتی ہے۔

شاہ میر کچھ شعبدے دکھا کر پورے گھر کو متاثر کرتا ہے، مگر خوش نصیب اس کی باتوں میں نہیں آتی البتہ اس کے دل و دماغ پر ضرور ان باتوں کا اثر ہوتا ہے۔

منفرا کے والد مسٹر جمال پاکستان جانے کے لیے بضد ہیں، مگر ان کا بیٹا آدم تیار نہیں۔

معاویہ کی آئے کت سے شادی کو وادی کے تمام لوگ نیکی سمجھ کر سراہتے ہیں۔ اردشیر ازی ناراضی بھول کر اپنی دوسری بیوی اور تینوں بچوں سمیت فلک بوس پہنچ جاتے ہیں اور شادی کے انتظامات انتہائی اعلا پیمانے پر کرواتے ہیں۔ مہندی کی رات آئے کت کو فلک بوس کی عمارت پر ایک ہیولہ نظر آتا ہے۔

منھو بھائی خوش نصیب کو خود کشی کرنا دیکھ کر بچا لیتے ہیں۔ پورے خاندان میں اس بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے۔ خوش نصیب اپنے اس فعل سے خود بھی حیران ہوتی ہے، اسے خود نہیں معلوم کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ صباحت بیگم کو فضیلہ چچی کی اس معاملے میں نکتہ چینی بری لگتی ہے۔ وہ فہمیدہ کو روشن امی کی بھری جوانی میں بیوگی اور مشکلات کا بتاتی ہیں جنہوں نے روشن امی کے شوخ مزاج کو بدل کے رکھ دیا تھا۔

آدم کا خیال ہے کہ اس کے والد منفرا کی شادی اس کے بچپن کے دوست شامیر سے کریں گے۔ مگر وہ اس خیال کو رد کردیتی ہے۔ وہ اسے صرف دوست سمجھتی ہے۔

خوش نصیب کی خود کشی کی خبر کیف کو بھی مل جاتی ہے۔ وہ اسے فون پر تنگ کرتا ہے تو وہ غصے میں شامیر کے جبران سے ملنے کی ضد کرتی ہے اور اگلے روز شامیر ایک زیر تعمیر بنگلے پر اس کی ملاقات جبران سے کراتا ہے۔ جبران روایتی جن نہیں بلکہ غیر معمولی حسن کا حامل پراسرار سا شخص ہے۔ شامیر خوش نصیب کو کمرے میں بند کرکے چلا جاتا ہے۔

آئے کت کسی بھی آسیب کو ماننے سے انکار کردیتی ہے اس کے خیال میں کوئی انہیں ڈرا رہا ہے۔ مگر معاویہ اسے آسیب ہی سمجھتا ہے۔ کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے بچنے کے لیے وہ نکاح کا انتظام کرتا ہے۔ مگر عین نکاح کے وقت آئے کت پراسرار انداز میں غائب ہوجاتی ہے۔

خوش نصیب تھوڑی کوشش کرکے باہر آجاتی ہے۔ ایک دوسرے کمرے میں اسے شامیر بیری والے ملنگ بابا کے ساتھ شیطانی عملیات میں مصروف نظر آتا ہے، وہیں جبران ہوتا ہے جو اسے دیکھ لیتا ہے۔ جبران، خوش نصیب کو وہاں سے نکال دیتا ہے فراڈیے شامیر کی اصلیت سے آگاہ کرتا ہے۔ جبران درحقیقت معاویہ ہے جو کسی روح کی تلاش میں شامیر سے ٹکرایا ہے۔

شامیر کے دھماکے پر خوش نصیب گھر میں کسی کو بھی اس کی اصلیت سے آگاہ نہیں کرتی فضیلہ چچی صیام کا رشتہ شامیر اور کیف کے لیے منہا کا عندیہ دیتی ہیں۔ کیف گھر آتا ہے۔ جہاں خوش نصیب اسے شامیر کے بارے میں بتانا چاہتی ہے مگر صباحت تائی کے آنے سے بات ادھوری رہ جاتی ہے۔

شامیر کو شیطان کی بھینٹ چڑھانے کے لیے ایسی لڑکی کی ضرورت تھی۔ جس کی پیشانی پہ تل ہو۔ خوش نصیب اس کے خیالات اور دھمکیاں سن کر بہت پریشان ہوتی ہے اور اس کی حقیقت کیف کو بتاتی ہے، مگر کیف اس بات کو ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔

شامیر اور صیام کی منگنی ہوتی ہے تو خوش نصیب کیف کی پسند کا بتاتی ہے، یوں صیام کی منگنی شامیر کے بجائے کیف سے ہوجاتی ہے۔ کیف خوب غصہ کرتا ہے، مگر خوش نصیب نے یہ سب صیام کو بچانے کے لیے کیا ہے کیوں کہ اس کی پیشانی پہ بھی تل ہے۔

شامیر خوش نصیب کو نئے سرے سے دھمکاتا ہے۔ اپنے والدین کی شادی کی سالگرہ پر منفرا کی اتفاقی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے وہ اسے سب سے ملواتی ہے۔ سب اس کے حسن اور دولت سے متاثر ہوتے ہیں۔

بشام کے جنگل سے ایک عورت کی مسخ لاش ملتی ہے۔ اس کے جسم پر آئے کت کا عروسی جوڑا تھا، مگر معاویہ نے اسے آئے کت ماننے سے انکار کردیا۔ وہ اس کی تلاش کا ارادہ رکھتا تھا، مگر اردشیر ازی نے اس سلسلے میں اس کی کسی بھی قسم کی مدد کرنے سے انکار کردیا۔ کیوں کہ آئے کت کے تمام اکاؤنٹس خالی پڑے تھے اور اس کا فریب کھل گیا تھا، مگر ان سب باتوں کے باوجود معاویہ اس کی تلاش کا ہر ذریعہ اپناتا ہے اور ناکام رہتا ہے۔ اس ناکامی نے اسے تلخ اور بدمزاج بنا دیا ہے۔

مونٹوک میں اس کی منفرا اور آدم سے ملاقات رہتی ہے۔

خوش نصیب، عرفات ماموں کو شامیر کی اصلیت سے آگاہ کرتی ہے۔ وہ مخمصے میں پڑ جاتے ہیں۔ کیف کو اس کی باتوں پر ذرا یقین نہیں آتا۔ عرفات ماموں کو فالج ہوجاتا ہے۔

شامیر خوش نصیب کو دھمکاتا ہے کہ ماموں کو یہ سزا اس نے دی ہے اور آئندہ اس کے حمایتیوں کا اور وہ برا حشر کرے گا۔

ماہ نور، شامیر سے محبت کا اعتراف کرتی ہے۔ خوش نصیب اسے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ ناراض ہوجاتی ہے۔

فضیلہ چچی خوش نصیب کو بہو نہیں بنانا چاہتیں مگر شفیق چچا کے سمجھانے پر راضی ہوجاتی ہیں۔ خوش نصیب، طوطے بھائی سے شادی پر معترض ہے مگر روشن امی اسے لفٹ نہیں کراتیں۔ خوش نصیب تمام سچائی عرفات ماموں کو بتاتی ہے، انہیں یقین آجاتا ہے۔ کیف بھی سن لیتا ہے مگر شش و پنج کا شکار ہوتا ہے۔

صیام، کیف کی بے رخی سے تنگ آکر شامیر کو خود سے شادی کرنے کا عندیہ دیتی ہے۔ شامیر انکار کردیتا ہے۔

معاویہ، منفرا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور یہ بات اپنے والد کو بتاتا ہے۔ وہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور چاہتے کہ یہ شادی فلک بوس میں ہو۔ معاویہ راضی ہوجاتا ہے۔

خوش نصیب ایک شاپنگ مال میں معاویہ سے ٹکراتی ہے اور اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کے حق میں اس کے گھر والوں کے سامنے گواہی دے، مگر معاویہ اس کی کسی بھی طرح کی مدد کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ خوش نصیب عرفات ماموں کے دوست مسٹر رضوی کے گھر پے انگ گیسٹ کے طور پر رہتی ہے۔ منفرا کو بچوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک آیا کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسز رضوی کینیڈا شفٹ ہونے والی ہیں لہٰذا وہ منفرا سے خوش نصیب کی سفارش کرتی ہیں۔ منفرا خوش نصیب سے تمام حالات سن کر اس کی مدد کرنے کی خاطر اسے آیا رکھ لیتی ہے۔ معاویہ سخت مخالفت کرتا ہے، مگر بعد میں راضی ہوجاتا ہے۔ عرفات ماموں وفات پاجاتے ہیں۔ کیف ایک فیشن میگزین سے منسلک ہوجاتا ہے۔ جہاں اس کی دوستی زرگل سے ہوجاتی ہے۔ ایک روز ان کی ملاقات ایک بوڑھے شخص سے ہوتی ہے جس کی بھانجی کو ایک ڈھا پیر نے ہوس کا نشانہ بنا کر ہلاک کردیا تھا۔ وہ انصاف کے لیے ان کے دفتر آتا ہے۔ سب اسے پولیس کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ کیف جن بھوتوں کو نہیں مانتا، مگر زرگل ان پر یقین رکھتا ہے۔ دونوں میں بحث چھڑ جاتی ہے اور زرگل کے چیلنج پر کیف، زرگل اور یاسر کے ساتھ قلعہ فلک بوس اور آیو تمتی کا سراغ لگانے بشام جاتا ہے، مگر راستے میں ایک گاڑی حادثے کا شکار ہوجاتی ہے۔

تیئسویں قسط

www.urdugem.com

بھائی لوگ آگے ایک پنگا ہو گیا ہے۔" اتری ہوئی شکل کے ساتھ یاسر نے پچھلا دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ ہاتھوں کو ملتے ہوئے ٹھنڈک کے احساس کو کم کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

کیف اگلی نشست پر بیٹھا تھا جبکہ زرگل ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔

یہ لوگ آج ہی صبح سویرے بشام کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ گھڑی کی تیزی سے بھاگتی ہوئی سوئیاں تو کہتی تھیں کہ انہیں اب تک بشام میں داخل ہو جانا چاہیے تھا مگر بھلا ہو ٹریفک کا جو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے انہیں ایک ہی جگہ روکے ہوئے تھا۔

دسمبر کا مہینہ تھا۔ شمالی علاقہ جات میں برف باری کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ جدھر بھی دیکھتے، نگاہ جتنی دور تک جا سکتی تھی وہاں تک سفید رنگ ہی بکھرا نظر آتا تھا اور اب حدِ نگاہ میں جس چیز کا اضافہ ہوا تھا وہ گاڑیوں کی لمبی قطار تھی۔

ان تینوں کا مشترکہ خیال تھا کہ آگے کہیں لینڈ سلائڈنگ ہوئی ہے جس کی وجہ سے ٹریفک بلاک ہوئی ہے پھر اڑتی اڑتی خبر ملی کہ لینڈ سلائڈنگ نہیں ہے۔ آگے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے جس کی وجہ سے راستہ بند ہے۔

تقریباً پندرہ منٹ پہلے انتظار سے تنگ آکر کیف نے یاسر کو مکمل معلومات لانے کے لیے روانہ کیا تھا اور اب جب وہ واپس آیا تو منہ لٹکا ہوا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ بارہ کیوں بجے ہیں منہ پر؟" کیف نے اس کی اتری شکل پر حیرانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔" اس کا منہ کچھ اور اتر گیا۔

"اس سے کچھ مت پوچھو۔۔۔" زرگل نے یاسر سے بھی زیادہ اداس شکل بنا کر کہا۔ "اس کا کے منے کو امی یاد آرہی ہیں ابھی سے۔۔۔" شرارت سے چمکتی آنکھیں اور شکل پر مصنوعی اداسی لیے زرگل نے جملہ مکمل کیا تو کیف کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی مگر یاسر کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

یاسر نے ان دونوں کو بتایا تھا کہ وہ پہلی بار اس طرح اکیلا دوستوں کے ساتھ سفر کررہا ہے۔ گھر میں سب سے چھوٹا ہونے کے باعث اسے ابھی تک گھر میں بچہ ہی سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ اس سے پہلے اسے دوستوں کے ساتھ جانے کی بھی اجازت نہیں ملتی تھی۔ اس ٹرپ کی اجازت بھی اس نے آفیشل اسائنمنٹ کے نام پر لی تھی۔

بے چارہ یاسر۔۔۔ جس نے اپنا غم بانٹنے کو انتہائی دکھی انداز میں ان دونوں کو یہ سب بتایا تھا لیکن خدا پوچھے کیف اور زرگل کو جن کے ہاتھ ایک تفریح آگئی تھی۔ اب تقریباً ہر دوسری بات پر اسے یہ سننے کو مل رہا تھا کہ وہ گھر کو یاد کررہا ہے۔ زرگل نے تو اسے یاسر کے بجائے کاکا منا کہہ کر بلانا شروع کردیا تھا۔

"ہیں۔۔۔ کاکے۔۔۔ منے۔۔۔ امی یاد آرہی ہیں تمہیں؟ واپس چھوڑ آئیں تجھے؟" کیف نے بھی اسے چھیڑا۔

"بھائی تنگ مت کریں۔" یاسر چڑ گیا۔

دوسری طرف کیف اور زرگل کو اس کے چڑ جانے پر حیرانی ہوئی۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ شاید یاسر سفر کی طوالت سے تنگ آگیا ہے لیکن اس کا لہجہ کوئی اور کہانی سنا رہا تھا۔

"اوئے یاسر بھائی؟ خیر تو ہے؟ موڈ کیوں آف ہو گئی ہے تیری؟" زرگل نے اسے اپنے مخصوص انداز میں پچکارا۔

"ایکسیڈنٹ ہوا ہے آگے۔ گاڑی کھائی میں گرگئی ہے۔ امدادی کاروائی کی وجہ سے راستہ بند کیا ہے۔

کہہ رہے ہیں پندرہ بیس منٹ میں کلیئر ہو جائے گا راستہ۔" اس کے لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔

"اوہو۔۔۔ کون لوگ تھے؟ کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟" اب کے زرگل بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ان دونوں کو یاسر کی افسردگی کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔

"تین لوگ تھے کار میں۔۔۔ دو کی ڈیتھ ہو گئی ہے موقع پر ہی۔۔۔" یاسر نے رک رک کر بتایا تھا۔

کیف اور زرگل کچھ بول نہیں سکے۔ گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ یہی وقت تھا جب ان کی گاڑی سے اگلی گاڑی آہستہ آہستہ سرکنا شروع ہوئی۔ زرگل نے بھی جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"تیسرا حیات ہے لیکن شدید زخمی ہے۔ گاڑی کا دروازہ کھل گیا تھا سو وہ گاڑی سے باہر جا گرا اس لیے زندہ بچ گیا ہے۔ لیکن کہہ رہے ہیں کہ اس کے بچنے کے چانسز بھی بہت کم ہیں۔" یاسر نے پھر سے خاموشی کا پردہ چاک کیا تھا۔

"اللہ اسے شفا دے۔۔۔ آمین۔۔۔" کیف نے آہستہ سے کہا۔

"اور مرنے والوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔" زرگل نے اضافہ کیا۔

"بھائی وہ لوگ بشام جا رہے تھے۔۔۔ کسی ٹیلی فلم کی شوٹنگ کے لیے۔۔۔"

کیف اور زرگل نے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

"اتنی انفارمیشن کہاں سے مل گئی؟" کیف نے پیچھے مڑ کر یاسر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"دو گاڑیاں تھیں ان کی۔ جیپ کھائی میں گری ہے دوسری ساتھ پک اپ تھی۔ جیپ میں تین لوگ تھے اور کچھ پک اپ میں ان کے سامان کے ساتھ تھے۔ کیمپنگ وغیرہ کرنی تھی شاید ان لوگوں نے۔ میں ان کے باقی ساتھیوں سے مل کر آیا ہوں۔ بشام میں کوئی قلعہ ہے فلک بوس اسے شوٹ کرنا تھا ان لوگوں نے۔" یاسر بتا رہا تھا جبکہ کیف اور زرگل بشام کے بعد فلک بوس کے ذکر پر چونک گئے تھے۔

ٹریفک اب کچھ رواں ہو گیا تھا۔

اگلے پانچ منٹ میں زرگل نے گاڑی ایک چھوٹے سے چائے کے اسٹال پر روک دی۔

"یار یاسر! چائے کا تو آرڈر دو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" زرگل کا لہجہ خلافِ معمول سنجیدہ — تھا۔

یاسر اثبات میں سر ہلاتا ہوا گاڑی سے اتر گیا۔

زرگل بے حد سنجیدگی سے اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ جمائے بیٹھا تھا۔ نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ لیکن پرسوچ چہرہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں گم ہے۔

"کیف۔۔۔"

کیف بھی یاسر کے پیچھے جانے کی نیت سے دروازہ کھول رہا جب زرگل نے اسے روک لیا تھا۔

"ابھی بھی وقت ہے۔۔۔ ہم کوئی نقصان اٹھائے بغیر واپس لوٹ سکتے ہیں۔" اس کی آواز میں انجانے خدشے سنائی دیتے تھے۔ "فلک بوس نے کبھی کسی کو کوئی خوشی نہیں دی۔ آیو تمتی نے آج تک ہر کسی کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ اور یہ نقصان عموماً جان کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ مثال تمہارے سامنے ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔" کیف کھلکھلا کر ہنسا تھا۔ "مجھے پہلے ہی شک تھا خان صاحب! کہ آپ کے دماغ میں ایسی ہی کوئی کھچڑی پک رہی ہے۔ یار خدا کا کچھ تو خوف کرو۔ موت برحق ہے بھائی۔ اسی وقت پر آتی ہے جو وقت طے کر دیا گیا ہے۔ کوئی آیو تمتی، کوئی فلک بوس کسی کی موت کی وجہ نہیں بن سکتے۔ سوائے اس صورت میں کہ اللہ نے ان کو موت کی وجہ بنانا ہو۔"

"کیف میں تیری ان سب باتوں سے متفق ہوں۔ مگر پھر بھی مجھے سمجھا کہ جب بھی فلک بوس کی بات

www.urdugem.com

آتی ہے ساتھ موت کا ذکر لازمی آتا ہے۔"

"یار تو ڈر گیا ہے۔۔۔ اور کوئی بات نہیں۔۔۔ ڈرپوک انسان۔" کیف نے اس کا مذاق اڑایا۔

"یار میں موت سے نہیں ڈرتا۔۔۔" زرگل نے خفگی سے سر جھٹکا۔ "لیکن ایڈونچر کے نام پر خود کو موت کے حوالے کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟"

"جب قسمت میں موت ایڈونچر کے نام پر آنا لکھی ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔ زندگی خود گھسیٹ کر آپ کو ایڈونچر کا پارٹ بنا دیتی ہے میرے بھائی۔۔۔"

کیف اس کی بات پر مسکراتا رہا تھا۔ اور یہ مسکراہٹ زرگل کو آگ لگانے کو کافی تھی۔ یعنی کہ حد ہو گئی۔۔۔ اس کی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

"جا پھر سامنے کھائی میں چھلانگ لگا دے۔۔۔ یہ بھی ایڈونچر ہی ہوگا۔ زندگی ہوئی تو بچ جائے گا۔" وہ جل کر بولا تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔ ایڈونچر اور خودکشی میں فرق ہے خان صاحب۔۔۔" کیف نے قہقہہ لگاتے ہوئے اسے مزید چڑایا اور وہ چڑ بھی گیا۔

"اب بتیسی ہی دکھاتا رہے گا یا میری بات پر سیریس بھی ہوگا؟" زرگل نے چڑ کر کہا۔

"مجھے بتا اب تو کیا چاہتا ہے۔۔۔ کیا کرنا ہے آگے؟" کیف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میری مان تو بشام کو چھوڑ دے۔۔۔ کہیں اور چلتے ہیں۔ کچھ موج مستی کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔" زرگل نے نیا پلان بنایا۔

"ممکن ہی نہیں ہے۔" کیف بھی اب سنجیدگی سے بولا تھا۔ "اول تو یہ کہ میں اب اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ میں نے کہا تھا کہ میں فلک بوس کے راستے پر وہ اٹھاؤں گا تو میں یہ کر کے ہی رہوں گا۔ دوسرا یہ کہ اگر تو واپس جانا چاہتا ہے تو چلا جا۔ یاسر کو بھی ساتھ لے جا۔۔۔ مگر میں تو بشام ہی جاؤں گا۔"

"تو میری بات نہیں مانے گا؟" زرگل تیز لہجے میں بولا۔

"کم از کم یہ بات تو نہیں مانوں گا۔" کیف کی ہٹ دھرمی اس وقت عروج پر تھی۔

"یار نہ کرا ایسے۔۔۔" زرگل اس کی ہٹ دھرمی سے پھر نالاں ہوا تھا۔ اسے امید تھی کہ اس کا تیز لہجہ کیف کو اس کی ماننے پر مجبور کر دے گا مگر۔۔۔

"یار میں تجھے بول تو رہا ہوں۔ تجھے جانا ہے نا تو چلا جا۔۔۔ میں تجھے تو مجبور نہیں کر رہا نا کہ میرے ساتھ چل۔"

"تجھے لگتا ہے کہ میں تجھے ایسے چھوڑ کر جاؤں گا۔ مجھے خود سے زیادہ تیری فکر ہے لالے! دوستی کے نام پر تو میری جان بھی قربان ہے۔ تجھے ٹینشن ہے تو تیری۔۔۔" وہ کچھ جذباتی انداز میں بولا تو کیف کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو فکر نہ کر۔۔۔ اللہ نے چاہا تو ہم کامیاب ضرور ہوں گے۔" کیف کا ہاتھ زرگل کے کندھے پر آ ٹھہرا تھا۔

اور وہ صرف ہاتھ نہیں تھا۔۔۔ ایک مان تھا ایک دوست کا دوسرے دوست پر۔۔۔ اور زرگل کی رگوں میں دوڑتا خون اسے اجازت نہیں دیتا تھا کہ کیف کو اکیلا چھوڑ دیتا۔ اس نے گہری سانس بھر کر خود کو پرسکون کرنے کے لیے اپنا سر اسٹیئرنگ پر ٹکا دیا۔ چند لمحوں بعد وہ پھر بولا تھا۔

"اور یاسر کا کیا؟"

"یاسر کا کیا؟ وہ ساتھ جائے گا اور اپنا ٹرپ انجوائے کرے گا۔ فلک بوس والے معاملے سے اسے دور رکھو۔"

"نہیں کیف۔۔۔ یہ زیادتی ہے۔۔۔ اسے ساتھ لے جانا ہے تو سب سچ بتاؤ ورنہ واپس بھیج دو اسے۔ میں پہلے بھی اسے ساتھ لانے کے حق میں نہیں تھا۔ یہ تیری خواہش تھی کہ وہ ساتھ آئے۔ اب اسے سچ بتاؤ سب۔۔۔ تاکہ وہ خود فیصلہ کرے کہ اسے ساتھ جانا ہے یا نہیں۔" زرگل کی سنجیدگی کیف کو بھی سنجیدہ کر گئی تھی۔

"ٹھیک ہے یار! اسے بتا دیتے ہیں۔ ڈونٹ وری۔۔۔ ابھی ڈسکس کر لیتے ہیں اس سے۔"

کیف نے حامی بھری تو زرگل نے آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سے اتنا نہیں تھکا تھا جتنا انجانے خدشات نے اسے تھکا ڈالا تھا۔

☆☆☆

"یہ لیں سر! گرم گرم چائے۔"

ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ سے اس چھوٹے سے ٹی اسٹال پر بھی اچھا خاصا رش تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا یاسر اور کیف کو چائے لانے میں۔ زرگل سے بات کرنے کے بعد کیف بھی گاڑی سے نکل کر یاسر کے پیچھے چلا گیا تھا۔ اور جب وہ لوگ واپس آئے تو یاسر کا موڈ پھر سے خوش گوار ہو چکا تھا۔

اگلے چند ہی لمحوں میں وہ تینوں اپنا اپنا چائے کا کپ تھامے باتوں میں مصروف تھے۔ یاسر انہیں گھر میں چھوٹا ہونے کے نقصانات گنوا رہا تھا جب کیف نے اس سے پوچھا تھا۔

"یاسر! تم جن بھوتوں پر یقین کرتے ہو؟"

"اللہ کا نام لیں سر۔۔۔ زندگی میں پہلی بار گھر سے دوسرے شہر جانے کے لیے اکیلا نکلا ہوں اور آپ مجھے جن بھوتوں سے ڈرا رہے ہیں۔" وہ مسخرے پن سے بولا۔

"اوئے خانہ خراب کا بچہ۔۔۔! تجھ سے بڑی بھوت کم از کم پاکستان میں نہیں ہے اور تجھے تو ہم اپنے ساتھ لے آئی ہے۔ اب تو اسلام آباد اور پنڈی کا تمام جن بھوت بھی تو تیرے چلے جانے پر شکرانے کے نفل پڑھتی ہوگی۔" زرگل منہ بنا کر بولا۔

"ہاں اور ساتھ ہی ساتھ آج رات کو بھوتوں کا جشن چھٹکارا فرام یاسر بھی منایا جائے گا۔ اگلے سات دن تک لنگر بٹے گا بھوتوں میں۔ ہر خاص و عام جن کے لیے خزانے کے منہ کھول دیے جائیں گے۔ چڑیلوں کو مفت ڈیزائنر لان کے بہترین سوٹ بانٹے جائیں گے۔۔۔ صحیح کہہ رہا ہوں نا زری بھائی میں؟" کیف کو اپنی سنجیدہ بات مذاق میں اڑائے جانے پر سخت غصہ آیا تھا جبھی چڑ کر بولا تھا۔

زرگل اور یاسر دل کھول کر ہنسے تھے۔ چائے ختم ہو چکی تھی زرگل نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"اوئے یار لالے! جن اور چڑیلوں میں بھی یہ برانڈز ہوتے ہیں؟"

"بالکل ہوتے ہیں۔۔۔" کیف سنجیدگی سے بولا۔ "بلکہ میں تو ایک ایسے بھوت کو بھی جانتا ہوں جو ابھی بونینز کا سویٹر پہنے ہوئے ہے۔"

کیف کی گھورتی آنکھیں زرگل پر جمی تھیں۔

پیچھے بیٹھے یاسر نے قہقہہ لگایا کیونکہ زرگل اس وقت بونینز کا سویٹر پہنے ہوئے تھا۔

"اہم۔۔۔" زرگل نے شرمندہ سا ہنکارا بھرا اور بولا۔ "لیٹس کم بیک ٹو دا ٹاپک۔۔۔ ہاں بھائی یاسر خاناں، تم بولو، یقین کرتی ہے ان جن بھوتوں پر؟"

www.urdugem.com

"یقین ہے بھائی۔۔۔کوئی وجہ ہی نہیں ہے یقین نہ کرنے کی۔" یاسر کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔ "جب اللہ نے بتادیا کہ جنوں کا وجود ہے تو میں کون ہوتا ہوں یقین نہ کرنے والا۔"

"پھر تو ڈر بھی لگتا ہوگا بھوتوں سے؟" زرگل نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی! ڈر مجھے اس دنیا میں اپنے ابا کے بعد صرف علوی صاحب سے لگتا ہے۔" وہ ذرا بھی سنجیدہ نہیں تھا۔

"اوئے بے شرم انسان! تو اپنے ابا کو بھوت کہہ رہا ہے۔" کیف نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"سر جی میں ابا کی نہیں علوی صاحب کی بات کر رہا تھا۔ آپ نے ان کی آنکھیں دیکھی ہیں؟ اتنی سرخ سرخ ہیں۔۔۔غضب خدا کا مجھے تو پورا پورا شک ہے ان پر۔" یاسر منہ بنا کر بولا تو وہ دونوں مسکرا دیے۔

"بس کردے مسخریاں۔۔۔ اب سنجیدہ ہو کر ایک بات بتا۔" زرگل نے اسے ڈپٹا۔

"پوچھیں بھائی۔"

"ڈر لگتا ہے جنوں بھوتوں سے؟

"نہیں۔۔۔"

"کیوں؟" کیف نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"کیوں کہ ان کی الگ دنیا ہے۔۔۔" یاسر نے فوراً کہا۔

کیف کا حوصلہ اور بلند ہوگیا۔

"اور اسمگلرز سے؟ غیر قانونی کام کرنے والوں سے؟ اور ایسے لوگ جو اپنے غلط کام چھپانے کے لیے جان لینے سے گریز نہیں کرتے؟ یا پھر دہشتگردوں سے؟" اب کی بار کیف بولا تھا کیونکہ فلک بوس کی کہانی سے وہ جو بھی سمجھ پایا تھا اس سے اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ فلک بوس کسی غیر قانونی کام کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

"بھائی مجھے مرنے سے خوف نہیں آتا۔۔۔موت برحق ہے اپنے وقت پر آ ہی جاتی ہے۔ اور جو چیز ہر حال میں ہونی ہی ہے اس سے ڈرنا کیسا۔۔۔" یاسر نے پرسکون انداز میں سر جھٹکا۔

کیف کو اس کے خیالات سن کر خوشی ہوئی تھی یہ اس نے چہرے سے ظاہر تھا۔

"اچھا یہ بتا اگر ہم تجھے کہیں کہ ہمارے ساتھ کسی ایسی جگہ چل جہاں کہا جاتا ہے کہ وہ جگہ ہونٹڈ ہے تو چلو گے؟" کیف نے پوچھا۔

"بھائی آپ کے ساتھ تو میں دنیا کے آخری کونے تک جا سکتا ہوں۔ چاند کے اس پار جا سکتا ہوں۔ جیوپیٹر پر جا سکتا ہوں۔۔۔مارس پر جا سکتا ہوں۔" وہ دل پر ہاتھ رکھے لہک لہک کر بول رہا تھا۔

"کیف نے پیچھے مڑ کر ایک چپت رسید کی۔

"اوئے تو دوست بن، کولیگ بن۔۔۔محبوبہ نہ بن۔"

"ہاہاہا۔۔۔اگر گھما گھما کر بات کرو گے تو میں تو بنوں گا محبوبہ۔۔۔" اس نے شرارت سے کہا تھا۔

"یار تو سنجیدہ ہو جا۔۔۔تیری مہربانی۔۔۔ مجھے لگتا ہے پہاڑوں نے کاکے کے منے کے دماغ پر الٹا اثر ڈالا ہے۔ تب ہی ہر بات کا الٹا جواب فر فر آ رہا ہے۔" کیف بولا تھا۔

"اچھا۔۔۔اچھا ۔۔۔اب آپ محبوبہ بن کر ناراض نہ ہوں۔ آپ مجھے سیدھا سیدھا بتائیں نا جو بھی بتانا ہے۔ یہ گھما گھما کر سوال کیوں پوچھتے ہیں۔" یاسر نے آنکھیں مٹکائیں۔

"بڑا گھنا میسنا انسان ہے تو یاسر۔۔۔" کیف نے اسے گھور کر دیکھا۔ "مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تجھے

پہلے سے ہی سب پتا ہے جو میں بتانا چاہتا ہوں۔"

اور یاسر پھر سے ہنس دیا۔

"کچھ کچھ پتا ہے آپ مکمل بات بتا دیں۔"

"اچھا جی۔۔۔جو حکم۔۔۔ کیا کیا پتا ہے آپ کو ذرا اس بات پر روشنی ڈالیں۔" کیف نے اس کی چالاکی پر سر دھنا۔

"یہ مجھے پتا ہے کہ آپ لوگ بشام کسی رپورٹ کے لیے نہیں جا رہے۔۔۔آپ وہاں فلک بوس کے چکر میں جا رہے ہیں۔" یاسر نے ان دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیں جی زرگل صاحب! آپ ان کی رائے جان لیں۔ جنہیں آپ کا کا منا سمجھ کر سچائی بتانے چلے تھے وہ بھائی صاحب آپ کے بھی گرو نکلے ہیں۔" کیف نے زرگل کو چڑایا۔

"یاسر بھائی! اپنا ہاتھ آگے لاؤ۔۔۔ہم ابھی آپ کو اپنا پیر و مرشد بنائے گی۔" زرگل نے سر دھنا تھا۔

"اچھا اب آپ دونوں میرا مذاق نہ اڑائیں۔" یاسر نے ناک چڑھائی۔ "میں نے کچھ دن پہلے کیف بھائی کا ڈیسک ٹاپ یوز کیا تھا۔ انہوں نے بشام اور خاص طور پر فلک بوس کے بارے میں کافی سرچ کیا ہوا تھا۔ بس میں سمجھ گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس لیے ہی میں آپ کے ساتھ آنا چاہتا تھا۔ ایڈونچر، یو نو۔" یاسر مزے سے بولا۔

"زرگل خبردار جو اب تو نے اس شیطانوں کے سردار کو کا کا منا کہا تو۔" کیف کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ یاسر اتنی جلد بات تک پہنچ جائے گا۔

"زرگل بھائی آپ پلیز کیف بھائی کی بات پر ضرور عمل کریں۔" یاسر نے فخر سے اپنا کالر جھٹکا۔ "بہر حال اب آپ لوگ مجھے سب سچ سچ بتائیں کہ چکر کیا ہے؟"

یاسر کی بات پر کیف اور زرگل بھی سنجیدہ ہو گئے۔ کیف نے بات شروع کی۔

"یار! بات یہ ہے کہ ہم لوگ بشام فلک بوس کا راز جاننے کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ بات شروع ہوئی تھی اس دن سے جب وہ بابا جی آئے تھے جن کی بھانجی۔۔۔" اور کیف اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ لوگ بشام کی حدود میں داخل ہوئے تو کیف یاسر کو ساری بات بتا کر خاموش ہو چکا تھا۔ گاڑی میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ وہ تینوں اپنی اپنی جگہ، اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔

شام رات میں ڈھلنا شروع ہو چکی تھی۔ روشنی رخصت ہونے سے پہلے آہستہ آہستہ اندھیرے کی چادر اوڑھ رہی تھی۔

کیف نے ونڈ اسکرین سے دیکھا تھا۔

اوپر۔۔۔ بہت اوپر پہاڑوں کے درمیان فلک بوس کے اونچے مینار، جو برف سے ڈھکے تھے، پوری شان و شوکت سے کھڑے ماحول پر عجب ہیبت طاری کر رہے تھے۔ کیف لاشعوری طور پر فلک بوس کو تکتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

بشام میں ان کی رہائش کا انتظام زرگل کی ذمہ داری تھی۔

بشام کی زیادہ تر آبادی کا تعلق ہندو مذہب سے تھا اور زرگل کسی ہندو کے گھر میں پے انگ گیسٹ بننے کو راضی نہیں تھا۔

کسی ہوٹل میں رکنے کے لیے انہیں اپنی اصل شناخت اور آئی ڈی کارڈ دینے پڑتے جو کہ انہیں منظور

www.urdugem.com

نہیں تھا۔ بہر حال کچھ تلاش بسیار کے بعد اس نے اس وادی میں ایک ایسے مسلمان مقامی باشندے کو ڈھونڈ نکالا تھا جو کہ راضی تھا کہ وہ اپنے گھر کا ایک کمرہ انہیں پندرہ دن کے لیے کرائے پر دے گا۔

سلمان احمد نامی اس بندے کو اپنا تعارف انہوں نے فوٹو گرافرز کے طور پر کروایا تھا جو کسی غیر ملکی مقابلے میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے اور اسی مقصد کے لیے بشام کے خوبصورت مناظر کی تصاویر کھینچنے چاہتے تھے۔

ان کی معصوم شکلیں، شریفانہ انداز و اطوار، یاسر کے گلے میں لٹکا ہوا پروفیشنل کیمرہ اور سب سے بڑھ کر کچھ نیلے نوٹ اس معصوم انسان کو ان کی بات پر یقین کرنے پر مجبور کر گئے۔ رہائش کا انتظام تو آسانی سے ہو گیا تھا۔ گھر اچھا تھا۔ چھوٹا سا ڈبل اسٹوری گھر تھا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ گھر کے مالک کا تعلق بشام کے چند گنے چنے امیر خاندانوں میں سے تھا۔

سارا دن وہ سفر کر کے اتنا تھک گئے تھے کہ انہوں نے کھانا کھانے کی بھی زحمت نہیں کی۔ کمرہ میسر آتے ہی انہیں جہاں جہاں جگہ ملی وہ تینوں پڑ کر سو گئے تھے۔

صبح سب سے پہلے کیف کی آنکھ کھلی تھی۔ پہلے تو سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کہاں موجود ہے پھر آہستہ آہستہ دماغ جاگا تو سب یاد آتا چلا گیا۔ گھڑی پر نگاہ دوڑائی تو صبح کے نو بج چکے تھے۔ وہ جمائیاں لیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں انگیٹھی جل رہی تھی اس لیے ٹھنڈک کا احساس نہ ہونے کے برابر تھا۔ کیف نے دیکھا کہ زرگل اور یاسر ابھی تک ایک دوسرے سے شرط باندھے سو رہے ہیں۔ انہیں جگانے کا ارادہ بدلتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سورج کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پہاڑوں سے لے کر وادی کی گلیاں تک برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ چونکہ پہاڑوں کے باسی ایسے موسم کے عادی ہوتے ہیں لہٰذا بشام میں بھی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ فی الحال برف گرنا بند ہو چکی تھی سو لوگ بھی ضروری کام نبٹانے گھر سے باہر نکل آئے تھے۔

کیف نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دور پہاڑوں کے درمیان فلک بوس پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑا تھا۔ اپنے نام کی مانند فلک بوس کا سب سے اونچا مینار آسمان کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ عمارت پورے بشام پر اپنا سایہ کیے ہوئے ہے۔ کیف کے دل میں آئی کہ جائے اور دیکھے کہ کہیں سورج فلک بوس کے پیچھے ہی تو نہیں چھپا ہوا۔ لاشعوری طور پر وہ فلک بوس کو تکتا چلا گیا۔ کچھ تھا اس عمارت میں جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اپنی طرف بلا رہا تھا۔ اس کی خوبصورتی کیف کو نظریں ہٹانے نہ دیتی تھی۔ وہ خود کو مجبور پاتا تھا کہ فلک بوس کو دیکھتا رہے۔

پھر یک دم وہ چونک گیا۔ لاشعوری طور پر اس نے ایک نظر گلی میں بھی ڈالی تھی اور اس ایک نظر میں ہی اس نے سلمان احمد کو گلی کے کونے سے مڑتے دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔ اپنی جیکٹ اور کیپ اٹھانے کے ساتھ ساتھ اس نے یاسر کا کیمرہ بھی گلے میں لٹکا لیا اور باہر کی جانب چل پڑا۔

کچھ ہی دیر بعد اگر کھڑکی میں سے دیکھیں تو وہ تیز تیز گلی کے دوسرے کونے کی طرف جاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اس کا رخ اسی سمت تھا جس سمت میں اس نے سلمان احمد کو جاتے دیکھا تھا۔

☆☆☆

"السلام علیکم سلمان صاحب۔۔۔!"

کیف تیز تیز چلتا ہوا جلد ہی اس کے قریب جا پہنچا اور کچھ فاصلے سے سلام جھاڑا۔

"ہیں۔۔۔" سلمان احمد پیچھے سے آواز بلند کیے جانے والے سلام پر مڑا تھا۔ یقیناً وہ اس اجنبی آواز سے حیران ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام صاحب۔۔۔"

وہ یقیناً کیف کے نام سے ناواقف تھا لیکن شکل سے ضرور واقف تھا سو وہ صرف فوراً رک گیا بالکل گرم جوشی سے مصافحہ بھی کیا۔

"کیف۔۔۔ کیف نام ہے میرا خان صاحب۔" کیف نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"جی جی کیف صاحب! بتائیے نیند تو اچھی آئی نا آپ کو؟ کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟ بہت جلدی جاگ گئے آپ۔۔۔" وہ خلوص بھرے لہجے میں بولا۔

وہ رواں اردو میں پوچھ رہا تھا۔ شکل و صورت سے پٹھان ہونے کے باوجود اس کا اردو لہجہ بہت صاف تھا۔

"الحمدللہ سلمان بھائی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" اس نے فوراً رشتہ گانٹھ لیا۔

"آپ کے ساتھی ابھی تک سو رہے ہیں؟"

"جی وہ ابھی سو رہے ہیں۔ اور مجھے امید نہیں کہ وہ جلدی اٹھیں گے۔"

"تو آیئے گھر چلتے ہیں اور آپ کے لیے ناشتے کا انتظام بھی کروا دیتا ہوں۔" سلمان خوش دلی سے بولا تھا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ ناشتہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہی کر لوں گا۔"

سلمان جو گھر کی طرف مڑ چکا تھا کیف کے انکار پر رک گیا۔

"آپ غالباً کسی ضروری کام سے جا رہے تھے؟" کیف نے پوچھا۔

سلمان آگے بڑھا تو کیف نے بھی اس کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔

"ہاں بس بازار تک جا رہا تھا۔ کچھ سامان لینا تھا۔" سلمان نے بتایا۔ یقیناً اب وہ کیف کو اللہ حافظ کہہ کر اپنی رفتار بڑھانا چاہ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ایسا کچھ کہتا' کیف نے جلدی سے کہا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں؟ ٹائم بھی اچھا گزر جائے گا اور میں کچھ تصاویر بھی کھینچ لوں گا۔" کیف نے گلے میں پڑا کیمرہ تھپتھپایا اور بات جاری رکھی۔ "اور جب تک واپسی ہو گی میرے ساتھی بھی جاگ جائیں گے۔"

"ضرور ضرور۔۔۔ آیئے چلتے ہیں۔" دونوں آگے کی طرف چل پڑے۔

"تو کدھر کے رہنے والے ہیں آپ؟" سلمان نے چلتے چلتے پوچھا تھا۔

"لاہور۔۔۔ میں لاہور سے ہوں۔ مگر کام کے سلسلے میں زیادہ وقت دوسرے شہروں میں گذرتا ہے۔"

"اچھا اچھا۔۔۔ لاہور بڑا خوبصورت شہر ہے۔" وہ کیف سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتا رہا اور کیف نے تسلی بخش جواب دیے۔ سلمان حیدر کافی باتونی انسان معلوم ہوتا تھا۔ اس کا اعتماد جیتنے کے لیے کیف جو کر سکتا تھا، کر رہا تھا۔ تسلی بخش انداز میں وہ اس کے ہر سوال کا جواب جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ دے رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ ایک بار سلمان احمد کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گیا تو فلک بوس کے بارے میں اسے کافی کچھ معلوم ہو سکے گا۔

"ماشاء اللہ آپ اردو اچھی بول لیتے ہیں سلمان بھائی! میں نے بہت کم پٹھانوں کو اتنی صاف اردو بولتے دیکھا ہے۔" سلمان خاموش ہو گیا تو کیف نے بات برائے بات کہا۔

www.urdugem.com

"ہاہاہا۔۔۔ میرا بھائی میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گزارا ہے۔ میری پیدائش بھی لاہور کی ہے۔ میرے ابا وہاں فرنیچر کا کام کرتے تھے۔ اپنی دکان تھی ان کی فرنیچر کی۔ میں نویں کلاس میں تھا جب ہماری دکان میں آگ لگ گئی۔۔۔ سب جل کر راکھ ہوگیا۔ بابا برداشت نہ کر سکے۔۔۔ دل کے دورے میں جان سے چلے گئے۔ حالات اتنے خراب ہوئے کہ ہمیں بشام واپس آنا پڑا۔ پڑھائی کا سلسلہ بھی وہاں ہی رک گیا۔ میری امی کے بھائی رہتے تھے یہاں۔۔۔ بس پھر ہم یہاں ہی بس گئے۔۔۔ لکڑی کا چھوٹا سا کاروبار ہے۔ اچھا گزر بسر ہو جاتا ہے۔" وہ بولنے پر آیا تو بتاتا ہی چلا گیا۔ "پھر دیکھو نا یہاں پہاڑ ہیں، پھول پودے ہیں، چشمے ہیں۔۔۔ صاف ستھری فضا ہے۔ قدرت کی حسین نشانیاں ہیں۔ جو کچھ یہاں ہے وہاں لاہور میں کہاں ملنا تھا ہمیں۔۔۔"

"ماشاء اللہ۔۔۔" کیف نے متاثر ہونے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔ "اس کا مطلب ہے آپ پچھلے دس بارہ سالوں سے بشام میں ہی رہ رہے ہیں۔"

"پچھلے سترہ سالوں سے۔۔۔" سلمان کا لہجہ کچھ فخریہ ہوگیا تھا۔ "پچھلے سترہ سال سے میں بشام میں رہ رہا ہوں۔ مجھے جو خوشی اور سکون یہاں ملا ہے کہیں اور مل ہی نہیں سکتا تھا۔"

اپنے علاقے کی بات کرتے ہوئے اس کا فخریہ انداز کیف کو باور کرا گیا تھا کہ سلمان احمد بشام کی محبت میں مبتلا ہے اور نہ صرف محبت میں مبتلا ہے بلکہ اس پر فخر بھی کرتا ہے۔ کیف نے اس کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

"واہ۔۔۔ پھر تو آپ ہمیں بشام کے بارے میں بہت سی معلومات دے سکتے ہیں۔ دراصل ہمیں بشام کی تصاویر کے ساتھ ساتھ یہاں کے بارے میں رپورٹ بھی تیار کر کے دینا ہوگی۔ اور یقیناً اس سے بشام کے بارے میں پوری دنیا کو معلوم ہو سکے گا کہ یہ کتنی خوبصورت جگہ ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور، کیوں نہیں۔۔۔" کیف کی بات نے تو جیسے اس کی بیٹری چارج کر دی تھی۔ "ایسا ہے بھائی کہ بشام شنگلا ڈسٹرکٹ کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ آپ کو پتا ہے یہاں کی اکثر دکانیں چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں کیوں کہ اس کی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے کہ یہ پاکستان کو چائنا سے ملانے والے راستے پر واقع ہے۔ ان دکانوں پر چائنا سے آیا ہوا مال مناسب قیمتوں میں بکتا ہے اور یہاں کا موسم۔۔۔" وہ چپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

کیف کو لگا جیسے وہ سلمان حیدر سے نہیں وکی پیڈیا سے بات کر رہا ہے۔

وہ بازار میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں گلیوں کی نسبت زیادہ رونق تھی۔ اپنی دکان پر پہنچنے تک سلمان کا بشام نامہ جاری رہا مگر اس بشام نامے میں دور دور تک فلک بوس کا ذکر نہیں تھا۔ کیف کو اب اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی سو تھک کر اس کی بات کاٹی۔۔۔

"واہ۔۔۔ کیا بات ہے سلمان بھائی آپ کے بشام کی۔۔۔" کیف واری صدقے جانے لگا۔ "میں تھوڑی دیر پہلے کھڑکی سے دیکھ رہا تھا، یہ سامنے پہاڑ پر بڑی خوبصورت عمارت ہے۔ کوئی ہوٹل وغیرہ ہے کیا؟" کیف نے فلک بوس کی جانب اشارہ کر کے مصنوعی معصومیت سے پوچھا۔

"عمارت۔۔۔؟" سلمان نے حیرانی سے اس کے ہاتھ کے اشارے کی سمت دیکھا۔

برف تلے چمکتا دمکتا فلک بوس پوری شان سے کھڑا تھا۔ اپنے نام کی طرح عالیشان، عظیم اور آسیب زدہ۔۔۔

"اوہ۔۔۔ فلک بوس۔۔۔" سلمان جیسے ہی کیف کے مرکزِ نگاہ تک پہنچا، جھرجھری لے کر رہ گیا۔

ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ ٹھنڈی یخ ہوا جو ہڈیوں میں گھستی محسوس ہوتی تھی۔

خوش نصیب نے بے ساختہ جھرجھری لی تھی۔ انکل رضوی اور آنٹی خوش نصیب کو رخصت کرنے کے لیے گیراج میں ہی موجود تھے۔ آج رات ان لوگوں کو بھی اپنے کچھ رشتے داروں سے ملنے کے لیے لاہور روانہ ہونا تھا اور پھر پلان کے مطابق لاہور سے وہ لوگ اپنے بیٹے کے پاس چلے جاتے۔ خوش نصیب کا دل مزید اداسی سے بھر گیا۔

آنکھوں میں بہت سے آنسو لیے وہ آنٹی کے گلے لگ گئی تھی۔ یہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے اسے سخت ڈپریشن میں سے نکال کر دوبارہ سے جینا سکھایا تھا۔ وہ اس کے لیے روشن امی جیسی بن گئی تھیں۔

"میں آپ لوگوں کو بہت۔۔۔ بہت زیادہ مس کروں گی۔" اداسی اس کے ایک ایک انداز سے ظاہر تھی۔

"میں تمہیں اس سے بھی زیادہ یاد کروں گی۔" جنت آنٹی نے بہت محبت سے اسے سینے سے لگایا تھا۔

"آپ لوگ جب بھی پاکستان آئیں، پلیز مجھ سے ضرور ملیے گا۔" خوش نصیب کی آواز بھرائی۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے خوش نصیب بیٹے! ہم جب بھی آئیں گے، تم سے ضرور ملیں گے۔" رضوی صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"تم بالکل بھی فکر مت کرو۔ خدا تمہاری مدد ضرور کرے گا۔ منفرا اور معاویہ بہت اچھے بچے ہیں۔ تمہارا خیال رکھیں گے۔ اور پھر ہم لوگ بھی تم سے رابطے میں رہیں گے۔ کوئی بھی مسئلہ ہو، تم ہمیں بتا سکتی ہو۔" رضوی انکل کسی باپ کی سی محبت کے ساتھ کہہ رہے تھے۔

خوش نصیب نے خود کو اپنے نام کی طرح خوش قسمت تصور کیا اور مسکرا دی۔

"چلو اب دیر ہو رہی ہے۔ ڈرائیور تمہیں تمہاری منزل پر پہنچا دے گا۔"

انکل نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ خوش نصیب کا سامان گاڑی میں رکھ دے۔

کچھ ہی دیر میں اس نے اپنا ٹھکانا چھوڑا اور پھر سے ایک انجان راستے پر روانہ ہوگئی مگر اس بار مایوسی قدرے کم تھی۔ اسے امید تھی کہ معاویہ بھی نہ بھی اس کی مدد کے لیے راضی ہو جائے گا اور اس دن۔۔۔ اس دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ بارش جو کچھ دیر پہلے کسی ردھم کی طرح ہلکی ہلکی برس رہی تھی اب شدت اختیار کر چکی تھی۔

گاڑی گیلی سڑک پر تیزی سے دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ خوش نصیب نے ٹھنڈی سانس بھر کر نشست سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد گاڑی آشیانہ شیرازی میں داخل ہو رہی تھی۔ پچھلی بار وہ یہ نام دیکھ نہیں سکی تھی۔

"کتنا عجیب نام ہے۔۔۔" اس نے دل ہی دل میں تبصرہ کیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

گاڑی رک چکی تھی۔

اس نے دیکھا کہ منفرا داخلی دروازے سے باہر آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر خیر مقدمی مسکراہٹ موجود تھی۔

☆☆☆

کیف چائے کا کپ پکڑے، کھڑکی میں کھڑا باہر تک رہا تھا۔

یاسر اپنا کیمرہ لے کر وادی میں گھومنے چلا گیا تھا جب کہ زرگل کھانے کا انتظام کرنے گیا ہوا تھا۔

کیف کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا سو اس نے سلمان حیدر کے بیٹے کو پیسے دے کر ایک چھوٹے سے

www.urdugem.com

''ہاں وہی۔۔۔میں اس عمارت کی بھی کچھ تصاویر لینا چاہ رہا ہوں۔''

''یہ قلعہ فلک بوس ہے میرے بھائی، میری تمہیں یہی نصیحت ہے کہ اس عمارت سے دور رہو۔ بڑی منحوس جگہ ہے یہ۔۔۔بشام کے نام پر کلنک۔۔۔ بڑے قتل ہو چکے ہیں اس عمارت کے پیچھے۔۔۔آپ چھوڑیں اس عمارت کو، میں آپ کو بشام کے بارے میں بتا رہا تھا۔''

وہ ٹالنے کے موڈ میں لگ رہا تھا جب اچانک پیچھے سے آواز ابھری تھی۔

''خان صاحب! کیوں بالک سے سچ چھپا کر اس کے تجسس کو ہوا دیتے ہیں؟'' کیف نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

وہ چھریرے بدن کا مناسب قد و کاٹھ والا ادھیڑ عمر آدمی تھا جو سلمان احمد کی ساتھ والی دکان کے دروازے کے باہر سامان سیٹ کر رہا تھا۔ اس کی بھنوؤں کے درمیان سے ماتھے پر اوپر کو جاتا سرخ نشان کیف کو اس کا مذہب بتانے کو کافی تھا۔

''پٹواری صاحب! آپ اس معاملے سے دور رہیں۔'' سلمان نخوت بھرے انداز میں بولا۔ ''یہ میرے مہمان ہیں۔ آپ انہیں اپنی بھٹکتی آتماؤں کی کہانیوں سے دور رکھیں۔''

''کہانی ہو یا حقیقت۔۔۔ہے تو فلک بوس کے بارے میں ہی نا؟ تو پھر جب آپ کے مہمان اس بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو انہیں بتا کیوں نہیں دیتے؟''

''سلمان احمد نے ''ہونہہ'' کہہ کر منہ پھیر لیا۔

''آپ کا تعارف؟'' کیف نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''میرا نام پٹواری لال ہے۔ خود ہندو ہوں لیکن دنیا کے ہر مذہب پر یقین رکھتا ہوں۔ تم مجھے لبرل ہندو کہہ سکتے ہو۔''

''میں کیف ہوں۔ لاہور سے ہوں۔ ایک انٹرنیشنل لیول کے مقابلے میں حصہ لینے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بشام کی خوبصورتی کو اپنے کیمرے میں قید کرنے آیا ہوں۔''

''فلک بوس کے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہو؟''

کیف اور پٹواری لال کو محو گفتگو دیکھ کر سلمان حیدر اکتا کر دکان کے اندر چلا گیا۔ کیف نے سلمان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھایا اور فوراً پٹواری لال کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ کافی خوبصورت عمارت ہے اور میں اندر سے اس کی کچھ تصاویر لینا چاہتا تھا۔ بس اس لیے۔۔۔''

''کبیر خان تمہیں اس کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دے گا۔ اندر جانا اور تصویریں کھینچنا تو دور کی بات ہے۔'' پٹواری لال نے سر جھٹک کر کہا۔

''اب یہ کبیر خان کون ہے؟'' کیف نے پوچھا۔

''فلک بوس کا چوکیدار۔۔۔وہاں کا رکھوالا۔۔۔'' یہ کہہ کر وہ دکان کے اندر کی طرف چل پڑا۔

''اندر آ جاؤ لڑکے۔۔۔! میں تمہیں بتاتا ہوں فلک بوس کے بارے میں۔''

کیف واپس جانے کو مڑا تھا جب پیچھے سے پٹواری لال کی آواز سنائی دی۔

☆☆☆

نومبر کے آخری دن چل رہے تھے۔

آج آسمان گہرے سیاہ بادلوں سے ڈھکا تھا۔ جس وقت وہ تیار ہو کر اپنا سفری بیگ لیے گیراج میں آئی،

UrduGem.com
Urdu Novels, Books and Much More

ڈھابے سے ایک کپ چائے منگوائی اور اب وہ کپ تھامے کھڑکی میں کھڑا فلک بوس کو سوچنے میں مصروف تھا۔ اس نے تین چار گھنٹے وادی میں گھومتے ہوئے گزارے تھے مگر کوئی بھی بہت نئی یا حیران کن بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ پٹواری لال نے اسے جو کچھ بتایا اس میں سے کافی باتیں تو وہ زرگل کی زبانی سن ہی چکا تھا۔

جو نئی معلومات ملی تھی، اس کے مطابق فلک بوس کے مالکان کبھی کبھار سال میں ایک دو بار فلک بوس آتے ہیں۔ مگر وہ بھی ایک آدھ دن کے لیے۔ سال کا بیشتر حصہ فلک بوس صرف آیو شمتی کی ملکیت ہوتا ہے۔

فلک بوس کی دیکھ بھال اور حفاظت کا ذمہ کبیر نام کے ایک بوڑھے آدمی کے پاس تھا جو کہ فلک بوس کے سرونٹ کوارٹر میں ہی رہائش پذیر تھا۔ اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک بیٹا تھا جس کا نام پاشا تھا اور وہ پچھلے دس بارہ سالوں سے ملک سے باہر تھا۔ کبھی کبھار آتا بھی تھا تو ایک دو ہفتوں سے زیادہ نہیں رکتا تھا بشام میں۔

کبیر خان، اردشیر ازی کا خاندانی ملازم تھا۔ بہت غصیلا اور کافی حد تک سڑیل بڈھا تھا۔ جسے قصبے کے ہر اس انسان سے مسئلہ تھا جو فلک بوس کے قریب سے بھی گزر جاتا تھا۔ جس کی فلک بوس کو چھونے والی ہواؤں سے بھی نہ بنتی تھی۔۔۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے پاشا سے بھی نہیں۔۔۔۔ جو آج کل بشام میں ہی موجود تھا۔

بس یہی سب معلوم ہو سکا تھا۔

اس نے واپس آ کر یہ سب کچھ یاسر اور زرگل کو بتا دیا تھا۔

اب وہ دونوں تو باہر چلے گئے تھے اور یہاں کیف اکیلا رہ گیا تھا۔۔۔ اپنی سوچوں کے ساتھ۔۔۔

فلک بوس کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کی ذہنی رو بھٹک کر گھر کی جانب مڑ گئی تھی۔

وہ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے گھر نہیں جا سکا تھا۔ امی بار بار فون کر رہی تھی کہ آ کر مل جاؤ۔ اس ویک اینڈ پر گھر جانے کا پلان کیا تھا لیکن بشام آ گیا تھا۔ ویسے بھی اب گھر جا کر وہاں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ وہ گھر اب ویسا نہیں رہا تھا جیسے گھر میں کیف رہنے کا عادی تھا۔

اب وہاں سناٹے بولتے تھے۔

خاموشی گنگناتی تھی۔

چیخیں گونجتی تھیں۔۔۔

ایسی چیخیں جو اپنے کیے ہوئے گناہوں کا پتا دیتی تھیں۔۔۔ جو کسی کی مجبوری سے اٹھائے ہوئے فائدے کی گواہی دیتی تھیں۔ جو کسی دھوکے کا احساس دلاتی تھیں۔ ایسی چیخیں جن میں کراہٹ تھی۔۔۔ معافی کی التجا تھی لیکن معاف کرے کون؟

اس کی سوچ کا رخ تین سال پہلے کے واقعات کی طرف چلا گیا تھا۔

☆☆☆

"دور ہو جاؤ تم میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔ تم جیسے نافرمان بیٹے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم صیام سے نکاح نہیں کرو گے تو اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔" ابا نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا لیکن خوش نصیب کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔" اس نے سوچ لیا تھا کہ اب بس وہ وہی کرے گا جو اس کا دل کہے گا۔ وہ خوش نصیب کی طرف مڑا تھا اور پھر اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر لیا تھا۔ "چلو خوش نصیب ہمیں یہاں نہیں رہنا ہے۔" وہ دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

خوش نصیب اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی بلکہ اس نے اپنا ہاتھ بھی پیچھے کھینچ لیا تھا۔ کیف کو جھٹکا لگا۔

اس نے مڑ کر حیرت سے خوش نصیب کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں امید ٹوٹنے کا کانچ کی طرح نظر آتی تھی۔

"نہیں کیف۔۔۔" خوش نصیب نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

کیف چند لمحے سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا رہا تھا پھر اس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لی تھی۔ بس نہ چلا تھا کہ اس لمحے خوش نصیب کی جان نکال دیتا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔۔۔" وہ حلق کے بل چلایا تھا اس پر۔

تیزی سے مڑتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھا تھا۔ دھب دھب کر کے سیڑھیاں عبور کیں اور گھر سے باہر نکلتا چلا گیا۔ تائی اماں اور فہمینہ تیزی سے اس کے پیچھے بھاگے تھے لیکن ان کے روکنے سے پہلے ہی وہ گھر سے باہر نکل چکا تھا۔

گھر سے نکل کر وہ سیدھا اسلام آباد آ گیا تھا۔

نکلا تو یہ سوچ کر تھا کہ مڑ کر کبھی خبر نہ لے گا لیکن چاہ کر بھی وہ خوش نصیب کے خیال کو دل سے نہ نکال سکا تھا اور اسی خیال کے ہاتھوں تنگ آ کر اس نے تین دن بعد رات کو عرفات ماموں کو اپنے نئے نمبر سے کال کی تھی۔ ان سے جو اطلاع ملی تھی اس نے کیف کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ خبر روشن چچی کی موت کے بارے میں تھی۔ اتنی سی خبر دے کر عرفات ماموں نے کال بند کر دی تھی۔ یقیناً وہ اس سے سخت خفا تھے۔

آگے کے واقعات مختصر رہے۔ عرفات ماموں کو کس طرح منانا پایا الگ معرکہ تھا لیکن روشن چچی کی وفات کے قریباً ایک ماہ بعد وہ ان کی مدد سے خوش نصیب کو تعلیم کی غرض سے اسلام آباد لا چکا تھا۔ اس کی رہائش سے لے کر اس کے یونیورسٹی میں داخلے تک تمام بھاگ دوڑ کیف نے کی تھی۔

صرف یہی نہیں بلکہ وہ تو تین سالوں میں خوش نصیب کے ہر لمحے سے واقف رہا تھا۔ یہ اور بات کہ وہ اب بھی خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ خوش نصیب کا سامنا کرتا۔ اس کی واحد وجہ یہی تھی کہ لاہور میں گھر بدر ہونے سے پہلے اس نے برملا کہا تھا کہ اس کی ماں کی موت کا ذمہ دار صرف اور صرف کیف ہے۔

موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس بات پر کامل یقین رکھنے کے باوجود کہیں نا کہیں یہ تکلیف دہ حقیقت وہ خود بھی جانتا تھا کہ اس کی جلد بازی اور اس کے غلط وقت پر لیے ہوئے فیصلے نے ہی روشن چچی کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا تو اب خوش نصیب کا سامنا وہ کرتا تو کس منہ سے کرتا۔

سو بس وہ جو کر سکتا تھا کرتا رہا تھا۔ خوش نصیب کے سامنے نہ آتا تھا لیکن عرفات ماموں کے رابطے میں رہتا تھا۔ خوش نصیب کی خیر خیریت کی اطلاع مل جاتی تھی۔

یہاں تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تھا۔

مسئلہ تب ہوا تھا جب عرفات ماموں ہارٹ اٹیک سے جانبر نہ ہو سکے اور اس کے بعد مسائل کی ایک قطار تھی جس سے کیف کو نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ ان کی تدفین کے ایک مہینے بعد وہ اسلام آباد واپس آ سکا تھا کیونکہ عرفات ماموں کی موت کا صدمہ اس کی ماں برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ ان کی حالت سنبھلتے ہی وہ واپس جانا چاہتا تھا لیکن گھر میں کچھ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے کہ وہ چاہ کر بھی خوش نصیب کی تلاش میں جا نہیں سکا۔ لیکن ان مسائل سے فرصت پاتے ہی خوش نصیب کی تلاش میں واپس بھاگا آیا تھا۔

یہ اس کی فاش غلطی تھی کہ اس نے کبھی بھی ماموں سے خوش نصیب کی رہائش کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ عرفات ماموں کی زندگی میں تو خیر اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی لیکن اب خوش نصیب اس کی ذمہ

www.urdugem.com

داری تھی۔ اس نے ہر ممکن طریقے سے رضوی صاحب کو ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن خدا کی قدرت کہ وہ دو ماہ تک اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اللہ اللہ کر کے ماموں کے ایک دوست کے ذریعے وہ رضوی صاحب کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔

پہلی فرصت میں وہ رضوی صاحب کے گھر گیا تھا مگر۔۔۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ کیف کو اس کے اعصاب جواب دیتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کی آخری امید بھی چکنا چور ہو گئی تھی۔ اس نے آس پڑوس سے پتا کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ رضوی صاحب اور ان کی بیوی اپنے بیٹے کے پاس چلے گئے ہیں۔ خوش نصیب کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کہاں چلی گئی۔

کیف سر پکڑ کر رہ گیا۔ سب دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس نے خود کو اس سے زیادہ بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اسے وہاں آ کر پتا چلا تھا کہ خوش نصیب کچھ عرصہ کسی مال میں سیلز گرل کی جاب کرتی رہی ہے۔ وہ فوراً وہاں گیا تھا لیکن وہاں جا کر بھی کچھ خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے۔ اسے بتایا گیا کہ خوش نصیب نے وہ نوکری چھوڑ دی ہے۔

اور خوش نصیب کی تلاش کے دروازے خود بخود بند ہو گئے۔ اس نے دل کا کونہ خوش نصیب کی یاد میں آباد کیا، چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور بشام آ گیا یہ سمجھ کر کہ اب سب راستے بند ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

تو اب وہ گھر۔۔۔ ویسا نہیں رہا تھا جیسے گھر میں کیف رہنے کا عادی تھا۔

وہاں سناٹے تھا۔۔۔ خاموشی تھی۔۔۔ اور کچھ کرلاہٹ بھری چیخیں۔۔۔ جو عبرت دلاتی تھیں۔

فضل منزل میں دیوار کھڑی ہو چکی تھی۔ اس کے صیام سے شادی کے انکار کے بعد شفیق چچا نے گھر کے درمیان دیوار کھڑی کروا لی۔ گھر، بزنس سب الگ ہوئے سو ہوئے انہوں نے دلوں کے درمیان بھی دیوار کھڑی کر لی تھی۔ کیف کی غلطی کی سزا اپنے بھائی کو یہ دی کہ انہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔

ان کی اس حرکت کا کیف کو یہ فائدہ ہوا کہ تین ماہ بعد ہی صابر صاحب نے کیف کو معاف کر دیا۔ بھائی تو اپنا بنا نہیں تو کس کے لیے وہ اکلوتے جوان بیٹے سے ہاتھ دھوتے۔ چنانچہ ماموں کے بلانے پر کیف نے جا کر معافی مانگی تو انہوں نے معاف کرنے میں زیادہ تامل نہیں کیا۔

خیر۔۔۔ تو وہ گھر جا کر عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتا تھا۔ اسے اپنے ہی گھر میں بے چینی محسوس ہوتی تھی۔ ایسی بے چینی جس میں خود اذیتی کے ساتھ ساتھ اپنی غلطی کا احساس بھی شامل ہوتا تھا۔

اب اس گھر میں خوش نصیب نہیں تھی۔۔۔ خوش نصیب۔۔۔ اس کی تصنین۔۔۔ اس کی خفگی۔۔۔ اس کا غصہ۔۔۔ اس کے شکوے۔۔۔ اس کی لڑائیاں۔۔۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

تین سال ہو گئے تھے اسے خوش نصیب سے بات کیے ہوئے۔ اور اب تو وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ خوش نصیب کہاں ہے۔ وہ اسلام آباد میں اسے ڈھونڈتا رہا تھا لیکن ملتے تو وہ ہیں نا جو گم ہو جائیں۔۔۔ جو خود کہیں چھپ جائے اسے بھلا کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

"کیا میں اسے کبھی دیکھ سکوں گا؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

ناامیدی اس معاملے میں اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ دل نے بھی جواب نہ میں دیا تھا۔

اس نے جیسے تھک کر آنکھیں موندیں اور سر کھڑکی کی چوکھٹ کے ساتھ ٹکا لیا۔

اس کے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ برف کی مانند ٹھنڈا ہو چکا تھا اور فلک بوس کی کشش کا حصار خوش نصیب کی یاد کے ساتھ ہی ٹوٹ گیا تھا۔

"کیف بھائی!" یاسر نے کیف کے دائیں کندھے کو ہلکا سا جھنجھوڑا تھا۔

کیف چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"آپ ٹھیک ہو؟" یاسر کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

کیف نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائی۔ "بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔۔۔ کیوں کیا ہوا؟"

"کھوئے کھوئے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔۔۔" وہ شرارتی لہجے میں بولا۔ "میں اتنی دیر سے آپ کو بلا رہا ہوں اور آپ پتا نہیں کس کے خیالوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔۔۔" یاسر مشکوک انداز میں بولا۔

"یار فلک بوس اور اس چڑیل کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں اور کس بارے میں سوچنا ہے۔" اس کے انداز سے بے دلی نمایاں تھی۔

"آہم آہم۔۔۔ انداز تو کچھ اور کہہ رہے ہیں سرکار کے۔۔۔"

یاسر نے چڑانے کی کوشش کی لیکن وہ کیف ہی کیا جو آسانی سے ہاتھ آ جاتا۔

"ہاں سوچ رہا ہوں تجھے مار کر یہاں ہی چھوڑ جاؤں۔۔۔ آیوشمتی کو بھی کمپنی مل جائے گی اور ترے گھر والوں کی زندگیوں میں بھی سکون آ جائے گا۔"

یاسر بری سی شکل بنا کر پیچھے مڑ گیا۔ "آپ کو لینے آیا تھا۔ زرگل بھائی نے پورا بازار چھان کر ایک ڈھابہ ڈھونڈا ہے جہاں سے یہاں کا بیسٹ پہاڑی چوچا (چوزہ) کھانے کے ملے گا۔۔۔"

"چلو یار پھر پہاڑی چوچا کھا کر آتے ہیں۔" کیف نے اسے بازو کے گھیرے میں دبوچا اور باہر کی جانب چل پڑا۔

کچھ ہی دیر میں وہ تینوں ایک چھوٹے سے اوپن ائیر ریسٹورنٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

"میں ابھی مارکیٹ میں پھر رہا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ پاشا بشام آیا ہے آج ہی۔۔۔" یاسر نے کہا تھا۔

"کیوں نہ ایسا کریں کہ پاشا سے مل کر فلک بوس دیکھنے کی بات کریں کیوں کہ میری انفارمیشن کے مطابق اس کا باپ ہمیں اندر داخل ہونے نہیں دے گا۔" کیف نے کہا۔

"ہمارے پاس بھی ایک خبر ہے۔۔۔" زرگل نے کہا تو وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"میں نے سنا ہے کہ فلک بوس کا اصلی مالک یعنی معاویہ اردشیرازی اپنی فیملی کے ساتھ کچھ دنوں میں بشام آ رہا ہے۔"

"یار۔۔۔ یہ تو اچھی خبر نہیں ہے۔ ان کی موجودگی میں تو فلک بوس میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" یاسر کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

"ہاں اور اس سے زیادہ برا خبر یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دو دن میں یہاں آ جائے گی۔۔۔ اس کے بعد تو فلک بوس کو بھول ہی جاؤ۔۔۔"

"آج کی تاریخ میں کوئی اچھی بات نہ کرنا تم۔۔۔" کیف نے زرگل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے مجھے کیوں گھورتی ہے۔ میں اس کو نہیں بولا کہ تم بشام آؤ۔" زرگل بیچارہ سا بن کر بولا تھا۔

اس سے پہلے کہ کیف جواب دیتا یاسر اکتا کر بولا تھا۔

"اب یہ بتائیں کرنا کیا ہے؟"

www.urdugem.com

"کھانا کھالیں پھر فلک بوس چلتے ہیں۔ کیا پتا بابے کبیر کو زرگل کی پٹھانی شکل پر ترس آجائے اور ہم اندر داخل ہوسکیں۔۔۔" کیف مزے سے بولا۔

وہ دونوں ہی کیف کی بات سے متفق تھے سو کھانا ختم ہوتے ہی فلک بوس کی جانب چل پڑے۔

☆☆☆

وہ اس وقت کچن میں موجود تھی جب انٹرکام پر چوکیدار نے اسے خوش نصیب کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

معاویہ نے آج لنچ گھر پر کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ وہ دو بجے تک گھر آنے والا تھا اور وہ اس کے لیے کچھ خاص ڈش تیار کرنا چاہتی تھی اس لیے گیارہ بجے کچن میں آکھڑی ہوئی تھی۔

کافی حد تک کام مکمل ہو چکا تھا سو باقی کا کام باورچی کے حوالے کر کے اور اسے چائے تیار کرنے کا کہہ کر وہ خود خوش نصیب کو لینے باہر آگئی۔

بارش تیزی سے برس رہی تھی۔ اس نے پانی کے اس پردے کے پار غور سے دیکھا۔ گاڑی سامنے آکر رک چکی تھی اور خوش نصیب باہر نکل رہی تھی۔ اس نے جھک کر ڈرائیور کو کچھ کہا اور تیزی سے دروازے کی جانب آگئی۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے اس لڑکی سے دلی ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔

وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

جب تک ملازم چائے لایا وہ خوش نصیب سے ابتدائی گفتگو کر چکی تھی اور اب اسے اس کی ذمہ داریوں اور بچوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"میرے بیٹے کا نام وسامہ ہے اور بیٹی کا نام ہدیٰ۔۔۔ کیونکہ ابھی دونوں بہت چھوٹے ہیں اس لیے تمہیں ان کے ساتھ روم شیئر کرنا ہوگا۔ ابھی تو میں نے ان دونوں کو الگ روم میں شفٹ نہیں کیا تھا لیکن اب کیونکہ تم آگئی ہو سو یہ کام کرلیں گے۔ تم نے پہلے کبھی بچوں کو سنبھالا ہے خوش نصیب۔۔۔؟" اس نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔۔۔ کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی نہ ہی کبھی موقع ملا۔" خوش نصیب کچھ پریشان ہو کر صفائی پیش کر رہی تھی۔

"اٹس اوکے کوئی بات نہیں۔" منفرا بولی تھی۔ اس کا مقصد شاید اپنے بچوں کی دیکھ بھال سے زیادہ خوش نصیب کی مدد کرنا تھا۔ "وسامہ اور ہدیٰ صرف تمہاری ذمہ داری نہیں ہوں گے۔ یوں سمجھ لو کہ تمہارا کام انہیں سنبھالنے میں میری مدد کرنا ہے۔"

اب وہ اسے اس کی تنخواہ اور باقی سب تفصیلات وغیرہ بتا رہی تھی۔

"گھر میں، معاویہ اور ہمارے بچوں کے علاوہ دو نوکر ہیں۔ ایک چوکیدار اور دوسرا معاویہ کا پرسنل شیف۔۔۔ چوکیدار کو بلا اجازت گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے اور شیف بھی کچن اور ڈائننگ روم تک محدود ہے سو تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

غالباً۔ وہ اس کے نقاب کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

جب تک ان دونوں نے چائے ختم کی منفرا اسے تقریباً تمام تفصیلات سے آگاہ کر چکی تھی۔

"معاویہ۔۔۔ میرے ہزبینڈ۔۔۔ بچوں سے بہت اٹیچ ہیں۔" منفرا نے کہا تھا اور پھر چند سیکنڈ کا وقفہ دے کر بولی تھی۔ "خوش نصیب! معاویہ بہت خاموش طبع انسان ہیں۔ انہیں زیادہ بولنا، زیادہ لوگوں سے ملنا

سخت ناپسند ہے۔ تم انہیں تنہائی پسند یا آدم بیزار کہہ سکتی ہو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ تمہارے معاملے سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں۔ میں انہیں تمہاری مدد پر راضی نہیں کر سکی مگر جو میں کر سکتی تھی تمہارے لیے وہ میں کر رہی ہوں۔"

"آپ جو کر رہی ہیں میرے لیے وہ بھی امید سے زیادہ ہے۔ تھینک یو سو مچ۔" خوش نصیب ممنون ہوئی۔

"تم بس کوشش کرنا کہ تمہارا اور معاویہ کا سامنا کم سے کم ہو۔۔۔ ان کی گھر میں موجودگی میں تم کمرے میں ہی رہنے کی کوشش کرنا۔" منفرا نظر چرا کر اپنی بات مکمل کر رہی تھی۔

خوش نصیب اس کا مسئلہ سمجھ رہی تھی سو فوراً کہا۔ "آپ فکر نہ کریں میڈم! آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

منفرا کا دل مطمئن ہوگیا۔

"وہ ابھی کچھ دیر بعد گھر آئیں گے۔۔۔ تم تب ان سے ملو گی۔ میں امید کرتی ہوں کہ تم اپنے پرانے مسئلے کا ذکر ان سے نہیں کرو گی۔ ابھی کچھ وقت گزر لینے دو پھر شاید تم ان کا اعتماد جیت جاؤ اور وہ تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔"

خوش نصیب نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ خود بھی فیصلہ کر چکی تھی کہ معاویہ سے ابھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گی۔ کم از کم تب تک تو نہیں جب تک معاویہ اور منفرا کا اعتماد نہ جیت لے۔

"اور پلیز مجھے یہ فارمیلیٹیز کچھ خاص پسند نہیں۔ تم میرا نام لے سکتی ہو مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔ اب آؤ میں تمہیں بچوں سے ملواتی ہوں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لاؤنج سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ خوش نصیب اس کے پیچھے تھی۔

"تمہیں سفر کرنا پسند ہے؟" منفرا نے بات برائے بات پوچھا تھا۔

"پسند تھا مگر کبھی موقع نہیں ملا۔" خوش نصیب مختصراً بولی تھی۔

"اچھی بات ہے کیونکہ ہم لوگ دسمبر کے پہلے ہفتے میں بشام جائیں گے۔ اور تمہیں ہمارے ساتھ جانا ہے۔ کیا تم بشام کے بارے میں جانتی ہو؟"

"نہیں۔۔۔"

"بشام زمین پر جنت کا ایک حصہ ہے۔ اس نے مجھے مونٹوک کی خوبصورتی کو بھولنے پر مجبور کر دیا۔ وہاں پہاڑ ہیں، جھرنے ہیں، خوبصورتی ہے اور وہاں فلک بوس ہے۔۔۔"

خوش نصیب اس کی سنتے سنتے ٹھٹک کر رکی تھی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ اسے گھر کے اندرونی حصے کی طرف جاتے دروازے کے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسے حیرت ہوئی کیونکہ وہاں کا پردہ ابھی تک ہل رہا تھا مگر گھر پر تو کوئی نہیں تھا۔۔۔

خوش نصیب نے سر جھٹکا اور تیزی سے منفرا کے پیچھے چلی گئی۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اوپر جا رہی تھیں اور پیچھے پردہ ابھی تک ہل رہا تھا۔

☆☆☆

بشام کے پہاڑوں پر برف جم کر بری اور پائن کے درختوں کے پتے برف سے لد کر سبز سے سفید دکھائی دینے لگے۔

www.urdugem.com

پہاڑی پرندوں کی خوشنما آوازوں سے لدی مٹیالی شام قلعہ فلک بوس کی چمنیوں سے سرکتی ہوئی عمارت کے داخلی دروازے تک پہنچی تو وہ تینوں دور لوہے کے مضبوط پھاٹک کے اس پار کھڑے دکھائی دیے۔

ان تینوں نے سر اٹھا رکھے تھے اور فلک بوس کی خوبصورتی میں کھوئے ہوئے نظر آتے تھے۔

وسیع و عریض باغیچہ اور اس میں لگے سدا بہار پیڑ پودے مسرور سے دکھائی دیتے تھے۔ تالاب کے وسط میں اپنے پنکھ پھیلائے کھڑی سفید پری برف سے ڈھک کر کچھ اور سفید محسوس ہوتی تھی۔

فلک بوس کے چاروں طرف لوہے کا مضبوط اور تقریباً دس فٹ اونچا جنگلہ لگا کے پیش بندی کر دی گئی تھی ۔۔۔ جانوروں سے بچاؤ کے لیے اور شاید انسانوں سے بھی۔۔

کیف ایک ایک چیز کا جائزہ بغور لے رہا تھا۔ تبھی ایک تیز آواز گونجی تھی۔

کوئی لاٹھی ٹیکتا ہوا چل رہا تھا۔

"کون ہے؟ کون ہے وہاں؟" اس بوڑھی آواز میں بے تحاشا غصہ موجود تھا۔

وہ تینوں ہی چونک کر اندر کی جانب متوجہ ہوئے۔ جنگلے کے اس پار وہ بوڑھا آدمی بائیں جانب سے نمودار ہوا تھا اور اب لاٹھی ٹیکتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔

اس کی چال میں لنگڑاہٹ تھی۔ سفید بال کندھوں تک آتے تھے۔ جھریوں بھرا چہرہ، سفید داڑھی، آنکھوں پر نظر کا گول چشمہ اور ہاتھ میں پکڑی مضبوط لوہے کی لاٹھی۔۔۔

"کون ہے؟ کیوں آئے ہو یہاں۔۔۔ جاؤ۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔۔ یہ کوئی گھومنے پھرنے کی جگہ نہیں ہے جہاں منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو۔" اس کے انداز میں اس قدر اکتاہٹ تھی کہ وہ تینوں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئے تھے۔

یقیناً وہ کبیر خان تھا۔۔۔

فلک بوس کا رکھوالا۔۔۔۔

آیو شمتی کے بعد فلک بوس کا مستقل رہائشی۔۔۔۔

اتنی دیر میں وہ پھاٹک کے دوسری طرف پہنچ گیا تھا لیکن اس نے دروازہ کھولنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"کیا تکلیف ہے؟" اس کی سرخ سرخ آنکھیں ان کے چہروں پر جمی تھیں۔

"سلام بابا جی۔۔۔!" کیف گڑبڑا کر بولا تھا۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟" اس نے جواباً سلامتی بھیجنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"بابا جی! ہم لوگ فوٹو گرافرز ہیں۔۔۔ تصویریں کھینچتے ہیں۔۔۔ لاہور سے آئے ہیں۔ نیچے وادی میں سلمان احمد کے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

کیف کسی رٹے رٹائے سبق کی طرح فر فر بول رہا تھا جب کبیر خان کا پارہ اتنی لمبی بات پر آسمان پر جا پہنچا تھا۔

"بس کرو۔۔۔ مجھے ذرا دلچسپی نہیں ہے کہ تم کون ہے۔۔۔ کیوں آئے ہو۔۔۔ بس چلے جاؤ لوٹ جاؤ یہاں سے۔۔۔" اس کا انداز اس کے شدید غصے کا گواہ تھا۔

زرگل نے جھرجھری لی تھی جب کہ کیف کچھ مشکوک سے انداز میں اس بوڑھے کو دیکھنے لگا۔

"چلیں جائیں گے بابا جی! بس یہاں کی کچھ تصویریں کھینچ لینے دیں۔" یاسر نے فرمائش کی تھی۔

"بے وقوف لڑکے۔۔۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ خبردار جو تم نے یہاں کی کوئی تصویر لینے کی کوشش کی تو۔۔۔ تصویر تو کیا میں تمہیں یہاں سانس لینے کی اجازت بھی نہیں دے

سکتا لوٹ جاؤ یہاں سے اور دوبارہ یہاں کا رخ بھی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔ زندہ واپس نہ لوٹ سکو گے۔۔۔ جاؤ۔۔۔ چلے جاؤ۔۔۔"

لمحہ بھر کے لیے وہ تینوں ہکا بکا رہ گئے تھے پھر کیف نے ہمت کی۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"ہاہاہا۔۔۔" کبیر خان نے قہقہہ لگایا۔ "اتنے معصوم نہ بنو لڑکے۔۔۔ وادی میں رہ رہے ہو اور پوچھتے ہو کہ کون تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ بیوقوف بنانے کی کوشش کرتے ہو کبیر خان کو، ظاہر کرتے ہو کہ وادی والوں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا فلک بوس کے بارے میں۔۔۔۔"

اس کی آنکھیں کچھ اور سرخ ہو گئی تھیں۔ جیسے خون چھلکنے کو بے تاب ہو۔

"مجھ سے سننا چاہتے ہو؟ تو سنو۔۔۔ تم جیسے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کا وہم ہے۔۔۔ ایک غلط فہمی۔۔۔ مگر بشام کے باسی۔۔۔ اس سے ڈرتے ہیں، خوف کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے تو وہ بھی اس کو نظر نہیں آتے۔ حالانکہ وہ تو وہ ہے جو فلک بوس میں رہنے والوں کے رازوں کی امین ہے۔ اس نے وہ سب سنا ہے جو کسی نے نہیں سنا۔ اس نے وہ سب دیکھا جو کبھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا گیا اور کبھی کسی کو دکھائی ہی نہیں دیا۔ بشام کے رہنے والے اس کی کہانیاں نگر نگر بیان کرتے ہیں لیکن اس نے ان کے راز آج تک فاش نہیں کیے۔"

اس کی باتیں سمجھ میں نہ آنے والی تھیں لیکن ایک لمحے کے لیے کیف کا دل بھی سکڑ کر پھیلا تھا۔

اس نے کچھ کپکپا کر کہا تھا۔ "کیوں۔۔۔ کیوں نہیں کیے؟"

"پتا نہیں، شاید اس لیے کیونکہ وہ آیو شمتی ہے۔۔۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی۔۔۔ اور زندہ رہنے کے لیے بڑے کشٹ اٹھانے پڑتے ہیں۔ تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

اس نے یکدم لوہے کی گرل سے ہاتھ باہر نکالا اور یاسر کا کالر دبوچ لیا پھر اسے گھسیٹ کر اپنے سامنے کیا اور اسے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم زندہ رہنا چاہتے ہو لڑکے؟"

یاسر کی جان ہوا ہو گئی تھی۔ خوفزدہ ہو کر اس نے تیزی سے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنا کالر چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کبیر نے ایک جھٹکے سے اس کا کالر چھوڑتے ہوئے اسے پیچھے کو دھکیل دیا تھا۔ وہ جھٹکے سے زمین پر گرا۔

کبیر خان بوڑھا تھا لیکن اس کے بازوؤں میں ابھی بھی بے تحاشا طاقت تھی۔

"تو جاؤ۔۔۔ دفع ہو جاؤ اس جگہ سے۔۔۔ دوبارہ بھی فلک بوس کے پاس مت آنا۔"

وہ جھٹکے سے مڑ گیا تھا اور لاٹھی ٹیکتا ہوا دوسری سمت چلا گیا تھا۔۔۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔ تصویریں لیں گے یہ۔۔۔ جیسے پھر آیو شمتی انہیں جانے دے گی یہاں سے۔۔۔"

کیف اور زرگل چند لمحوں کے لیے تو شل ہو کر رہ گئے تھے پھر زرگل کو یاسر کا خیال آیا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا جو خود حیران و پریشان زمین پر پڑا تھا۔

زرگل نے آگے بڑھ کر اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھنے میں مدد دی تھی۔

"لگی تو نہیں؟" زرگل کے چہرے پر تشویش تھی۔

"پاگل انسان۔۔۔ بڈھا۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے دانت کچکچائے۔ خوف اور حیرت

www.urdugem.com

کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔ کھڑے ہونے کے بعد وہ اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔
"چلیں؟" زرگل نے سنجیدگی سے پوچھا۔
کیف نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم آگے بڑھا دیے۔ یاسر اور زرگل بھی اس کے ساتھ تھے۔
چند قدم آگے بڑھانے کے بعد کیف نے مڑ کر دیکھا تھا۔ کچھ عجیب سے احساسات تلے اس نے قدم روک لیے تھے۔
"زرگل، یاسر تم دونوں گھر جاؤ۔۔۔ میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" وہ واپس مڑتے ہوئے بولا تھا۔
"یار پلیز اب اور کوئی فضول حرکت نہیں۔" زرگل چڑ کر بولا تھا۔
"میں نے کہا نا کہ تم لوگ جاؤ۔۔۔ میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" کیف نے سختی سے کہا۔
"جو مرضی کرو۔۔۔"
زرگل شدید غصے سے بولا اور یاسر کا ہاتھ تھامتے ہوئے تیزی سے آگے کی جانب بڑھ گیا۔
کیف کے قدم دوسری سمت اٹھ رہے تھے۔

☆☆☆

دو بجے کے قریب وہ گھر میں داخل ہوا تو ٹی وی لاؤنج خالی پڑا تھا۔ وہ حسبِ عادت اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔
منفرا کے اس کی زندگی میں آجانے سے بھی اس میں کافی تبدیلی آئی تھی لیکن وسامہ اور ہدیٰ کے آنے کے بعد وہ باقی سب کچھ بھول گیا تھا۔ یہ دونوں بچے اس کے لیے سورج کی حیثیت اختیار کیے ہوئے تھے جن کے گرد اس کی زندگی گھومتی تھی۔
وہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو منفرا وہاں موجود نہیں تھی۔ شاید وہ کچن میں تھی۔
وہ سر جھٹک کر بچوں کے کاٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا لیکن۔۔۔ اسے اپنا سانس سینے میں گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔
کاٹ خالی تھا۔
معاویہ کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اتنی ٹھنڈ میں منفرا تو بچوں کو باہر نہیں لے جا سکتی۔۔۔ اس کے اندر کا خوف مجسم صورت اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
اس نے ہاتھ میں پکڑا کوٹ بیڈ پر پھینکا اور تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔
"منفرا۔۔۔ منفرا!" وہ اسے آوازیں دے رہا تھا۔
جواب میں ہنوز خاموشی طاری رہی۔۔۔ اور یہ خاموشی اس کے خوف کو غصے میں بدل رہی تھی۔
"منفرا۔۔۔!" وہ پوری طاقت اور غصے سے چیخا۔ اور سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔
اس سے پہلے کہ وہ کچن کی سمت جاتا۔۔۔ اس نے منفرا کی آواز سنی تھی۔
حیرت زدہ آواز۔۔۔
"معاویہ۔۔۔!"
وہ ان کے بیڈروم کے ساتھ والے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔
"کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟"
معاویہ نے مڑ کر اوپر کی سمت دیکھا۔ منفرا حیران، پریشان اس کی شکل تک رہی تھی۔
وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

"کدھر تھیں تم؟ بچے کہاں ہیں؟ اتنا پریشان ہو گیا تھا میں۔۔۔" اس کے لہجے میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔
"کیا ہو گیا ہے معاویہ۔۔۔!" اس نے خفگی سے کہا۔ "جانا کہاں ہے؟ ساتھ والا کمرہ سیٹ کروا رہی تھی بچوں کے لیے۔"
"کیوں؟" وہ چھوٹے بچے کی طرح خفا ہو گیا تھا۔ "تمہیں پتا ہے کہ مجھے ان کے بغیر سکون نہیں ملتا۔"
"کیونکہ آج ان کی کیئر ٹیکر آ گئی ہے معاویہ۔۔۔" منفرا نے ابرو اچکا کر کہا۔
"نہ کرو یار۔۔۔" معاویہ نے منہ لٹکا لیا۔
منفرا ہنس پڑی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈروم کی سمت چل پڑی۔
"تو کیئر ٹیکر صاحبہ تشریف لے آئی ہیں؟ بیڈروم میں پہنچ کر معاویہ نے کہا۔
"بالکل۔۔۔" اس کے گلے سے ٹائی اتارتے ہوئے منفرا نے اثبات میں جواب دیا تھا۔
"تم ملو گے خوش نصیب سے؟" منفرا نے اس سے پوچھا۔
"نہیں۔" معاویہ نے یک لفظی جواب دیا۔
منفرا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور بیڈ سے کوٹ اٹھانے لگی۔ "بہتر تھا تم اس سے مل لیتے۔۔۔ تمہاری تسلی بھی ہو جاتی اور۔۔۔"
"اور؟"
"اور یہ کہ وہ کیئر ٹیکر ہے معاویہ! اب اسی گھر میں رہنے والی ہے۔ بہت احتیاط کریں تب بھی کبھی نہ کبھی تو سامنا ہو گا نا اس سے تمہارا۔ اگر تمہارا بی ہیویر ایسا ہی رہا تو کام کیسے چلے گا بھلا۔"
اس کا آرام دہ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا تھا۔
"ٹھیک ہے جناب۔۔۔ جیسا آپ کا حکم۔۔۔"
"کھانا لگواؤں۔۔۔؟"
"ہاں لگوا لو اور خوش نصیب صاحبہ کو بھی بلا لو۔ لنچ پر ہی مل لیتا ہوں اس سے۔" معاویہ نے کچھ سوچ کر کہا۔
"یہ ہوئی نا بات۔۔۔" منفرا نے خوشی سے کہا۔ "تم چینج کرو، میں کھانا لگواتی ہوں۔"
وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ پیچھے سے معاویہ کی آواز سنائی دی تھی۔
"یار میرے بچے تو دے جاؤ مجھے۔۔۔"
منفرا مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ تیزی سے چڑھائی اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔
سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ یقیناً روشنی ختم ہو جانے کے بعد یہ کام مزید مشکل ہو جاتا۔
ایک طرف گہری کھائی تھی اور دوسری جانب پہاڑ۔۔۔
اس نے قریباً پینتالیس منٹ فلک بوس کے اردگرد گھومتے ہوئے گزارے تھے اور جس مقصد کے لیے وہ وہاں رکا تھا، اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔ یہی کامیابی اسے جلد از جلد سلمان احمد کے گھر پہنچنے پر مجبور کر رہی تھی۔
کہتے ہیں جلدی کا کام شیطان کا کام ہوتا ہے۔۔۔

www.urdugem.com

کیف کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا تھا۔ اس کی تیزی کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اس کے پیروں تلے موجود برف ایک دم اپنی جگہ چھوڑ گئی اور وہ پھسلتا چلا گیا۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ وہ سنبھل ہی نہیں سکا۔ اس سے پہلے کہ گہری کھائی اسے نگل جاتی' اس کا بازو کسی نے دبوچ لیا تھا۔

''بھائی ہاتھ پکڑو۔۔۔ ہاتھ پکڑو۔۔۔'' وہ جو کوئی بھی تھا' چیخا۔

وہ آدھا ہوا میں معلق تھا۔ حواس غائب تھے۔ موت سر پر کھڑی نظر آرہی تھی۔

کیمرہ۔۔۔ جس میں فلک بوس کی تصاویر تھیں۔۔۔ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے کھائی میں گرتا چلا گیا تھا۔

''بھائی مجھے ہاتھ دو۔۔۔ ہاتھ پکڑاؤ مجھے۔۔۔'' وہ چیخ چیخ کر کیف کو ہدایات دے رہا تھا۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ اسے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہو گیا۔

ان دونوں کی سانسیں بری طرح پھولی ہوئی تھیں۔ ایک کو موت کے خوف نے حواس باختہ کر رکھا تھا اور دوسرے کو محنت نے۔۔۔

ذرا حواس ٹھکانے آئے تو وہ اپنی جان بچانے والے کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ لمبا چوڑا جوان تھا۔۔۔ پٹھان۔۔۔ سرخ و سفید رنگت اور گھنے سیاہ بال۔۔۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' سانس درست کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

اپنے بازو کو کہنی کے پاس سے تھامے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ فی الحال بولنا محال تھا۔ وہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ گیا تھا۔

''آپ کا بازو زخمی ہے۔۔۔'' اس نے جانے پوچھا تھا یا بتایا تھا۔

برف باری پھر سے شروع ہو گئی تھی۔

''زیادہ نہیں۔۔۔'' کیف نے آسمان کی طرف دیکھ کر اس سے کہا تھا۔ ''تمہارا شکریہ دوست۔۔۔ تم مجھے نہ بچاتے تو شاید اب تک میں۔۔۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''آپ بہت تیزی میں دکھائی دیتے تھے۔۔۔ سب خیریت تو ہے؟''

''ہاں مجھے نیچے وادی میں جانا ہے۔ میں یہاں گھوم پھر رہا تھا۔۔۔ فوٹو گرافر ہوں۔۔۔ تصاویر لیتے لیتے دیر ہو گئی۔'' اس کی باتیں بے ربط تھیں لیکن وہ سچ نہیں بتا سکتا تھا۔

برف باری شدت اختیار کر رہی تھی۔

''اس وقت برف باری شروع ہو گئی ہے اور آپ زخمی بھی ہیں۔۔۔ اس حالت میں آپ اتر نہیں سکیں گے۔ آپ میرے ساتھ گھر چلو۔۔۔ برف باری رکے گی تو میں خود آپ کو نیچے چھوڑ آؤں گا۔'' وہ لڑکا مخلصانہ لہجے میں بولا۔

''میرا کیمرہ نیچے گر گیا ہے۔'' کیف افسردگی سے بولا۔ یاسر کو وہ کیمرہ بہت عزیز تھا۔

''اس وقت تو کیمرہ ملنا مشکل ہے۔ ہاں دن کی روشنی میں جا کر ڈھونڈنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ ابھی آپ چلو میرے ساتھ۔۔۔ برف باری تیز ہو رہی ہے۔'' اس نے کیف کو آگے بڑھ کر سہارا دیا تھا۔ ''میرا گھر یہاں قریب ہی ہے۔''

کیف نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور لنگڑاتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا۔

''ٹورسٹ ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔۔۔ ایک مقابلے میں حصہ لینا تھا۔ اس کے لیے یہاں کی خوبصورتی کو تصاویر میں قید کرنے آیا

اں اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔'' کیف کراہتے ہوئے بولا۔ اس کی بازو میں درد بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ سر جھکائے اس کے قدموں کے نشانات پر چلتا جا رہا تھا۔

''آپ کا نام؟''

''کیف۔۔۔''

''آہا۔۔۔ بس پہنچ گئے کیف بھائی۔۔۔'' وہ لڑکا نرمی سے بولا تھا۔

کیف نے بے دھیانی میں سر اٹھایا۔۔۔ وہ فلک بوس کے لوہے کے پھاٹک کے پاس کھڑا تھا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

''تم کون ہو؟'' وہ اس کی طرف پریشان سا ہو کر پلٹا تھا۔

''پاشا۔۔۔ پاشا کبیر خان۔۔۔

☆☆☆

''بابا۔۔۔ کبیر بابا۔۔۔'' پاشا اسے اپنا نام بتا کر پھاٹک کے پاس جا کھڑا ہوا اور اپنے باپ کو آوازیں دینے لگا۔

کیف پیچھے شل سا کھڑا تھا۔

''کبیر بابا۔۔۔'' اس نے پھر پورے زور سے پکارا تھا۔

لاٹھی ٹیکنے کی آواز آئی اور پھر ایک طرف سے لاٹھی بردار بوڑھا کبیر خان برآمد ہوا تھا۔

''آرہا ہوں۔۔۔ آرہا ہوں ناہنجار۔۔۔ باپ کو ملازم سمجھ رکھا ہے۔۔۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر نواب کے لیے دروازہ کھولے۔'' وہ دروازہ کھولنے کے ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔

''اچھا اچھا۔۔۔ اب اتنا غصہ مت کرو۔۔۔'' پاشا نے خفگی سے کہا۔

''میرے ساتھ مہمان بھی ہے۔''

''پاشا کبیر خان۔۔۔ تم اچھے سے جانتے۔۔۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر پاشا نے بات کاٹ دی۔

''اندر چل کر بات کر لیتے ہیں بابا! اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ کھائی میں گرتے گرتے بچا ہے۔'' اس کا لہجہ خفگی سے بھرپور تھا۔

کبیر غصے سے بڑبڑاتا ہوا اندر جانے کو مڑ گیا تھا۔

''کیف بھائی اندر آجاؤ۔۔۔'' پاشا کیف کی جانب پلٹا تھا جس کی نظریں فلک بوس پر جمی ہوئی تھیں۔

دن کے اندھیرے میں خوبصورت نظر آنے والی عمارت رات کے اندھیرے میں ہیبت طاری کر رہی تھی۔

پاشا نے آگے بڑھ کر دوبارہ سے اس کو سہارا دیا اور اندر کی جانب بڑھا تھا۔ کیف نے کچھ جھجکتے ہوئے اس کی پیروی کی تھی۔

پاشا اسے دائیں طرف بنے ہوئے کوارٹرز کی طرف لے آیا۔ وہ اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا اور اسے سکون سے بیٹھنے کی ہدایت دے کر باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی واپسی ایک تولیے اور فرسٹ ایڈ باکس کے ساتھ ہوئی۔

ساتھ کبیر خان بھی تھا۔

وہ آکر کیف کے عین سامنے بیٹھ گیا تھا اور اب اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

www.urdugem.com

پاشا نے اس کے بازو کا جائزہ لے کر اس پر دوا لگا دی تھی اور ایک پٹی کے ذریعے بازو کو گلے میں لٹکا دیا تھا۔ وہ جو کر سکتا تھا، کر رہا تھا۔

''آپ آرام سے بیٹھو بھائی۔۔۔ میں آپ کے لیے چائے لے کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر پھر باہر چلا گیا تھا۔

کبیر خان ابھی بھی اس کے سامنے بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا نا؟ بولا تھا لوٹ جاؤ۔۔۔ مگر تم نے میری بات نہیں مانی اور دیکھو تمہارے ساتھ کیا ہوا۔''

کیف نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ ''تو آپ کا مطلب ہے میرے ساتھ یہ حادثہ اس سوکالڈ بھوت کی وجہ سے ہوا ہے؟'' کیف نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''تمہیں اب بھی اس بات پر شک ہے؟''

''شک۔۔۔؟ مجھے یقین ہے کہ آیوشمتی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔'' کیف کو تکلیف نے چڑچڑا اور نڈر بنا دیا تھا۔

کبیر خان اس کی بات پر چونکا تھا۔

''تم اس کے قہر سے بچ گئے ہو۔۔۔ اس لیے تمہیں اتنی باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' اس نے غصے سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تمہیں ایک بار پھر نصیحت کر رہا ہوں کہ تمہیں جو کرنا ہے وادی میں رہ کر کرو۔ دوبارہ فلک بوس کے قریب آنے کی غلطی بھی نہ کرنا۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

دوسری طرف کیف نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ فلک بوس میں داخل ہو کر رہے گا۔

☆☆☆

''تم نے بچوں کے گرم کپڑے پیک کروائے ہیں؟'' معاویہ نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''معاویہ۔۔۔ جسٹ ریلیکس۔۔۔ سب کچھ موجود ہے۔'' منفرا اب کچھ اکتا کر بولی۔

''ہاہا۔۔۔ وہاں سردی زیادہ ہوگی یار۔۔۔ سنو فالنگ کا سیزن ہے۔۔۔ اس لیے میں زیادہ کانشیس ہو رہا ہوں۔''

''ایکسکیوزمی مسٹر معاویہ۔۔۔'' منفرا شرارت سے اس کی جانب جھکی۔ ''یہ فرسٹ ٹائم نہیں ہے۔۔۔ اپنے ان لاڈلوں کے لیے تم ہر ٹائم کانشیس ہی رہتے ہو۔''

معاویہ مسکرا دیا۔

''کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ تمہیں ڈر ہے کہ کہیں کوئی ہمارے بچے چھین کر نہ لے جائے۔''

منفرا نے یہ بات شرارت میں ہی کہی تھی لیکن معاویہ کے چہرے سے مسکراہٹ پلک جھپکتے میں ختم ہو گئی تو صورت حال کچھ یوں تھی کہ بشام کا وہ سفر جو ٹھنڈ کی شدت کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں نے کچھ ملتوی کر دیا تھا، انہیں ان کے پلان سے بھی پہلے کرنا پڑ رہا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ معاویہ کو اپنے کسی کام کے سلسلے میں بشام سے آگے جانا تھا۔ سو اس نے منفرا کو راضی کیا تھا کہ وہ لوگ بھی ساتھ چلیں تاکہ منفرا کا شوق بھی پورا ہو جائے اور وہ سکون سے ان لوگوں کی موجودگی میں اپنا کام ختم کر سکے۔ منفرا کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ایک دن میں تیاری مکمل کر کے وہ لوگ بشام کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ انہیں ایک دن ایبٹ آباد میں رکنا تھا اور رات میں سفر کر کے بشام جانا تھا۔

گاڑی میں خاموشی طاری تھی۔

منفرا کھڑکی سے باہر نظاروں میں گم تھی۔

بیک سیٹ پر بیٹھی خوش نصیب خاموشی سے وسامیہ کے لیے فیڈر تیار کر رہی تھی۔

اور باقی بچا معاویہ تو اس کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں، ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور پُرسوچ نظریں ونڈ اسکرین پر جمی تھیں۔

☆☆☆

اس وقت رات کے دو بجے تھے۔ اپنے کندھے پر بیک پیک لٹکائے وہ فلک بوس کے عین سامنے درختوں میں سے برآمد ہوا تھا اور اب دبے پاؤں فلک بوس کے عقب میں بڑھ رہا تھا۔

اس کا انداز بے حد چوکنا تھا۔ دائیں ہاتھ میں ایک لمبی مضبوط چھڑی اور بائیں میں ایک طاقتور ٹارچ لیے وہ محتاط نظروں سے دائیں بائیں دیکھتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے ٹارچ کا منہ زمین کی طرف جھکا رکھا تھا تاکہ لائٹ دیکھ کر کوئی محتاط نہ ہو جائے۔ یہ بات اسے معلوم تھی کہ پاشا فلک بوس میں موجود نہیں ہے۔ وہ کسی کام سے شہر گیا ہوا تھا۔ فلک بوس میں اس وقت صرف کبیر خان موجود تھا اور اس کو سب سے زیادہ خطرہ بھی اسی سے تھا۔

اڑتی اڑتی خبر سنی تھی کہ کل صبح فلک بوس کے اصل مالکان آ رہے ہیں۔ کیف کے پاس صرف آج کی رات تھی فلک بوس کی تلاشی لینے کے لیے۔ اس نے زرگل یا یاسر کو بتانے کی بھی زحمت نہیں کی تھی کہ اس کا ارادہ کیا ہے۔

کل رات وہ گیارہ بجے کے بعد سلمان احمد کے گھر پہنچا تھا۔ پاشا اسے خود چھوڑنے آیا تھا۔ زرگل اور یاسر اس کے لیے پریشان بیٹھے تھے۔ حتیٰ کہ زرگل اس کی تلاش میں نکلنے والا تھا جب وہ وہاں پہنچے۔ وہ دونوں ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

کیف نے انہیں سب بتایا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

''آخر آپ کو اتنی جلدی کیا تھی بھائی؟'' یاسر نے اس کے بازو کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''جلدی تو تھی یار۔۔۔''

دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

''میں فلک بوس کی بیک سائیڈ پر گیا تھا۔ یار وہاں ایک جگہ ہے جہاں سے چھپ کر ہم اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ جنگلا ٹوٹا ہوا ہے وہاں سے۔۔۔ میں نے ان جگہوں کی تصویریں بھی لی تھیں مگر کیمرہ۔۔۔ سوری یاسر۔۔۔''

''جو خدا کو منظور۔۔۔'' یاسر نے بے چارگی سے کہا۔

''کیف بس کر دے۔'' زرگل کو غصہ آ گیا۔ ''تو مرتے مرتے بچا ہے۔۔۔ فلک بوس کی جتنی بھی تصاویر لی تھیں وہ اس کیمرے کے ساتھ ختم ہو گئیں۔ اب کیا اور ثبوت چاہیے تمہیں اس جگہ کے ہونٹڈ ہونے کا؟''

وہ بے زار ہو گیا تھا اس سب سے۔ ''بس ختم کرو اس سب معاملے کو۔۔۔ ہم لوگ کل یا پھر پرسوں واپس جا رہے ہیں۔''

''ایسے کیسے واپس جا سکتے ہیں۔۔۔'' کیف بے چینی سے بولا۔ ''اب جب ایک پوائنٹ مل گیا ہے جہاں سے ہم فلک بوس میں اینٹر ہو سکتے ہیں تو تم واپس جانے کا کہہ رہے ہو۔''

www.urdugem.com

''بھاڑ میں جائے فلک بوس اور بھاڑ میں جائے اس کا راز۔۔۔'' زرگل غصے سے اٹھ گیا تھا۔
''یار تم میری بات تو سنو۔۔۔'' وہ اسے خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''بھلا میرے سلپ ہونے کا آیو شمتی سے کیا تعلق۔۔۔؟ زرگل ہم ڈسکس کر سکتے ہیں۔۔۔''
کیف نے اسے کئی بار پکارا لیکن وہ خفا خفا سا اپنی جگہ جا کر لیٹ گیا تھا۔
اس نے یاسر کی جانب دیکھا تو وہ بھی نظر چرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
بات وہیں ختم ہو گئی تھی اور اگلے دن کیف نے زرگل کو یہ کہہ کر منا لیا تھا کہ وہ اس کی بات مان لے گا۔ لیکن بشام سے وہ ایک دو دن بعد روانہ ہوں گے۔ زرگل نے ہامی بھر لی تھی۔
اس رات اس نے یاسر اور زرگل کے سونے کا انتظار کیا اور اس کے بعد وہ وہاں سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس کا رخ فلک بوس کی طرف تھا۔ وہ گیارہ بجے کے قریب گھر سے نکلا تھا۔ سنبھل سنبھل کر چلتے ہوئے اس نے چڑھائی کا سفر طے کیا تھا اور قریباً دو گھنٹے گھنے درختوں میں چھپا رہا تھا۔
رات دو بجے کے بعد وہ گھنے درختوں سے نکلا اور محتاط انداز میں فلک بوس کی پچھلی جانب چل پڑا تھا۔ وہ ساتھ ساتھ ارد گرد دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ فلک بوس کے عقب میں پہنچ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ جنگلا پار کر جاتا' کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔
کیف اپنی جگہ سے بری طرح اچھلا تھا۔
''تجھے کیا لگا تھا تو چھپ کر نکلے گا اور ہمیں پتا نہیں چلے گا؟'' وہ زرگل تھا۔
کیف نے اس کو دیکھ کر سکون بھری سانس خارج کی۔
''جان نکال دی میری جنگلی انسان! ڈرانا ضروری تھا؟''
''آپ کا اکیلے اکیلے پکنک پر آنا ضروری تھا؟'' یاسر بھی زرگل کے عقب سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
''کوئی حل نہیں ہے تم لوگوں کا۔۔۔ کیا کر رہے ہو تم دونوں یہاں؟''
کیف کو فکر ہونے لگی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ دونوں اسے فلک بوس میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔
''تجھے ہم اکیلا چھوڑ نہیں سکتے اور تو نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ کوئی انسانوں والا کام نہیں کرنا۔۔۔ اس لیے اگر تو اندر جائے گا تو ہم تیرے ساتھ جائیں گے۔'' زرگل حتمی لہجے میں بولا۔
کیف کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
''دوست ہوں تو تم لوگوں جیسے۔۔۔'' کیف نے ہنس کر کہا۔
مزید باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر وہ اندر داخل ہو گئے تھے۔

☆☆☆

اس وقت وہ تینوں فلک بوس کی عمارت کے پچھلی دیوار کے ساتھ کھڑے تھے۔ یہاں دو تین بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں۔
یاسر نے آگے بڑھ کر چیک کیا۔ تینوں کھڑکیاں اندر سے بند محسوس ہوتی تھیں۔
زرگل نے ایک کھڑکی پر زور آزمائی کی۔۔۔ خوش قسمتی سے اس کی کنڈی زنگ آلودہ تھی۔ سو جلد ہی اپنی جگہ سے اکھڑ گئی اور کھڑکی ہلکے آواز کے ساتھ کھلتی چلی گئی۔
ان تینوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا پھر کیف نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر کھڑکی کے راستے

اندر داخل ہو گیا۔ وہ تینوں ایک افسانوی دنیا میں داخل ہو چکے تھے۔
باہر پھر سے برف باری شروع ہو چکی تھی۔
زرگل نے احتیاطاً کھڑکی کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ یاسر اور کیف نے اپنی اپنی ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر پھینکی۔
وہ ایک کمرے میں کھڑے تھے جو گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کمرہ کافی عرصے سے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ کاٹھ کباڑ بھرا تھا کمرے میں۔۔۔
یکدم یاسر کی نگاہ کمرے کے دروازے پر پڑی۔
''بھائی۔۔۔ اس طرف۔۔۔'' اس نے ٹارچ کے اشارے سے انہیں دروازے کی جانب متوجہ کیا اور آگے بڑھ کر دروازے کو چیک کیا۔ وہ مقفل نہیں تھا۔
قدرت خود ان کے لیے راستہ صاف کر رہی تھی۔
یہ دروازہ ایک طویل اور تاریک راہداری میں کھلتا تھا۔ کیف نے غور سے راہداری میں دیکھا اور کسی کو موجود نہ پا کر انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں راہداری میں آگے بڑھنے لگے۔ یہ راہداری دائیں جانب مڑتی تھی۔ وہ تینوں محتاط انداز میں ٹارچ کی روشنی میں دائیں جانب مڑ گئے۔ یہ راستہ آگے جا کر ایک ہال نما کمرے میں ختم ہوا تھا۔
اس ہال میں ایک دروازہ تھا۔ اور تین مختلف راہداریوں کے راستے تھے۔
وہ تینوں رک گئے۔
''اب کس طرف؟'' زرگل آہستہ سے بولا۔
''سیدھا۔۔۔'' کیف نے سامنے والی راہداری کی طرف دیکھا اور آگے کو بڑھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

www.urdugem.com

قانتہ رابعہ

پردے کے پیچھے کیا ہے

ڈراموں اور فلموں میں تو عظمیٰ کو پھر بھی کبھی غریب اور غربت نظر آ ہی جاتی لیکن افسانوں اور ناولوں میں تو غریب کی جھلک بھی نہ دکھائی دیتی۔ وہی لش پش کرتی بڑی بڑی گاڑیاں، ہزاروں گز کی بنی کوٹھیاں، قیمتی قالین پردوں اور فانوس سے سجی، ماگوان اور صندل کا فرنیچر..... قد آدم آئینے .....

وہ دونوں اس کے پیچھے تھے۔

یکدم یاسر کو جھٹکا لگا۔ وہ گرتے گرتے بچا مگر اس کا ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ رکھی تپائی پر رکھا چھوٹا سا گل دان گر کر چکنا چور ہو گیا۔

''شٹ۔۔۔'' یاسر کے منہ سے نکلا۔ اس نے اپنے پیروں کی جانب دیکھا' اس کے جوتے کے تسمے کھلے ہوئے تھے۔

''دھیان سے یاسر۔۔۔'' کیف نے اسے نیچی آواز میں ڈانٹا۔ ''خود بھی مرو گے' ہمیں بھی مرواؤ گے۔''

اس نے غور سے سننے کی کوشش کی، کوئی آواز نہیں تھی یعنی کبیر کو ابھی تک ان کے اندر آ جانے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔

''سوری بھائی۔'' وہ شرمندگی سے زمین پر گھٹنے کے بل بیٹھا اور جلدی جلدی تسمہ باندھنے لگا۔

تسمہ باندھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ''چلیں؟'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے منہ اٹھا کر سامنے دیکھا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

وہ اس ہال نما کمرے میں تنہا تھا۔ زرگل اور کیف غائب تھے۔

''کیف بھائی؟ زرگل بھائی۔۔۔؟'' اس نے آہستہ سے پکارا تھا۔ جواب میں خاموشی رہی تھی۔

یاسر نے تقریباً بھاگ کر اس راہداری تک کا فاصلہ طے کیا تھا جس طرف کیف نے اشارہ کیا تھا۔ وہ خالی تھی۔

یاسر نے اپنے دل کو شدید خوف کے زیر اثر پایا۔

کچھ سوچ کر وہ راہداری میں آگے بڑھنے لگا لیکن یکدم ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز راہداری کے دروازے کے بالکل ساتھ والے اس دوسرے دروازے کے پیچھے سے آئی تھی جو بند تھا۔

''اوہ۔۔۔ یہ لوگ ڈرا رہے ہیں مجھے۔۔۔'' یاسر کو غصہ آیا تھا اس مذاق پر۔

وہ آگے بڑھا اور دروازے کی ناب گھمانے کی کوشش کی۔ وہ مقفل تھا۔

یاسر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اور کی ہول سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ لیکن دائیں طرف کے ایک کونے میں روشنی تھی۔

وہاں کوئی اور بھی موجود تھا۔

قدموں کی چاپ اور روشنی کا پھیلاؤ یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اندر جو کوئی بھی ہے' آہستہ آہستہ دروازے کی سمت بڑھ رہا ہے۔ یاسر کی تمام حسیات اندر کمرے کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

پھر ایک وجود کی ہول کے عین سامنے دیوار کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ ہوا میں تیرتا ہوا ایک سفید وجود تھا۔

ساتھ ہی روشنی کا ایک تیز جھماکا ہوا تھا اور یاسر کے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔

جب تک کیف اور زرگل، اس کی چیخ سن کر واپس اس تک پہنچے، یاسر بے ہوش ہو کر زمین پر گر چکا تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

www.urdugem.com

جہاں گھر کے افراد بھی ڈائننگ ٹیبل پہ ہی جمع ہوتے..... انٹرکام پر سب کو ڈنر یا لنچ کی اطلاع دی جاتی..... اور..... اور ایسی حسین گوری رنگت والی پری چہرہ صورتیں جو پلکیں اٹھائیں تو کائنات کی نبض تھم جائے ایک قدم چلیں تو راہگیروں کے قدم زمین پکڑ کے روک لے اور التجا کرے۔

"دیکھو دیکھو اس مورنی کی چال والی کو دیکھو....."

جن کے اعلا لباس کبھی شہزادیوں کے نصیب میں بھی نہ ہوں گے..... برانڈڈ خوب صورت..... غریب، تو افسانوں ناولوں میں بس چوکیدار اور برتن دھونے والی ماسی تک ہی رہتا ہے۔ عظمیٰ برتن دھونے والی ماسی یا اس ماسی کی بیٹی نہیں تھی۔ عظمیٰ کا باپ کہیں چوکیدار یا راج مزدور نہیں تھا پھر بھی وہ غریب تھے..... صرف غریب نہیں حد درجہ غریب!

عظمیٰ کا باپ ریڑھی پر انگور یا کیلے بیچتا۔ منڈی میں قسمت سے مال اچھا مل جاتا تو گاہک اچھا نہ ملتا اور کیلے صدمے سے منہ چھپا لیتے۔ مرجھا جاتے۔ گل سڑ جاتے! رہے انگور تو وہ تو چکھنے کے بہانے ہی آدھے رہ جاتے..... یہ پھل وہ اس لیے بیچنے پر مجبور تھا کہ فروٹ منڈی میں اس کی واقفیت تھی۔ ادھار بھی چل جاتا۔ باقی سودا لینے کا تو سوچا بھی نہ جا سکتا تھا کہ ہزار کا نوٹ اس نے بہت ہی کم ہاتھ میں لے کے اسے "اپنا" محسوس کیا ہوگا۔ بالعموم چار چھ سو کا پھل سات آٹھ سو تک نکل جاتا..... ورنہ پانچ ساڑھے پانچ سو میں.....

عظمیٰ کی ماں چٹی ان پڑھ گھریلو عورت تھی جسے کالے صابن سے برتن دھونے، ہفتے میں ایک مرتبہ قریب میں بہنے والی چھوٹی نہر سے کپڑوں کی دھلائی کے علاوہ دال ساگ اور آلو شوربے کا سالن بنانا آتا تھا۔ ہاں شہر سے بھائی آتا تو وہ پڑوسیوں سے مرغی کے دو انڈے لے کے ان کا سالن بھی بنا لیتی تھی۔ ویسے ان سب کی نوبت کم ہی آتی تھی، روٹیوں کے لیے اسے تندور میں ایندھن ضرور جھونکنا پڑتا تھا۔ سالن کے نام پر ثابت سرخ مرچ کو نمک ڈال کے خوب پیس کے روٹی پر مل کے کھا لی جاتی۔ کبھی کبھار قریبی کھیتوں سے قلفے کا ساگ چنتی تو اسے بھی مٹھی مل جاتی، ہری مرچیں اور نمک ڈال کے قلفے کا ساگ بنتا تو چھ سات دن نکل ہی جاتے۔

کبھی ورائٹی کو دل چاہتا تو پانی میں نمک مرچ ڈال کے ابلنے کے لیے چولھے پر رکھتی اور ایک آدھ مٹھی دال کی ڈال کے خوب پکاتی..... دال پک جاتی تو یوں مزے سے کھائی جاتی کہ ستر لوازمات کے ساتھ بکنے والا حلیم بھی ناقدری کا شکوہ کر بیٹھے۔

وہ جھگی میں نہیں رہتے تھے۔ اپنا ذاتی مکان تھا جس میں پکی اینٹوں والا ایک کمرہ اور کمرے میں دو چارپائیاں آرام سے بچھ جاتی تھیں۔

ایک چارپائی پر عظمیٰ کا باپ فقیر حسین جو نام کا فقیر تھا دل کا تو بادشاہ تھا..... سات ملکوں کے بادشاہ سے بڑا دل تھا اس کا.....! کبھی کبھار فقیر فقراء ریڑھی کے پاس سے للچائی نظروں سے اس کا فروٹ، دیکھتے گزرتے وہ تو بے نیازی سے کیلا تھما دیتا..... دو چار انگور بھی سائل یا سائلہ کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔ کبھی دولے شاہ کا چوہا یا مست ملنگ اس کی ریڑھی سے دس فٹ پرے سے بھی گزر رہا ہوتا تو وہ بھاگ کے ان کے مقدر کا لکھا رزق انہیں احترام سے تھما کے آتا..... اس نے خراب مال بھی دھوکے سے دینے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی..... ہاں گاہک کو بتا کے چار پیسے کم لے لیتا مگر دھوکا نہ دیتا اسی لیے اوپر والا اس پر بہت مہربان تھا۔

جب بھی بلدیہ والے ناجائز تجاوزات ہٹانے کے چکروں میں ریڑھیاں اٹھواتے، اس پر کرم ہی ہوا اور وہ صاف بچ گیا۔ خیر دوسری چارپائی پر عظمیٰ اور اس کی ماں لیٹتی تھیں..... نام تو اللہ جانے ماں باپ نے کیا رکھا ہوگا لیکن اپنی بستی میں وہ مائی "پھیکاں" مشہور تھی۔

غریبوں کے جن فکر فاقوں میں دن گزرتے ہیں۔ ان تینوں کے بھی گزر رہے تھے کہ ایک ان ہونی ہو گئی۔ ایک فیشنی سوٹ، ہیل والی لشکارے مارتی جوتی، سانپ کی کالی سیاہ کھال سے بنا پرس کندھے پر لٹکائے ایک میموں جیسے حلیے والی عورت ان کے محلے میں آئی ایک ٹی وی کیمرے والا بابو اور دو چار لوگ بھی ان کے ساتھ تھے..... ساری بستی کے لوگ ان کے ارد گرد جمع تھے۔ سب سے ہی وہ کچھ نہ کچھ پوچھ رہی تھی۔ ایک دو کو تو اس نے خوب رنگین کاغذ میں لپٹے ڈبے بھی پکڑائے۔

عظمیٰ کی باری آئی تو اس نے مائیک اس کے سامنے کیا "کیا نام ہے تمہارا؟"

"جیما....." عظمیٰ سے پہلے اس کی ماں بول پڑی۔

"پڑھتی ہو کسی اسکول میں؟ میم جیسی فیشنی عورت نے دوسرا سوال کیا۔

"شوق بہت ہے۔" عظمیٰ نے دونوں ہاتھ پھیلا کے کہا۔

"اگر میں تمہیں مفت پڑھنے کا موقع دوں؟ کتابیں بھی مفت اور پڑھانے والا بھی کوئی پیسے نہیں لے گا۔ بس ہر دو تین مہینے کے بعد تمہیں امتحان دینے کے لیے شہر جانا پڑے گا۔" اس فیشنی عورت نے پیشکش کی۔

"جی۔" حیرت سے عظمیٰ کی دونوں آنکھیں پھیل گئی۔

"گڈ گرل۔" اس عورت نے کتابوں کا بنڈل پنسل، ربڑ، کٹر اسے تھمائے نام اور عمر بمع دیگر کوائف لکھ کے اپنے ساتھ والے آدمی کو پکڑائے۔ کیمرہ کی طرف منہ کر کے کچھ..... گٹ پٹ، گٹ پٹ کر کے ایک دو فقرے کہے۔ تھپکی دے کے وہاں سے رخصت ہو گئی۔

باقی سارا دن وہی میموں کے حلیے والی عورت پر سارا محلہ باتیں کرتا رہا..... کرتا رہا۔ یہاں تک کہ دو تین دن کے بعد ایک جیپ پر ایک لڑکا اور لڑکی ان کے گھر آئے۔ بیگ سے بوتل نکال کے پانی پیا اور پورے دو گھنٹے کے بعد وہاں سے گئے تو عظمیٰ کو ڈوڈز کا فرق سمجھ میں آ چکا تھا۔ دس تک زبانی گنتی یاد ہو گئی تھی۔

مارے خوشی کے عظمیٰ کو ساری رات نیند نہیں آئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ دو گھنٹے نہیں دس گھنٹے کے لیے رکتے اور پورا قاعدہ پڑھا کے ہی جاتے۔ اس کی خواہش پوری ہوئی اگلے دن وہ چار گھنٹے کے لیے آئے اور جاتے ہوئے ایک چھوٹی سی مشین دے گئے۔ اس تاکید کے ساتھ کہ اس کا بٹن دباؤ گی تو سبق کے سارے لفظ بولیں گے ساتھ ساتھ تم بھی بولتی جانا..... زبان اور ذہن کے بعد کانوں نے ان الفاظ کو اتنی اچھی طرح سننا شروع کر دیا کہ دو ماہ کے بعد جب وہ ان کے ساتھ شہر گئی تو اس سے اسکول کی میڈم نے قاعدے میں سے جو جو کچھ پوچھا، عظمیٰ نے کسی رٹو طوطے کی طرح فر فر سنا دیا۔

عظمیٰ نے دیکھا کہ اس کے علاوہ بھی پندرہ بیس لڑکیاں ہیں مگر ساری گم صم سی ——— مجال ہے ایک لفظ بھی سنایا ہو۔ جب عظمیٰ کا سارا قاعدہ منٹوں میں مکمل ہوا تو اسکول والی میڈم نے سب سے اس کے لیے تالیاں بجوائیں۔ خوب ساری شاباشی بھی دی اور انعام کا سرخ سرخ کڑکڑاتا سو کا نوٹ بھی اس کے حوالے کیا۔

"تم واقعی بہت محنتی اور ذہین ہو، ہمیں امید نہیں پورا یقین ہے تم ہماری این جی او کے لیے بڑی مفید کارکن ثابت ہو گی۔" خوشی سے چہکتے ہوئے انہوں نے کہا اور اگلے امتحان کے لیے نئے کاغذ، نئی کتابیں اور تین چار پین اس کے حوالے کیے۔

عظمیٰ گاؤں پہنچی تو اس کے قدم خوشی سے اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ ہر قدم اس کی راہ میں خود اٹھتا چلا جا رہا تھا..... زندگی میں پہلی دفعہ شہر والے موڑ سے اس نے بیس روپے کی گرما گرم جلیبیاں بھی خریدیں..... اس کے لیے کوئی سرشاری سی سرشاری تھی آج.....!!!

www.urdugem.com

دن رات کی محنت نے اسے دو سال میں پانچ جماعتوں کا ہندسہ عبور کروا دیا۔ اب وہ بچوں کے رسالے سے ہٹ کے میڈم کے دیے رسالے اخبار بھی پڑھنے لگی تھی۔ اخباروں میں اداکاراؤں کی تصویروں نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ اب ہر امتحان میں کامیابی کا انعام سو دو سو نہیں، پانچ سو یا ہزار روپے، کتابیں یا چھوٹے موٹے تمغوں کی شکل میں ملتا۔ ماں کے ساتھ اس نے ہرے اور گہرے سرخ رنگ کا ریشمی جوڑا خریدا۔ ربڑ والا سینڈل لیا، چوڑیاں اور تبت کریم بھی خریدی۔ سمجھ دار بیٹی ہونے کے ناتے اس نے چائے کی پتی اور بسکٹوں کے ڈبے، لال شربت کی بوتل بھی خریدی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے پڑھانے کے لیے شہر سے استاد آئیں اور وہ انہیں سلور کے گلاس میں سادہ پانی ہی پلا سکے۔

ریڑھی سے شیشے کے رنگین پھولوں والے چھ گلاس بھی اس نے خرید کے رکھے تھے۔ اس کے ساتھ بستی سے چھ سات لڑکیاں بھی جاتی تھیں۔ دسویں کا امتحان دیتے دیتے اردگرد کے دیہات اور قصبوں سے لڑکیوں کی تعداد بڑھ کے چالیس پچاس ہو چکی تھی۔ اس کی محنت نے جہاں پڑھائی میں پہلا نمبر دلوایا وہیں اس نے اپنا بھی خوب دھیان رکھا۔ پرانا سا ٹی وی ایک اسکول ٹیچر نے اسے دیا تھا، اب وہ ٹی وی اس کی سیلف گرومنگ کے لیے بہترین ٹیچر تھا...... تبت کریم سے وہ فیر اینڈ لولی اور آئی لائنر تک پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

اس کے ماں باپ اس کی کامیابی دیکھ دیکھ کر جیتے تھے، سراہتے تھے، ہر ممکن تعاون فراہم کرتے۔ وہ جی بھر کے اپنے ارمان پورے کر رہی تھی مگر ایک آدھ ارمان ایسا بھی ہوتا ہے جسے پورا کرنا ماں باپ کے بس میں نہیں تھا اور وہ تھا جلد از جلد امیر ہونے کا خواب۔

بڑی سی کوٹھی، بنگلہ، لمبی سی گاڑی کا خواب۔

دسویں کے بعد اس نے قریبی قصبے میں ملازمت کر لی اور آرام سے دو تین ہزار روپے کما لیتی۔ ابا کافی دنوں سے بیمار تھا اور اٹھتے بیٹھتے اسے نمکین پانی سے بھری آنکھوں سے دیکھتا۔

"میری دھی اب پرائی ہو جائے گی۔"

اس کا شروع سے خیال تھا کہ وہ اپنے بھانجے سے عظمیٰ کا رشتہ کرے گا...... بھانجا کو پڑھا لکھا نہیں تھا مگر دبئی میں کام کرتا تھا اور ماں باپ کو ہر چار چھ ماہ کے بعد پورے بیس پچیس ہزار روپے بھیجتا تھا۔ اس کے گھر میں کھانا نمک مرچ پانی میں گھول کے نہیں باقاعدہ سالن پکا کے، مکھن سے چپڑی روٹی کے ساتھ کھایا جاتا...... ان کے ہاں ہر ماہ ایک مرتبہ گوشت بھی آتا تھا۔ ناشتے میں ان کے ہاں روزانہ چائے بنتی اور وہ بھی عظمیٰ لوگوں کی طرح سادہ پانی تھوڑا دودھ نہیں، بلکہ گائے بھینس کے دودھ کی جس کا وہ "دودھ پتی" کہہ کے ہر دوسرے دن تذکرہ کرتی تھیں۔

ان کے ہاں مہمانوں کے آنے پر عظمیٰ لوگوں کی طرح خالی لہسن پیاز اور تڑکے والے نہیں مرغ کی بوٹیاں ڈال کے چاول بنتے تھے۔ عظمیٰ کی پھوپھی کی بیٹی لبنیٰ جو اکرم سے چھوٹی اور عظمیٰ سے سال بھر ہی چھوٹی تھی اکثر اسے فخریہ بتاتی۔

"ہم لوگ ہر دو ماہ بعد جھولوں والے پارک جاتے ہیں۔ بھلوں کی پلیٹ اور گول گپے کھاتے ہیں۔ بعد میں ابا ہمیں ٹھنڈی ٹھار بوتلیں بھی پلاتا ہے۔"

اس سے زیادہ فقیر حسین اپنی دھی رانی عظمیٰ پتر کے لیے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

عظمیٰ اور اکرم کے رشتہ والی بات باقاعدہ طور پر طے، نہ ہونے کے باوجود طے تھی۔ اکرم سال میں ایک آدھ مرتبہ اپنے مامے فقیر حسین کو بھی قیمتی رومال شیمپو اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھیجتا۔ اس کی آنکھوں میں اکثر پانی آ جاتا۔

"ہے کوئی گھبرو میرے اکرم جیسا۔ باہر جا کے بھی اپنے مامے کو نہیں بھولا۔"

سب کچھ ٹھیک تھا۔ اللہ ان پر بہت مہربان تھا۔ اس کے فروٹ کے ایک دو فروٹ چاٹ والے مستقل گاہک بن گئے تھے۔ اس نے کمیٹی ڈال کے اپنے گھر کا حلیہ درست کروا لیا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ، غسل خانہ بنوایا۔ گھر کی دیواروں پر گلابی رنگ کا روغن کروایا۔ گھر کا سال خوردہ پرانا لکڑی کا دروازہ بدلوا کے سرخ، سبز اور نیلے پھولوں والا لوہے کا دروازہ لگوایا۔

عظمیٰ تتلی کی طرح اب خوش تھی۔ گھر چھوٹا تھا، ادھر ادھر اڑتی پھرتی اسے سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا...... اپنے رشتے پر بھی وہ بے حد مطمئن تھی۔ بس گڑبڑ اس وقت ہوئی جب اس کے ساتھ اس کے اسکول میں ایک نئی ٹیچر آئی۔

لمبے نیل پالش والے ناخن، کاجل مسکارا لگائے...... بالکل اس میموں والی فیشنی میڈم کے سے حلیے میں جو عظمیٰ کو علم کی راہ پر انگلی پکڑ کے چلانے کا باعث بنی تھیں۔ وہ لودھراں شہر میں رہتی تھی۔ اس کا دس مرلے کا گھر تھا۔ گفتگو میں ہی اس نے بتایا۔

"پاپا کہتے ہیں ہم نیا گھر لیں گے یہ پرانا ہو گیا ہے۔" اس کے انداز میں عجیب سا تفاخر تھا۔

"تمہارے پاپا کیا کرتے ہیں؟" ڈرتے ڈرتے عظمیٰ نے پوچھا۔ لفظ "پاپا......" پر اس کا دل اچھل کے حلق میں آ گیا تھا۔ اس کی بھی حسرت تھی اس کا "ابا" بھی "پاپا" کہلوائے جانے کے قابل ہوتا۔

اس نئی ٹیچر نے جو اپنے آپ کو "زارا چوہدری" کہلواتی تھی گردن اکڑا کے کہا۔

"میرے پاپا...... بزنس مین ہیں اور اتنا بڑا بزنس ہے کہ میرے دونوں بھائی بھی ان کے ساتھ شامل ہیں اور دونوں ہی فل ٹائم دیتے ہیں۔ بٹ اب بزنس بہت پھیل گیا ہے۔ پاپا کو تو اکثر دوسرے شہروں میں بھی وزٹ کرنا ہوتا ہے، ان سے تو کبھی کبھار ڈنر پر ہی ملاقات ہو پاتی ہے۔"

"اچھ...... چھا......" عظمیٰ کی آواز کو پھندا سا لگا۔

اس کا دل بہت بے ایمان ہو رہا تھا۔ اپنی حسرتوں اور لامحدود خواہشات کی کسی اور میں تکمیل کو برداشت کرنا کتنا کٹھن مرحلہ ہے۔ یہ کوئی عظمیٰ سے پوچھتا اس وقت۔

☆☆☆

وہ نئی ٹیچر زارا چوہدری اکثر اپنی گفتگو سے اسے مرعوب اور اپنے رہنے سہنے سے اس کو مسحور کر لیتی۔ کبھی کبھار وہ اسکول آتے ہوئے بھنا ہوا گوشت بھی لے آتی۔ عظمیٰ اور سکول کی میڈم رخسانہ محمد دین کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شامل کرتی۔

قہقہے بہ آواز بلند گفتگو...... اپنے دونوں بھائیوں جونی اور ٹیری کا ذکر کرتی کہ وہ اس کا کتنا خیال رکھتے ہیں، اسے ہر ماہ باقاعدگی سے پاکٹ منی دیتے ہیں۔

عظمیٰ پہلے مرعوب اس کے بعد مسحور اور پھر خاموش ہو گئی۔

زارا گھنٹوں باتیں کرتی مگر وہ ہوں ہاں میں بھی جواب دینے کے قابل نہ ہوتی...... گھر میں بھی اس کی خاموشی کو سب نے محسوس کیا۔ ابا نے اپنی بہن حشمتے کو فون کیا۔ وہ مٹھائی کے ڈبے، اور عظمیٰ کے لیے نیا سوٹ لے کے بھاگی چلی آئی۔

"کیا ہوا فقیریا؟ تو بڑا پریشان سا تھا فون پر، میں نے کہا مل کے آتی ہوں تسلی ہو جائے گی میری۔ اور عظمیٰ پتر کہاں ہے؟"

ابا نے اشارہ کیا۔ "اندر کمرے میں لیٹی ہوئی ہے۔"

"اے وہ کیوں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بوا حشمتے نے فکرمندی سے پوچھا۔

"پتا نہیں، چپ چپ سی رہنے لگی ہے، گوتم بدھ ہی بن گئی بس۔" ابا اس سے آہستگی سے بولا۔

بس جلدی سے ویاہ کی تیاری کرو...... آپوں آپ ہی ٹھیک ہو جائے گی......" بوا کی سمجھ میں آ گیا کہ اس عمر میں لڑکیاں بالیاں کیا کیا سپنے دیکھتی ہیں، کسی ماہر نفسیات کی طرح ان کو بھی ان سہانے

www.urdugem.com

سپنوں کی تعبیر" ویاہ' میں ہی نظر آئی۔

"ہاں بس یہی سوچ رہا ہوں اگلی کمیٹی نکلتی ہے تو شادی ویاہ کے لیے بندوبست کرتا ہوں۔" ابا نے بہن کی تائید کی۔

"کیا مطلب ہے تیرا فقیر یے...... بس بیٹھے چاولوں کی اور سالن کی دیگ کافی ہے' پنجاہ بندوں کے لیے ...... اور کوئی چیز نہ میں نے لینی ہے نہ تم دینے کی کوشش کرنا۔ ماں جائی ہوں تیری اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتی کیا میں!" شمیمے جذباتی ہو کر ان آنسوؤں کو پونچھنے لگی جو ابھی نکلے ہی نہیں تھے۔

"بس اللہ کا نام لے کر وڈی عید کے فوراً بعد کی تاریخ رکھ لیتے ہیں۔ باقی رب سوہنے کے سپرد' اچھا ہی کرے گا۔" وہ بات تو شمیمے تمہاری ٹھیک ہے مگر اک میری دھی ہے۔ چار جوڑے کپڑوں کے اور چار چھ بھانڈے برتن تو لے کے رکھ بھی لیے ہیں اس کی ماں نے پھر بھی میرا جی چاہتا ہے دو کرسیاں دو پلنگ لے دوں۔ کوئی اور بھی ضروری چیز ہوتی ہے دینے والی۔" ابا نے کہا۔

"نہ بس رہن دے۔ لے مٹھائی اور گلی محلے میں بھی بھجوا دے کہ وڈی عید کے بعد کا کوئی جمعہ، جمعرات لے لیں گے۔ خیر سے عید پر ہم بکرے کی قربانی دیں گے۔ میں گوشت کے ساتھ مٹھائی کا ٹوکرا بھی بھجواؤں گی' سب کا منہ میٹھا کروانا تم۔" مٹھائی کا ڈبہ کھول کے گلاب جامن بھائی کے منہ میں رکھتے ہوئے اس نے اپنا پروگرام بتایا اور دو چار ادھر ادھر کی باتیں کر کے رخصت ہو گئی۔

پھوپھی کے جانے کے بعد پانچ منٹ دس منٹ بیس منٹ گزر گئے مگر عظمیٰ کمرے سے باہر نہیں آئی۔

"ہے ناں جھلّی، شرما رہی ہو گی۔" سوچتا ہوا وہ کمرے میں آیا۔

عظمیٰ منہ پر تکیہ رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ اتنا تو ابا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سوئی نہیں ہے' سوتی بن رہی ہے، اس نے ہلکی سے آواز دی۔

"عظمیٰ پتر ...... بیسما رانی۔" عظمیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ چھوٹی سی ننھی منی سسکی نے ابا کے باہر جاتے قدموں کو جکڑ لیا۔

"ہائے ربّا! عظمیٰ رو رہی ہے۔" وہ پلٹ کے اس کے قریب آیا۔ تکیہ منہ سے ہٹایا۔ رو رو کے عظمیٰ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"عظمیٰ پتر، دھی رانی کیا ہوا؟" ابا نے نرمی سے پوچھا۔

"عظمیٰ کچھ تو بول"...... ابا کے دل میں ہول اٹھنے لگے۔

"عظمیٰ پتر' جلدی بتا میرا دل بند ہو جائے گا نہیں تو۔"

"ابا کیا تو بوا کو رشتے سے منع نہیں کر سکتا؟" بالآخر عظمیٰ کے دل کی بات لبوں پر آ ہی گئی۔

"ک، کیا...... کیا مطبل (مطلب) ہے تیرا؟" ابا تیز لہجے میں بولا۔

"ابا میں رشتے سے انکار تو نہیں کر رہی بس تو بوا کو ابھی منع کر دے کہ چار چھ ماہ شادی ویاہ کی بات نہ کرے۔" عظمیٰ نے التجا کی۔

"پر کیوں؟" ابا جھلا کے بولا۔ "وجہ تو ہو کوئی اکرم پتر دبئی سے اگلے ہفتہ آ رہا ہے...... ٹکٹ اس نے لے لی ہے۔ میں خواہ مخواہ اسے منع کروں؟"

"پہلے بھی تو وہ آتا ہی تھا۔ کیا ویاہ کر کے جاتا تھا؟" عظمیٰ سرد سے لہجے میں بولی۔ جو بھی تھا وہ حدود میں رہ کے دو ٹوک بات کرنا چاہتی تھی۔

"تو مجھے اصلی بات کیوں نہیں بتاتی؟ تیرا دماغ تو ٹھیک ہے؟" ابا نے روکھے پن سے کہا۔

"ابا میری بات ذرا ٹھنڈے دل سے سننا' بوا بہت پیار کرتی ہے مجھ سے ان کا گھر اور رہن سہن بھی ہم سے بہت اچھا ہے پر ابا اگر اس سے بھی اچھا کوئی رشتہ ہو، اکرم تو دو جماعتیں بھی پاس نہیں...... تو کیا صرف اس لیے تم منع کرو گے کہ وہ اچھا رشتہ تیرے بھانجے کا نہیں ہے...... کیا تم نہیں چاہتے ابا کہ میرا بارہ مرلے کا بڑا سا گھر ہو...... کھلا رزق ہو۔ پڑھے لکھے لوگ ہوں؟" عظمیٰ کی آنکھوں میں ستارے بھر آئے تھے۔

ابا گنگ ہو گیا......"پر تیری تو بچپن سے بات طے ہے، اس کا کیا کروں؟ رزق تو اوپر والے نے مقدر میں لکھا ہوتا ہے۔ جتنا تیرے مقدر کا ہے تجھے مل کے ہی رہے گا۔ خواہ تو مامے کے گھر جا یا چاچے کے گھر۔"

"ٹھیلے اور جھگی والوں کو کبھی بھی کوٹھی والوں کا اور کوٹھی بنگلے والوں کو کبھی بھی ٹھیلے ریڑھی والوں کا رزق نہیں پہنچتا۔" عظمیٰ نے باپ کو لاجواب کیا اور فرمائش کی کہ "ابا میں یہ نہیں کہتی کہ میرا رشتہ وہاں کر مگر زارا نے بار بار یہی خواہش ظاہر کی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے تم میری بھابھی بنو تو میں یہ چاہتی ہوں کہ ایک دفعہ تم ان لوگوں سے مل آؤ۔ ان کا رہن سہن' طور طریقے دیکھ لو پھر جو بھی فیصلہ کرو گے مجھے منظور ہو گا اتنا پڑھ لکھ کے میں اپنے ماں باپ کی بے ادبی اور نافرمانی تو نہیں کر سکتی ناں۔"

ابا خاموشی سے اٹھ گیا۔

سارا دن عظمیٰ بادلوں میں اڑتی رہی مچھلی کی طرح پانی میں تیرتی رہی۔ اس کے انگ انگ میں سرشاری تھی۔

سیکنڈ ہینڈ خریدی استری سے اس نے خوب جی لگا کے ابّا کا سفید لٹھے کا سوٹ استری کیا۔ اس کے جوتے پہلے گیلے کپڑے سے رگڑ رگڑ کے صاف کیے پھر پالش کی ڈبیا بسم اللہ پڑھ کے کھولی۔ جوتوں پر پالش کرتے ہوئے اس کے ہاتھ مشین کی سی تیزی سے چل رہے تھے۔ جوتوں کی طرف سے تسلی ہوئی تو اس نے ابا کو جانے پر آمادہ کر لیا۔

"پر عظمیٰ پتر وہ لوگ رہتے کہاں ہیں۔"

"لودھراں شہر میں ابا! وہ بارہ مرلے کی کوٹھی ہے ان کی۔" اس نے پرانی معلومات دہرائیں۔

"اور کس جگہ کس محلے میں رہتے ہیں؟ ابا نے ایڈریس مانگا۔

"تو فکر نہ کر' باتوں باتوں میں میں نے سارا پتا پوچھ لیا تھا۔" عظمیٰ کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

ولایتی صابن سے نہا دھو کے ابّا نے نئے کپڑے پہنے، جوتوں کو ستائشی نظروں سے دیکھا اور گھر سے روانہ ہونے لگا۔

"ابا......" عظمیٰ نے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی ابا کو آواز دی۔

ابا نے مڑ کے دیکھا، "کیا بات ہے پتر؟"

"ابا وڈے اور امیر لوگوں کے ہاں خالی ہاتھ نہیں جاتے، اچھا نہیں لگتا لوگ ہمیں بھکا شوہدا سمجھیں گے تو اپنی ریڑھی سے دو درجن کیلے اور کلو بھر انگوروں کے ساتھ سیب بھی خرید لے اور اچھی سی ٹوکری میں ڈلوا کے لے جا......" "شرع میں کیا شرم؟" عظمیٰ نے ہونے والی سسرال کی گڈ بک میں آنے کے لیے پہلا عملی قدم اٹھایا۔

ابا نے یہ بھی مان لی۔ فروٹ تو گھر میں بھی تھا خوب بڑی سی ٹوکری میں ڈال کے روانہ ہونے لگا تو عظمیٰ پھر دروازے سے چپکی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہوں میں سو طرح کے سوال تھے۔ ابا نے ٹھٹھک کر دیکھا اور پھر پوچھا۔

"اب کیا کام ہے؟" اس کے انداز میں قدرے بےزاری سی تھی جیسے زبان حال سے کہہ رہا ہو کہ "اب بتا بھی دو......"

"ابا...... اگر وہ لنچ پر روکیں یا چائے وغیرہ کا تکلف کریں تو انکار نہ کرنا مگر کھانا ایسے نہ کھانا جیسے گھر میں جلدی جلدی کھاتے ہو...... بعد میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کر کے شکریہ ادا کر کے آنا۔" عظمیٰ رک رک کے بولی۔

ابا نے غور سے بات سنی اور بغیر جواب دیے چلا گیا۔

عظمیٰ جلے پاؤں کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی۔ اب ابا لاری اڈے پر پہنچا ہو گا۔ اب لاری چلی ہو گی۔ آدھ پون گھنٹے کا سفر کر کے آگے اللہ جانے کتنی دیر لگے۔ چلو بیس منٹ بھی لگا لو...... تو گھنٹہ جانے کا

www.urdugem.com

ایک گھنٹہ واپس آنے کا..... اگر اپنے کی دوستی ہوگئی، جی کو اچھے لگے انہوں نے لنچ کے لیے روک لیا تو دو گھنٹے لگ ہی جائیں گے..... یعنی ابا چار پانچ گھنٹوں سے پہلے نہیں آنے کا۔

وہ چار پانچ گھنٹے اس کی زندگی کے الگ ہی رنگ میں رنگے لمحات تھے۔ کبھی سوچتی کہ اگر ان کو ابا کا خلوص، سادگی پسند آئی تو شاید کھانے پر روک ہی لیں۔

پتا نہیں ابا نے ان کو سلام کیسے کیا ہوگا۔ انہوں نے ابا کے تعارف کے بعد کیسے ٹریٹ کیا ہوگا؟؟

کبھی دل انتہاہ مایوسیوں کے غار میں ڈوب جاتا اور کبھی امیدوں بھری مسکراہٹ اسے مطمئن کر دیتی۔ دل تھا کہ اس میں عجیب پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ دل کی کلی کبھی مرجھا جاتی اور کبھی کھل اٹھتی..... چار گھنٹے تک تو اس نے ابا کی واپسی کا سوچا تک نہیں تھا۔ اس کے بعد اس کو وقت کاٹنا مشکل ہوگیا۔ کبھی کمرے میں صحن میں اور صحن سے گلی کے دروازے تک اور کبھی گلی کے دروازے میں قدم جما کے باہر دیکھنا شروع کر دیتی..... ہر رکشے کے ہارن پر اسے ابا کے آنے کا گمان ہوتا۔ اس دن اسے اندازہ ہوا کہ اس کا قصبہ بھی اتنا چھوٹا نہیں۔ ہر چار چھ منٹ کے بعد رکشے کا شور ہوتا ہے۔

جب چار سے پانچ اور پانچ سے چھ گھنٹے گزر گئے ابا نہیں آیا تو اسے پریشانی ہوئی۔ بار بار ہونٹ خشک ہوتے۔ دل کی دھڑکن تیز یا کم ہو جاتی..... ابا وقت کا تو بڑا پابند ہے پھر اتنی دیر؟ ماں کو دونوں نے ہی لاعلم رکھا ہوا تھا اس مچھلی کو سالن میں نمک مرچ کا اندازہ نہیں ہو پاتا تھا رشتے ناتے جوڑنے یا توڑنے کی نزاکتوں کا اسے خاک علم ہونا تھا۔

وہ اکیلی ہی انتظار کی اذیت سے گزر رہی تھی۔ جب مغرب کی اذان کی آواز آئی تو دل بیٹھ سا گیا۔

"اتنی دیر؟"

دل نے ایک نکتہ دیا۔ "ہوسکتا ہے انہوں نے ابا کو ڈنر کے لیے روک لیا ہو۔" ایک تسلی کی لہر دل میں آئی، وہ رات کے لیے چاول بھگو رہی تھی کہ لوہے کے دروازے پر ٹھک ٹھک کی آواز آئی۔ عظمیٰ نے چیتے کی سی پھرتی سے دروازہ کھولا۔

سامنے رکشہ کھڑا تھا اور ابا خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ مٹھائی کا ٹوکرا اور بڑے مہنگے مہنگے شاپروں سے لدا پھندا..... ابا کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"السلام علیکم....." خوشی سے بھرپور چہکتا لہجہ۔ عظمیٰ اندر تک سرشار ہوگئی۔ پھر بھی منہ سے کیسے پوچھتی؟

"ابا اتنی دیر کیوں ہوگئی؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔ اپنی بے قابو ہوتی سانسوں کی آواز اسے خود بھی سنائی دے رہی تھی۔ اتنی جلدی پہلی ملاقات میں ہی ابا مان جائے گا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"دھیے! پہلے تو پانی تو پلا..... دم تو لینے دے۔" ابا نے پراسراری مسکراہٹ سے کہا۔

وہ جھپاک سے کولر سے پانی کا گلاس لے آئی۔ "لے ابا....."

ابا غٹ غٹ پانی کے گلاس چڑھا رہا تھا اور وہ دل میں حساب کتاب لگا رہی تھی۔ کھانے میں ضرور مرغن اور گھی والی ڈشز ہوں گی جو ابا کو کنوئیں کی پیاس لگی ہوئی تھی۔ آخر منہ سے کیسی پھوٹتی کہ کیا بات ہوئی۔

اسی وقت اماں نے انٹری دی۔ "بڑا خوش ہے تو آج جیجے کے ابا! صبح سے کہاں گیا ہوا تھا؟ سو مرتبہ جیما نے دروازے سے جھانک کے تمہیں دیکھا ہے۔"

"ہائیں عظمیٰ سن ہوئی۔ اماں کو کیسے پتا چلا؟

ابا بولا "خوش، عظمیٰ پتر کے ویاہ کی تاریخ طے کر آیا ہوں۔ اب یہ پردیسی ہے ہمارے پاس، اس کا خیال رکھ نوکری چھڑوا اور گھر کے کام دھندے سکھلا۔" ابا روانی سے بولا۔

"ویاہ..... تاریخ۔" عظمیٰ کو جھٹکا لگا۔ یہ ابا کو کیا ہوگیا ہے؟ خوشی کے باوجود ذرا سا تفکر ہوا اسے، اتنی جلدی شادی کی تاریخ رکھ دی تو بوا حشمتے کو اور برادری کو کیا جواب دے گا؟" صحیح معنوں میں اس کے دل میں اب پکڑ دھکڑ ہوئی۔

"لے..... ویاہ کی جلدی ہے اور تاریخ رکھنے اگلا چلا گیا کسی بھائی جوائی کو ہی ساتھ لے جانا تھا۔ شودائن! اور جھلی پھیکاں نے کہا۔

"کچھ نہیں ہوتا شودائنی! اکرم کو جلدی ہے واپس جانے کی، اگلے ہفتے کی تاریخ دی ہے حشمتے نے سو کام پڑے ہیں کرنے والے۔ دیگوں کا سامان لینا نائی سے بات کرنا، پروہنوں کو بلانا اور تجھے باتوں کی پڑی ہے" فقیر حسین نے بیوی کو ڈپٹ کے کہا۔

"ہک ہا..... تو اب بھی نہ بتانا تھا..... جج ویہڑے آجاتی تو مجھے تو خود ہی پتا چل جاتا۔" عظمیٰ کی ماں نے آنکھیں ماتھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اکرم سے شادی..... عظمیٰ کے تو تلووں سے لگی اور سر پر بجھی۔" یہ ابا کیا کہہ رہا ہے؟" اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے..... ماں کو اس نے اپنے حساب کتاب میں مگن دیکھا تو پاؤں پٹختی دھپ دھپ کرتی کمرے میں گھس کے ٹھاہ دروازہ بند کیا۔

ابا نے اسے غصے کی حالت میں اندر جاتے دیکھ لیا تھا پر بولا کچھ نہیں۔ جب اندر سے عظمیٰ کے رونے بلکنے کی آواز سنائی دی تو دبے پاؤں کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا۔

عظمیٰ نے اس مرتبہ گھٹ گھٹ کے رونے کی بجائے بچوں کی طرح بلکنا شروع کر دیا تھا۔ وہاں رشتہ نہ ہونے سے زیادہ غم اسے یہ تھا کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی فرمائش پوری کرنے والے ابا نے کتنا بڑا دھوکا دیا۔ جھوٹ بولا اس کی آنکھوں میں دھول جھونکی اسے یہ تاثر دلا کے کہ میں لودھراں جا رہا ہوں، وہ اپنی بہن اور بھانجے کے دربار میں پیش ہوگیا۔

"ابا جھوٹا..... ابا دھوکے باز۔" اسے رہ رہ کے رونا آرہا تھا۔

ابا کو بھی اپنی بیٹی کی آنکھوں میں بے یقینی اور نفرت کی لہر دکھائی دے چکی تھی۔ رسان سے اس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"عظمیٰ پتر، تیرے مقدر میں اکرم کا جوڑ ہی لکھا ہے تو یہ مان کیوں نہیں جاتی؟؟

عظمیٰ نے باپ کا ہاتھ غصے سے پرے جھٹک دیا اور تنفر سے بولی۔ "تو مجھے کیوں یہ کہہ کے گیا تھا کہ میں لودھراں جا رہا ہوں۔"

"پتر میں جھوٹ نہیں بول رہا میں رب دی سو (قسم) کھا کے کہتا ہوں میں وہاں گیا تھا۔"

"کیا؟" عظمیٰ کو حیرت سے جھٹکا لگا..... وہ ایک دم چوکنی ہو کے بیٹھ گئی۔ پھر اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔

"پھر یہ کہ..... واقعی تمہاری سہیلی ٹھیک کہتی ہے، اس کے ابے کا اور بھائیوں کا بہت بڑا بجنس ہے..... بلکہ ان کا ابا تو ہر ہفتے دوسرے شہروں کا پھیرا بھی لگاتا ہے۔ کیا کہتے ہیں اسے..... ٹور۔"

عظمیٰ نے مسکراہٹ دبائی۔ بیچارہ ابا، بیوی کو شودائن کہتا ہے..... اور خود کاروباری دورے کو "پھیرا" کہہ رہا ہے۔ تاہم یہ سب اس نے دل میں ہی سوچا اور ابا کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اور..... اور..... یہ کہ ان کی کوٹھی بھی واقعی پورے بارہ مرلے کی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

عظمیٰ جز بز ہوئی..... پھر کیا معاملہ ہوا..... یہ کیسے پتا چلے؟

"اور یہ کہ واقعی ان کی گاڑی ان کے گھر کے باہر کھڑی تھی۔"

"پھر؟" عظمیٰ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا..... اس کے چہرہ پر شدید کوفت تھی۔

"پھر یہ کہ اتفاق سے عظمیٰ پتر، تمہاری سہیلی، کیا نام تھا اس کا، کیا بتایا تھا تم نے نظارہ....." بھولپن سے ابا نے پوچھا۔

"نظارہ نہیں زارا..... زارا چوہدری۔" دانت پیستے ہوئے عظمیٰ نے تصحیح کی۔

"ہاں ہاں وہی..... اس کا پاپا بھی موجود تھا، جاتے ہی ٹھنڈا پانی پلایا۔ لنچ بھی کروایا اپنے ساتھ اپنے بجنس کی ساری معلومات بھی دیں، پر پتر میرا دل نہیں مانا....." ابے نے بے بسی سے کہا۔

عظمیٰ کے بس میں نہیں تھا کہ ابا کو کیا

www.urdugem.com

کر دے۔ نئے سرے سے موٹے موٹے آنسوؤں نے اس کے رخسار پر اودھم مچانا شروع کر دیا۔ ہر آنسو لگتا تھا تیزاب میں بجھا ہے...... اور ان کی جلن اس کے ٹھیس لگے زخمی دل تک پہنچ رہی ہے۔

"ابا......" وہ اونچی آواز میں روئی۔

"پتر میری بات سن۔" ابا نے اس کا منہ اپنے ہاتھوں سے اپنی طرف کیا۔" اب ذرا دھیان سے میری بھی داستان سن، دس کلو فروٹ کا ٹوکرا اٹھا کے جب میں لاری اڈے سے نکلا اور تمہاری پھپھی کے گھر کا پتا سمجھایا تو رکشے والے نے منہ پھاڑ کے دو سو روپے مانگے...... میں پریشان ہوا...... ساٹھ روپے تو بس کا کرایہ دینا پڑا۔ اب اگر دو سوا سے دیتے تو واپسی میں بھی اتنے ہی لگیں گے میں تو رقم ہی صرف پانچ سو روپے لے کر گیا تھا۔ میں دوسرے رکشہ والے کے پاس پہنچا۔ اس نے ایک لمحے کی دیر کیے بغیر ڈھائی سو روپے مانگے۔

میں نے رکشے والے سے پوچھا کیا یہ جگہ بہت دور ہے، وہ بے دردی سے کہنے لگا دور تو نہیں مگر راستہ بہت گندا اور مشکل ہے۔ دس اونچی نیچی جگہ سے گزرنا پڑتا ہے دو سو سے کم تو کوئی نہیں لے کے جائے گا۔ جانا ہے تو ٹھیک ورنہ تمہاری مرضی ہمیں سواریاں بہت۔"

خدا کا نام لے کے میں رکشہ میں بیٹھ گیا یہی خیال تھا کہ واپسی پر فروٹ کے ٹوکرے کا وزن نہیں ہوگا تو پیدل ہی لاری اڈے تک آ جاؤں گا اس لیے یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔ واقعی بہت گندے راستے سے گزر کے پٹڑی کے ایک طرف رکشہ روک کے اس نے کہا۔" بابا جی یہ سامنے پٹڑی کراس کر کے سامنے جو نیلا دروازہ ہے یہ ہے تمہارا گھر...... مجھے افسوس ہے میں ٹرین کی پٹڑی پر رکشہ نہیں چلا سکتا ہمت کرو خود ہی چلے جاؤ۔"

دو سو روپے اس کے حوالے کر کے پندرہ بیس منٹ ان پتھروں پر قدم جما جما کے ان کے ہاں پہنچا تو دروازے کے باہر ایک پرانا پھٹیچر سا رکشہ کھڑا تھا! دروازہ بھی برائے نام تھا ہلکا سا کھٹکھٹایا تو دھائیں کر کے پورا کھلتا چلا گیا مجھے اندازہ نہیں تھا ٹوکرا ہاتھوں سے نکل کے گرا اور میں اس ٹوکرے کے اوپر...... شگون بہت تھا مگر اندر قدم رکھتے ہی احساس ہوا میں غلط جگہ پر آ گیا ہوں۔ پورا صحن بکریوں اور ان کی گند سے بھرا ہوا تھا۔ غلاظت کی بدبو نے میرا ویسے ہی حال خراب کر دیا...... مجھے دیکھ کے ایک دھوتی باندھے بنیان پہنے کھچڑی بالوں والا آدمی لاٹھی لے کر آیا۔

"کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟"

"میں فقیر حسین ہوں، قطب پور سے آگے جو گاؤں ہے پل پنجی وہاں سے آیا ہوں، تم کون ہو؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے ابرو چڑھا کے مجھے گھورا "مطلب کیا ہے تمہارا، میری کوٹھی میں آ کے مجھ سے پوچھتے ہو کہ میں کون ہوں؟ واہ بھئی واہ، سیدھی طرح بتاؤ، ہماری گڈی (گاڑی) کی جاسوسی کرنے تو نہیں آئے؟"

"گاڑی؟ کون سی گاڑی؟" میں نے پوچھا تو ایک دم اندر سے دو تین عورتیں باہر آئیں۔

"پاپا...... پاپا...... یہ کہیں میری کولیگ کے ابو تو نہیں......" ایک نے باپ سے کہا۔

"تمہارا نام زارا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی انکل میں ہی زارا ہوں۔" اس نے فروٹ کا ٹوکرا پکڑا...... پاس پڑی چارپائی پر بٹھایا۔ ٹھنڈا گھڑے کا پانی پینے کو دیا پھر میرا تعارف کروایا۔ دونوں بھائیوں کو بھی بلا لیا، اسی دوران لنچ بھی آ گیا۔

"کیا......؟" بے ساختہ عظمیٰ کے منہ سے الفاظ نکلے۔

ٹنڈوں کا سالن، تندور کی روٹی...... بہت ہی کھلا ڈلا ماحول تھا۔ بزنس کا بھی انہوں نے بتا دیا کہ ایک ریوڑ بھیڑوں کا ہے اور دوسرا بکریوں کا۔ دونوں بھائی ریوڑ چرانے کے لیے جاتے ہیں، بکری کا دودھ فروخت بھی کرتے ہیں اور گھر کے لیے بھی ظاہر ہے رکھتے ہوں گے۔ باپ کا کاروبار واقعی دوسرے شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ بھیڑوں کی اون کاٹ کر دوسرے شہروں میں فروخت کے لیے لے جاتا ہے۔ بارہ مرلے کے گھر میں ایک کمرہ گھر کے مکینوں کے لیے ہے جبکہ باقی سارا گھر کاروبار یعنی بھیڑ بکریوں کے لیے......

پرانا رکشا سامان لوڈ کروانے کے لیے بطور لوڈر بھی قسطوں پر خرید رکھا ہے۔ جسے وہ اپنی گفتگو میں بار بار "گڈی" (گاڑی) کہہ رہے تھے۔ یہ سب کچھ اگر میں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا بلکہ میں تو آنکھوں سے دیکھ کے بھی یقین نہیں کر پا رہا...... اس لیے کہ ہم لوگ عظمیٰ پتر! بہت سادہ مزاج ہیں ہم جو ہیں وہی کہتے ہیں اور کہلوانا پسند کرتے ہیں دودھ کو ملک کہنے سے، باپ کو پاپا کہنے سے بندہ امیر یا فیشنی نہیں ہو جاتا۔

بندہ وہی رہتا ہے جو ہے۔

بندے کو زبان بے شک دوسروں کی بھلی لگے مگر اوقات اپنی ہی یاد رکھنی چاہیے۔ قدم زمین پر ہی رہنے چاہئیں ورنہ منہ کے بل گرتا ہے...... میرا تو پھر بھی خیال تھا کہ وہ لوگ بھلے جتنے بھی اچھے ہوں بہرحال جھوٹ تو انہوں نے نہیں بولا مگر رشتہ بھی وہ ان ہی لوگوں میں کریں جو کاروبار کو بزنس، کہنے والے ہوں۔ ٹنڈے کے سالن کے ساتھ سوکھی روٹی کو لنچ کہتے ہوں یہ لوگ دل کے امیر ہوں نہ ہوں زبان کے ہی امیر ہوتے ہیں ــ اور عظمیٰ پتر میں دل کا امیر ہوں رب سوہنے کا شکر ہے بہت امیر ہوں۔ میرے لیے میری دھی کا وہی جوڑ اچھا ہے جو دبئی میں راج مزدوری کرے یا پاکستان میں ریڑھی پر پھل بیچے وہ بزنس مین نہیں کہلاتا۔

کیوں ٹھیک ہے ناں عظمیٰ پتر...... اس لیے واپسی پر میں حشمتے کی طرف چلا گیا۔ اکرم صرف ایک ماہ کی چھٹی پر آیا ہے ہاتھ اس کے محنت مزدوری سے سخت کھردری چٹان کی طرح ہیں مگر دل کا بہت سخی ہے۔ مجھے اس نے دبئی سے ڈھیر سارے تحفے لا کے دیے ہیں۔ اٹھ اور کھول کے سارے شاپر دیکھ۔

تیری پسند کے کپڑے ہار سنگھار کی چیزیں، میرا سوٹ،...... زبردستی چائے پر روک لیا اور کہنے لگا۔

"ماما آیا ہے تو بس چائے کا کپ پی کے ہی جانا...... چائے کے کپ کے ساتھ مٹھائی بسکٹ، قیمے کی ٹکیاں، گرم جلیبیاں بھی تھیں، حشمتے نے تمہارے لیے بھی الگ سے ڈبے میں ڈال کے دی ہیں تجھے پسند ہیں ناں حشمتے کی ٹکیاں، لال لال چٹنی بھی بھجوائی ہے اس نے۔"

"کچھ؟" عظمیٰ نے خوش ہو کے پوچھا اور چھلانگ مار کے بستر سے اتری...... کچھ منٹ قبل غم کے بادل اب مسرتوں کی کہکشاں میں بدل گئے تھے۔ پکوڑوں اور کبابوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے وہ باہر سامان کی تلاشی لینے لگی اور ابا نے مسکرا کے سوچا۔

"اصلی جھلی اور شودائن تو خود ہے یہ...... بھلا ماں باپ بھی کسی کا برا چاہتے ہیں۔"

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

www.[redacted]dugem.com

ایمل رضا

سکھ

قصہ دینے ......اور صرف دینے کا تھا۔ بعض اوقات ہوتا ہے نا کہ کچھ جذبے، خواہشات اور احساس آپ کے گرد اس طرح لپٹ جاتے ہیں جیسے بانس کے وجود سے میٹھا گنا لپیٹا جاتا ہے۔ سونف والا......تو اس کے ساتھ بھی یہ ہی مسئلہ تھا۔ اس کے گرد شوق لپٹا ہوا تھا۔ تحفے دینے کا......اچھے، قیمتی اور خوب صورت تحفے۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے راہ رسم والوں کو وہ سب کچھ دے دے، جنہیں دیکھ دیکھ کر وہ آہیں بھرتے ہیں۔ جنہیں پا کر وہ خوش ہو جانے والے ہیں۔ کسی کی خوشی دیکھ کر خوش ہو جانے کا فن بھی کوئی کوئی ہی سیکھتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسے فنون کا سیکھ لینا ہی بڑے دکھ دیتا ہے۔

اس کے راہ رسم والوں میں اس کی گنتی کی چند سہیلیاں تھیں۔ جن کی پسند نا پسند کو اس نے بہت چپکے چپکے سے اپنی ڈائری میں نوٹ کر رکھا تھا۔ کرن کو ساڑھی، فری کو پازیبیں اور، اور نور فاطمہ کو شیفون چنری کا دوپٹا بہت پسند تھا۔ لیکن اب تک وہ کچھ اتنی غریب رہی تھی کہ کسی کو کوئی خاص چیز نہیں دے سکی تھی۔ ہاں لیکن جب وہ امتحان سے فارغ ہوئی تو عارضی طور پر بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی تھی۔ اس کی خالہ جن کا آدھا سسرال انڈیا میں تھا، وہ وہاں کسی کی شادی میں جا رہی تھیں۔ اسے معلوم ہوا تو اب تک ٹیوشن کی فیس سے جتنے پیسے جمع ہوئے تھے سب خالہ کو پکڑا دیے اور اپنی چیزوں کی فہرست بھی......' اس نے خالہ سے یہی سب منگوایا تھا۔

خالہ کی واپسی ایک ماہ بعد ہونا تھی۔ یہ ایک ماہ اس پر ہاڑھ کے دنوں کی طرح بڑا گراں گزرا۔ اس کی سہیلیوں کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ اس نے ان کے لیے کچھ منگوایا بھی ہے۔ پتا ہوتا بھی تو وہ اتنی اتاولی نہ ہوتیں جتنی وہ ہو رہی تھی۔ خالہ کو فون وہ کر نہیں سکتی تھی کہ پوچھ ہی سکے کہ خالہ آپ نے ساری چیزیں خرید لیں کہ نہیں......؟ آپ کو یاد بھی ہے کہ نہیں......؟؟

ایک مہینے بعد خالہ واپس آئیں اور توقع کے برخلاف اس کی سب چیزیں لے آئی تھیں۔ اسے اُمید نہیں تھی کہ خالہ اتنی چیزیں یاد رکھیں گی۔ اس نے جو جو کچھ منگوایا تھا' خالہ نہ صرف وہ سب لائی تھیں بلکہ ایک سے بڑھ کر ایک چیز لائی تھیں۔

کرن کی ساڑھی سب سے زیادہ مہنگی تھی۔ اسے ساڑھی کا شوق بھی بہت تھا اور اس پر اچھی بھی بہت لگتی تھی۔ اس کی بہن نے کہا بھی کہ وہ اس کی ڈبل قیمت دینے کو تیار ہے۔ لیکن وہ نہ مانی......اور اس نے ساڑھی کرن کے لیے پیک کر لی۔ دو گھنٹے لگا کر اس نے ساڑھی پیک کی تھی۔ دھنک کے جال والا پیپر چڑھایا، سرخ ربن کی تتلی بنا کر لگائی، ننھے سے کارڈ پر "میری پیاری کرن" لکھا۔ پھر دو گھنٹے لگا کر خود تیار ہوئی اور رکشے میں بیٹھ کر اس کے گھر آ گئی تھی۔

جس وقت لاؤنج کے صوفے پر ڈھلے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو ایک طرف سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی گئی' اور کرن کو آواز دے کر چھت سے بلایا گیا' اس وقت بھی اسے اندازہ نہیں تھا کہ کچھ خواہشیں کتنی مہنگی پڑتی ہیں۔ کچھ خواب کیسے ٹوٹ جاتے ہیں۔ بظاہر عام اور معمولی رویے دل کو کتنا دکھی کر دیتے ہیں۔ یہ بات تو اس پر بعد میں کھلی

UrduGem.com
Urdu Novels, Books and much more

کہ لین دین کے اس سودے نے اس کی روح کو کتنا گھائل کیا ہے۔ بس ہوتا ہے نہ......کوئی وجہ نہیں ہوتی کسی کو بتانے لائق......لیکن کچھ ایسا ہوتا ضرور ہے جو صرف وہ ہی جان سکتا ہے جس پر بیتتی ہے۔ ...وں کے ڈھیر میں آپ کے حصے میں وہ امرود ...ئے جو سنڈی کا مسکن ہو تو آپ کا دُکھ صرف آپ ...جان سکتے ہیں۔ کوئی دوجا نہیں......

کرن کی بہن نیچے سے ہی چلاتی رہی کہ تمہاری سہیلی آئی ہے' آ جاؤ نیچے لیکن وہ پندرہ منٹ بعد ہی نیچے اتری۔

"اینڈ ہو رہا تھا فاسٹ فیورس کا......سوچا دیکھ ہی لوں۔" چھوٹے سے گھر کی کرن ایسے بولی جیسے انگلش موویز دیکھنا اس کا روز کا مشغلہ ہو......زوبی

www.urdugem.com

جانتی تھی کہ اسے انگلش موویز پسند ہیں لیکن اتنی پسند ہیں کہ اس نے نیچے بیٹھی اپنی دوست کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ جیسے وہ سینما کا مہنگا ٹکٹ لے کر بیٹھی تھی مووی دیکھنے۔

وہ آکر اس کے گلے سے لگی۔ زوبی نے ساڑھی کا پیکٹ اس کے سامنے کیا۔

"یہ کیا ہے.....؟؟"

"کھول کر دیکھو۔" اس نے بڑی چاہت سے کہا۔ کرن نے ڈبا کھولا۔ ساڑھی کے آدھے پلو کو اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کیا اور واپس اندر ٹھونس دیا۔

"یہ کہاں سے لی تم نے؟" اس کی آواز اتنی ٹھنڈی تھی کہ وہ سہم سی گئی' جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہو۔

"خالہ گئیں تھیں انڈیا' ان سے منگوائی ہے خاص تمہارے لیے۔" اس نے اپنے گناہ کو جائز کرنا چاہا۔

"شکریہ زوبی..... اٹس لولی..... لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

ڈبا کھسکا کر اس نے ایک طرف کر دیا۔ کچھ دیر میں اس ڈبے پر دھلے ہوئے کپڑوں میں سے چند ایک کپڑے آگرے۔

"چائے بنالاؤ زوبی کے لیے۔" اس نے اپنی بہن سے کہا۔

بہن چائے کا ایک کپ بنالائی۔ چائے میٹھی تھی لیکن اسے بہت پھیکی لگی۔ تین مہینے کی ٹیوشن فیس جمع کر کے اس نے خالہ کے ہاتھ میں دی تھی۔ پاکستانی ساڑھے تین ہزار روپے کی ساڑھی آئی تھی۔ اور کرن نے اسے پورا کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ شکریہ نہ کہتی لیکن کچھ ایسا تو کہہ دیتی کہ اس کا دل کھل اٹھتا۔ ڈبے کو لاپروائی سے ایک طرف کر دیا تھا۔ جیسے ایسے تحفے وصول کرنا اس کا حق تھا۔ انگلش کا ایک "اٹس لولی" اور پھر انکساری کا انداز "اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

"کیا تمہیں ساڑھی پسند نہیں آئی.....؟؟" اس نے ہی ہمت کر کے پوچھ لیا۔

"گفٹ تو گفٹ ہوتا ہے' اچھا کیا اور بُرا کیا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ لیکن وہ جواب میں مسکرا نہیں سکی۔ اس کے پوچھنے پر بھی اس نے تین چار اچھے لفظوں کو پرو کر ایک پورا جملہ کہنا گوارا نہیں کیا تھا۔

"میری کزن حنا ہے نا۔ چھوٹے ماموں کی بیٹی' آج اس کی مہندی ہے۔ اور ابھی مجھے پارلر بھی جانا ہے' اف بڑے کام پڑے ہیں بھئی۔"

وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ چائے پی لی ہے' ساڑھی دے دی ہے' تو اب جاؤ بھئی۔ کپڑوں کے ڈھیر میں دبے ڈبے کو دیکھ کر وہ واپس آگئی۔ لیکن پتا نہیں کیوں وہ رات بھر سو نہیں سکی۔ بات تو چھوٹی سی تھی' لیکن اس کے دل کو بڑا پریشان کیا اس نے۔

☆☆☆

اگلے دن وہ فری کو پازیب اور نور فاطمہ کو چنری کا دوپٹا دینے چلی گئی۔ کرن کے سرد رویّے سے وہ کچھ خود بھی سرد اور بجھی بجھی سی تھی۔ اور اس رویے کی تلافی فری اور نور فاطمہ سے چاہتی تھی۔ اسے نہیں اندازہ تھا کہ تلافی صرف اپنے گناہوں کی ہوتی ہے۔ کسی اور سے اس کا حساب مانگا جا سکتا ہے نہ وجہ پوچھی جا سکتی ہے۔

فری نے پازیب پیروں میں پہن کر سب سے پہلے جو کہا تھا۔ اس نے زوبی پر کرن کے گھر کی پھیکی ٹھنڈی چائے سے بھی زیادہ کا اثر کیا۔

"یہ کالی تو نہیں ہو جائے گی۔" زوبی فری کے منہ سے کچھ اور ہی سننے کی آس میں تھی۔ اس "کالی تو نہیں ہو جائے گی" کہ سوال نے اس کے دل کو کالا کر دیا ایک دم سے.....

"خالہ اچھی والی لائی ہیں فری۔ ایسی ویسی نہیں ہے۔" اس کی آواز میں درد سا سمٹ آیا۔

"کہتے سب ایسے ہی ہیں' لیکن کالی ہی ہو جاتی ہیں۔" اس نے پازیب کو اپنی امی کی طرف بڑھایا۔ امی نے فری سے بھی زیادہ باریک بینی سے پازیب کا مشاہدہ کیا تھا۔

"یہ دیکھو اس کا تو ایک ٹانکا بھی ٹوٹ رہا ہے۔" امی نے ایسے کہا' جیسے وہ کسی کی استعمال شدہ پازیب اس کے لیے لے لائی ہو۔

"نہیں خالہ جی! یہ ڈیزائن ہی ایسا ہے۔"

"ہم نے بہت دیکھی ہیں ایسی چیزیں' دیکھنا دو دن نہیں چلے گی یہ....."

فری نے چائے کے ساتھ بسکٹ کی پلیٹ بھی رکھی ہوئی تھی۔ چائے کا کپ اور بسکٹ کی پلیٹ رکھی ہی رہی۔ فری نے ایک بار بھی اصرار نہیں کیا تھا کہ چائے پی لو' بسکٹ کھالو۔

"تم نے چائے نہیں پی..... پینی چھوڑ دی ہے کیا.....؟" جب وہ جانے لگی تو اس نے کہا۔

اس کی دو سالہ بھتیجی' پازیب کو اٹھا کر لے گئی تھی' اور اپنے دونوں پیروں میں پہن کر چھن چھن کرتی سارے گھر میں بھاگ دوڑ رہی تھی۔ اور اس کی امی' ہاتھ سے تالیاں بجا رہی تھیں۔ اس نے ننھی بچی کی طرف دیکھا' اور اپنے ننھے سے دل کی طرف بھی۔

فری کے گھر کے بعد وہ نور فاطمہ کے پاس گئی تھی۔ اگرچہ جانے کی ہمت تو نہیں رہی تھی۔ لیکن.....

دوپٹا نور فاطمہ نے کھول کر دیکھا اور پھر آنکھیں سکیڑ لیں۔

"بس دوپٹہ..... یعنی سوٹ مجھے خود بنانا پڑے گا۔" نور فاطمہ ایک دم سے ہی بہت غریب نظر آنے لگی۔ جیسے اس کے پاس تو کھانے کے بھی پیسے نہیں ہیں۔

"تم سوٹ لے لینا میں اس کے پیسے دے دوں گی۔ اس طرح پورا سوٹ میری طرف سے ہو جائے گا۔" اب کی بار وہ جذبات کا خسارہ نہیں سہنا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے پیسے کے خسارے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

"بہت مشکل ہے کہ اس دوپٹے کے ساتھ کسی سوٹ کی میچنگ ہونا....."

"تم سفید سوٹ پر لینا' بہت پیارا لگے گا۔"

"توبہ کرو' منگنی ہو چکی ہے میری۔ میری ساس نہیں پہننے دیں گی مجھے سفید رنگ....."

"تو تم سفید رنگ کو رنگوا لینا اس رنگ میں....." وہ کسی بھی طرح تسلی چاہتی تھی۔ کرنا بھی اور کروانا بھی.....

نور فاطمہ تاسف سے دوپٹے کو دیکھ رہی تھی۔ ایسے جیسے اس نے اس دوپٹے کے پیسے زوبی کو دیے ہوں اور وہ بھی اپنی ماں کی سونے کی چوڑیاں بیچ کر.....

"رنگ بھی کہاں اتنی سکے ہوتے ہیں۔ پھر قمیص شلوار کے لیے کون کپڑے رنگواتا ہے بھلا..... تم بھی نا زوبی کیسی باتیں کرتی ہو..... تم مجھ سے پوچھ لیتیں' تو میں تمہیں رنگ بتا دیتی۔ مجھے بھی آسانی ہو جاتی۔ اب کہاں سوٹ کے لیے خوار ہوتی پھروں گی۔"

وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اتنی شرمندہ ہوئی کہ جس وقت وہ رکشے میں بیٹھ رہی تھی' اس وقت اس کی آنکھوں سے نمی جھلک رہی تھی۔ جس وقت وہ اپنے کمرے میں آئی' اس وقت وہ رو رہی تھی۔ کیا اس کی سہیلیاں ہمیشہ سے ہی ایسی تھیں یا آج اس پر ان کی فطرت کھلی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کون سی چیز اسے زیادہ اداس کر رہی ہے۔ اپنے تحفوں کی بے قدری' یا اپنی بے وقعتی۔ وہ ان چیزوں کو پسند نہ کرتیں لیکن وہ اس کی محبت کا لحاظ کر لیتیں۔ وہ شکریہ کے لیے چار اچھے جملے کہہ دیتیں۔

کرن جو لمبی لمبی تجویزیں کرتی ہے اور ہر بحث جیت کر آتی ہے۔ وہ اس کے لائے تحفے کی تعریف کر دیتی۔ کچھ پیار کا اظہار کر دیتی۔ فری، جو خوبصورت چیزوں کی دیوانی ہے' وہ کسی معمولی سی خوبصورتی کا ہی سہارا لے لیتی اور سے بتاتی کہ کندن کی پازیب کتنی پیاری ہے۔ اس کی چاہت کتنی من موہنی ہے' کہ اس نے اس کے لیے یہ تکلف کیا۔ نور فاطمہ جسے ہر موقعے کے لیے کوئی نہ کوئی حدیث یاد رہتی ہے' وہ یہ یاد کر لیتی کہ اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ انسان کا شکریہ ادا کرنا بھی کتنا ضروری ہے۔

www.urdugem.com

☆☆☆

”زوبی!......کیا کمال چیز لائی ہو تم......کیا دل کو چھو لینے والا رنگ ہے اس ساڑھی کا۔ چُن کر لائی ہیں تمہاری خالہ بھی ویسے۔ امی ادھر آئیں ذرا‘ دیکھیں زوبی کیا لائی ہے۔ اتنی دُور سے اس نے خاص میرے لیے منگوائی ہے۔

انڈین ساڑھی...... میری بری میں بھی نہیں ہوگی۔ یہ دیکھیں، کیسی لگ رہی ہے مجھ پر۔ رنگ دیکھیں ذرا اس کا۔ زوبی تم نے اتنے پیسے لگا دیے اس پر۔ اب کیسے شکریہ کہوں تم سے۔“

”ارے میرے گال تو چھوڑ وفری!“

”نہیں چھوڑوں گی۔ دیکھنا کیسے سنبھال کر رکھتی ہوں میں تمہارے اس گفٹ کو۔“

”کیا واقعی میں تمہیں اتنا اچھا لگا ہے؟“

”اچھا نہیں‘ بہت اچھا۔ بہت بہت اچھا۔“

امی اسے آوازیں دے کر کھانے کے لیے بلا رہی تھیں لیکن وہ کمرے سے باہر نہیں نکل سکی۔ اس کے اندر ایک لو تھی جو بجھ گئی تھی۔ وہ کمرے کی کھڑکی میں کھڑی‘ رات کے اندھیرے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

”یا اللہ‘ کندن کی پازیب!! تمہیں یاد تھا جب میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مجھے پازیب پسند ہے۔ تم نے میری اتنی سی بات یاد رکھی اور مجھے منگوا کر بھی دے دی۔ اف کتنی پیاری ہیں۔ سدرہ‘ گڑیا‘ ادھر آنا ذرا‘ دیکھو زوبی کیا لائی ہے۔ یہ تو میں اپنی شادی پر ہی پہنوں گی۔ یہاں تو ملتی بھی نہیں ایسی چیزیں۔“

”خالہ بتا رہی تھیں کہ یہ کبھی کالی نہیں ہوگی۔“

”وہ تو نظر ہی آرہا ہے۔ دیکھو کیسے لشکارے مار رہی ہے۔ زوبی تم کتنی اچھی ہو۔ کتنا خیال تھا تمہیں میرا۔ اتنی پیاری چیز منگوا کر دی تم نے مجھے۔ اتنا پیارا تحفہ دیا مجھے۔ دیکھنا آپا بھی دیکھیں گی تو اش اش کر اٹھیں گی‘ کہیں تو سمی کہ دے دو دیور کی شادی میں پہننے کے لیے‘ لیکن میں تو ہاتھ بھی نہیں لگانے دوں گی۔“

وہ اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔ بات تو معمولی تھی‘ اس نے سہیلیوں کو تحفے دیے انہوں نے سرسری سے دو لفظ شکریہ کے کہے‘ اور وہ گھر آگئی لیکن پتا نہیں کیوں اس کے دل میں اداسی نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔

”ایک بار میگزین میں تمہیں دکھایا تھا میں نے ایسا چنری کا دوپٹا۔ تم نے یقیناً تب ہی سے یاد رکھا ہو گا۔ پتا ہے میں امی کے ساتھ بڑے بازار گھومی، لیکن مجھے ایسا دوپٹا نہیں ملا۔ ایک رنگ ساز نے کہا کہ آرڈر پر بنے گا ایسا دوپٹا۔ قیمت پوچھی تو بھئی بہت زیادہ بتا رہا تھا وہ۔ تم نے تو جادو کر دیا زوبی‘ کیسے جھٹ سے لا کر میرے سامنے رکھ دیا اسے۔ کتنا پیارا، کھلا کھلا رنگ ہے اس کا۔ اپنے جہیز میں لے کر جاؤں گی اسے۔

ویسے بھی امی ابھی اوڑھنے بھی نہیں دیں گی‘ ایسی چیزیں روز روز تھوڑی ملتی ہیں۔ تم نے تو میرا دل موہ لیا‘ سچی‘ کیا غضب چیز لائی ہو تم۔ شکریہ کے لیے تو الفاظ ہی نہیں مل رہے۔“

کوئی بھی دینے والا انسان تعریف کا بھوکا نہیں ہوتا‘ لیکن پھر بھی دل ایک توقع لگا لیتا ہے۔ لینے والے کے چند اچھے جملے، وہ اپنے دل میں سنبھال کر رکھ لیتا ہے۔ جو انسان ٹھیک سے شکریہ ادا کرنا، تحفہ وصول کرنا نہیں جانتا، وہ اخلاق کے باقی اصول کہاں سے سیکھے گا؟ ایسے لوگ صرف دل کے ہی تنگ نہیں ہوتے وہ ذہن کے پتھر ہوتے ہیں۔ ایسے پتھر جو دوسروں کی زنگ آلود تلوار تو تیز کرتے ہیں لیکن خود پتھر کے پتھر ہی رہتے ہیں۔

☆☆☆

دو تین دن وہ ایسے ہی چپ چپ سی رہی۔ امی نے پوچھا‘ بہنوں نے پوچھا مگر وہ ٹال گئی۔ جب وہ کرن کے گھر سے جلدی آگئی تھی تو بہن نے حیران ہو کر یہ ضرور کہا تھا۔

”اتنی جلدی آگئیں؟ اتنا مہنگا تحفہ لے کر گئی تھیں، میرا تو خیال تھا وہ تو تمہیں رات کا کھانا کھلا کر ہی بھیجے گی۔“

”وہ تو کہہ رہی تھی لیکن میں نہیں رکی۔“

”تم کیوں نہیں رکیں۔ اتنی کیا جلدی تھی۔؟“

وہ بہن سے کیا بحث کرتی۔ اسے کیا سمجھاتی‘ کہ ہم انسانوں نے تکلیف دینے کے کیسے کیسے نئے انداز سیکھ لیے ہیں۔ ہم نے کیسے خود کو جنگل کے زمانے کا انسان بنانا شروع کر دیا ہے۔ کیسے ہم نے اپنے ظرف کو بلند کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اور اسی ظرف کے پیندے کے ساتھ جا لگے ہیں۔ ہم جو دنیا جہاں کی باتیں کرنا سیکھ گئے ہیں‘ ہم نے سامنے کی بنیادی باتوں کو بھلا دیا ہے۔

وہ اسے کیسے سمجھاتی کہ بات تو صرف اہمیت کی تھی۔ دکھ تو سے بس یہ تھا کہ ہم انسان ٹھیک سے ”شکریہ“ ادا کرنا بھی بھول گئے ہیں۔ ہم نے ہر چیز کو ”حق“ سمجھ کر وصول کرنا سیکھ لیا ہے۔

جی...... تو قصہ دینے ......اور صرف دینے کا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس کہانی کا اختتام یہاں ہی ہو جاتا......زوبی کے آنسوؤں پر انسانوں کے رویوں پر......لیکن نور فاطمہ کے گھر سے واپسی کے ٹھیک چھ دن بعد اسے جمیلہ کا خط مل گیا۔

☆☆☆

جمیلہ بھی اس کی پکی پکی سہیلی تھی۔ اس کی خالہ کے پڑوس میں رہتی تھی‘ ایک بار وہ وہاں گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے گئی تھی اور ان دونوں میں دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اسے اکثر خط لکھا کرتی تھی۔ جب وہ اپنی باقی سہیلیوں کے تحفے پیک کر رہی تھی تو امی نے کہا کہ وہ جمیلہ کو بھی کچھ بھجوا دے۔ جمیلہ دراصل اس کی اچھی والی سہیلی تھوڑی تھی۔ وہ تو بس چل چلاؤ میں سے تھی۔ پھر اس نے اس کے لیے کچھ منگوایا بھی نہیں تھا۔ لیکن امی نے کہا تو اس نے ایک معمولی کرتا‘ جو اس نے یہاں سے ہی خریدا تھا اور ایک بار پہن بھی لیا تھا پیک کر کے اسے بھجوا دیا۔

خط اسی کرتے کے سلسلے میں آیا تھا‘ اور پورے سات صفحوں کا تھا۔ اور صبح سے رات تک وہ اس خط کو

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

❁ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
❁ نئے بال اگاتا ہے۔
❁ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❁ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❁ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت-/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

www.urdugem.com

بیس بار سے زیادہ پڑھ چکی تھی۔

"پیاری سہیلی زوبی!

تمہارا محبتوں بھرا خط ملا اور تحفہ بھی......

مجھے اکثر تمہاری یاد آیا کرتی تھی' تو میں تمہارا ذکر بہنوں اور امی سے کیا کرتی تھی۔ وہ اکثر مجھے طعنے دیتی تھیں کہ تم تو مجھے بھول چکی ہوں گی، اگر یاد ہوتی تو تم کبھی ملنے آتیں۔ لمبے لمبے خط لکھتیں۔ آج جب ڈاکیا آیا' اور اس نے مجھے پارسل دیا، اور میں نے اس پر تمہارا نام پڑھا تو یقین جانو کہ میں نے کتنی ہی دیر تک پیکٹ کو کھولا ہی نہیں۔

مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو کہ تم مجھے کچھ بھیج سکتی ہو۔ دادی پڑوس میں تھیں، انہیں بلایا، چھوٹی بہنیں اسکول سے آگئیں تو میں نے پیکٹ کھولا۔ میری چھوٹی بہنوں کو تو تم جانتی ہو انہوں نے تو تالیاں بجائیں۔ وہ جیسے کیک کاٹنے پر بجاتے ہیں نا۔ دادی کی نظر کمزور ہے لیکن دادی نے بڑی دیر تک کرتے کی کڑھائی کو آنکھوں کے قریب لا کر دیکھا اور کہا کہ بہت ہی عمدہ کشمیری کڑھائی ہوئی ہے۔ امی نے کہا کہ میں کرتا پہن کر دکھاؤں۔ میں نے فوراً کرتا پہن کر دکھایا۔ سچی زوبی، اتنا پیارا، اتنا پیارا' اتنا زیادہ پیارا لگا کہ کیا کہوں۔

بھائی نے کہا کہ میری تو اجڑی ہوئی حالت ہی بدل گئی۔ میں تو میم صاحب لگ رہی ہوں۔ اور کیا رنگ بھیجا ہے تم نے۔ اوہ زوبی...... تم نے یہ کیا کر دیا' عید سے پہلے ہی میری عید کردی۔

امی نے کہا فوراً تمہیں خط لکھوں، ڈھیروں دعائیں دی ہیں امی نے تمہیں۔ دادی نے کہا' ایسی ہوتی ہیں سہیلیاں۔ رات بھر خوشی سے سو نہیں سکی۔ بڑا سنبھال کر' بکس میں رکھ دیا ہے۔ ویسے چپکے چپکے نکال کر دیکھتی رہتی ہوں۔ اپنی سہیلوں کو بھی دکھایا میں نے۔ بڑا خوش ہوئیں لیکن اندر سے تو جل بھن رہی ہوں گی......"

اور خط تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ کچھ اتنا لمبا' اتنا تفصیلی تھا کہ اس کے دل کا سارا درد سمیٹ کر لے گیا تھا۔ ایک معمولی سا کرتا' اور اس پر محبت کا ایسا اظہار۔ اس نے امی کو خط پڑھ کر سنایا۔ وہ چہکنے لگی اور شیشے کے کام کی شال جو اس نے اپنے لیے منگوائی تھی' وہ اس نے اگلے دن جمیلہ کو بھجوا دی۔ ساتھ خط لکھ دیا کہ کرتا اور شال دونوں بھجوانے تھے لیکن غلطی سے شال گھر میں ہی رہ گئی۔

انسان ایسا ہی ناشکرا ہے' جیسے کرن' فری اور فاطمہ۔ انسان بھی ایسا ہی لاپرواہ اور نکما ہے۔ جو کسی انسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا وہ اللہ کا کیا کرے گا۔ جو یہ نہیں جان پاتا کہ اسے کیا کیا دیا گیا ہے وہ یہ کیسے جان پائے گا اسے کس کس چیز سے کس وجہ سے محروم رکھا گیا ہے۔

ناشکری کی وجہ سے، شکر ادا نہ کرنے کی وجہ سے۔

اس نے اب جانا تھا کہ اللہ ان لوگوں کو اور کیوں دیتا ہے جو شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ اُن لوگوں کو کیوں پسند کرتا ہے جو تھوڑا ملنے پر بھی اس کے حضور سجدے میں گر جاتے ہیں۔

اس نے جان لیا تھا کہ ناشکری' بے قدری' بے وقعتی کتنی تکلیف دیتی ہے۔ اس رات اس نے اللہ کو بھی ایک خط لکھا۔ اس نے دو نفل پڑھے اور پھر اس نے اللہ کو تفصیل سے بتایا کہ اس کے پاس اس کی دی ہوئی کون کون سی نعمت ہے۔ اس نے ایک ایک نعمت کی تفصیل سے تعریف کی۔ پھر سب پر شکریہ ادا کیا۔

اب ہر رات وہ اللہ کو یہی خط لکھ کر سوتی ہے کیونکہ وہ جان گئی ہے کہ جو ٹھیک سے شکریہ ادا کرنا سیکھ جاتا ہے' وہ دراصل سب کچھ سیکھ جاتا ہے۔ جو لیتا رہتا ہے' اور بدلے میں سر جھکا کر اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا' وہ تنگ دل اور بیمار روح ہے۔ جو قدر دان ہوتا ہے، اسی پر اللہ بھی مہربان ہوتا ہے۔

☆

www.urdugem.com

ناولٹ

چلو اک بار پھر سے

یمنیٰ اختر

وہ گاڑی عمارت کے پاس بنی پارکنگ میں دیگر گاڑیوں کے ساتھ رکی...... پہلے ڈرائیور اُترا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا، اندر سے ایک دبلی پتلی لڑکی باہر نکلی...... جس کے بال کندھوں سے ذرا نیچے اور کمر سے تھوڑا اوپر تھے۔ کتابی چہرہ تھا' ستواں ناک' بڑی بڑی غلافی آنکھیں' بھرے بھرے لب اور رخساروں کے ابھار پہ چھوٹا سا سیاہ مسّہ...... یہ ایک ایسا چہرہ تھا جسے آرٹسٹ پینٹ کرنے کے لیے پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کے خوب صورت چہرے پہ بہت سنجیدہ تاثرات تھے۔ نظروں میں خالی پن...... وہ چلتے ہوئے ایک براؤن دروازے کے پاس رکی' ناب گھمائی دروازے کو ہلکا سا دھکیلا، وہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

شہر کے ایک مشہور وکیل کا پُرتعیش آفس منظر میں شامل ہوا تھا...... سامنے ٹیبل پہ بارعب شخصیت کے حامل ادھیڑ عمر صاحب بیٹھے تھے ان کے چہرے پہ نرمی اور سنجیدگی تھی۔ وہ سامنے بیٹھے شخص سے باتوں میں مصروف تھے اِس کی نظریں ان پہ سے ہوتے ہوئے اس شخص کی پشت پہ گئیں۔ "وہ" پہلے سے موجود تھا۔

"آیئے مسز یکتا!" اور اس آواز پہ جہاں وہ چونکی تھی' وہیں کرسی پہ بیٹھے شخص نے بھی پلٹ کر دیکھا تھا...... وہ شفاف رنگت' براؤن بڑی آنکھوں اور کھڑے نقوش والا ہینڈسم سا مرد تھا۔ اس کی نظریں مسلسل یکتا کے چہرے پہ ٹکی تھیں اور یکتا کی اس پہ......

پورے ڈیڑھ ماہ بعد دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا لیکن نظروں میں خالی پن تھا......

"آیئے پلیز ہم آپ کا ہی انتظار کر رہے تھے میثم کو تو آئے خاصی دیر ہو گئی ہے ڈائیورس پیپرز تیار ہیں۔ بس کچھ ٹائپنگ ایررز نکل آئے ہیں وہی ٹھیک کروانے کے لیے بھیجا ہے...... دس پندرہ منٹ لگیں گے۔" وہ صاحب دوبارہ گویا ہوئے۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھی' ٹیبل پہ دھڑے سے رکھا' جہاں سنہری تختی ایڈووکیٹ خلیل زیدی تحریر تھا۔ وہ سپاٹ چہرہ اور خالی نظریں لیے میثم کی برابر والی نشست پہ بیٹھی......

"غناء کیسی ہے" مختصر سوال سپاٹ سے لہجے میں میثم کی طرف سے آیا تھا۔ نظریں سامنے رکھی تختی پہ جمی تھیں۔

"ٹھیک" سوال سے زیادہ مختصر جواب یکتا نے دیا تھا۔ نظریں سامنے رکھے گلاس پر تھیں۔

خلیل صاحب نے ایک نظر دونوں پہ ڈالی۔ ماحول میں اچانک تناؤ سا ابھرا تھا...... یہاں تین زندہ سانس لیتے انسان موجود تھے مگر جامد خاموشی محسوس ہوتی تھی۔ لاپروائی سے جھولتا وہ لڑکا، سپاٹ سی لڑکی اور ماحول سے اکتائے وکیل صاحب۔

"آج آفیشلی آپ دونوں کی طلاق ہو جائے گی اور پھر قانون کے مطابق غناء کی کسٹڈی مسز یکتا کے پاس ہوگی مگر آپ مسٹر میثم اس سے مل سکتے ہیں اور غناء کو

UrduGem
Urdu Novels, Books and Much More
www.urdugem.com

اس کی مرضی اور والدہ کی اجازت سے کچھ عرصے اپنے پاس بھی رکھ سکتے ہیں یہ سب بہت سکون سے ہوسکتا ہے اگر آپ دونوں اس معاملے میں انڈر اسٹینڈنگ سے کام لیں تو۔" خلیل صاحب سنجیدگی سے بولے تو یکتا از حد سنجیدہ چہرہ بنائے یونہی بیٹھی رہی۔ کوئی تاثر نہ دیا..... لیکن دوسری کرسی پہ بیٹھا شخص تلخی سے مسکرایا۔

"باہمی انڈر اسٹینڈنگ دو دو بندے جو ایک دوسرے سے طلاق لے رہے ہیں، ان کے درمیان باہمی انڈر اسٹینڈنگ وہ بھی طلاق کے بعد..... کیا خلیل بھائی! آپ بھی بہت پیار سے مارتے ہیں۔" اس کا انداز استہزائیہ تھا۔

خلیل صاحب کھل کر ہنسے..... یکتا سپاٹ سی بیٹھی رہی، جیسے سنا ہی نہ ہو۔

"ارے بھئی، میں تو قانونی طریقہ بتا رہا ہوں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ تمہاری بات واقعی سچ ہے اس کے آگے مجھے خود اپنی کہی بات بے تکی لگ رہی ہے۔ لیکن..... اب اولاد کے لیے اتنا خیال تو کرنا پڑے گا ناں۔"

وہ مسکرایا..... البتہ یکتا دونوں کی باتوں سے بے نیاز بنی بیٹھی تھی..... انگلی میں پڑی بوند کی شکل کی سفید پتھر کی انگوٹھی کو دائیں سے بائیں گھما رہی تھی۔

"اولاد کے لیے....." کھسیانی سی ہنسی ہنسا "اگر واقعی اولاد کے لیے سوچیں تو طلاق کی کوئی گنجائش ہی نہیں بنتی۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

یکتا نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ نظریں اس پہ ڈالے بنا سر کو جنبش دی۔

چند لمحے یونہی خاموشی چھائی رہی.....

"ویسے خلیل بھائی..... اگر میڈم کا۔" انتہائی لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یکتا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا "دوسری شادی کا ارادہ ہو تو اس صورت میں، میں اپنی بیٹی ان سے لے سکتا ہوں ناں۔"

اس کی اس بات پر یکتا تیزی سے اس کی طرف گھومی تھی۔ چہرے پہ شدید تاثرات تھے۔ خلیل صاحب بھی گڑبڑائے۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ دھاڑنے والے انداز میں بولی تھی..... اور ایسے میں اس کی آواز تیز مگر بھیگی سی محسوس ہوئی۔ میثم نے اس ڈائریکٹ مخاطب کرنے کو انجوائے کرتے ہوئے دلچسپی سے دیکھا۔

"مجھ سے میری بیٹی کو لینے کی کوشش بھی مت کرنا۔" وہ غرانے والے انداز میں بولی۔

اور میثم کی بھنویں چڑھ گئیں چہرے پہ "کیا واقعی۔" کے تاثرات موجود تھے۔

"وہ میری بھی بیٹی ہے اور تمہارے کسی بھی ایسے ایکٹ کی صورت میں میں لیگلی اسے لے سکتا ہوں..... میں اسے کسی بھی صورت سوتیلے باپ کے حوالے نہیں کرسکتا....." وہ نظریں جمائے لفظ چبا کر بولا..... خلیل صاحب موقعے کی نزاکت دیکھتے ہوئے خاموش رہے۔

"مرنے سے پہلے بھوت مت بنو میثم!" وہ غرانے والے انداز میں ٹیبل پہ ہاتھ مار کر بولی "اپنی بیٹی سے میں تمہیں ملنے دے رہی ہوں، اسی کو بہت سمجھو، لینے کا تو سوچنا بھی مت۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی..... میثم نے چند لمحے دیکھا اور پھر کچھ بولنے کے لیے لب کھولے۔

"آں..... آں مسٹر اینڈ مسز میثم پلیز....." خلیل صاحب نے درمیان میں ہاتھ اٹھا کر دونوں کو ٹوکا..... میثم کے کھلے لب بند ہوئے، البتہ کٹیلی سی نظر اس پہ ڈالی..... یکتا بھی سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"ریلیکس مسز میثم، وہ صرف سچویشن کی بات کر رہے ہیں۔ اتنا اوور ری ایکٹ مت کریں۔" خلیل صاحب نے پرسکون انداز میں کہا تھا، یکتا نے انہیں گھور کر دیکھا۔

"ایسی کوئی سچویشن کبھی نہیں ہوگی۔ میں کوئی شادی وادی نہیں کر رہی ہوں لہٰذا ایسی کوئی خوش فہمیاں نہ پالی جائیں۔ پلیز میرا نام یکتا غوری ہے، سو مجھے اسی نام سے پکاریں۔ میرا پرانا نام بار بار لیں۔" وہ جتلاتے لہجے میں بولی تھی۔

میثم کے لبوں پہ ہلکی سی مسکان ابھری تھی۔

"سوری مسز، دراصل میں آپ کو آپ کے مسز میثم کے نام سے بلا سکتا ہوں کیونکہ اب تک آپ کی اور ان کی طلاق ہوئی نہیں ہے۔ آپ ان کے نکاح میں ہیں۔ لیکن سوری۔ میں اب دھیان رکھوں گا۔" وہ سادگی سے بولے۔

میثم مسلسل کرسی پہ جھول رہا تھا۔ مسکراہٹ مستقل لبوں پہ جمی تھی۔

"چند پل اور....." وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی تھی۔

"اف یکتا! تھوڑی دیر صبر کرلو بس چند پل اور ہیں۔" اس نے چھیڑنے والے انداز میں کہا..... یکتا ناگواری سے دیکھ کر رہ گئی۔

"ویسے خلیل صاحب! اگر ان کا دوسری شادی کا ارادہ ہوا تو میں اپنی بیٹی لمحے بھر کو بھی ان کے پاس نہیں جانے دوں گی کیونکہ مجھے بھی اسے سوتیلی ماں کی شکل دکھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" یکتا نے نہایت ناگوار تاثرات کے ساتھ چڑے ہوئے لہجے میں کہا اور میثم کا فلک شگاف قہقہہ گونجا۔

"ناقص العقل خاتون! جو شخص اپنی پسند، محبت، مرضی سے کی گئی شادی کو نہیں سنبھال سکا اسے ٹوٹنے سے نہیں بچا سکا، وہ دوسری کیا کرے گا..... کیوں خلیل بھائی۔" میثم نے مسکراتی نظر اس پر ڈالی۔

یکتا نے صدمے سے اسے دیکھا..... اس شخص کے بارے میں دو باتیں ہوسکتی ہیں یا تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا..... یا پھر یہ پاگل ہوگیا ہے لیکن تیسری بات بھی تھی جسے صرف وہ شخص جانتا تھا..... وہ ٹوٹ گیا تھا۔ چند ساعتیں خاموشی کی نذر ہوئیں۔ پھر اس خاموشی کو خلیل صاحب کے موبائل کی گھنٹی نے توڑا..... انہوں نے فون اٹھا کر "ہیلو" کہا اور کال پہ مصروف ہوگئے..... وہ دو افراد اب بھی ایک دوسرے سے انجان بنے بیٹھے تھے البتہ غافل نہ تھے۔

"سوری گائز..... میں ابھی بیس منٹ میں آتا ہوں۔ ایک ضروری کام آپڑا ہے۔" وہ معذرت کرتے اٹھے۔

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اور وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ پیچھے صرف وہ دونوں رہ گئے تھے..... اور چیختی۔ خاموشی۔ یکتا کی نظریں ٹیبل پہ رکھے ڈیجیٹل ٹائم پیس پہ جمی تھیں جو گیارہ بجا رہی تھی۔ کتنا وقت جو میثم کے ساتھ گزارنا تھا۔ میثم نے اسے دیکھا تھا۔ چند لمحے اور وہ چند لمحے اور اس کی تھی۔ اور اس کے بعد چند لمحے یونہی خاموش سرکے..... یکتا ویسے ہی ساکت بیٹھی تھی۔ خالی نظروں کے ساتھ انگوٹھی دائیں سے بائیں گھماتے ہوئے۔

ٹب ٹب ٹب ٹب..... ایک عجیب سی آواز پہ اس نے نظریں پھیر کر دیکھا تو وہ سبز رنگ کا گول ماربل کا پیپر ویٹ گھما رہا تھا..... جس کی آواز ماحول میں ناگواری پیدا کر رہی تھی..... وہ چند لمحے تو یونہی بیٹھی رہی۔ پھر بے زاری سے بولی۔

"کیا تم یہ شور بند کرو گے پلیز....." یکتا بولی۔ میثم نے کندھے اچکا کر پیپر ویٹ کو زور سے گھما کر چھوڑا۔

وہ ناگواری آواز مزید تیز ہوئی تھی یکتا نے آنکھیں پھیلا کے دیکھا۔ میثم نے فوراً پیپر ویٹ پہ

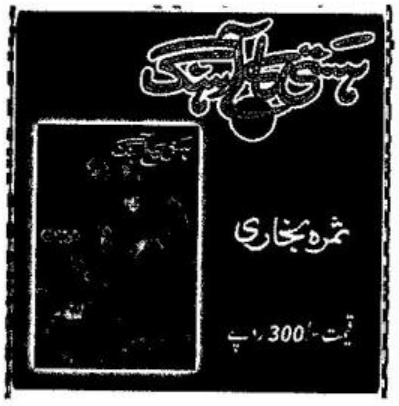

www.urdugem.com

ہاتھ رکھ کر اسے روکا..... محض تنگ کرنے والا انداز تھا۔ یکتا نے سر کو نفی میں جنبش دی.....

"ڈھیٹ....." وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

چند پل خاموشی درمیان میں حائل رہی..... پھر یکتا نے ٹیبل پہ رکھا اخبار اٹھالیا۔

زرزرزر..... آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ بیٹھا لوہے کا گلوب گھما رہا تھا..... نظروں کی تپش پہ میثم نے اس کی طرف دیکھا..... چند لمحے دیکھتا رہا..... پھر نہایت معصوم صورت کے ساتھ گلوب سے ہاتھ ہٹا کر سیدھا ہو بیٹھا اور سگریٹ سلگائی۔ یکتا عصیلی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"تم مجھے چھوڑ رہی ہو تو تم سے مطلب' میں جو چاہوں کروں" وہ جتاتے ہوئے بولا۔

یکتا نے انگلی اٹھا کر سیدھا اس کی ناک کی سیدھ میں اشارہ کیا..... میثم نے دیکھا تو وہاں "تو اسموکنگ" کا بورڈ آویزاں تھا..... میثم نے بھنویں اچکائیں..... چہرے پہ معصومانہ تاثرات سجائے واپس پلٹا۔ اور سگریٹ نیچے پھینک کر جوتوں سے مسل دی اور وہ دوبارہ اخبار میں کھو گئی۔ اور تب ہی دھیمی سی سیٹی کی دھن ابھری..... اب تو وہ چڑ گئی تھی۔

"کیا تم چند پل خاموشی سے نہیں بیٹھ سکتے" تیزی سے بولی تھی۔

"تم جانتی ہو' مجھے خاموشی سے ڈر لگتا ہے" وہ لاپروائی سے بولا۔ وہ چند پل اسے دیکھتی رہی۔ ناگواری چہرے سے واضح تھی۔

"یہ چند لمحے کا شوہر بھی ناگوار گزر رہا ہے تمہیں" وہ چڑانے والے انداز میں بولا۔ یکتا نے کوئی تاثر نہ دیا۔ ہاں یہ الگ بات تھی کہ لمحے بھر کو دھڑکن رکی تھی۔

"حالانکہ کبھی میری ان ہی حرکتوں پہ مرا کرتی تھیں تم۔"

"بے وقوف تھی میں....." وہ چڑ کر بولی۔

"وہ تو ابھی بھی ہو....." وہ دھیمے سے بولا۔

"کیا کہا تم نے....." وہ ذرا غصے سے بولی تو میثم گڑبڑایا تھا۔

"ہاں۔ کیا کہا میں نے..... ہاں..... یہ وائٹ ڈریس میں تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو" وہ جلدی سے بولا تھا۔

"کیا.....؟" یکتا صدماتی کیفیت میں چلائی تھی۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"لو اب کیا کیا میں نے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے (انداز سوالیہ تھا) چند لمحوں بعد ہماری طلاق ہونے والی ہے۔ ہم ہمیشہ کے لیے الگ ہونے والے ہیں اور تم مجھ سے فلرٹ کر رہے ہو....." وہ جذباتی انداز میں اسے موقع کی حساسیت کا احساس دلا رہی تھی۔

"میڈم! طلاق ہوئی نہیں ہے اور آپ اب تک میری بیوی ہیں تو میں کیسے فلرٹ کر سکتا ہوں۔ سمجھیں....." وہ جتاتے ہوئے بولا۔ وہ چند لمحے یونہی دیکھتی رہی۔

"کیا تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔" یکتا کی آواز میں بے یقینی تھی۔ "ہم الگ ہونے جا رہے ہیں اور تم اتنے نارمل ہو جبکہ ہماری زندگیاں ابنارمل بننے جا رہی ہیں" یکتا پھٹ پڑی تھی۔

میثم چند پل اسے یونہی دیکھتا رہا پھر بولا "کیا نارمل آدمی ایسا ہوتا ہے؟" انداز' لہجہ' آواز سب تبدیل شدہ تھا۔ آنکھوں میں درد تھا۔

یکتا ٹھٹکی تھی۔ کیا واقعی وہ نارمل تھا؟ آنکھوں کے گرد حلقے' بڑھی شیو' پرانی جینز اور میلی سی ٹی شرٹ جس پر استری بھی نہیں تھی۔ نہ پرفیوم کی خوشبو نہ وہ اسٹائل جو کبھی ہوتا تھا۔ یہ تو وہ بہت پرانا میثم وہ کھلنڈرا' لاپرواہ سا لڑکا تھا جسے اس نے کئی سال پہلے پہلی بار کالج میں اپنے جیسے لڑکوں سے لڑتے ہوئے دیکھا تھا.....

یہ وہ میثم تو ہرگز نہ تھا..... جو اس کا شوہر تھا۔ ڈیڑھ ماہ میں اتنا کمزور ہو گیا تھا' وہ واقعی نارمل نہیں تھا۔ اندر دل میں زور سے کچھ ٹوٹا تھا۔ اس نے

نظریں ہٹالیں۔ اور پھر ایک نظر ٹائم پیس پہ ڈالی۔ دس منٹ گزر گئے تھے..... وقت تیزی سے سرک رہا تھا۔

"ویسے فیوچر کے حوالے سے کیا پلان ہے تمہارا؟" وہ کرسی پہ جھولتا ہوا بولا۔

یکتا نے گہرا سانس بھرا۔

"تم سے مطلب..... مت بھولو' ہم الگ ہو رہے ہیں اور اب یہ میرا ذاتی معاملہ ہے" شروع میں نارمل انداز میں آئی تھی لیکن آخر میں لہجہ سلگتا سا تھا۔

"یار یکتا! یہ تم بار بار مجھے بتا رہی ہو یا خود کو یاد دلا رہی ہو میں جانتا ہوں' ہم الگ ہو رہے ہیں اور دنیا میں کچھ بھی ہونا ممکن ہے پر جہاں تک میرے مطلب کی بات ہے تو میں تو ہمیشہ تم سے مطلب رکھوں گا کیونکہ میری بیٹی ہے تمہارے پاس' جس کی زندگی تم سے جڑی ہے تو مجھے تو مطلب رہے گا" وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا..... وہ گھور کر رہ گئی..... کچھ نہ بولی۔

"خیر۔ مجھے معلوم ہے تم کیا کرو گی۔" وہ اس کو چپ دیکھ کر دوبارہ بولا "تو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس جاؤ گی اور چند ماہ سیشن لینے کے بعد ساؤتھ امریکہ کی طرف گھومنے چلی جاؤ گی یا پھر پہلے ساؤتھ امریکہ جاؤ گی اور پھر کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس" اور اس کی اس لاپروائی سے کی گئی پیش گوئی پہ یکتا نے تپ کر اسے دیکھا۔

"اور میں یہ کروں گی کیوں۔" وہ بھی تپے ہوئے انداز میں بولی۔

"مجھے بھولنے کے لیے....." وہ بہت آرام سے بولا..... یکتا کے چہرے پہ ایک رنگ آیا اور چلا گیا "یہ تو فیشن ہے' تمہاری کلاس میں' طلاق کے بعد کسی ماہر نفسیات سے لازمی ملنا پڑتا ہے' پچھتاوے سے پیچھا چھڑانے کے لیے اور پھر کچھ لوگ گھومنے چلے جاتے ہیں "ماضی" کو بھولنے کے لیے..... ویسے عام طور پہ ترتیب الٹی ہوتی ہے۔" وہ کہہ کر رکا اور یکتا اسے گھورتے ہوئے واپس اخبار پہ نظر ڈالنے والی تھی کہ وہ جلدی سے دوبارہ بولا۔

"تم بھی یہی کرو گی۔" یکتا نے بیزاری سے گردن اٹھائی۔ وہ دھیان ہٹانا چاہ رہی تھی وہ دھیان اپنی طرف لگا رہا تھا۔ "پہلے ساؤتھ امریکا کی طرف کسی آئی لینڈ پہ کچھ دن آؤٹنگ کے لیے چلی جاؤ گی اور وہاں جا کے تمہیں بہت سکون ملے گا۔ چند ہفتوں میں تم اس زندگی کی عادی ہو جاؤ گی اور یہ زندگی تمہیں اچھی بھی لگے گی۔ میری ساری بری باتیں یاد آئیں گی اور تمام تلخ دن جو ہمارے بیچ گزرے وہ سب یاد آئیں گے تمہیں مجھ سے اور شدت سے نفرت محسوس ہو گی اور اپنے فیصلے پہ بہت خوشی ہو گی کہ تم نے ایک عقلمندانہ فیصلہ ہے۔" وہ اسے ایسے بول رہا تھا جیسے کہانی سنا رہا ہو اور وہ بددلی سے سن رہی تھی۔ "پھر تم اپنی ماں کو بھی سمجھنے لگو گی اور ان کے مزید قریب ہو جاؤ گی" اور اب یکتا کے تاثرات بدلے تھے۔

"پھر تمہارا دل نئی نئی چیزیں کرنے کو چاہے گا تم نئی ایکٹیویٹیز کرو گی۔ اپنی مام کے ساتھ بزنس میں انوالو ہو جاؤ گی اور اس سب میں تم غناء کو پوری پوری توجہ دو گی۔ تم ہر وقت اس کے لیے ایک مثالی سیکری فائزنگ ماں بننے کی کوشش کرو گی ایک پرفیکٹ سنگل مدر..... اور اسی دوران کچھ ہو گا اور تمہیں۔ میں یاد آؤں گا" وہ دھیرے سے بولتا ہوا اس کی طرف جھکا تھا اور اس سارے میں پہلی دفعہ یکتا نے اس کی بات پہ بہت توجہ دی تھی..... اور میثم کی آنکھوں میں ایک رنگ آیا تھا۔ کچھ الگ سا..... شاید یکتا اس رنگ کو جانتی تھی۔

"پہلے تو تم اس بات کو نظر انداز کرو گی۔ اپنا وہم قرار دو گی لیکن پھر تم ہار جاؤ گی۔" وہ دھیمے سے بولتا اس کے تھوڑا اور قریب ہوا..... یکتا کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ "خود سے ہار جاؤ گی یکتا..... تم مان لو گی کہ تم مجھے یاد کر رہی ہو' جتنا بھولنے کی کوشش کرو گی اتنا یاد آؤں گا۔

تمہیں ہر جگہ میں دکھائی دوں گا اور تم کبھی میری پرچھائیوں سے بھاگو گی کبھی ان کے پیچھے

www.urdugem.com

بھاگو گی...... تم پچھتاؤ گی۔ تمہیں تمہارا کیا ہر فیصلہ غلط لگے گا...... انسومنیا کا مرض لاحق ہو جائے گا' تم خواب آور دوائیں کھاؤ گی تمہیں زندگی ایک نائٹ میئر لگنے لگے تمہیں لگے گا کہ تم پاگل ہو گئی ہو......اور تب تمہاری مام مجھے پانچ چھ گالیاں دیں گی اور دو تین ہمت بندھانے والے فقرے بولیں گی۔ اور پھر کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جائیں گی۔

وہ ماہر نفسیات پہلے تمہیں یہ باور کروائے گا کہ تم نارمل' صحت مند لڑکی ہو اور تم جو سوچ رہی ہو۔ وہ بالکل صحیح ہے اور پھر وہ تمہیں ماضی کو یاد کروا کے اسے بھولنا سکھائے گا۔ اور اس سب میں تمہاری ذات کئی بار ٹوٹے گی۔ بکھرے گی اور جڑے گی۔ وہ تمہیں بتائے گا جو تم سوچ رہی تھی وہ غلط تھا...... تم صحیح تھیں اور وہ تمہیں "میں" کے ساتھ جینا سکھائے گا......اور پھر تم ایک نئی یکتا بن جاؤ گی جسے صرف اپنی ذات نظر آئے گی۔ تم اتنا زیادہ خود میں کھو جاؤ گی کہ غناء کو بھی بھول جاؤ گی۔

تم اپنی نئی زندگی شروع کرو گی۔ نئی خواہشوں امنگوں سے مزین تمہارا اور غناء کا رشتہ ڈائننگ ٹیبل تک محدود رہ جائے گا۔ اور پھر کوئی نیا شخص تمہاری زندگی میں آ جائے گا۔ وہ شخص تمہیں ہر لحاظ سے اچھا لگے گا۔ اور غناء سے تم بہت دور چلی جاؤ گی۔ بہت دور...... وہ تم سے بدظن ہو جائے گی اور نفرت کرے گی...... تم لاکھ کوشش کر کے بھی ہار جاؤ گی کیونکہ راہ تم بدل چکی ہو گی یکتا! تم وہ یکتا ہو گی جو صرف اپنے بارے میں سوچنے والی ہو گی۔ اور تم صرف اپنے بارے میں سوچو گی......"

وہ پُرسکون چہرے کے ساتھ کہانی مکمل کر کے سیدھا بیٹھا۔ بے تاثر نظریں یکتا پہ جمی تھیں۔

یکتا ساکت بیٹھی اسے ٹھہری نظروں سے دیکھ رہی تھی جن میں آنسوؤں کی بوندیں موجود تھیں۔ چہرہ سپاٹ تھا...... لیکن بے جان نظر آ رہی تھی وقت بھی ٹھہرا سا لگتا تھا۔

اس جامد ماحول میں ارتعاش یکتا کی موبائل رنگ نے پیدا کیا...... وہ دونوں چونکے۔ یکتا نے موبائل اٹھا کر دیکھا...... "ارمغان کالنگ" لکھا آ رہا تھا......اس نے انگوٹھا پھیر کر کال کاٹ دی...... میثم کی نظریں موبائل اسکرین پر تھیں...... وہ چند لمحے موبائل کی سیاہ اسکرین کو دیکھتی رہی۔ گویا ضبط کر رہی ہو۔

"مجھے میری ماں کا طعنہ دے رہے ہو؟" انداز بہت روکھا اور اجنبی سا تھا۔

"نہیں۔ میں تو تجربہ بتا رہا ہوں' ڈرا رہا ہوں تمہیں" وہ سنجیدگی سے بولا...... یکتا نے لبوں کو جنبش دی تھی کہ فون کی رنگ دوبارہ بجی...... ارمغان کالنگ...... اس نے پھر فون کاٹ دیا...... میثم کی نظروں میں ناگواری ابھری تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا" وہ ضبط سے بولی۔

"اللہ نہ کرے' میرے خوف کبھی سچ ہوں...... لیکن جب تک تمہاری والدہ اور یہ خاندان والے تمہاری رہنمائی۔ سوری راہ بھٹکائی کرتے رہیں گے تب تک اس سب کے سچ ہونے کے چانسز نوے فیصد ہیں" وہ سپاٹ سا بولا تھا۔

"بار بار میری ماں کی انسلٹ مت کرو" وہ چڑ کر بولی۔

"ارے! میں انسلٹ کہاں کر رہا ہوں...... میں تو ان کی بہت عزت کرتا ہوں" وہ معصومیت سے بولا تھا۔ یکتا اسے زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی اب اس پہ غصہ نہیں آ رہا تھا۔

"ویسے ہیں کہاں وہ؟ آج تمہیں مورل سپورٹ دینے کے لیے نہیں آئیں؟"

"ول یو پلیز شٹ اپ......" یکتا چڑ کر بولی۔

"اوہ میری معصوم یکتا ابھی سے ڈر گئی...... ابھی تو صرف تمہیں تمہاری ممی کی کہانی تمہارے فیز میں تمہیں سنائی ہے سو اتنا درد ہو رہا ہے" جب تمہاری کہانی غناء کے فیز میں سناؤں گا' تب کیسے سہو گی؟" وہ جا نچتی نظروں سے دیکھتا بولا تھا۔

"بددعائیں مت دو مجھے" یکتا ضبط سے بولی تھی۔

"میں کبھی تمہیں بددعا نہیں دے سکتا یکتا......! سنجیدگی سے بولا" خیر میں کیا بددعا دوں گا۔ مجھے تو کسی کی بددعا لگ گئی ہے" لہجے میں دکھ سا تھا۔

یکتا چپ رہی۔ نظریں گلاس ونڈو پہ ٹکی تھیں۔ تبھی یکتا کے موبائل کی رنگ دوبارہ بجی...... وہی نمبر...... یکتا نے فون دوبارہ کاٹ دیا۔

"یہ بار بار کال کیوں کر رہا ہے تمہیں؟" میثم کا لہجہ تپا ہوا تھا۔

"تم سے مطلب؟ میرے پرسنلز میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں اور تمہاری۔"

"چپ......" یکتا بول رہی تھی کہ درمیان میں میثم نے اسے ٹوک دیا انداز میں درشتی تھی۔ "دوبارہ یہ مت کہنا کہ مجھ سے مطلب' کیا تمہیں میرے منہ سے یہ سننا اچھا لگ رہا ہے کہ میں تمہارا شوہر ہوں اور تم پر اختیار رکھتا ہوں...... اور اب یہ طلاق تو میں ہونے نہیں دوں گا...... دیکھتا ہوں جو کر سکتی ہو' کر لو" وہ درشتی سے بولتا سیدھا ہو بیٹھا تھا...... یکتا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہا تم نے؟" اس کی نظروں' آواز' انداز لہجہ سب میں بے یقینی شامل تھی......

اسی پل اس کا فون دوبارہ بجا تھا......اور اب کہ میثم نے ہاتھ بڑھا کر اس کا فون اٹھایا......اور کال ریسیو کر کے فون کان سے لگایا۔

" اگر کوئی بار بار فون کاٹ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ بات نہیں کرنا چاہتا ہے اور آئندہ اگر میری بیوی کو فون کیا تو منہ توڑ دوں گا" وہ سخت لہجے میں بول کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

میثم کا روپ بہت جانا پہچانا سا لگا تھا...... ہاں عرصے پہلے وہ اسی میثم سے یونیورسٹی میں ملی تھی...... میثم مسلسل فون ہاتھوں میں گھما رہا تھا...... کچھ کہنا تھا لیکن کہنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"تم چاہتے کیا ہو" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد یکتا نے زبان کھولی شاید بے اختیاری میں منہ سے نکل گیا تھا۔

میثم نے زور سے آنکھیں میچیں' گہرا سانس

ماہنامہ کرن

جنوری 2018 کا شمارہ شائع ہو گیا

"کرن کا دسترخوان"

اب ہر ماہ کرن کے ساتھ مفت حاصل کریں

- فنکارہ "منال خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار "گوہر رشید" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "یاسمین اقبال" کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ کا نیا سلسلہ وار ناول،
- "من موَرکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول اپنے اختتام کی طرف،
- "مجبور نشیمن" مصباح علی سید کا مکمل ناول اپنے اختتام کی طرف،
- "سیم زدہ" سحر ساجد کا مکمل ناول،
- "عشق ہے اُم الکتاب" نگہت سیما کا ناولٹ،
- "فراق" صدف آصف کا ناولٹ،
- "کلثوم زمانی بیگم" نفیسہ سعید کا ناولٹ،
- "پیام نو صبح" جہانہ آفتاب کا ناولٹ،
- سیما بنت عاصم، نزہت جبیں ضیاء اور ماریہ یاسر کے افسانے اور مستقل سلسلے،

www. ugem.com

بھرا...... اور پلٹا...... نظروں میں بہت کچھ تھا۔ "تمہیں چاہتا ہوں۔"

اور یکتا جیسے ڈری تھی...... فوراً نظریں جھکالیں...... وہ یہ آنکھیں ہی تو نہیں دیکھنا چاہتی تھی...... نمی میں ڈوبی تکلیف زدہ آنکھیں...... وہ پوری طرح اس کی طرف سے رخ موڑ کر سیدھی ہو بیٹھی...... چہرے پہ شدید ہیجان طاری تھا۔

"نہیں یکتا! یوں مت کرو......" وہ اس کا رخ پھیرنا بھانپ گیا...... جلدی سے نزدیک آ کے بولا "پلیز واپس آ جاؤ...... چھوڑو یہ سب...... یہ سب کچھ تم غصے میں کر رہی ہو...... اور اس سے ہمیں کچھ نہیں ملے گا یکتا! ہم تباہ ہو جائیں گے۔" اس کے قریب جھک کر بولا...... چہرے پہ درد سا تھا۔

"نہیں...... اب بہت دیر ہو چکی ہے۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔ چہرے پہ خوف سا تھا۔

"کوئی دیر نہیں ہوئی ہے۔ پلیز آ جاؤ۔" وہ زور دے کر بولا۔

"نہیں......" وہ صاف انکار کر گئی۔

"کیوں نہیں......" اب کے میثم غصے سے پوچھا۔

"میں کس کے لیے آؤں...... تمہاری ہزاروں گز کی شیشے کی کوٹھی کے لیے...... خالی کوٹھی...... جہاں صبح ناشتے کی ٹیبل پہ مجھے پتا چلے کہ تم پہلے ہی آفس جا چکے ہو...... میں سارا دن غناء کے ساتھ بیٹھی تمہارے فون کا انتظار کروں اور تمہارا فون نہ آئے اور جب میں فون کروں تو تمہاری وہ چیپ سی سکریٹری کہے کہ تم بزی ہو...... اور جب رات کو تم دو ڈھائی بجے گھر لوٹو تو میں بھوکی بیٹھی کھانے پہ تمہارا انتظار کر رہی ہوں لیکن پتا چلے کہ تم کھانا کھا کے آئے ہو......" وہ یکدم سے بھڑکی تھی...... چہرے پہ اب صرف ایک تاثر تھا...... غصہ...... اور میثم زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور جب میں کہوں کہ تم مجھے وقت نہیں دیتے، غناء کو وقت نہیں دیتے تو تم مجھ پہ جھنجھلاؤ کہ میں یہ سب تمہارے لیے ہی کر رہا ہوں اور مجھے مار دو" یکتا کی آواز بھیگی سی محسوس ہو رہی تھی۔ میثم نے سر جھکا لیا تھا۔ نظروں میں شرمندگی واضح تھی۔

وہ رو رہی تھی...... "نہیں میثم! میں نہیں بھول سکتی کہ تم نے مجھے مارا تھا......" لہجے میں درد سا تھا۔ "تم سب بھول گئے ہو میثم! دولت کمانے، آگے بڑھنے کی دھن میں تم مجھے اور ہماری بیٹی دونوں کو بھول گئے ہو...... تم کہتے ہو کہ تم یہ سب کچھ ہمارے لیے کر رہے ہو لیکن مجھے وہ ایک پل بتا دو میثم! جب میں نے تم سے کہا ہو کہ مجھے دولت چاہیے...... نہیں۔ میں نے کبھی یہ سب نہیں مانگا...... مجھے نہیں چاہیے تھی ایسی زندگی میثم! جہاں میں تمہاری زندگی میں ہونے کے باوجود بھی نہیں ہوں، جہاں میں بیمار ہوں اور تمہیں پتا نہ چلے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہو اور تمہیں پتا نہ چلے۔ میں نے یہ زندگی اپنی کلاس کی۔ عورتوں کو جیتے دیکھا ہے اور یہ بہت ڈراؤنی زندگی ہے میثم! میں نے تم سے شادی اس زندگی سے بچنے کے لیے کی تھی......" وہ نظریں ٹیبل پہ جمائے بہت کرب سے بول رہی تھی...... اور وہ تکلیف سے اسے دیکھ رہا تھا...... وہ تکلیف جو اسے اس کے لیے محسوس ہو رہی تھی۔

"اب نہیں ہوگا یکتا! میں اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ میں حالات ٹھیک کر دوں گا۔" میثم نے نظریں اس کے چہرے پہ جمائے کہا تھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا، جس پہ وہ چونکی تھی اور ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کی گرفت مضبوط تھی۔

"ہاتھ چھوڑو میرا......" وہ ضبط سے بولی تھی۔ غصہ پھر سے آیا تھا...... میثم نے نظر انداز کیا۔

"یکتا پلیز، میری جان! ایک بار تو مجھے بھی سمجھو...... میں اپنی ہر غلطی، کوتاہی مانتا ہوں مگر یکتا! میں تم سے بہت محبت کرتا تھا...... مجھے نہیں اچھا لگتا تھا کہ تم میرے لیے اتنا کچھ چھوڑ کر میرے پاس آئی ہو اور میرے پاس آ کے تم تنگ دستی کے حالات میں گزارا کرو یکتا! تم محل جیسے گھر کی رہنے والی تھیں شہزادیوں والی زندگی جی تھی تم نے اور تمہیں یہ سب جچتا تھا اس لیے میں نے۔"

"اس لیے تمہیں مجھ سے زیادہ اہم یہ سب لگا۔ میری زندگی ان سب چیزوں کے بغیر ادھوری لگی اور تم چل دیے یہ سب لانے۔ واؤ......" یکتا درمیان میں اس کی بات کاٹ کر بولی...... ہاتھ اب تک اس کے ہاتھ میں تھے۔

"یہ کوٹھی، گاڑی، دولت یہ سب تو میری ماں کے پاس بھی تھا...... مگر ان کے پاس میرے لیے وقت نہیں تھا...... مجھے کبھی بابا نہیں ملے...... انہوں نے اپنی دولت مجھے دی اور دولت دینے کے لیے ہمیشہ رابطہ رکھا مگر کبھی اپنا وقت نہیں دیا...... میں کبھی بہت اچھے دوست نہیں بنا سکی کیونکہ کسی کے بھی پاس کسی کے لیے وقت نہیں تھا اور پھر میری زندگی میں تم آئے میثم!" وہ شروع تو تیز لہجے میں ہوئی تھی مگر اب آواز دھیمی ہونے کے ساتھ بھیگ بھی گئی تھی۔

"اور تمہارے پاس میرے لیے ڈھیر سا وقت تھا۔ تم گھنٹوں میری باتیں سنتے تھے، میری ہر تکلیف سمجھ جاتے تھے، وہ بھی سمجھ لیتے تھے جو ان کہا ہوتا تھا......" اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔ وہ کہیں دور کھوئی سی لگتی تھی۔

"میری زندگی تمہارے بغیر ادھوری تھی میثم! مجھے شہزادی بن کر تنہا زندگی نہیں گزارنی تھی۔ تمہارے ساتھ تمہاری بیوی بن کر جینا تھا اور میں خوش تھی اپنی اس زندگی میں۔ ہمارا چھوٹا سا تین کمروں کا وہ گھر۔ میں خوش تھی اس میں، جہاں میں جلا ہوا کچا پکا ناشتہ بناتی تھی اور تم میرا مذاق اڑا اڑا کر اسے شوق سے کھاتے تھے۔" وہ گم سی کہہ رہی تھی۔ آنسو آنکھوں سے چھلک کر گال پہ آ گئے تھے۔ ہاتھ اب تک اس کے ہاتھوں میں تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی...... میثم غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"میں سارا دن گھر کی الٹی سیدھی صفائی کرتی تھی اور تم دن میں دس دفعہ مجھے فون کر کے کبھی میرا حال پوچھتے، کبھی کام کا پوچھتے اور کبھی بس تنگ کرنے کے لیے......" وہ کہتے ہوئے ہلکا سا ہنسی تھی "اور پھر شام میں، میں انٹرنیٹ سے ریسپیز دیکھ دیکھ کر تمہارے لیے کھانے پکاتی تھی...... کبھی مرچ کم تو کبھی نمک لیکن رات تمہیں لوٹنے میں چاہے جتنی دیر ہو جائے ہم کھانا ساتھ کھاتے تھے۔" وہ سانس لینے کو رکی تو میثم بول اٹھا۔

"لیکن پھر بھی تم نے آج تک کوئی مزے کی ڈش نہیں پکائی، خاص کر بریانی تو ہمیشہ ہی خراب کر دیتی ہو......"

"کیا...... جھوٹے! یاد کرو جب تمہارے آفس کے دوست آئے تھے تو میں نے کتنی ساری ڈشز بنائی تھیں اور گاجر کا حلوہ بھی اور ان سب نے کتنی تعریفیں کی تھیں" وہ جلدی سے بولی تھی۔

لمحے بھر کو ایسا لگا جیسے وہ سب کچھ بھول گئے تھے......

"وہ تو بے چارے مروت میں مارے گئے اور ویسے بھی ان تمام کھانوں میں بریانی شامل نہیں" میثم کا انداز بھی ویسا ہی تھا۔ تپانے والا۔

"اور وہ یاد کرو جب تم نے مہر اور حسن کی دعوت کی تھی، تب میں نے بریانی پکائی تھی اور مہر مجھ سے ریسپی لے کر گئی تھی اس دن۔"

"ہاں بریانی مسالا کے ڈبے سے پکاؤ گی تو مزے کی ہی بنے گی ناں" وہ چڑانے والے انداز میں بولا جس پہ یکتا نے گھور کر دیکھا۔

"صرف دم پہ دو چمچ چھڑکے تھے میں نے، وہ بھی ٹیسٹ میکنگ کے لیے۔"

"آ ہم آ ہم۔ ٹیسٹ میکنگ......" وہ گلا کھنکھار کر بولا...... اور یکتا نے چڑ کر اسے گھورا تھا۔

"بول تو ایسے رہے ہو جیسے خود ماسٹر شیف ہو۔ یاد ہے مجھے، جب غناء پیدا ہوئی تھی اور میں بیڈ ریسٹ پہ تھی تب تم نے مجھے کس قدر "ذائقہ دار" کھانے کھلائے تھے۔" وہ منہ بسور کر بولی...... اور میثم اس کے ہاتھوں کو دیکھتا مسکرایا تھا جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

"تمہیں یاد ہے، جب غناء نے بولنا شروع کیا تھا تب ہم نے شرط لگائی تھی کہ غناء پہلے بابا بولے گی یا مما......" وہ بول کر ہنسا تھا اور اس کی دھیمی سی ہنسی میں یکتا کی آواز بھی شامل ہوئی تھی۔

www.urdugem.com

"ہاں' لیکن وہ نجانے کون کون سی آوازیں نکال رہی تھی۔ یکتا اس کی یاد میں شریک ہوئی۔

"ہاں مگر پہلے اس نے بابا کہا تھا۔" میثم نے مزے لے کر کہا اور یکتا نے ایک نظر اس کی چمکتی آنکھوں میں جھانکا اور مسکرادی۔

"اب یہ تو وہی جانتی تھی کہ سارا دن غناء کو بابا بولنے کی کتنی پریکٹس کروائی تھی...... وہ سوچ کر مسکرا دی...... پھر اسے کچھ اور یاد آگیا تھا شاید......

"اور تمہیں وہ یاد ہے جب تم نے میری تھکان کی وجہ سے کہا تھا کہ لانڈری خود کرو گے۔ کپڑے دھوتے دھوتے ہم سرف کے پانی سے پھسل گئے تھے۔" وہ وقت یاد کر کے دونوں کھل کر ہنس دیے اور ہنستے چلے گئے...... اردگرد سے بے نیاز' بے خبر...... وہاں اب تک ویسا ہی ساکت پن تھا' تنہائی' سازو سامان سب ویسا ہی تھا البتہ اب خاموشی نہ تھی......

وہ سب کچھ بھول کر بالکل ایسے ہنس رہے تھے جیسے کالج میں اپنی زندگی کی چند اچھی یادیں شیئر کر کے ہنستے تھے۔ جیسے محبت ہو جانے کے بعد ایک دوسرے کے لیے اپنی فیلنگز شیئر کر کے ہنستے تھے۔ جیسے شادی کے بعد اپنی محرومیاں اور دکھ شیئر کر کے ہنستے تھے۔ یہ ہنسی بہت زندہ' بہت سادہ تھی۔

میثم کی نظریں ہنستے ہوئے اس کے چہرے پر گئیں...... شاید اس نے تمام تر تکلیفوں کو ہنسی کے پیچھے چھپا لیا تھا یا وہ واقعی سب بھول گئی تھی...... میثم اب ہنس نہیں رہا تھا بس مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا...... نظریں بار بار پھسل کر اس سیاہ تل پہ آجا رہی تھیں...... وہی تو سب سے زیادہ پسند تھا۔

یکتا چند لمحے اکیلے ہی ہنستی رہی۔ اور پھر ہنستے ہنستے رونے لگی۔

میثم کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی مگر نظروں میں درد......

"تمہیں پتا ہے میثم اب میں بہت اچھا ناشتہ بناتی ہوں' مگر اسے کھانے کے لیے تم نہیں ہوتے' اب میں بہت اچھی ڈسٹنگ بھی کرتی ہوں مگر مجھے تمہارے فون نہیں آتے۔" وہ روتے ہوئے بہت دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"اب میں نے سجنا سنورنا بھی چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسے دیکھنے کے لیے تم نہیں ہوتے۔ مجھے سب نہیں میثم مجھے تم جچتے تھے' صرف تم جچتے تھے...... مجھے یہ سب نہیں جچتا تھا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی...... اور میثم اسے بغور دیکھ رہا تھا...... پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

"تمہیں پتا ہے یکتا! میرا حال کیا ہے۔ میں روزانہ صبح ناشتے کی ٹیبل پہ گھنٹوں بیٹھا رہتا ہوں' میرے سامنے ڈھیر سارے لوازمات رکھے ہوتے ہیں' پر میں کچھ نہیں کھاتا کیونکہ میں ہر روز بھول جاتا ہوں کہ تم نہیں ہو اور مجھے انتظار رہتا ہے کہ کب تم آ کے پلیٹ میں توس رکھو گی...... اور پھر جب تم نہیں آتیں تو گھنٹوں یونہی گزار دیتا ہوں۔ ملازم میرے کپڑے تیار کر کے رکھتے ہیں لیکن میں نہیں پہنتا کیونکہ مجھے میچنگ ٹائی' کف لنکس' سوکس' پرفیومز کچھ نہیں ملتا۔" وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔

یکتا نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"اور پھر میں جو ہاتھ لگتا ہے پہن کر چلا جاتا ہوں...... آفس میں سارا دن کام میں خود کو مصروف رکھتا ہوں...... لیکن دو بجتے ہی بے اختیار فون اٹھا کر تمہارا نمبر ڈائل کرنے لگتا ہوں پھر کاٹ دیتا...... بار بار غناء کی تصویریں دیکھتا ہوں...... غلط فائلوں پہ سائن کر دیتا ہوں...... بورڈ میٹنگ میں غائب دماغ رہتا ہوں' گاڑی چلاتے ہوئے جانے کس سڑک کی طرف نکل جاتا ہوں مجھے خود پتا نہیں ہوتا اور پھر پہروں سڑک پہ گزار دیتا ہوں...... اور جب گھر لوٹتا ہوں تو جانے کیوں لگتا ہے کہ تم... وہاں میرا انتظار کرتی ہوگی' مگر تم وہاں نہیں ہوتیں وہاں صرف تنہائی ہوتی ہے اور پھر میں جانے کتنی دیر تک سگریٹ کے ساتھ جاگتا رہتا ہوں خود مجھے بھی نہیں پتا۔" وہ نظریں اس کے ہاتھوں پہ جمائے بول رہا تھا...... کھویا کھویا

...... وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی...... وہ واقعی بہت بکھرا بکھرا سا لگ رہا تھا۔

"ہمارا ایک سا حال ہے یار! ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چلو ناں چھوڑو یہ سب ہم پھر سے اپنی زندگی شروع کریں گے نئے سرے سے۔" وہ دوبارہ زور دے کر بولا تھا۔

"نہیں میثم بار بار ایسا نہیں ہو سکتا...... ایسا نہیں ہوا کہ ہم میں پہلی بار جھگڑا ہوا۔ اور میں گھر چھوڑ آئی۔ میں تین سال سے یہ سب جھیل رہی ہوں۔ اب اور نہیں...... مجھے چھوڑ دو میرے حال پہ۔" وہ بولنا شروع تو مضبوط لہجے میں ہوئی تھی مگر آخر میں لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"ویسے ہی جیسے تم مجھے چھوڑ گئی تھیں میرے حال پہ۔" میثم نے ازحد سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

"میں جا رہی تھی اور تم نے مجھے جانے دیا۔ روکا بھی نہیں۔" یکتا شکوہ کناں تھی۔

"مجھے یقین ہی نہیں تھا کہ تم چلی جاؤ گی...... مجھے پتا تھا کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔ مجھے جانتی ہو اور مجھے چھوڑ کر تو کبھی جا ہی نہیں سکتیں اور جب تم میری آنکھوں کے سامنے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تو میں گھنٹوں یونہی کھڑا اس لمحے کو سوچتا رہا کہ یہ حقیقت تھی یا کوئی خواب۔" وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتے ہوئے بولا......

اور لمحے بھر کو یکتا کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ "مجھے بھی یقین نہیں تھا میثم کہ میں جاؤں گی اور تم مجھے جانے دو گے...... میں دھیرے چلتی تھی کہ شاید پیچھے سے تم پکار لو اور میں رک جاؤں۔ آگے نہ بڑھ پاؤں...... مگر تمہاری پکار کا انتظار کرتے کرتے میں کب دروازہ پار کر گئی پتا ہی نہیں چلا۔"

وہ نادیدہ نقطے کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"میں باہر آیا تھا یکتا! لیکن تب تک تم جا چکی تھیں۔" میثم نے جلدی سے صفائی پیش کی تھی۔ اور یکتا کو میثم پہ غصہ آیا تھا۔

"اچھا میں چلی گئی تھی۔" اس کا لہجہ تیز تھا۔

"لیکن پھر کیا تمہیں میری ماں کے گھر کا راستہ نہیں پتا تھا' کیا تمہارے فون میں میرا نمبر نہیں تھا...... نہ کوئی کال' نہ کوئی میسج نہ تم خود آئے۔ کیا ایک بار بھی میری یاد نہیں آئی تمہیں...... چلو۔ مجھے چھوڑو' ہماری بیٹی۔ وہ تو تمہارا خون ہے ناں۔ کیا اس کی صورت دیکھنا بھی گوارا نہ تھا تمہیں...... البتہ میرے گھر کے گارڈ سے جھگڑا کرنا یاد تھا۔" وہ غصے میں چلائی تھی۔

"اوہ...... تو تمہیں بتایا ہی نہیں گیا کبھی۔" میثم کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ "میڈم! میں آپ کے گھر آیا تھا۔ دوسرے دن ہی آیا لیکن آپ کی والدہ نے مجھے ملنے نہیں دیا۔ جتنی بار آیا۔ اتنی دفعہ روکا گیا ایسے جیسے میں اس گھر کا داماد نہیں کوئی ڈاکو ہوں یا اجنبی ہوں...... تم میرا فون ریسیو نہیں کرتی تھیں...... گھر کے نمبر پر کتنی ہی دفعہ کال کی لیکن ہر دفعہ ایک ہی بات کہ تم گھر پہ نہیں ہو' یا بات نہیں کرنا چاہتیں۔ ارے مجھے تو میری بیٹی سے بھی ملنے نہیں دیا گیا...... ہاں یہ اطلاع ضرور پہنچ گئی کہ تمہارے گارڈ کو مارا ہے میں نے۔" میثم نے چڑے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

گرفت بھی ہاتھوں پہ مضبوط ہوئی تھی...... جسے یکتا نے محسوس کیا تھا۔

"اور تم مجھے الزام دے رہی ہو۔ تمہیں کبھی خیال آیا میرا...... کبھی پلٹ کر پوچھا مجھے۔ تم نے میرے ساتھ وہ کیا جو کوئی دشمن کے ساتھ کرتا ہے۔" میثم کا انداز چبھتا ہوا تھا...... اور یکتا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور اپنا کیا بھول گئے تم...... یاد نہیں' مجھے تھپڑ مارا تھا۔" یکتا نے زہرخند لہجے میں کہا اور ہاتھوں کو چھڑانا چاہا...... ناکام کوشش......

"اور اس ایک تھپڑ کی کیا اتنی اہمیت تھی کہ تم مجھے اتنی بڑی سزا دو۔" میثم کا انداز بھی روکھا سا تھا۔

"اوہ تو وہ تھپڑ اہم نہیں تھا کیا۔" یکتا کی آواز میں اب کے درد سا تھا۔ "پھر ٹھیک ہے۔ میں بھی غناء اور ملازمین کے سامنے تمہیں صرف ایک تھپڑ مارتی ہوں پھر تم مجھے بتانا کہ تم مجھے معاف کر سکتے ہو یا نہیں۔" یکتا کا انداز جتلاتا ہوا تھا اور میثم خاموش رہا

www.urdugem.com

شرمندگی چہرے پہ واضح تھی۔

یکتا میں......" وہ بول کر رکا۔ شاید ہمت جمع کی۔ "یکتا میں شاید کبھی تمہیں معاف نہیں کر پاتا...... لیکن یکتا! تم میری مجبوری بھی تو سمجھو وہ سب مجھ سے غصے میں ہوا تھا۔ پتا نہیں کیسے لیکن یکتا! اس کے لیے اتنی کڑی سزا تو مت دو۔"

"تمہیں پتا ہے میثم تم ہمیشہ سے ڈھیٹ ہو...... اور ڈھیٹ افراد کبھی یہ ایڈمٹ نہیں کرتے کہ وہ غلط ہیں۔ وہ ہر معاملے میں اپنے لیے گنجائش نکال لیتے ہیں' بھلے انہوں نے کتنا ہی کسی کا دل دکھایا ہو...... اور ایسے لوگوں کو اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہمیشہ اس خام خیالی میں زندہ رہتے ہیں کہ وہ صحیح تھے۔" وہ سنجیدہ مگر چبھتے ہوئے انداز میں بولی۔

میثم اسے گھور رہا تھا "ہو گیا تمہارا تجزیہ......" انداز ترش تھا۔ "میں نے اپنے کیے کی معافی سو دفعہ مانگنی چاہی اور مانگی بھی مگر تمہیں کبھی سنائی نہیں دیا...... اور ہاں ایک بات تم نے سچ کہی۔ ڈھیٹ تو میں واقعی ہوں" وہ تپانے والے انداز میں بولا...... اور کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا...... البتہ ہاتھ اس کے ہاتھوں پہ سے نہیں ہٹایا۔

"میرا ایک تھپڑ اتنا برا لگا کہ مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔" میثم جل کر بولا تھا۔

"میثم عبداللہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تمہاری کنیز یا غلام نہیں جو تمہارے آگے پیچھے رہتی...... تم مجھے ایک کیا ایک ہزار تھپڑ مار لیتے مگر بیڈروم کے بند دروازے کے پیچھے...... میں کچھ نہ کہتی لیکن یوں میری اولاد' میرے ملازم سب کے سامنے...... میری انا مجروح ہوتی" اس کا لہجہ بھیگا تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم بیوی ہو اسی لیے تمہارے آگے پیچھے پھر رہا ہوں۔ معافیاں مانگ رہا ہوں۔ کنیز یا غلام ہوتیں تو اب تک تمہاری جگہ کوئی اور آ گئی ہوتی۔"

"ہاں تو جگہ خالی رکھی ہے دے دو کسی کو۔ ایک ہزار طلب گار ہیں تمہاری خاص کر تمہارے آفس [illegible] ڈھیروں ہیں۔" وہ جل کر بولی میثم مسکرایا۔

"ارے نہیں یار!" وہ چڑاتے ہوئے بولا "م[illegible] اپنا ایک اسٹائل' ایک معیار ہے ایسے تھوڑی۔ لاکھوں میں ایک تھیں اپنی طرح کی تب ہی تمہار[ے] پیچھے آیا۔" وہ کرسی پہ جھولتا ہوا شان بے نیازی سے بو[لا] اور یکتا کھول کر رہ گئی۔

"ڈھیٹ!" وہ منہ ہی منہ بڑبڑائی "آج تک نہیں بدلے۔" وہ خود کلامی والے انداز میں بولی [تو] میثم مسکرایا۔

"میں واقعی آج تک نہیں بدلا...... میں کل بھ[ی] تم سے محبت کرتا تھا آج بھی تم سے کرتا ہوں۔ کل بھ[ی] تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا۔ آج بھی ڈرتا ہوں۔" [اس نے] بولنا شروع تو نارمل انداز میں ہوا تھا مگر اب لہجہ اندا[ز] سب کچھ تبدیل ہو رہا تھا۔ "کل بھی میرے پاس صرف تم تھیں۔ آج بھی میرے پاس صرف تم ہو...... کل بھی میرا سب کچھ تم تھیں اور آج بھی میرا سب کچھ تم ہو...... میں کل بھی تمہارا تھا اور آج بھی تمہارا ہوں۔" وہ دھیمے پرتاثر لہجے میں بولا تھا۔

یکتا نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ ہاں یہ وہی تھا' وہ لڑکا جو کالج میں تھا جس سے اسے محبت ہوگئی تھی۔

"اور میں نے کل بھی تمہیں نہیں چھوڑا تھا یکتا! اور آج بھی نہیں چھوڑوں گا" کہہ کر اس نے گرفت پہ زور [دیا] تھا...... نظروں میں بہت کچھ تھا یکتا نے نظریں جھکا لیں۔

چند لمحے کے لیے خاموشی دوبارہ درمیان میں حائل ہوئی۔ وہ کیا بولتی۔ اس نے اس کے کہنے [کو] کچھ چھوڑا ہی نہیں تھا۔ اس کی نظریں ٹائم پیس پہ [جمی] تھیں...... گیارہ بج کر تین منٹ...... وہ اس [کے] ساتھ وقت گزارنا نہیں چاہتی تھی...... لیکن اب ا[سے] لگ رہا تھا کہ بہت وقت گزر چکا ہے مگر یہ وقت محض بیس منٹ پہ مشتمل تھا...... تو کیا اس کے ساتھ وقت ٹھہر گیا تھا۔ اس کی نظریں ٹائم پیس سے ہوتی ہو[ئی] اپنے ہاتھوں پہ گئی تھیں۔ جواب تک اس کی گرفت میں قید تھے...... وہ نظریں اسی پہ ٹکائے رہی

[ذہ]ن میں اس کے کہے جملے گونج رہے تھے...... چند [پل] پہلے ہونے والی بہت سی باتیں دوسرے کان [سے نک]لی نہیں تھیں بلکہ ذہن میں ہی رہ گئی تھیں اور اب [گو]نج رہی تھیں۔

میثم کی نظریں کھڑکی کے پار لان میں ٹکی [تھیں]...... آنکھیں تھوڑی نم معلوم ہوتی تھیں۔ باہر [لا]ن میں ملگجے کپڑوں میں ملبوس دو افراد ناریل کے [پتوں] کی خشک جھاڑیوں سے لان میں بکھرے پتوں کو [صا]ف کر رہے تھے اس پل میثم کے دل کا حال بھی [لا]ن جیسا ہی تھا۔ بہت سے گلے شکوے' بدگمانیاں [صا]ف ہوگئی تھیں پر اب بھی بہت کچھ تھا' جو ان کہا سا [تھا] حالانکہ دل کی زمین صاف ہونے کے بعد تمام [جذب]ات ابھر آئے تھے...... لیکن ایک بات تو طے تھی [کہ] وہ دونوں اب تک ایک دوسرے سے محبت کرتے [تھے]...... بھلا محبت بھی کبھی ختم ہوتی ہے۔ چند لمحے [خامو]شی حائل رہی...... یکتا کی نظریں ہاتھوں پہ [تھیں]...... میثم نے دھیرے سے لبوں کو جنبش دی۔

"میں مانتا ہوں' میں نے غلطی کی...... بہت بڑی [غلط]ی' تمہیں دکھ دیا" وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا یکتا [نے] آنکھیں سختی سے میچیں "لیکن تم نے مجھے میری ایک [غلط]ی کی اتنی بڑی سزا دی تم مجھے جانتی تھیں یکتا تم مجھے [ا]چھی طرح جانتی تھیں میری خوبیاں' خامیاں' میری [ع]ادت' میری کمزوری اور تم نے پھر بھی میرے ساتھ [ایس]ا کیا۔ اس شخص کے ساتھ جس سے تم نے سب [سے] زیادہ محبت کی تھی۔

تم جانتی تھیں میں کتنا ڈرپوک شخص ہوں اور تم [مجھے] میرے ڈر کے حوالے کر گئیں...... تم جانتی تھیں [میں تم]ہیں اور غناء کو کھونے سے ڈرتا ہوں تمہارے [بغیر ز]ندگی جینے سے ڈرتا ہوں اور تم مجھے اس ڈر میں [چھ]وڑ گئیں...... یکتا! میری زندگی تنہا تھی ہمیشہ [سے۔] میرے ماں باپ مر گئے تھے۔ کوئی بہن بھائی [نہیں۔] مجھے کبھی فیملی نہیں ملی۔ میں نے یتیم خانے کی [چار دی]واری اور دنیا میں موجود رشتوں کو دیکھ کر پل پل [سوچا] کاش میرا کوئی ہوتا' کوئی اپنا ہوتا لیکن میرا کوئی نہ تھا" وہ کہہ کر سانس لینے کو رکا چند پل۔

"اور اس اکیلے پن نے میرے اندر عجیب اکھڑ مزاجی شدت' پسندی بھر دی اگر کبھی کوئی مجھ سے ہمدردی سے پیش آتا تو مجھے اس کی ہمدردی طنز اور طعنہ لگتی۔ میں بدمزاج ہوتا چلا گیا اور اسی لیے کبھی کوئی دوست نہیں بنا سکا۔ جسے دوست بناتا اسے دوست نہیں اپنی جاگیر سمجھنے لگتا اور سوچتا' وہ صرف میرے لیے رہے تاکہ میں یہ کہہ سکوں کہ میرے پاس ایک رشتہ ہے دوستی کا...... لیکن سچ تو یہ ہے کہ مجھے کبھی دوست بنانا ہی نہیں آیا۔" یکتا کے چہرے پہ زخمی سی مسکراہٹ ابھری جبکہ میثم کی نظریں ہنوز کھڑکی پہ جمی تھیں۔

"اور پھر میری زندگی میں تم آ گئیں یکتا...... تم نے آ کے مجھے اپنا لیا۔ مجھے لگتا تھا اس دنیا میں' میں ہمیشہ تنہا رہوں گا لیکن تمہارے پاس میرے لیے وقت تھا۔ تم نے مجھ سے کبھی ہمدردی نہیں کی۔ تم میری دوست بن گئیں تم صرف میرے لیے تھیں تم میری جاگیر تھیں' میں تم پہ اپنا ہر حق جتا سکتا تھا مجھے تمہارے سامنے خود کو چھپانا نہیں پڑتا تھا۔ تم نے مجھے میری خوبیوں اور خامیوں دونوں کے ساتھ اپنایا تھا۔ یکتا! اور تمہارے آنے سے صرف تمہارے آنے سے میری تنہائی ختم ہوگئی پھر مجھے یہ ڈر ملا کہ اگر تم مجھے چھوڑ گئیں مجھ سے دور ہو گئیں تو...... مجھے تمہاری ماں سے ڈر لگا کہ وہ ہمیں دور کر دیں گی کبھی ملنے نہیں دیں گی لیکن جب تم نے میری خاطر ان کے سامنے اسٹینڈ لیا اور میری ہو گئیں تب مجھے تمہاری اور قدر ہو گئی۔

تم نے میری زندگی' میری دنیا میں آ کے میرا سب کچھ اپنا لیا' بالکل ویسی بن گئیں جیسا میں تھا...... لیکن مجھے اس پل بہت تکلیف ہوتی تھی جب ناشتہ بنانے میں تمہارے ہاتھ جلتے تھے اور مجھے پتا تھا کہ تم سے ڈسٹنگ نہیں کی جاتی تھی۔ تم دس بار چھینکتی تھیں۔"

وہ کھڑکی کے شیشوں پہ نظریں جمائے کہہ رہا تھا جہاں ان دونوں کا عکس نظر آ رہا تھا۔ میثم کی نظریں اس عکس پہ ہی تھیں جبکہ یکتا نظریں جھکائے بیٹھی تھی

www.urdugem.com

پلکوں کی نوک پہ آنسوں کی چھوٹی سی بوند ٹکی تھی۔ کسی بھی پل میثم کے ہاتھ پہ گرتی۔

"مجھے اس پل بہت غصہ آتا تھا خود پہ جب تم میرے کپڑے صاف کرنے کے لیے اپنے ہاتھ خراب کرتی تھیں کتنی دفعہ تمہارے ہاتھ تیج سے جلے تھے اور پھر جب بجلی چلی جاتی تو تم پسینے میں نہائی بیٹھی رہتی تھیں لیکن مجھے شرمندگی اس وقت ہوتی تھی جب پیسوں کی تنگی کی وجہ سے میں تمہاری کوئی خواہش پوری نہیں کر پاتا تھا اور تمہیں کھانے پینے میں تکلیف ہو جاتی تھی (میثم کے اس جملے پہ بے اختیار یکتا کی پلکوں پہ ٹکے آنسوں اس کے ہاتھ پر گرے تھے میثم مسکرایا۔

"تمہیں کیا لگا کہ مجھے نہیں پتا چلتا تھا..... حالانکہ تم نے مجھ سے کبھی فرمائش نہیں کی لیکن کہاں کہاں اپنا دل مارا ہے میری خاطر۔ مجھے سب پتا ہے..... اور وہ پل مجھے توڑ دیتا تھا۔ شدید ندامت ہوتی تھی کہ کیا یہ محبت تھی۔ محبت دیتی ہے اور میں نے لے لیا۔ آرام، سکون کی زندگی چھین لی تم سے کیا اس لیے اتنی محبت سے شادی کی تھی کہ یہ زندگی دوں۔ مجھے لگتا تھا کہ میں خود غرض ہوں اور یہ وہ وجہ تھی جس نے مجھے اس دولت۔ پیسے کے پیچھے لگا دیا۔ میں نے سوچا۔ تمہیں وقت نہیں دوں گا تو کیا ہوا تم ہو تو میری آرام سکون ملے گا تو وقت بھی آ جائے گا لیکن میں نہیں جانتا تھا یکتا! کہ میں تمہیں توڑ رہا ہوں، میں نہیں جانتا تھا" وہ کہہ کر تھما تھا۔

"لیکن یکتا! یہ سچ ہے کہ میں صرف تمہارا ہوں۔ کل بھی تمہارا تھا۔ آج بھی تمہارا ہوں اور یہ بالکل اسی طرح سچ ہے جیسے یہ سچ ہے کہ ہم اس وقت سانس لے رہے ہیں اور میں یہ بھی مانتا ہوں میں نے ہمیشہ تم پہ اپنا حق جتایا ہے۔ زبردستی ہی کی ہے لیکن اب اور نہیں۔"

(کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور یکتا نے ڈرے ہوئے تاثرات سے اس کے ہاتھوں کو دیکھا چہرے پہ آنسوؤں کہ نشان واضح تھے۔

"اب تمہیں اختیار دیتا ہوں فیصلے کا..... کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھ جیسا مخلص تمہیں ڈیزرو نہیں کرتا" وہ کہہ کر چپ ہوا تھا۔

یکتا کا سارا دھیان اس کے ہاتھوں پہ تھا۔ بات تو شاید سنی ہی نہ تھی..... اور اسی پل دروازہ کھول کر خلیل صاحب اندر آئے تھے..... ہاتھ میں سفید پیپرز تھے..... لمحے بھر کو کمرے کے ماحول کے تغیر کو انہوں نے محسوس کیا لیکن خاموشی سے اپنی کرسی پہ آ بیٹھے..... اور پیپرز ان کے سامنے بڑھائے۔

"یہ لیجیے پیپرز تیار ہیں۔ سوری۔ مجھے ذرا دیر ہو گئی۔"

"خلیل بھائی! میں ان پہ سائن نہیں کروں گا۔" وہ بولا تو یکتا کی نظریں ہاتھوں سے ہوتے ہوئے چہرے تک گئیں اور خلیل صاحب نے بھنویں اچکائیں

"یکتا تمہیں فیصلے کا اختیار ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا "لیکن میں یہ اختیار نہیں لوں گا کیونکہ میں تمہیں کھو کے جی ہی نہیں سکتا....." وہ کہتے ہوئے کھڑا ہوا..... اور یکتا کی نظریں اس کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔

"بس ایک بات یکتا! تم وہ واحد انسان ہو اس دنیا میں جو مجھ سے محبت کرتی ہو۔ تم میری واحد اپنی ہو اور تم جانتی ہو، تم سے جدا ہو کے میں صرف تباہی کی طرف جاؤں گا۔ سو پلیز! مجھے اپنے ہاتھوں سے برباد مت کرو..... آگے تمہارا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے" وہ کہہ کر رکا نہیں۔ چلا گیا۔

یکتا نے گھوم کے پیچھے دیکھا۔ وہ جا چکا تھا..... دروازہ کھلا تھا۔ کیا وہ سچ مچ چلا گیا..... دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

"مسز یکتا" خلیل صاحب کی آواز پہ وہ پلٹی..... اس کا چہرہ اس کے ذہن کی منتشر کیفیت بتا گیا تھا۔

"آپ بتائیں۔ کیا خلع کے کاغذات تیار کرواؤں" خلیل صاحب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ شدید ہیجان میں مبتلا محسوس ہوئی تھی۔

"وہ مجھے نہیں چھوڑ رہا" اس نے خلیل صاحب کو مخاطب کیا اور انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔

"لیکن آپ انہیں چھوڑنا چاہتی ہیں" خلیل صاحب نے ایسے کہا جیسے اسے یاد دلایا ہو اور ایک سایہ سا یکتا کے چہرے پہ لہرایا۔ خلیل صاحب نے غور سے اسے دیکھا۔

"مسز یکتا! کیا آپ انہیں چھوڑ سکتی ہیں" خلیل صاحب نے دھیمے لہجے میں پوچھا تھا اور یکتا چونکی تھی۔

"کیا واقعی وہ کبھی بھی اسے چھوڑ سکتی ہے؟" اور اسی پل اس کے موبائل کی رنگ بجی تھی "مام کالنگ" تحریر تھا۔ اس نے اسکرین پہ چمکتے نمبر کو دیکھا خلیل صاحب کی نظریں بھی موبائل پہ تھیں۔

"میرا خیال ہے مجھے خلع کے کاغذات تیار کروا لینے چاہئیں" خلیل صاحب گہرا سانس بھرتے بولے تھے..... اور یکتا نے موبائل اسکرین دیکھتے ہوئے آنکھیں بند کی..... چہرے پہ کرب واضح تھا۔

☆☆☆

میثم ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا تھا۔ سر سیٹ کی پشت سے ٹکا تھا اور مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔ قریب سے گزرنے پہ سمجھ آئے گا۔

"آئے گی، آئے گی، آئے گی، آئے گی" تب ہی گاڑی کا دروازہ کھلا اور اندر یکتا آ کے بیٹھی..... میثم نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

"تم آ گئیں....." وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ کے بولا خوشی چہرے پہ واضح تھی۔

"مام کے گھر چلو....." وہ سپاٹ لہجے میں بنا دیکھے بولی۔ اور میثم تپا۔

"لفٹ لینے آئی ہو" وہ جل کر بولا۔

"میرے ڈرائیور کو بھگا کر کہہ رہے ہو کہ لفٹ آئی ہوں" یکتا بھی تپ کر بولی۔

"ہاں تو جب اس بے چارے کا کام نہیں تو کھڑا کیا کرتا وہ یہاں۔ میں نے کہہ دیا کہ کوئی طلاق وغیرہ نہیں ہو رہی....." وہ چلا گیا" میثم نے سادہ سے انداز میں گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور یکتا کھول کر رہ گئی.....

"مام کے گھر چلو۔ وہاں سے غناء کو لینا ہے" وہ سپاٹ سے لہجے میں بولی۔

"وہ تو میں نے انہیں پہلے ہی کہہ دیا کہ میری بیٹی کو تیار رکھیں۔ میں اپنی اور آپ کی بیٹی دونوں کو لے جاؤں گا اپنے ساتھ" اور یکتا نے آنکھیں پھیلا کے اسے دیکھا۔

"ڈھیٹ..... زیادہ خوش مت ہو۔ میں تمہارے لیے نہیں اپنے لیے آئی ہوں، سمجھے" یکتا نے جتانا ضروری سمجھا۔ میثم مسکرایا۔

"ایک ہی بات ہے" وہ دھیرے سے بولا اور یکتا کے چہرے کے اعصاب ڈھلے اور نرم تاثر چہرے پہ آیا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔

"اور ایک بات اور..... آئندہ کبھی بھی..... میرے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ مت چھڑانا..... میں ڈر جاتی ہوں" یکتا نے جذب سے کہا تھا اور میثم نے گاڑی کو جھٹکے سے بریک لگایا..... وہ یہ لہجہ، یہ آنکھیں یہ جذبہ ہی تو چاہتا تھا..... وہ چند لمحے اسے یونہی دیکھتا رہا..... پھر دھیرے سے مسکرا کر بولا۔

"کبھی نہیں....." یکتا مسکرا دی۔

میثم نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی اور گاڑی سڑک پہ رواں ہو گئی۔

اپنے خاموش کیبن میں بیٹھے خلیل صاحب مسکراتے ہوئے ان سادہ کورے کاغذوں کو دیکھ رہے تھے..... جنہیں یکتا طلاق نامہ سمجھ رہی تھی۔

اسی لمحے ان کے موبائل کی بپ بجی..... انہوں نے فون اٹھا کر دیکھا..... میثم کا ٹیکسٹ تھا..... وہاں مختصر سا "تھینکس" لکھا تھا۔

www.urdugem.com

عطیہ خالد

محبت

سرخ اینٹوں والے اس صحن سے مجھ کو بچپن میں جس قدر لگاؤ تھا، اب اسی قدر کراہت محسوس ہوتی تھی۔ گندا غلیظ، میلا چیکٹ تخت سامنے دھرا تھا۔ اس پر موجود غلاف جانے کس رنگ کا تھا۔ اب بہرحال مٹی کا ہم رنگ معلوم ہوتا تھا۔ سارے صحن میں مرغیاں دندنا رہی تھیں۔ جامن کے پتوں کا ڈھیر بتا رہا تھا کہ کب سے انہیں نہیں سمیٹا گیا۔ میں مرغیوں کی بیٹوں سے اپنے جوتے بچاتا ہوا اندر کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک پڑی افتاد نے ہاتھ میں موجود مٹھائی کا ڈبہ گرا دیا۔ یہ موٹا تازہ مرغا تھا جو مجھ پر کود گیا تھا..... نہ صرف مٹھائی کا ڈبہ گرا بلکہ میری نئی لیمن شرٹ پر اس کے کریہہ سیاہ پنجے بھی چھپ گئے۔

قل قل ہنستی اقرا نے میری جان جلا کر کوئلہ کر دی۔ بدتمیز نہ ہو تو۔

''امی! گڈو بھائی پر اپنے گلزار نے حملہ کر دیا۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئی بولی۔

''آئے ہائے میرا بچہ! یہ مردود گلزار۔ آج ہی چھری پھروا تی ہوں اس پر۔'' ہانپتی کانپتی چچی جان اندر سے چلی آئیں۔ میں بھی تب تک ڈبہ اٹھا کر ان تک پہنچ گیا تھا۔

''کیسا ہے میرا لال۔'' انہوں نے مجھے لپٹا لیا۔ سارے خاندان کے بچوں سے زیادہ محبت کرتی تھیں چچی مجھ سے۔

''مٹھائی لایا تھا چچی۔ مجھے جاب مل گئی ہے۔''

''شکر ہے میرے مولا کا۔'' انہوں نے جھولی پھیلا کر کہا۔ تب تک اقرا نے ڈبہ کھول کر کھڑے کھڑے دو گلاب جامنیں نگل لیں اور پردے سے ہاتھ پونچھ لیا تھا۔

''ندیدی نہ ہو تو۔ جا بھائی کے لئے چائے بنا۔'' انہوں نے کرسی پر موجود گدی اچھی طرح جھاڑ کر کرسی مجھے پیش کر دی۔

''نہیں چچی! چائے رہنے دیں۔ میں اب گھر چلوں گا۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔ ویسے بھی میں اس وقت چائے نہیں پیتا۔'' بکھرے ہوئے کمرے کو دیکھ کر مجھے سخت کراہت محسوس ہو رہی تھی۔

''واقعی بچے چائے کا تو وقت بھی نہیں ہے۔ لیکن ایسے تو میں نہیں جانے دوں گی۔ اتنے عرصے بعد آیا ہے میرا بچہ۔'' انہوں نے دوپٹے کا پلو کھول کر ایک سبز نوٹ اقرا کو تھمایا۔

''کمال کرتی ہیں چچی۔ میں کوئی مہمان ہوں۔'' میں نے ان کا ہاتھ پکڑا تو انہوں نے دوسرے ہاتھ سے نوٹ اقرا کو پکڑا دیا۔

''مہمانوں سے بڑھ کر ہو بیٹا ہمارے لیے۔''

انہوں نے عینک جما کر مجھے محبت سے دیکھا۔

کچھ دیر بعد اقرا نے تپائی گھسیٹ کر کھانا لگا دیا۔ بازار کے نان کباب تھے۔ جب کہ میری پسندیدہ دال ماش تھی جو گھر کی بنی ہوئی تھی۔ لیکن پیش کرنے کا ڈھنگ ایسا تھا کہ اتنی محبت کے باوجود مجھ سے کھانا مشکل ہو رہا تھا۔

پلیٹ کا کنارہ ٹوٹا ہوا تھا اور گلاس پر بھی چکنائی لگی ہوئی تھی۔ مجھے کھانا دے کر اقرا دوبارہ پاپڑ بیلنے والے پیڑے پر جا بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ مشاقی سے پاپڑ بیل رہے تھے۔ اس کے قریب ایک ڈھیر مسالے کا رکھا تھا جس کو اس نے ابھی بیلنا تھا۔

اس کی مشقت کا اندازہ کر کے دکھ محسوس ہوا۔

سدرہ اور بے بی اس کی ہی ہم عمر تھیں۔ سوائے پڑھائی اور کھیل کود کے ان کا کوئی کام نہیں تھا۔ انہیں ابھی چائے تک بنانا نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

میں کوئی پانچ برس کا تھا جب چھوٹے چچا سکینہ چچی کو بیاہ کر لائے تھے۔ تب ہم سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ مجھے تو دلہن بنی چچی بے حد اچھی لگتیں تو میں بھی ان کا لاڈلا تھا۔ اسکول کے علاوہ باقی سارا وقت ان سے چپکا رہتا، جہاں وہ جاتیں میں ساتھ جاتا۔ یہاں تک کہ وہ گاؤں اپنے میکے جاتیں تو میں بھی ساتھ جاتا۔ جب اقرا پیدا ہوئی تو میں نے رو رو کے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ میں چچی کے ساتھ سوؤں گا۔ انہوں نے اقرا کو جھولے میں لٹایا اور مجھے ساتھ

www.pdfbooksfree.pk

سلایا۔کئی دن میں ان کے ساتھ ہی سوتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ ان کے اور امی کے سمجھانے پر میں اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

چچی کا پیار میرے لیے دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ اقرا کی اور میری دوستی بھی مثالی تھی۔اقرا چھ سال کی تھی جب چچی کے ہاں عرفان پیدا ہوا۔ان ہی دنوں ابا نے ہمارا نیا گھر مکمل کروالیا تھا۔ ہم وہاں شفٹ ہوگئے۔ابا اپنا کاروبار تو پہلے ہی علیحدہ کر چکے تھے۔

ہمارا نیا گھر بہت خوبصورت تھا۔نئی کالونی نئے دوست۔میں بہت خوش تھا۔پرانا محلّہ،پرانا گھر مجھے بھولنے میں چند دن بھی نہ لگے۔نئے گھر کی تمام تر پسندیدگی کے باوجود ہم ہر اتوار کو چچا کے گھر ضرور جاتے۔چچی اور اقرا کی خوشی دیکھنے والی ہوتی۔امی اور چچی باتوں میں مگن ہو جاتیں اور ہم بچے کھیل میں۔

اب وہ گھر مجھے دن بہ دن گندا لگتا۔سدرہ اور بے بی کے مقابلے میں اقرا بہت میلی کچیلی نظر آتی۔نہ بال سنورے ہوتے نہ کپڑے ڈھنگ کے ہوتے۔یہی حالت عرفان اور چچی کی ہوتی۔ان سے بلکہ سارے گھر سے مرچ مسالوں کی مہک آتی تھی۔چچا سے تو کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی۔وہ دکان پر ہوتے تھے۔چچی اور اقرا دن بھر دکان کے لئے پاپڑ بیلتیں یا بڑیاں بنایا کرتی تھیں۔

آموں کا سیزن آتا تو سارا سارا دن گھر میں آم کا اچار بنتا،مسالے پیسے جاتے۔بنا کسی کی مدد لیے وہ کنبہ اپنی ضروریات خود پوری کرتا تھا۔

دانستہ طور پر ہمارا ان کی طرف جانا کم ہوتا گیا۔امی وغیرہ جاتیں بھی تو میں اکثر نہ جاتا۔پھر کم ہوتے ہوتے عید بقرعید پر ہی ملنا جلنا رہ گیا۔اور آج تو میں قریباً دو سال بعد مٹھائی لے کر گیا تھا۔

☆☆☆

مجھے نوکری ملتے ہی گھر میں میری شادی کا موضوع زور شور سے زیر بحث لایا جانے لگا تھا۔امی نے مجھ سے اقرا کی بابت پوچھا تو میں نے فوراً انکار کردیا۔مجھے تو اس کے تصور سے ہی کراہت آنے لگی تھی۔میں نے برملا اس کراہت کا اظہار کردیا۔امی نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ اقرا بہت اچھی لڑکی ہے۔سارا دن پاپڑ بنانے اور اچار بنانے میں چچی کے ساتھ سخت محنت کرتی ہے جس کی وجہ سے اسے گھ اور خود کی طرف دھیان دینے کا موقع نہیں ملتا۔لیکن میں نے بے حد بے زاری دکھاتے ہوئے اپنے باس کی بیٹی نورین کا نام لے دیا جس سے آج کل میرا دھواں دھار عشق چل رہا تھا،خلاف توقع سب ہی جلد مان گئے۔اور ہماری شادی طے ہوگئی۔

ہماری شادی میں چچا کے گھر والے بڑے جوش وخروش سے شامل ہوئے۔نہ جانے کیوں مجھے چچی کی آنکھیں نم نم سی لگیں۔لیکن جلد ہی میں نورین کے حسن میں کھو کر سب بھلا بیٹھا۔

چچی نے شادی کے بعد ہم سب کو کھانے پر بلایا تھا۔میرے دل میں گندے گھر کے خیال سے سخت کوفت تھی مگر میں نے کسی سے اظہار نہ کیا۔لیکن خلاف توقع دعوت والے دن گھر بہت صاف ستھرا تھا۔اقرا،چچی،عرفان اور چچا سب ہی صاف ستھرے معقول حلیے میں تھے۔کھانا بھی بے حد مزے دار تھا۔کھانے کے بعد قہوہ پیش کرتی اقرا کو میں نے بغو دیکھا۔وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔گھر سے ا مخصوص مرچ مسالوں کی خوشبو بھی غائب تھی۔

چچا نے بتایا کہ جب سے عرفان کو بینک میں نوکری ملی ہے،چچی اور اقرا کو پاپڑ اور اچار بنانے کی بیگار سے چھٹکارا مل گیا ہے۔عرفان نوکری کے ساتھ ساتھ پڑھائی بھی کر رہا تھا۔اقرا نے بھی دوبارہ پرائیویٹ پڑھائی شروع کردی تھی۔لیکن لاکھوں روپے کا جہیز گاڑی اور بنگلہ جہیز میں ساتھ لانے والی نورین سے بھلا اس کا کوئی مقابلہ تھا؟

☆☆☆

شادی کو ہفتہ عشرہ ہی گزرا تھا کہ نورین نے مجھ سے اپنے بنگلے میں شفٹ ہونے کا اصرار شروع کردیا۔اس کے اس اصرار سے مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ چاہتی تھی کہ صرف ہم دونوں وہاں شفٹ ہوں۔جب کہ میں والدین اور بہنوں کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔لیکن مجھے اس کے اصرار کے آگے سر جھکانا ہی پڑا۔چنانچہ ہم دونوں اس کے بنگلے میں شفٹ ہوگئے۔شروع شروع میں تو ہم ہر جمعے کو گھر آتے۔لیکن نورین نے مجھے اس طرح گھیرنا شروع کیا کہ رفتہ رفتہ ہمارا گھر والوں سے ملنا نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ہمارا سارا میل جول دوستوں اور ساتھیوں کے اردگرد گھومنے لگا یا پھر ہم نورین کے گھر چلے جاتے۔

گھر کا تمام انتظام نوکروں کے ذمے تھا۔باقی سب تو کسی نہ کسی طرح میں برداشت کر ہی رہا تھا لیکن نورین بچہ پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس کو بچے سے زیادہ اپنے فگر کی فکر تھی۔امی ابا جب بھی ملتے مجھ سے بچے کی بابت پوچھتے۔میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا۔تین چار سال میں ہی میں ہائی بلڈ پریشر کا مریض بن چکا تھا۔

میں اپنے گھر والوں کو بہت یاد کرتا تھا۔اگر میں وہاں جانے کا اصرار کرتا تو نورین روٹھ جاتی۔یہاں تک کہ بہنوں کی شادیوں میں بھی ہم مہمانوں کی طرح شریک ہوئے۔امی،ابا بھی اس صورت حال پر افسردہ تھے۔چچا چچی سے ملے تو مجھے زمانہ گزر گیا تھا۔اقرا کی شادی کی اطلاع بھی مجھے امی کے ذریعے ملی۔میں اس میں شامل تو نہیں ہوسکتا تھا۔البتہ میں نے خاموشی سے تحفہ بھجوادیا۔

میری اور نورین کی زندگی روز بروز تلخ ترین ہوتی چلی گئی۔رات دن ہم جاہلوں کی طرح لڑتے۔ایک رات شدید لڑائی کے بعد میں گھر سے نکل کر نزدیکی بازار میں چلا گیا۔یوں ہی ادھر ادھر گھومتے ہوئے مجھے میرے بچپن کا دوست فراز مل گیا۔ہم دونوں کو اس طرح اچانک ملاقات کی بے حد خوشی ہوئی۔اس کا گھر قریب ہی تھا۔چھ ماہ پہلے ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔اس نے اصرار کیا کہ میں اس کے ساتھ گھر چل کر رات کا کھانا کھاؤں۔میں نے انکار کیا کہ بغیر اطلاع کے جانا مناسب نہیں لگتا۔

”ہم کہیں باہر ہی کھانا کھا لیتے ہیں فراز۔گھر اس دن کھائیں گے جس روز بھابھی کو پہلے سے اطلاع ہوگی۔“

”ارے کیسی غیروں والی باتیں کرتے ہو،سیدھے سیدھے گھر چلو۔تمھاری بھابھی کو اگر پتا لگ گیا کہ بجائے تم کو گھر لانے کے باہر کھانا کھلا دیا تو وہ سخت ناراض ہوگی۔ویسے بھی اس نے آج نہاری بنائی ہے۔“ وہ مجھے زبردستی گھسیٹ کر ساتھ لے گیا۔

گھر پہنچ کر اقرا کو اس کی بیوی کے طور پر دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔کمال کی خوبصورت لگ رہی تھی وہ۔فراز اس کی تعریفوں میں زمیں و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔لذیذ کھانے کے بعد اقرا کافی بنانے چلی گئی۔تو فراز کہنے لگا۔

”اقرا تمھاری کزن ہے۔شکر ہے تمھاری نظر انتخاب اس پر نہیں پڑی۔اور یہ گوہر نایاب میرے حصے میں آیا۔والدین تو میرے تھے نہیں جو میرے لیے لڑکی دیکھتے بھالتے۔اقرا کو پڑوس میں رہنے کی وجہ سے میں بچپن سے جانتا تھا۔مجھے بہت لوگوں نے کہا تھا کہاں تم اچار،پاپڑ بنانے والی سے شادی کر رہے ہو۔تو میں نے سوچا کہ جو لڑکی کم عمری میں اپنے والدین کا ہاتھ بٹانے کے لیے اپنی تعلیم تک کی قربانی دے سکتی ہے وہ نہایت وفادار اور اچھی بیوی ثابت ہوگی۔

اور دیکھو میرا اندازہ کیسا درست نکلا۔اقرا نے میری زندگی کو جنت بنادیا۔میں بے حد خوش ہوں۔“ فراز کہتے ہوئے ایک بار پھر میرے گلے لگ گیا۔

☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	عالیہ خان
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا

www.urdugem.com

صدف نثار

اسے ہم عرض کرتے ہیں

اسم کے لیے وہ دن انتہائی ''خوش گوار'' ہوتے تھے۔ جب فقط خالہ آتی تھیں۔ اب تو خیر وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ تشریف فرماتھیں۔

سمعیہ کے متوقع سسرال جانا تھا۔ جہاں خالہ اور حوریہ کو بھی ساتھ جانا تھا۔ خاور بھائی انہیں چھوڑنے آئے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ سمعیہ کا متوقع سسرال دبئی میں تھا۔ شام کا وقت تھا۔ لونگ روم میں وہ سب اکٹھے تھے۔ جب حوریہ کے ہمراہ وہ بھی اندر داخل ہوئی۔

''ثمن! تم نے میری بات نہیں مانی نا۔'' اسے دیکھتے ہی خاور بھائی بولے تھے۔

''کون سی بات؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنے پیروں میں پانی ڈالا کرو۔ شاید کچھ اگ جاؤ۔'' وہ کہہ کر اپنی ہی بات پر ہنسے۔ باقی سب بھی ہنسے تھے۔

ثمن نے بمشکل مصنوعی مسکراہٹ دکھائی۔

اسے خالہ کا یہ اکلوتا سپوت ہرگز پسند نہ تھا۔ موٹا، ہٹا کٹا، سانولا، لمبی مونچھوں والا عجیب سا۔ وہ اپنے والد پر تھا۔ خالہ کا بیٹا یا حوریہ کا بھائی ہرگز نہ لگتا تھا۔ ثمن کا قد خاندان کی باقی سب ہی لڑکیوں سے چھوٹا تھا، اس لیے خاور نے ایسا کہا تھا۔

''چھوڑو تم لوگ یہ فالتو باتیں۔'' خالہ بولیں۔

''تم مجھے بتاؤ درخشی کہ یہ ناعمہ کیوں ساتھ جا رہی ہے؟''

پاپا گھر پر نہ تھے۔ یہ ہی موقع تھا پھپھو کے خلاف بولنے کا۔ پاپا کی موجودگی میں ماما یا خالہ، پھپھو کے خلاف بات نہیں کر سکتی تھیں۔

مکمل ناول

Books and Much More

www.urdugem.com

"میں کیا کہوں تابی۔ مجھے خود بہت برا لگ رہا ہے۔"

"تم اپنے شوہر سے اتنی سی بات نہیں منوا سکتیں رخشی؟ بس رہنے دو۔" خالہ نالاں تھیں۔

"سوچا تھا دبئی گھومیں پھریں گے۔ شاپنگ کریں گے۔ مگر نہیں، ساتھ جاسوسوں کی پوری فوج جارہی ہے۔ ناعمہ ایک طرف، ساتھ دونوں بیٹیاں بھی۔ پتا نہیں ناعمہ نے کیسی تربیت کی ہے دونوں بیٹیوں کی۔ مجھے ان کی یہ حرکت سخت ناپسند ہے کہ چھپ کر باتیں سنتی ہیں۔" تابندہ خالہ کیوٹکس لگے لمبے ناخنوں والے ہاتھ سے بال جھٹک کر بولیں۔

ماما بس اپنی چھوٹی بہن کو دیکھ کر رہ گئیں۔ کیا کہتیں کہ سچ یہ ہی تھا۔ تابندہ خالہ، ماما سے صرف دو سال چھوٹی تھیں۔ مگر لگتی دس سال چھوٹی تھیں۔ فیشن اور اسٹائل کی دلدادہ۔ خوب صورت، طرح دار، ان کی ذات ان کے لیے سب سے ضروری تھی۔ سب سے اہم، زمانے کی ہر روک ٹوک ان کو ناپسند تھی۔ اور ناعمہ پھپھو کو تو وہ اپنے ہر راستے کی دیوار سمجھتی تھیں۔ حالانکہ نندوہ ماما کی تھیں۔ مگر ماما کو ان پر اتنا غصہ نہ آتا۔ جتنا خالہ کو آتا۔ پھپھو جب بھی یہاں آتیں اگر خالہ موجود ہوتیں تو دونوں کی ہر وقت آپس میں ٹھنی رہتی۔

"تابی! فاروق نہیں مان رہے۔" رخشندہ اب کے کچھ بے بسی سے بولیں۔ "میں نے اپنے طریقے سے بہت کہا ہے۔"

"اف....." تابندہ نے نزاکت سے اپنے ماتھے کو چھوا۔ "اچھا تو کب آئیں گی یہ آفت کی پرکالائیں۔"

"بیگم صاحبہ! بڑے صاحب کی بہن اور بچے آگئے ہیں۔" ملازم نے آکر رخشندہ سے کہا۔ تابندہ نے بوکھلا کر اس دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے ایک جلوس ابھی اندر آتا۔ پھپھو اور ان کی دو بیٹیاں خالہ کو جلوس ہی لگا کرتی تھیں۔

☆☆☆

فائق اور سمعیہ کے رشتے کی بات کافی عرصہ سے چل رہی تھی مگر اس وقت دونوں ہی پڑھ رہے تھے۔ اس لیے کچھ فائنل نہیں ہو پا رہا تھا۔ یوں بھی عظمیٰ جو کہ رخشندہ کی بیسٹ فرینڈ تھیں، وہ چاہتی تھی کہ پہلے فائق بہتر طریقے سے اسٹیبلش ہو جائے تو پھر وہ بہو لائیں۔ عظمیٰ کے شوہر جو ایک لمبے عرصے سے دبئی میں مقیم تھے۔ انہوں نے دبئی میں ہی فائق کے لیے اچھی نوکری کا انتظام کرلیا اور ساتھ ہی پوری فیملی کو دبئی بلا لیا۔ عظمیٰ کو دبئی گئے ہوئے دس مہینے ہو چکے تھے۔ وہ وہاں سے رخشندہ کے ساتھ مکمل رابطے میں تھیں۔ جیسے ہی فائق سیٹ ہوا۔ عظمیٰ نے رخشندہ سے کہہ دیا کہ وہ اب وعدہ پورا کرتے ہوئے سمعیہ کی شادی فائق سے کردے۔ بھئی دوستانہ دھونس۔

فاروق صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مکمل چھان بین کرلو۔ ایک دفعہ دبئی جا کر وہاں ان کو ٹھیک سے دیکھ لو۔ رخشندہ نے یہ ذکر عظمیٰ سے کیا تو عظمیٰ نے بڑے اخلاق اور خود اعتمادی سے کہا کہ ضرور آئیں اور چاہیں تو پوری فیملی آجائے اور جتنے بھی دن دبئی میں ٹھہریں گے میرے گھر پر ٹھہریں۔ جس کے لیے فاروق کہیں مانے تھے۔

"ہم ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ ان کے گھر ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

"پاپا..... دبئی میں..... ہوٹل میں ٹھہریں گے؟" سمعیہ نے پوچھا۔

"ہاں بیٹے۔"

"پاپا..... پھر میں بھی چلوں؟" لاڈلے انداز میں فرمائش ہوئی۔

"ارے کیا کہہ رہی ہے لڑکی؟" شادی سے پہلے اپنے سسرال جائے گی؟"

پھپھو نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ سمعیہ ویسے تو کبھی بھی پھپھو کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی۔ وہ جواب ہی نہ دیتی تھی، مگر ابھی پاپا سامنے تھے۔ بدتمیزی بالنظر انداز کرنا مہنگا پڑ سکتا تھا۔

"کم آن پھپھو۔ پورا دبئی میرا سسرال نہیں ہے۔ جب آپ لوگ عظمیٰ آنٹی کے گھر جایا کریں گے تب میں ہوٹل میں ٹھہر جایا کروں گی۔"

"تو پھر جانے کی وجہ؟ کیا کرو گی جا کر؟" پھپھو نے بھی موقع دیکھ کر چوکا مارا۔ جانتی تھیں ویسے تو سمعیہ کبھی ہاتھ نہیں آتی تھی۔ بس یہ ہی خرابی تھی پھپھو میں۔ موقع محل نہیں دیکھتی تھیں۔ بس دل کی سنتی ہے اور کر ڈالتا ہے، جو دل کہے۔ ابھی بھی انہوں نے صرف یہ دیکھا تھا کہ باپ کے سامنے سمعیہ بغیر جواب دیے اٹھ کر نہیں جاسکتی۔ نہ بدتمیزی کرسکتی ہے۔ مگر..... یہ ہی تو اصل بات تھی کہ "باپ کے سامنے....."

"گھوموں پھروں گی پھپھو۔ شاپنگ کروں گی، فن کروں گی، ثمن، حوریہ، مہوش اور صائمہ کے ساتھ مل کر..... پاپا مان جائیں نا۔" آخر میں لاڈ سے باپ سے بولی۔

"بالکل..... میری شہزادی کوئی فرمائش کرے گی تو وہ ضرور پوری ہوگی۔"

"تھینک یو پاپا۔" وہ بے طرح خوش ہوگئی۔

"ہونہہ....." ناعمہ نے ہنکارا بھرا تھا۔

"پاپا یہ کیا؟ آپ سمعیہ آپی اور ثمن آپی کو ساتھ لے جارہے ہیں۔ طاہر بھائی کو اور مجھے نہیں۔" اطہر نے لاڈ کیا باپ سے۔

"تم لوگ۔ اس بار تو نہیں جاسکتے۔ اگلی بار کی امید رکھو، ان شاء اللہ۔" تابندہ ہنس کر بولیں۔

"اچھا بتائیں میرے لیے کیا لائیں گی؟" وہ خالہ کے پاس بیٹھ گیا۔ رخشندہ نے پیار سے سب سے چھوٹے بیٹے کو دیکھا۔ طاہر سب سے بڑا تھا۔ دوسرے نمبر پر سمعیہ تھی۔ تیسرے نمبر پر ثمن اور اطہر سب سے چھوٹا تھا۔

☆☆☆

"ماموں..... آپ کو دبئی میں اکیلے ڈر نہیں لگتا؟" اہل نے ابراہیم سے پوچھا۔ وہ اسکائپ پر بات کررہے تھے۔ اہل کی بات سن کر ابراہیم پہلے تو حیران ہوا۔ پھر بہت ہنسا۔

"اہل....." عائزہ نے تنبیہی انداز میں بیٹے کو پکارا۔

"آپا..... آپ کا بیٹا سپر جینیس ہے۔" ابراہیم نے عائزہ سے کہا۔

"ہاں..... سب سمجھتی ہوں۔ ماموں کے اکیلے پن کو اہل کیوں محسوس کررہا ہے۔"

"نہیں نا ماما..... ماموں واقعی دبئی میں اکیلے ہیں۔ ہمیں ان کے پاس وہاں جانا چاہیے۔" اہل نے جیسے ماں کو آگاہ کیا۔

"اہل..... مجھے ابھی بھی بہت ڈر لگ رہا ہے، یہاں آجاؤ میرے پاس۔" ابراہیم نے ہنسی دبائی۔

"مام اٹھیں..... آئیں..... ماموں کو دبئی میں ڈر لگ رہا ہے۔ ان کے پاس چلتے ہیں۔" اہل ماں کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"بیٹا! تم تو یوں اپنی ماں کو اٹھا رہے ہو جیسے دبئی ساتھ والی گلی میں ہو۔ پتا بھی ہے ساؤتھ افریقہ اور دبئی میں کتنا فاصلہ ہے؟" بلال نے ان کی گفتگو سن لی تھی۔ وہ آکر عائزہ کے پاس آبیٹھے۔

"السلام علیکم بھائی۔" ابراہیم نے بہنوئی کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! ابراہیم تمہارا بزنس ٹور کیسا رہا؟ چائنیز ڈیلیگیشن موجود تھا؟" بلال نے پوچھا۔

"ہر وقت بزنس..... بلال، ابراہیم اس وقت یہاں بزنس مت چھیڑیں۔" عائزہ نے انہیں منع کیا۔

"ڈیڈی، ماموں کو دبئی میں ڈر لگ رہا ہے۔ وہ ہمیں وہاں بلا رہے ہیں۔" اہل نے باپ سے کہا۔

"اسٹاپ ایکٹنگ اہل۔" عالیہ نے بھائی کو اور ڈراما کرنے سے منع کیا اور باپ سے بولی۔

"ڈیڈی..... آپ کچھ دن کے لیے آفس نہ جائیں نا۔ ہم سب دبئی چلتے ہیں۔" دس سالہ عالیہ نے سیدھا سیدھا باپ سے کہا۔

"بھئی..... اس وقت بہت مشکل ہے۔ ممکن نہیں، ہم نیکسٹ منتھ چلیں گے۔" بلال کو افسوس تو ہوا، مگر وہ ابھی بہت مصروف تھے۔

www.urdugem.com

"مگر ہم ابھی جاسکتے ہیں۔ ابھی چھٹیاں ہیں۔ نیکسٹ منتھ کیسے جائیں گے؟" عالیہ نے منہ بسورا۔

"ماموں۔" امل نے منہ بسور کر ابراہیم کو دیکھا۔

"ارے ماموں کی جان۔" ابراہیم نے پیار سے بھانجے کو دیکھا۔ "ایسا کرو، ڈیڈی کو وہاں رہنے دو۔ ماما کو لے کر یہاں آجاؤ۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" امل اور عالیہ خوش ہوئے۔

"بالکل ٹھیک نہیں ہے۔" عائزہ نے بچوں سے کہا۔ "نہیں ابراہیم! تمہارا بہت شکریہ، ہم نیکسٹ منتھ آئیں گے۔"

"بھائی کے ساتھ کیسی کرٹسی؟ یوں بھی اب میں فری ہوں۔ اچھا ہے بچوں کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کر کے دماغ فریش ہوجائے گا۔"

عائزہ نے مانیٹر اسکرین پر بھائی کو دیکھا۔ اسے چھوٹے بھائی پر پیار آیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ابراہیم آج کل بہت اپ سیٹ ہے۔ وہ کہتا نہیں تھا، مگر عائزہ بہن تھی، سب جانتی تھی۔ ابراہیم کا اچھا خاصا بسا بسایا گھر اچانک ہی اجڑ گیا تھا۔ ابھی تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے اس نے بوشان کو طلاق دی تھی اور اس سے چار مہینے پہلے..... اگر اس وقت وہ عائزہ سے ایسی فرمائش کر رہا تھا تو وہ کیسے انکار کرسکتی تھی؟ اس نے بچوں کی طرف دیکھا۔

"چلو..... جاؤ، جا کر اپنی پیکنگ شروع کرو۔ وہاں جا کر نہیں کہنا کہ کچھ رہ گیا ہے گھر میں۔"

"ہرّا، تھینکس ماما۔" دونوں نعرہ لگاتے ہوئے ماں کے گلے لگ گئے۔

"دونوں تم پر گئے ہیں بالکل۔" بلال ہنسا۔

"یعنی دونوں کیوٹ، ناٹس۔ بھائی، آپ ویسے ہی تعریف کردیتے۔ اب میں اپنے منہ سے کیا بولوں۔" وہ ہنسا۔

"تعریفیں رہنے دیں۔ آپ دونوں پر بس بزنس کی باتیں سوٹ کرتی ہیں۔ وہی کریں۔ میں پیکنگ کرنے جارہی ہوں بلال! آپ پہلے فلٹس کنفرم کروادیں۔ ابراہیم اللہ حافظ۔" عائزہ چلی گئی تھیں۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔

☆☆☆

"طاہر کہاں ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔" رخشندہ قدرے گھبرا گئی تھیں۔

"بلاؤ اسے۔" رخشندہ اُٹھ کے چلی گئیں۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ وہ ہینڈ فری لگائے بیڈ پر جوتوں سمیت اوندھا لیٹا ہوا تھا۔

"طاہر۔" رخشندہ نے اسے کندھے سے ہلایا، تب اس نے دھیان دیا۔ کانوں سے ہینڈ فری ہٹایا۔

"یس ماما۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہارے پاپا تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"وہ خود میرے پاس کیوں نہیں آجاتے؟" لاپروائی سے کہتا ہوا وہ دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ دراصل ایک بگڑا ہوا امیر زادہ تھا۔

"تم تو پاگل نہیں ہوگئے ہو؟ وہ تمہارے پاپا ہیں۔" رخشندہ دھیمے لہجے میں غرّائیں۔

"وہ مجھے اس قدر اگنور کرتے ہیں..... جو میری پروا نہیں کرتے میں ان کی پروا کیوں کروں؟"

"آہستہ بولو۔"

"کیوں ماما؟ بولیے؟ کیا میں اس دنیا میں واحد ایسا بیٹا ہوں جو اپنی تعلیم مکمل نہیں کرسکا؟ اطہر بھی تعلیم میں کمزور ہے۔ مگر اس قدر غیروں والا سلوک میرے ساتھ ہی کیوں؟ کیوں کہ اپنے پیسے پر غرور ہے ان کو اور میں ان کے پیسوں پر تھوکتا ہوں۔"

"طاہر! اب میں تمہارے منہ سے ایک لفظ نہ سنوں۔ کون سا موقع ہے یہ؟ ہاں بولو؟ یہ وقت سمعیہ کے لیے بہت ضروری ہے۔ ہم اس کا رشتہ دیکھنے جارہے ہیں۔ اگر بہن کا تھوڑا سا بھی احساس ہے تو موقع کی نزاکت کو سمجھو۔ فاروق نے تمہیں صرف ایک آدھ نصیحت ہی کرنی ہوگی ناسمعیہ کے لیے، سن لینا۔"

"ایک بات یاد رکھیں ماما۔ پاپا بھول گئے ہیں،

مگر آپ یاد رکھیے گا۔ سونار کی، ایک لوہار کی۔ میرا وقت بھی آئے گا۔ تب میں انہیں بخشوں گا نہیں۔ بدلہ ضرور لوں گا، یاد رکھیے گا۔"

"ٹھیک ہے، ابھی تو آؤ۔" وہ کہہ کر اس سے پہلے کمرے سے نکل آئیں۔

"جی پاپا۔"

"طاہر ہم جارہے ہیں۔ اپنا اور اطہر کا خیال رکھنا۔"

"جی پاپا۔" اس کے ہر انداز سے نافرمانی اور بغاوت کی بو آتی تھی۔

"اب چلیں، دیر نہ ہوجائے۔" وہ سب روانہ ہوگئے تھے۔

☆☆☆

عظمیٰ کے بہت کہنے کے باوجود وہ لوگ ان کے گھر پر نہیں ـــــ بلکہ ہوٹل جا کر ہی ٹھہرے تھے۔ یوں بھی وہ لوگ پہلی دفعہ نہیں آئے تھے۔ ہوٹل میں جا کر آرام کیا۔ شام کو گھومنے پھرنے گئے۔ شاپنگ کی شروعات کی۔ رات کا کھانا کھانے بھی بمشکل لابی میں پہنچے۔

☆☆☆

"تم سے کتنی بار کہا ہے ثمن۔ میرے سامنے فورک اور نائف ایسے غلط انداز میں مت پکڑا کرو۔" ترش اور غصیلا لہجہ، مگر آواز مدھم رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ابراہیم نے اس میز کی طرف دیکھا۔ بڑی میز لگی ہوئی تھی۔ جس پر اچھی خاصی خواتین اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ کس نے کس کو ڈانٹا تھا، کچھ سمجھ میں آیا تھا۔ ابراہیم جو لاشعوری طور پر اس طرف دیکھ بیٹھا تھا۔ اس نے توجہ واپس عالیہ اور امل کی طرف کی۔

"میں فورک بائیں ہاتھ میں نہیں پکڑ سکتی خالہ۔" مدھم آواز آئی تھی۔ مگر ابراہیم کی سمجھ میں آگئی۔ پتا نہیں کیسے۔ اس نے لاشعوری طور پر پھر اس طرف دیکھا۔ "بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں ہے خالہ۔" سادہ سے انداز میں کہا گیا تھا۔

ابراہیم اب ان خاتون کو دیکھ سکتا تھا۔ جو منع کررہی تھیں، وہ خالہ تھیں یقیناً مگر وہ بھانجی کا چہرا نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ کیوں کہ لڑکی اس طرف کمر تھی۔ ہاف کلپ بال پوری کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔

"اتنے سارے لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں۔ وہ اس جاہلانہ انداز میں کھانے پر کیا سوچیں گے۔ ہم کس کس کو یہ ریزن دے سکتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں ہے۔ سب مذاق اڑائیں گے۔ صحیح سے پکڑو فورک۔"

"خالہ پلیز..... کون دیکھ رہا ہے۔" وہ رسانیت سے بولی تھی۔

"ٹھیک ہے، آپ لوگ کھانا کھائیں۔ میں جارہی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے خالہ۔ میں بائیں ہاتھ میں فورک پکڑ لیتی ہوں۔ ٹھیک ہے۔" اس نے بائیں ہاتھ میں فورک اور دائیں ہاتھ میں نائف پکڑلی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ساری بھول ہماری تھی	راحت جبیں	300/-
او بے پروا جن	راحت جبیں	300/-
ایک میں اور ایک تم	تنزیلہ ریاض	350/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	350/-
دیمک زدہ محبت	صائمہ اکرم چوہدری	300/-
کسی راستے کی تلاش میں	میمونہ خورشید علی	350/-
ہستی کا آہنگ	ثمرہ بخاری	300/-
دل موم کا دیا	سائرہ رضا	300/-
ساڈا چڑیا دا چنبا	نفیسہ سعید	300/-
ستارہ شام	آمنہ ریاض	500/-
منحرف	نمرہ احمد	300/-
دست کوزہ گر	فوزیہ یاسمین	750/-
محبت من محرم	سمیرا حمید	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

www.pdfugem.com

"نہیں رہنے دو۔ تمہاری عادت ہے، پہلے بحث کرتی ہو، مجھے ہائپر کرتی ہو۔ بعد میں بات مان کر گڈ گرل بن جاتی ہو اور مجھے بیڈ گائے ثابت کر دیتی ہو۔" خاتون اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کم آن خالہ، ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میری غلطی ہے۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ پکا پرامس۔" ابراہیم جو کافی دیر سے ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا تھا۔ گھنے بال کمر سے نیچے تک جا رہے تھے۔ نیلی جینز پر نیلی لانگ شرٹ پہن رکھی تھی۔

"مجھے تمہارے ساتھ نہیں بیٹھنا۔" خاتون کھڑی رہیں۔

"سمعیہ تم وہاں بیٹھ جاؤ، ثمن اٹھ جاؤ خالہ کے پاس سے۔ سمعیہ بیٹھ جائے گی وہاں۔" رخشندہ نے ثمن اور سمعیہ کی جگہیں تبدیل کروا دیں۔ ثمن جانے لگی تو ابراہیم کی نظر اس کے پیروں پر پڑی۔ سفید پیروں میں پیلے رنگ کے ہائی ہیلز تھے۔ اب ثمن جہاں بیٹھی تھی ابراہیم اسے واضح طور پر دیکھ سکتا تھا اور ابراہیم نے اسے دیکھ لیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن سب لوگ عظمیٰ آنٹی کے گھر گئے۔ ثمن اور سمعیہ ہوٹل میں ٹھہر گئیں۔ دونوں نے ایک ساتھ واک کی، ونڈو شاپنگ کی اور ایک ساتھ لابی میں چائے پی۔ وہ دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ گھر والے دیر سے آئے تھے۔ واپس آ کر بھی بہت دیر تک عظمیٰ آنٹی، فائق اور ان کے گھر کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور بہت دیر سے سوئے۔ سمعیہ بہت خوش تھی۔ ثمن نے غور سے اس کا چہرا دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بھی خوشی کی مسکراہٹ چمکی تھی۔

☆☆☆

عائزہ نے دونوں بچوں کو جاگنگ کے لیے تیار کیا تھا۔ دونوں کو ٹریک سوٹ پہنایا تھا۔ اہل کو نیلا اور عالیہ کو سرخ۔ اہل چھ سال کا تھا اور عالیہ دس سال کی۔

"ماما، مجھے آپ جیسی پونی ٹیل بنانی ہے۔" عالیہ نے فرمائش کی۔ عائزہ ہنس دی۔

"آؤ پرنسیس۔" عائزہ نے اس کی دو پونیاں کھول کر ایک پونی بنائی، یوں بھی ماں اور بیٹی کے بالوں کا ایک ہی سائز تھا۔ شہد رنگ بال کندھوں سے کچھ نیچے آتے ہوئے۔

"آپ لوگ ریڈی ہیں نا؟" ابراہیم دستک دے کر ان کے کمرے میں آیا۔

"بالکل ریڈی ہیں ماموں۔" اہل ابراہیم کے پاس آیا۔ "میں سب سے فاسٹ رننگ کر سکتا ہوں۔"

"ہاں...... کیوں کہ تم میرے شہزادے ہو۔" ابراہیم نے اسے اٹھا لیا اور عائزہ نے عالیہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ سب لوگ باہر آ گئے۔ انہیں قریبی پارک میں جاگنگ کرنے جانا تھا۔

ان سے آگے دو لڑکیاں جا رہی تھیں۔ دونوں نے پاکستانی لباس پہن رکھا تھا۔ ان میں سے ایک ثمن تھی۔ بالوں کے رنگ اور لمبائی سے ابراہیم نے اسے پہچان لیا تھا۔

پارک پہنچ کر ابراہیم نے اہل کو اتارا اور کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ریس لگانا چاہتا ہے۔ پارک کے اس جاگنگ ٹریک پر ابراہیم نے عائزہ اور بچوں کے ساتھ کئی چکر لگائے۔ کئی بار ان کا سامنا ان دونوں سے ہوا۔

ثمن کے ساتھ حوریہ تھی۔

"یار کتنا فٹ کپل ہے۔" حوریہ نے ستائشی انداز میں کہا۔ "اور اتنے پیارے بچے۔ کتنی خوش باش فیملی لگتی ہے۔" حوریہ نے ثمن سے کہا تو ثمن نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔

"اتنے سارے لوگوں میں سے تمہیں صرف یہ لوگ کیوں قابل غور لگے؟ اور بھی تو لوگ ہیں یہاں۔" ثمن نے پوچھا۔

"کیوں کہ اپنے بچوں کے ساتھ یہاں کوئی نہیں آیا۔ ان کے ساتھ اپنے کھیل نہیں رہا۔" حوریہ نے کہا۔ "اتنا گڈ لکنگ بندہ...... میرڈ نکلا۔ ہائے...... کیا کروں؟" حوریہ کی مصنوعی ہائے ہائے شروع ہو گئی۔

www.urdugem.com

"لڑکی بھی تو دیکھو کتنی خوب صورت ہے۔ اتنی پرفیکٹ سی لڑکی، دو بچوں کی ماں تو نہیں لگ رہی۔ ان بچوں کی بڑی بہن لگ رہی ہے۔" ثمن متاثر ہوئی۔

"انگریز لوگ اپنے آپ کو بہت فٹ فاٹ رکھتے ہیں۔ مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہر ہینڈسم بندہ میرڈ یا انگیجڈ کیوں نکلتا ہے؟" وہ درحقیقت دکھی تھی۔

"ماموں! میں آپ سے جیت گیا۔" اہل خوش ہوا۔ ابراہیم نے ہنس کر اہل کو اٹھایا۔

"آپا! آپ کا بیٹا لیو پرڈ (چیتا) ہے۔" ابراہیم نے عائزہ سے کہا۔ "ماموں کو ہرا دیا۔"

"ماموں! میں کیا ہوں۔" عالیہ بولی۔ اسے بھی ماموں سے لاڈ اٹھوانا تھا۔

"عالیہ میری ڈول ہے۔" ابراہیم جب کہہ رہا تھا یہ دونوں قریب سے گزر گئیں۔ حوریہ کا منہ کھلا ہوا تھا۔

"یہ لوگ نہ انگریز ہیں، نہ کپل۔" ثمن ہنسی۔

"پہلی بات..... میرا چانس ہے، ہو ہو۔" وہ ہنسی۔ "دوسری بات..... پھر ان کی آنکھیں نیلی اور بال سنہرے کیوں ہیں، اگر انگریز نہیں ہیں تو؟" وہ سوچ میں گم ہوئی۔

"تم نے آنکھوں کا رنگ بھی دیکھ لیا؟" ثمن نے آنکھیں پھیلائیں۔

"جی ہاں..... بالکل۔" حوریہ اٹھلائی۔ ثمن کا فون بجا۔

"جی ماما۔"

"یس ہم آ رہے ہیں۔" اس نے فون بند کیا۔

"چلو حوریہ..... ماما بلا رہی ہیں۔" وہ دونوں واپسی کے لیے مڑ رہی تھیں۔ ابراہیم کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

چکن کارن سوپ ثمن کو بہت پسند تھا۔ وہ شام کی چائے پر سب کے ساتھ لابی میں بیٹھے ہوئے بہت رغبت سے سوپ پی رہی تھی۔ سارا دھیان بھی سوپ پر تھا۔ پھر ایسے ہی اوپر دیکھا۔ سب باتوں میں مشغول تھے۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔ دائیں جانب کی میز پر وہی فیملی بیٹھی ہوئی تھی، جس کو انہوں نے آج پارک میں دیکھا تھا۔ ثمن نے جب اتفاقاً اس طرف دیکھا تو درحقیقت جیسے جم سی گئی۔ وہ جس کو بچوں نے ماموں پکارا تھا۔ اس کی رنگین آنکھیں ثمن پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں جیسے کچھ کہہ رہی ہوں۔ وہ بری طرح گھبرائی۔ نظریں چرالیں۔ ایک غیر مرد اسے یوں کیوں دیکھ رہا تھا؟ گھبراہٹ تو ہوئی، مگر غصہ بھی آنے لگا۔ کتنا بدتمیز تھا یہ۔

کچھ دیر بعد اس نے پھر بہانے سے دیکھنے کی کوشش کی کہ کیا اب بھی اس آدمی کا دھیان اس طرف ہی تھا۔ مگر اس کا دھیان تو کیا ہوتا وہ خود بھی وہاں سے غائب تھا۔ اس کی کرسی خالی تھی۔ ثمن نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔ اسے لگا کہ شاید اسے ہی غلط فہمی ہوئی ہو۔ وہ دوبارہ سوپ پینے لگی۔

☆☆☆

وہ سونے کے لیے لیٹا تھا، مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ دل اور دماغ پہلی دفعہ ایک جیسا سوچ رہے تھے۔ زندگی کا ہر رنگ اچھا لگنے لگا تھا۔

ڈیڈی کے چلے جانے کے بعد اس نے کم عمری میں کاروبار کو سنبھالا تھا۔ ساتھ تعلیم کو جاری رکھا کہ یہ ماما کی خواہش تھی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد کاروبار میں مزید کامیابیاں حاصل کیں تو اس کی خود اعتمادی میں مزید اضافہ ہوا۔ یوں بھی اب وہ کم عمر لڑکا نہ رہا تھا۔ تیس سال کا مرد بن چکا تھا۔ ڈیڈی کو تو کھویا، مگر ماما کو بھی جب کھونا پڑا تو وہ پہلی دفعہ اپنے ہوش و حواس میں آنسوؤں کے ساتھ رویا تھا۔

پھر اس کی زندگی میں بوشان آئی۔

بوشان ایک ڈریس ڈیزائنر تھی۔ اس کا اپنا بوتیک تھا۔ وہ بہت اعلا پیمانے پر کام کرتی تھی۔

ابراہیم کی پہلی ملاقات بوشان سے ـــ اس کے بوتیک پر ہوئی تھی۔ عید کا موقع تھا۔ ماما کے جانے کے بعد سے ہر عید، تہوار اور خاص موقعوں پر ابراہیم ہر وہ ذمہ داری پوری کرتا جو میکہ والوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اب بھی عید کا موقع تھا۔ ابراہیم عائزہ اور بچوں کو عید کی شاپنگ کروانے لایا تھا۔ ایک بہت مشہور شاپنگ مال کے مخالف سمت پر ایک بوتیک تھا۔ عائزہ نے اس بوتیک کے بارے میں اپنی ایک دوست سے سن رکھا تھا۔ بچوں کی شاپنگ مکمل ہو چکی تھی۔ اب عائزہ یہاں سے شاپنگ کرنا چاہتی تھی۔ سیلز گرل عائزہ کو ملبوسات دکھا رہی تھی کہ بوتیک کی مالکہ وہاں آ گئی۔ سیلز گرل نے اسے سلام کیا تھا۔ مالکہ نے سیلز گرل کو جانے کو کہا اور عائزہ کو خود ملبوسات دکھانے لگی۔

سیلز گرل کے لیے یہ بات باعث حیرت تھی۔ اونر بوشان ـ نے اس سے پہلے شاذ و نادر ہی کسی کو ڈیل کیا ہو۔ بغیر تواضع کے انہیں جانے نہیں دیا۔ اس کے بعد ابراہیم نے بوشان کو کئی جگہوں پر دیکھا۔ اکثر آمنا سامنا ہونے لگا۔ سلام دعا ہونے لگی۔

پھر یہ دو مہینے بعد کی بات تھی۔ اس کے دوست کی دوست نے بوشان کو اپنی بے تکلف دوست کی حیثیت سے اپنے حلقہ احباب میں متعارف کروایا۔

اب بوشان ان سب کی دوست تھی۔ ساتھ بیٹھتے، گپ شپ ہوتی۔ وہ ابراہیم کو ابراہام کہا کرتی۔

بوشان شاہی کی ماں ہندوستانی مسلمان عورت اور باپ ساؤتھ افریقہ کا کیتھولک تھا اور بوشان لادین تھی۔ اس کے نقش مشرقی اور رنگت مغربی تھی۔ وہ کسی کی بھی خواہش ہو سکتی تھی۔ مگر ابراہیم کی خواہش کیوں نہ تھی؟

ایک دن وہ "اتفاق" سے اس پارک میں ملے جہاں ابراہیم ہر صبح جاگنگ کیا کرتا تھا۔ انہوں نے "اتفاق" سے ہی بہت ساری باتیں کیں۔ ایک دوسرے کی فیملی کی، ایک دوسرے کے شوق جانے اور اس طرح کی باتیں، وہاں سے وہ اکٹھے کافی پینے چلے گئے۔ کافی کے دوران باتیں ہوتی رہیں۔ تب باتوں کے دوران اچانک بوشان خاموش سی ہو گئی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے ابراہیم کو پکارا تھا۔

"ابراہام!"

ابراہیم نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم جانتے ہو، تم میرے لکی چارم ہو۔" وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں یاد ہے جب فرسٹ ٹائم تمہاری اور میری ملاقات میرے بوتیک میں ہوئی، میں نے بیک ڈور کی جالی سے تمہیں دیکھا تھا۔ تم بچوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ تمہاری بہن میری ورکر کے ساتھ کپڑے دیکھ رہی تھی۔ تب مجھے لگا تھا کہ تم لوگ کپل ہو۔ مگر اس طرف میں نے توجہ نہیں دی۔ نو ڈاؤٹ تمہاری پرسنالٹی بہت مقناطیسی ہے، ابھی میں تمہاری طرف دیکھ ہی رہی تھی کہ مجھے اس پروجیکٹ کی طرف سے کال آئی، جس کے لیے میں ایک عرصہ سے کوئی کوشش کر رہی تھی۔ تب فون بند کرنے کے بعد میرے ذہن میں جو پہلی سوچ آئی وہ یہ تھی کہ یہ آدمی تو میرے لیے بہت لکی ہے۔"

"یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔" ابراہیم کے لیے یہ بات بالکل بے کار تھی۔

"ہاں..... میں نے بھی یہ سوچا تھا کہ چلو ایک، دو چانس دے کر دیکھتے ہیں اور پھر یہ بقول تمہارے "اتفاق" اور میرے خیال سے میری خوش قسمتی بار بار واقع ہوئی۔" بوشان کا لہجہ اور الفاظ واضح طور پر معنی خیز تھے۔ ابراہیم اپنی آنکھوں میں آئے طنز اور ہونٹوں کی ہنسی کو چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں جتنی بار تمہیں دیکھتی، تم سے بات کرتی، میرے ساتھ کچھ بہت بہترین ہوتا۔ میں تم لوگوں کے سرکل میں جان بوجھ کر شامل ہوئی ہوں۔ ڈینس کے ساتھ بھی فرینڈ شپ میں نے جان بوجھ کر کی تھی،

www.urdugem.com

تاکہ تمہارے قریب ہوسکوں اور دیکھو میں کامیاب ہوگئی۔'' وہ فاتحانہ انداز میں بولی۔

''مبارک ہو۔'' اب ابراہیم اس سے اور کیا کہتا۔

''میں چاہتی ہوں یہ بات سب کہیں۔ مجھے کہیں کہ بوشان مبارک ہو..... مجھ سے شادی کروگے ابراہام.....؟'' وہ بہت صاف گو تھی۔

ابراہیم کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ اس معاملے میں وہ دقیانوسی تھا تو ہاں وہ دقیانوس تھا۔ مگر بوشان ہر وقت تاک میں رہنے لگی۔ دل لگی، ذومعنی باتیں، کیئر کرنا، غرض ہر چیز بوشان نے آٹھ مہینے کا انتظار کیا۔ ابراہیم کو اس کا دل توڑنا اس لیے بھی اچھا نہ لگا، کیوں کہ ابراہیم کے دل میں کوئی اور نہ تھا۔ وہ دل خالی کمرہ تھا۔ جہاں شادی کے بعد بھی پتا نہیں بوشان آباد ہوئی تھی یا نہیں۔ کیوں کہ بوشان ایک بہت معروف لڑکی تھی۔

یہ بات ابراہیم کو پسند نہیں آئی تھی۔ اسے لگا جیسے شادی سے صرف یہ فرق پڑا ہے کہ ابراہیم کے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ جب بھی گھر آتا صرف بوشان کی چیزیں اسے ویلکم کہتیں۔ خود بوشان نہیں۔ ابراہیم سمجھ نہیں پاتا تھا کہ اسے اس بات سے فرق کیوں نہیں پڑتا۔ کیا اسے بھی بوشان کے ساتھ کی طلب نہ تھی؟ مگر کیوں نہ تھی۔ وہ لوگوں اور دوستوں کی نظروں میں ایک بہترین جوڑا تھے۔ لوگوں کی نظروں میں اس جوڑے میں محبت تھی۔ انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ مگر یہ محبت اور انڈر اسٹینڈنگ تنہائی میں نہ جانے کہاں چلی جاتی۔

ان کی شادی کو ایک سال گزر گیا۔ بوشان کے گمان کے مطابق ابراہیم واقعی اس کے لیے خوش قسمت ہوا تھا۔ وہ کامیاب ہوتی گئی۔ ایک ہی سال میں اس نے دو اور بوتیکس بنالیے تھے۔ مزید اونچے پیمانے پر کام کرنے لگی۔ سب سے بہترین بات یہ ہوئی تھی کہ اسے شوبز کی طرف سے کام کی آفر ہوئی تھی۔ بوشان کا خواب پورا ہونے جارہا تھا۔

ایک مشہور ڈراما کمپنی پیرس میں جاکر اپنی ٹیلی فلم بنانے والے تھے، جس میں بوشان ڈریس ڈیزائنر تھی۔ بوشان نے ابراہیم کے سامنے ذکر کیا کہ اسے پیرس جانا ہے تین مہینے کے لیے۔ ابراہیم سمجھ نہ سکا کہ یہ اجازت لی جارہی ہے یا صرف بتایا جارہا ہے۔ مگر درحقیقت ابراہیم کو بوشان کے پیرس جانے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

یہ اگلی رات کا واقعہ تھا۔ وہ گھر جارہا تھا۔ جب اس نے سڑک کے کنارے کھڑے آسکر کو دیکھا۔ وہ حیران ہوا۔ نہ تو یہ کوئی اسٹاپ تھا۔ نہ اس کی گاڑی اس کے پاس تھی۔ یہ یہاں اکیلا کیا کررہا تھا۔ آسکر، بوشان کی بیسٹ فرینڈ کا شوہر تھا۔ ابراہیم نے گاڑی روکی۔

''اے مسٹر آسکر۔ یہاں کیا کررہے ہو؟ آؤ میں گھر ڈراپ کردوں۔''

''نہیں میں بے چارے لوگوں کے منہ نہیں لگتا۔'' آسکر بولتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ ابراہیم سمجھ گیا کہ آسکر نشے میں۔

''میں بے چارہ نہیں ہوں۔ میرا نام ابراہیم ہے۔ جانتے ہو نا مجھے۔ میں اجنبی نہیں ہوں۔ آجاؤ، تمہیں گھر چھوڑ دوں۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''تم ابراہام بھی ہو اور تم بے چارے بھی ہو۔''

''اچھا ٹھیک ہے، میں بے چارہ ہوں۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔'' ابراہیم مان گیا۔ وہ دراصل آسکر کو اس حالت میں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

''میں نے کہا نا۔ میں بے چاروں سے بات نہیں کرتا۔''

''اچھا مجھے یہ تو بتا دو کہ میں کیوں بے چارہ ہوں؟'' ابراہیم نے اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔

''میں نہیں بتاؤں گا پہلے وعدہ کرو کہ مجھے گھر ڈراپ کروگے۔''

''ہاں ٹھیک ہے اگر مجھے بتا دیا تو گھر ڈراپ کروں گا۔'' ابراہیم مان گیا۔ نشے کی حالت میں

کھڑے آسکر کے منہ سے اسے ہر بکواس کی امید تھی مگر اس نے یہ کیا کہا تھا؟

''تمہارا بچہ مرگیا نا۔ تو تم بے چارے ہوئے نا۔''

ابراہیم کو لگا اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ مگر..... آسکر تو نشے میں ہے اور میرا تو کوئی بچہ ہے ہی نہیں۔'' سوچ کر وہ سنبھلا۔

''میرا تو کوئی بچہ ہے ہی نہیں آسکر۔''

''ہوتا۔ ضرور ہوتا میرے دوست۔ اگر وہ مرنہ جاتا تو۔ تمہاری ڈائن بیوی نے اسے مار دیا۔ ادھر مار دیا۔'' آسکر نے اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔

''کیا بکواس کررہے ہو؟'' ابراہیم سنجیدہ ہوا۔

''تمہیں نہیں پتا نا۔'' آسکر نے قہقہہ لگایا۔

''مجھے پتا تھا کہ تمہیں نہیں پتا ہوگا۔ پتا ہوگا بھی کیسے۔ اس نے یہ قتل میری بیوی کے ساتھ مل کر کیا ہے۔ وہ دونوں ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں، میری بیوی کہتی ہے کہ بوشان معصوم ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو اسے اپنے پیرس والے پروجیکٹ سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ ہاں۔ بوشان تو معصوم ہے اور تم بے چارے۔ چلو بے چارے مجھے گھر ڈراپ کرو۔'' آسکر خود ہی اس کی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ ابراہیم کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

''بوشان۔'' ابراہیم نے اسے پکارا۔ یہ ابراہیم سے آسکر کی ملاقات کے تین دن بعد کی بات تھی جب ابراہیم نے بوشان کو اس وقت پکارا جب صبح وہ اپنے کام پر جانے کے لیے تیار ہورہی تھی۔

''مجھے حسرت ہی رہے گی کہ کبھی ہنی، ڈارلنگ یا بے بی کہہ کر بلاؤ مجھے ابراہام ڈارلنگ'' وہ ہنسی۔ ابراہیم کی نظریں سرد تھیں۔ بوشان دل لگی تب ہی کرتی تھی جب وہ سامنے موجود ہوتی یا ابراہیم سے بات کررہی ہوتی۔ ورنہ کبھی اس کا دل نہیں چاہا تھا کہ ابراہیم اور وہ ساتھ لنچ یا ڈنر کریں۔ کبھی اس نے ابراہیم کو ضرورت کے علاوہ بھی — کوئی میسیج نہیں کیا تھا۔

''یو ور پریگننٹ؟'' (تم امید سے تھیں؟) اس نے صاف صاف پوچھا۔ بوشان ٹھٹکی۔

''یہ تم سے کس نے کہا؟ ربش۔'' اپنے آپ کو سنبھال کر وہ بالوں میں برش کرنے لگی۔ ابراہیم نے ایک فائل ٹیبل پر پھینکی۔ اس کے اوپر ایک کلینک کا نام لکھا تھا۔

''تم نے ابارٹ کروادیا۔'' ابراہیم کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی تھی مگر..... تمہارا ری ایکشن..... پتا نہیں کیا ہوتا۔ آخر کو تم ایک پاکستانی ہو۔ گڈ لکنگ ہونے کے ساتھ ساتھ تھوڑے دقیانوس۔'' اس نے ابراہیم کے قریب آکر اس کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔ ''میں یہ چانس مس نہیں کرنا چاہتی تھی ابراہام۔ میرے کیریر کے لیے..... یہ وقت بہت امپورٹنٹ ہے اور پریگننسی کے پہلے تین مہینے بہت مشکل ہوتے ہیں۔ پیرس میں سارا وقت خراب طبیعت کے ساتھ گزرتا تو..... آئم سوری۔ میں واپس آجاؤں تو ہم پھر سے پیرنٹس بنیں گے۔ آئی پرامس۔'' وہ یوں بولی جیسے یہ سب کچھ اسی کے ہاتھ میں تھا۔

''اس چانس کے لیے تم نے ہماری اولاد قربان کردی۔'' بوشان نے اپنے گلے سے اس کے بازو ہٹائے۔

''کتابی باتیں مت کرو ابراہام۔ یہ حقیقی زندگی ہے۔ یہاں پریکٹیکل ہونا پڑتا ہے۔''

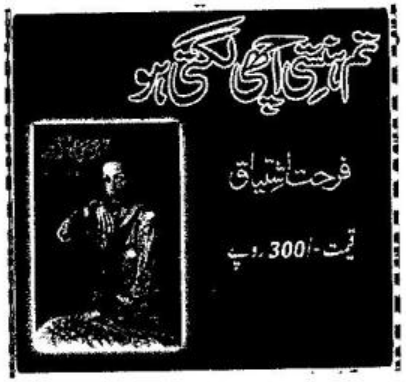

www.urdugem.com

"اور پریکٹیکل بات یہ ہے کہ مجھے ڈیڈی کہنے والا آج سے دو ہفتے پہلے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی..... اس دنیا سے چلا گیا۔" اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

"یو آر جسٹ اموشنل ابراہام۔ مجھے پتا تھا کہ تم یہ ہی کرو گے اسی لیے تمہیں نہیں بتایا تھا۔ سمجھ میں آیا؟ میں جا رہی ہوں۔ رات کو لیٹ آؤں گی۔ میرا ویٹ مت کرنا۔" وہ بیگ لے کر چلی گئی۔ ابراہیم نے اس دروازے کی جانب دیکھا۔ جہاں سے بوشان ابھی گئی تھی۔

بارہ دن باقی تھے بوشان کے پیرس جانے میں۔ اس کی روانگی سے دو دن پہلے اسے طلاق کا نوٹس ملا تھا۔ ابراہیم فیصلہ کر چکا تھا۔

☆☆☆

کوئی خوشی کی خبر ہوتی تو وہ بہن کو سناتا، مگر اب ایسی کوئی بات ہی نہ تھی۔ الٹا عائزہ دکھی ہو جاتی۔ اس نے عائزہ کو یہ بتایا کہ بوشان اور اس میں انڈراسٹینڈنگ نہیں۔ وہ طلاق دے رہا ہے اسے۔ عائزہ کے سمجھانے پر اس نے اپنی بات دہرا دی کہ لو میرج تو یہ یوں بھی نہ تھی۔ انڈراسٹینڈنگ بھی نہیں ہو رہی تو اکٹھے رہنے کا فائدہ نہیں۔ عائزہ ناراض ہوئی تھی اور ابراہیم سے کہا تھا کہ ان کے خاندان میں آج تک کسی میاں بیوی میں طلاق نہیں ہوئی۔ جائز کاموں میں بھی سب سے ناپسندیدہ کام طلاق ہے۔ وہ بوشان کو ایک اور چانس دے، مگر ابراہیم نہیں مانا تھا۔

بوشان بہت خوش باش پیرس سے آئی تھی۔ اس نے آ کر ابراہیم کو منانے کی کوشش کی تھی کہ اب وہ فری ہے۔ اب بچے کا کوئی مسئلہ نہیں۔ ابراہیم طلاق کی بات ذہن سے نکال دے۔

مگر ابراہیم نہیں مانا۔ ان دونوں میں کوئی بات ہوتی تھی نہ کوئی بحث۔ کیونکہ ابراہیم بوشان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا تھا۔ وہ جب اس سے بات کرنے لگتی وہ وہاں سے ہٹ جاتا تھا۔ بوشان نے عائزہ سے بات کی۔ وہ عائزہ کے گھر آئی تھی۔

"آؤ بوشان۔ بیٹھو۔

میں خود تم سے بات کرنا چاہتی تھی، مگر ابراہیم نے قسم دی تھی کہ میں تم سے کوئی رابطہ نہ کروں، مگر اب تم خود آ گئی ہو تو میری قسم نہیں ٹوٹے گی۔ بتاؤ کیا لو گی؟" بوشان نے قدرے حیرت سے عائزہ کو دیکھا۔ وہ بھی اپنے بھائی کی طرح دقیانوس تھی۔

"دیکھیے مسز بلال۔ آپ ابراہام کو سمجھائیے۔ بالکل غلط بات پر اوور ری ایکٹ کر رہا ہے۔ کیا ابارشن ہو جانا اتنا بڑا مسئلہ ہے جو حل نہیں ہو سکتا؟ بچوں کی طرح ایک بات پر اڑ ہی گیا ہے وہ۔ میں....."

"واٹ؟ ابارشن؟ کس کا ابارشن؟" عائزہ پر جیسے بجلی سی گری۔

"اس نے آپ کو نہیں بتایا؟" بوشان کو پھر سے حیرت ہوئی شکتے تعجب کی بات تھی۔

"مجھے پوری بات بتاؤ بوشان۔" عائزہ کی آواز کانپی جسے بوشان نے محسوس ہی نہ کیا۔ اس نے بے حد مختصر اور سرسری سے انداز میں عائزہ کو بتا دیا۔

"دیکھیے مسز بلال۔ ایک عورت ہونے کے ناتے آپ میری بات کو سمجھیں گی کہ کیریئر کس قدر امپورٹنٹ ہوتا ہے ایک عورت کے لیے۔ میں نے کس قدر محنت کی ہے اور ابراہام سمجھتا ہی نہیں۔ ابارشن ہوا ہے۔ میں مر تو نہیں گئی کہ دوبارہ کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"تم..... گھٹیا عورت! تم نے ہمارے باپ دادا کی نسل کو، ابراہیم کی اولاد کو..... او میرے خدا۔" عائزہ بات بھی مکمل نہ کر پائی۔

"عالیہ..... عالیہ..... میرا موبائل لاؤ۔" عائزہ نے عالیہ کو آواز دی۔ عالیہ ماں کا موبائل لائی۔ بوشان بھی صورت حال سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کان سے موبائل لگائے عائزہ، بوشان کو گھورتی رہی۔

"السلام علیکم آپا، کیسی ہیں؟" ابراہیم کی آواز آئی۔

"ابراہیم۔" عائزہ چلائی، "اتنی بڑی بات ہو گئی۔ تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔ تمہاری بیوی

میرے گھر پر موجود ہے۔ جو بات مجھے تم سے پتا چلنا چاہیے تھی، وہ یہ بتا رہی ہے۔" عائزہ روتے ہوئے چلا رہی تھی۔ "کیوں ابراہیم؟"

ابراہیم نے تکلیف سے آنکھیں موند لیں۔ "میں آ رہا ہوں۔"

سمجھ دار کے لیے اشارہ کافی ہے اور بوشان کافی سمجھ دار تھی۔ وہ جان چکی تھی یہاں رکنے کا فائدہ نہیں۔ وہ بیگ اٹھا کر جانے لگی۔

"بوشان۔" عائزہ نے اسے آواز دی۔

بوشان پلٹی۔ آنکھوں میں پھر سے امید جاگی۔

"آج تم زندہ بچ کر جا رہی ہو کیونکہ میری مہمان ہو۔ دوبارہ زندگی میں کوشش کرنا میرے سامنے مت آنا۔ ورنہ تمہارا قتل ہو جائے گا میرے ہاتھوں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" عائزہ گرجی۔

"پاگل خاندان۔" بوشان بڑبڑائی۔ وہ دروازے سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی جب اسے ابراہیم کی کال آئی۔ اس نے ریسیو تو کر لی، مگر ذہنی طور پر تیار تھی۔

"بوشان اور کسی کو یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں۔ اب اگر یہ بات اور پھیلی تو پھر یہ بات اتنی آسانی سے ختم نہیں ہو گی۔" بوشان نے فون بند کر دیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ سمجھ چکی تھی۔ اس کا کل کی چارم اس کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ ان میں طلاق ہو گئی تھی۔

عائزہ سخت دل برداشتہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ابراہیم کو بچے کس قدر پسند تھے۔ خاص طور پر بیٹیاں۔ اسے یاد تھا جب عالیہ اس دنیا میں آئی تب ابراہیم کس قدر خوش ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کرتا۔ جب اس نے ٹھوس غذائیں کھانی شروع کیں تو وہ ابراہیم اسے اپنے ہاتھ سے کھلانے کی کوشش کرتا۔ عالیہ کے اسکول کے پہلے دن ماما، ڈیڈی تو گئے ہی تھے، ساتھ ماموں جان بھی موجود تھے۔ پھر امل اس دنیا میں آیا۔ ابراہیم بے حد خوش ہوا اور..... جب اپنی اولاد کی خوشی دیکھنے کا وقت آیا..... عائزہ اس قدر دکھی ہوئی کہ اسے اسپتال لے جانا پڑا۔

"کمال ہے آپا۔ اولاد میری گئی ہے اور بجائے یہ کہ آپ مجھے دلاسہ دیں، میں آپ کو دلاسہ دے رہا ہوں۔" اس نے درحقیقت اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہا۔

"ہاں، گدھے تمہاری اولاد میری تو کچھ نہیں لگتی نا۔ میرا تو کوئی نہیں گیا۔ ہیں نا۔" وہ آنسوؤں کے ساتھ ہنسی تھی۔

ایک ہفتے کے بعد ہی ابراہیم کو بزنس ٹور پر دبئی آنا پڑا اور تین ہفتے بعد عائزہ اور بچے وہاں آ گئے تھے۔ وہاں پر اس نے "اسے" دیکھا تھا ثمن کو۔ بوٹے سے قد کی نازک سی لڑکی۔ چہرہ ایسے جیسے دودھ کے پیالے میں گری گلاب کی پتیاں۔ ہرنی جیسی تیکھی مگر بڑی بڑی آنکھیں جو ہر آہٹ پر چونک جاتیں۔ لمبے، گھنے کمر سے نیچے آتے ہوئے سیدھے بال۔ وہ یوں تھی جیسے پھولوں سے لدی شاخ۔ جیسے جیتی جاگتی گڑیا۔ بولتی تھی تو جیسے نازک کانچ پر باریک موتی گرتے ہوں۔ آواز یوں جیسے شیرے سے بنی ہو۔ سنجیدہ اور کم گو سی۔

ہاں ایک ایسی بات بھی تھی جس پر ابراہیم کو اعتراض تھا۔ اتنی سنجیدہ کیوں تھی؟ اور اگر لڑکیاں ہی کم گو ہوں گی تو بولے گا کون؟

وہ اسی ہوٹل میں اپنی فیملی کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی جہاں ابراہیم لوگ ٹھہرے تھے۔ اس نے گاہے بگاہے اس کو کئی دفعہ دیکھا تھا۔ اپنی فیملی کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے۔ کبھی واک کرتے ہوئے۔ کبھی کسی شاپنگ مال میں۔ کبھی کسی پارک میں۔ ابراہیم نے اسے بارہا دیکھا۔ وہ ایک بات سمجھ نہیں سکا اس دنیا میں حسن کی کمی نہ تھی۔ ثمن کے پاس کون سا انوکھا حسن تھا؟ اس دنیا کی حسیناؤں میں سے ایک حسینہ۔ بس.....

مگر بس ہی تو نہ تھا۔

ابراہیم کا وہ دل جو اب تک خالی تھا، وہ وہاں قبضہ کر چکی تھی۔ اس کے دل کے تختہ پر اس کروفر سے براجمان ہوئی تھی گویا یہ دل تھا ہی اس کا۔ وہ دبے

www.urdugem.com

پاؤں کسی وقت ابراہیم کی روح میں اتر گئی تھی...... ابراہیم سمجھ بھی نہ سکا۔

☆☆☆

وہ لوگ شاپنگ کر کے آ رہے تھے۔ سب سے زیادہ شاپنگ بیگز ثمن کے ہاتھ میں تھے۔ یا تو یہ تمام بیگز ثمن کی شاپنگ تھے یا پھر اس کو پکڑائے گئے تھے۔ ہوٹل میں آ کر سب آگے تھے ثمن پیچھے۔

''حوریہ۔'' ثمن نے اسے آواز دی۔ حوریہ نے شاید سنا نہیں۔ ثمن نے پھر سے حوریہ کو آواز دی۔

''حوریہ۔'' ان کا کمرہ آنے والا تھا، مگر حوریہ نے پھر بھی نہ سنا تھا۔ وہ مہوش سے باتیں کر رہی تھی۔ سب لوگ کمرے میں چلے گئے۔ مزے کی بات یہ بھی کہ دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ ثمن نے کچھ بے زار تاثرات کے ساتھ دروازے کو دیکھا۔

''السلام علیکم!'' ابراہیم پہلے ہی وہاں موجود تھا سامنے ابھی آیا تھا۔ ثمن نے اسے دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔ اب وہ اسے پہچاننے لگی تھی۔ یہ وہی تھا جو کل [illegible]

[illegible] اٹھا رکھا ہے آپ نے؟''

[illegible]

[illegible] بولی۔

ابراہیم کے لیے اتنا کافی تھا [illegible] ہوئی تھی۔ ایک شاپنگ بیگ اس [illegible] گیا۔ ابراہیم اب کی بار واضح ہنسا اور شاپنگ بیگ اٹھا کر اسے پکڑایا۔

''شکریہ۔'' وہ لٹھ مار انداز میں بولی۔

''کہیں تو دروازہ بھی کھول دوں؟'' اس کی آواز میں مزاح کی آمیزش تھی۔

ثمن نے قدرے خوف زدہ نظروں سے ایک نظر اسے دیکھا ایک نظر بند دروازے کو۔ حسین پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہوتی دکھائی دیں۔ ابراہیم سمجھ گیا تھا۔ ایک تو قاتل آنکھوں کے اس حسین روپ نے ہی گھائل کیا تھا، رہی سہی کسر اس احساس نے پوری کی تھی کہ وہ ڈر رہی تھی، ابراہیم سے بات کرتے ہوئے۔ اگر ابراہیم دروازہ کھولتا تو اس کے گھر والوں میں سے کوئی دیکھ کر خفا نہ ہوتا۔ ایشو نہ بن جاتا۔

ابراہیم کا دل چاہا اسے ساری عمر یوں ہی تکتا رہے، مگر حقیقی زندگی میں ایسا ممکن نہیں تھا۔

''آپ کی خاموشی آپ کی گفتگو جیسی خوب صورت نہیں ثمن!''

ثمن کی تو گویا جان نکل گئی۔ ''آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟''

''آپ کا نام جاننے کے دو ریزن دیتا ہوں۔ جس پر چاہیں یقین کر لیجیے۔ پہلا یہ کہ میں ایک نجومی ہوں۔ دوسرا یہ کہ آپ کی فیملی میں سے کسی نہ کسی کو آپ کا یہی نام پکارتے سنا ہے میں نے۔ آپ بتائیں۔ آپ کس بات پر یقین کریں گی؟'' ثمن نے بند دروازے کی طرف دیکھا اور سامان نیچے رکھ کر دروازہ کھولنے کا سوچا۔ ابراہیم نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ دروازے کو کھول کر اس طرح پیچھے ہوا کہ اندر کے لوگ دیکھ نہ پائے تھے۔ وہ واپس چلا گیا۔ ثمن اندر داخل ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ حوریہ پر ناراض ہونے کا فائدہ نہ تھا۔ وہ شاپنگ بیگز رکھنے لگی۔

☆☆☆

ثمن کا موڈ آف تھا۔ ان لوگوں کو یہاں آئے [illegible] ہو چکے تھے۔ عظمیٰ آنٹی کے گھر یہ لوگ [illegible] جا چکے تھے، مگر ثمن کو نہیں لے کر گئے تھے۔ [illegible] کے ساتھ چھوڑ جاتے۔ واپس آ کر حوریہ، صائمہ، مہوش ان کے گھر کی تعریفیں کرتے۔ ہر چیز کے بارے میں باتیں کرتے۔ ثمن دل مسوس کے رہ جاتی۔ اس وقت بھی وہ غصے میں بھری بیٹھی تھی۔

''مام۔ مجھے شاپنگ کرنی ہے۔'' حوریہ نے ماں سے کہا۔

''جاؤ کرو۔'' تابندہ مصروف انداز میں بولیں۔ وہ چہرے کی کلینزنگ کر رہی تھیں اس لیے زیادہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

''اکیلی جاؤں؟'' حوریہ اٹھلائی۔

''تم مجھ سے زیادہ باتیں تب ہی کرتی ہو حوریہ [illegible] میں کلینزنگ کر رہی ہوں یا ایسا ہی کوئی اور کام۔ [illegible] ہو تو مت جاؤ، مگر اب مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔'' [illegible] ندہ نے حوریہ کو ڈپٹا۔

''خالہ!'' اس نے منہ بسور کر رخشندہ کو دیکھا۔

''میری جان۔'' رخشندہ نے پیار سے اسے [illegible] کہا۔ ''اب خالہ کے ساتھ تو جاؤ گی نہیں۔ بور ہو جاؤ گی۔'' رخشندہ نے اسے چھیڑا۔ ''ثمن یا سمعیہ [illegible] سے کسی کو لے جاؤ۔''

''ثمن کو لے جاؤں؟''

''ہاں بالکل۔'' رخشندہ نے اسے کہا پھر ثمن سے بولیں۔ ''ثمن، حوریہ کے ساتھ چلی جاؤ۔ اسے [illegible] پنگ کرنی ہے۔''

''ہم دو اکیلی لڑکیاں؟'' ثمن ہچکچائی۔ رخشندہ نے اسے گھورا۔

''اچھا چلو حوریہ، میں تو آ ہی رہی تھی۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ لباس تبدیل کر کے وہ حوریہ کے ساتھ چلی گئی۔ مال بہت بڑا تھا۔ وہ دونوں گھوم پھر رہی تھیں۔

''حوریہ۔ کل گھر والے پھر عظمیٰ آنٹی کے گھر جا رہے ہیں۔ کل میں چلی جاؤں ان کے ساتھ؟''

''ہاں بالکل جاؤ۔ میں نے کب روکا ہے؟'' وہ [illegible] شاپنگ کر رہی تھی۔

''تو تم رہ جاؤ گی سمعیہ آپی کے ساتھ؟'' ثمن نے اسے دیکھا۔

''واٹ؟'' حوریہ اب سمجھی۔ ''بالکل نہیں بھئی۔ [illegible] اری سمعیہ آپی اتنی سخت مزاج ہیں۔ ان کے ساتھ [illegible] ون ٹھہر سکتا ہے؟''

''کم آن حوریہ۔ دوست نہیں ہو میری؟''

''سوری ڈیئر۔ دوستی اپنی جگہ۔ آؤٹنگ اپنی [illegible] میں سمعیہ آپی جیسے بندے کے ساتھ گھر میں قید ہو سکتی۔''

''یار! سمعیہ آپی گھر میں کہاں ٹھہرتی ہیں۔ آئی مین ناٹ گھر، مگر تم سب لوگوں کے جانے بعد کبھی واک کرنے چلی جاتی ہیں۔ کبھی ویسے ہی۔ میں اکیلی بیٹھی رہتی ہوں اندر اور ویسے بھی جو دوست ہوتے ہیں......'' کہتے کہتے پھر حوریہ کی طرف دیکھا تو وہ غائب تھی۔

''اف۔'' ثمن کو کوفت ہوئی۔ یہ حوریہ کی پرانی عادت تھی۔ ساتھ چلتے چلتے اسے کسی دکان میں کچھ پسند آ جاتا اور وہ بغیر بتائے اس دکان میں چلی جاتی۔ دوسرا بندہ اکیلا کھڑا رہ جاتا۔ بعد میں کال کر کے پوچھ لیتی کہ کہاں ہو؟ مگر یہ اپنا ملک نہ تھا۔ ثمن کو حقیقتاً تھوڑا ڈر لگا، مگر وہ قدم بڑھانے لگی۔

ایسے ہی چلتے چلتے وہ...... نجانے کہاں سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ثمن اس کا نام تک نہیں جانتی تھی اور وہ تھا کہ فری ہوتے چلا جا رہا تھا۔ اس کی بولتی آنکھیں اب بھی اس پر ہی تھیں۔ وہ سائیڈ سے ہو کر جانے لگی۔ وہ سامنے آ گیا۔ وہ دائیں ہوئی ابراہیم پھر سامنے آ گیا۔

''پہلے آپ چلے جائیں۔'' وہ ایک طرف ہوئی۔ ابراہیم ہنسا۔

''پتا نہیں تمہیں دیکھ کر شرارتیں کیوں سوجھتی ہیں مجھے۔'' وہ اور ہنسا۔

''مجھے دیکھ کر آپ کو شرارت اس لیے سوجھتی ہے کیونکہ آپ فلرٹ ہیں۔'' ثمن کو واقع ایسا لگنے لگا تھا کہ وہ فلرٹ کر رہا تھا ثمن کے ساتھ۔ وہ ہنسا۔

''اتنے نرم ہونٹوں سے کتنا سخت بولتی ہو تم''

ثمن نے جیسے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

''میرا نام ابراہیم ہے۔ ساؤتھ افریقہ میں رہتا ہوں۔ یہاں پر اپنی بہن اور اس کے بچوں کے ساتھ آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں......'' ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اہل نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''ماموں۔''

ابراہیم نے اسے اٹھا لیا۔ ''اکیلے کیوں پھر

www. ugem.com

رہے ہو؟"

"ماموں۔ ماما پلین نہیں دلا رہی ہیں۔" وہ بسورا۔

"تو کیا اب یہ شیر کا بچہ اتنی سی بات پر رونا شروع کردے گا؟" ابراہیم نے امل کو غیرت دلانے کی کوشش کی اور کامیاب رہا۔

پھر سامنے دیکھا ثمن سے امل کو ملوانا چاہتا تھا، مگر ثمن وہاں نہ تھی۔ ابراہیم اور امل کو باتوں میں مصروف دیکھ کر وہ وہاں سے کھسک لی تھی۔ ابراہیم کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ تھوڑی دور جا کر اس نے موبائل نکالا اور حور یہ کو کال کی۔

"ہیلو ثمن! میں بس ابھی آئی۔" وہ مصروف انداز میں بولی۔

"تم دفع ہو جاؤ۔ آئندہ کبھی مجھ سے بات مت کرنا۔ کوئی احساس ہے تمہیں؟ مجھے اکیلا چھوڑ کر تم یوں چلی گئی ہو۔ جانتی ہو نا یہ پاکستان نہیں ہے۔ اب میں ہوٹل جا رہی ہوں۔ اکیلی آنا واپس۔"

"تم نہیں جا سکتیں۔ اگر اکیلی گئیں تو خالہ تمہیں کمرے میں گھسنے نہیں دیں گی۔" وہ ہنسی۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔ میں آ رہی ہوں۔"

ثمن نے دانت پیس کر فون بند کیا۔ "دوست کے نام پر دھبہ" وہ صرف سوچ ہی سکی۔

☆☆☆

وہ سونے کے لیے لیٹی تھی۔ مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔

"میرا نام ابراہیم ہے۔" ذہن کے پردے پر اس کی شبیہہ ابھری۔

"ابراہیم۔"

وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ وہ نامحرم تھا۔ اس نے آنکھیں زور سے بند کر کے سونے کی کوشش کی اور کامیاب ہوئی۔

اگلے دن پھر یہ ہی ہوا تھا۔ سمعیہ کے ساتھ ثمن کو ہی چھوڑا گیا۔ وہ پھولے منہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھی رہی۔ وہ لوگ چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے فون پر حور یہ کی کال آئی۔

"ثمن! ماما کا موبائل اوپر رہ گیا ہے۔ وہ دے جاؤ۔ ہم نیچے کھڑے ہیں۔" ان لوگوں کے کمرے سیکنڈ فلور پر تھے۔

اس نے دیکھا۔ جانے سے پہلے خالہ جس صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں، اس پر ان کا موبائل پڑا ہوا تھا۔ وہ لے کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کا ارادہ لفٹ کے ذریعے نیچے جانے کا تھا۔ تھوڑی دیر میں لفٹ کا دروازہ کھلا۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ لفٹ کا دروازہ بند ہوا۔

"اب اسے حسن اتفاق کہوں یا میری خوش قسمتی یا پھر میرے عشق کی سچائی؟" ابراہیم کی آواز پر وہ تقریباً اچھل ہی پڑی۔ اسے تو لگا تھا کہ لفٹ میں صرف ایک کورین جوڑا ہے، مگر ایک سائیڈ پر وہ بھی کھڑا تھا۔

"کچھ لوگوں کی ناک غصے میں سرخ ہو جاتی ہے اور اس سرخ ناک کے ساتھ وہ بہت پیارے لگتے ہیں۔" اس کے انداز میں شرارت تھی۔ ثمن نے جواب نہ دیا۔ بس قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ تم فکر مت کرو۔ تمہاری ناک غصے میں سرخ نہیں لگتی، تم بغیر سرخ ناک کے ہی خوب صورت لگتی ہو۔" ثمن نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا۔

تقریباً چھ فٹ کے لگ بھگ قد تھا اس کا۔ کسرتی جسم جیسے باقاعدگی سے جم جاتا ہو۔ ڈارک گرے جینز کے ساتھ آف وائٹ ڈریس شرٹ میں ملبوس، شرٹ کی آستینیں موڑ کر رکھی تھیں۔ بائیں ہاتھ میں کافی قیمتی گھڑی، دائیں ہاتھ میں مردانہ ڈیسنٹ بریسلیٹ پہن رکھا تھا۔ دایاں ہاتھ جینز کی جیب میں تھا۔

اس کے بال شہد رنگ تھے ——— سرخ و سفید چہرہ، ہلکی بڑھی ہوئی شہد رنگ شیو ——— نیلی آنکھیں۔ وہ ایشیائی نہیں لگتا تھا، مگر بولتا اردو ہی تھا، مگر حقیقت یہ بھی تھی کہ اس کا لہجہ چغلی کھاتا

اردو صحیح نہیں تھی۔ یقیناً اس کی ماں یا باپ میں کوئی ایک انگریز تھا۔ غرض یہ کہ ابراہیم نام کا یہ اچھا خاصا گڈ لکنگ تو تھا ہی مگر لباس اور انداز اچھا خاصا پڑھا لکھا اور امیر کبیر بھی لگتا تھا۔

"آپ بہت ویل ایجوکیٹڈ اور ویل مینرڈ انسان لگتے ہیں۔" وہ سادہ سے انداز میں بولی۔ "ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔"

اب کی بار وہ صرف مسکرایا۔ ایک دلکش مسکراہٹ۔ ثمن نے غور سے اس کی ناک کو دیکھا۔ وہ بھی ناک۔

"اس قدر اہتمام کرتے ہو
دل دکھانا ثواب ہو جیسے"

ہاتھ سینے پر باندھے لفٹ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا، وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ ثمن اپنے آپ میں یوں سمٹی تھی جیسے وہ چھوٹی موٹی کا ہوا ہو۔ یہ کیسا حواسوں پر چھا جانے والا انسان تھا۔

"تمہاری بات کا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ مجھ جیسے ویل مینرڈ اور ایجوکیٹڈ انسان کو عشق کرنا زیب نہیں دیتا؟ میڈم! عشق کرنا یا نہ کرنا میرے بس میں ہوتا تو میرا دل کاسۂ عشق لے کر تمہارے دروازے پر کھڑا نہیں ہوتا۔ تمہارے حسن کو ٹھکراتا اور آگے نکل جاتا۔" عجیب سی تپش تھی اس کے الفاظ میں۔ ثمن خاموش رہی۔

اتنے میں لفٹ نیچے گئی۔ غائب دماغی سے وہ باہر نکلی۔ خالہ اور باقی سب لوگ نیچے کھڑے تھے۔ کابندہ نے موبائل اس کے ہاتھ سے لیا اور وہ لوگ چلے گئے۔ ثمن اسی غائب دماغی کے ساتھ لفٹ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ دروازہ کھلا وہ اندر داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو نیگرو لڑکیاں بھی اندر داخل ہوئیں ابراہیم اب بھی اندر تھا۔

"اندازہ نہیں تھا کہ تم پھر واپس آؤ گی۔ لگتا ہے اس ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔" وہ بولا تھا۔ ثمن نے اس کی طرف دیکھا۔

"عشق حواسوں میں رہنے ہی نہیں دیتا۔ مجھے اندازہ ہے۔" وہ ویسے ہی سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

"میرے عشق کی آگ تمہیں بھی جلائے گی یہ یاد رکھنا۔" اس کا لہجہ بہت گہرا تھا۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے لاتعلقی سے کہا۔

"شادی کے بعد کر لینا۔ کوئی جلدی نہیں۔"

"واٹ؟" اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ "کس کی شادی کے بعد؟"

"ہماری شادی کے بعد۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"دیکھو ثمن۔ میں نے سوچا تھا تمہیں کسی گارڈن میں لے جاؤں، پھولوں کے درمیان اپنے گھٹنوں پر بیٹھ کر، رنگ دے کر یہ کہوں مگر..... سمجھ چکا ہوں کہ بہت سینسٹیو ہو تم۔ بہت احتیاط پسند۔ پتا نہیں اپنے گھر والوں سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟ اس لیے بہت سمپل طریقے سے اور سمپل الفاظ میں پوچھ رہا ہوں۔ ثمن مجھ سے شادی کرو گی؟"

ثمن کو لگا اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا ہو۔ "کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"دیکھو ثمن! تم پریشان مت ہو۔ میری بہن تمہارے پیرنٹس سے بات کرے گی۔ میں جانتا ہوں تمہارے پیرنٹس یہاں موجود ہیں۔ میری بہن ان سے ہماری شادی کی بات کرے گی۔"

"خدا کے لیے!" ثمن نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے اس کے سامنے۔ اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئی تھیں۔ "خدا کے لیے ایسا مت کیجیے گا۔" نیگرو لڑکیاں زبان تو نہیں جانتی تھیں، مگر حیران اور پرتجسس تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

"ثمن۔ یار میں نے کہا نا کہ تم پر کوئی بات نہیں آئے گی۔ میری بہن کہے گی کہ تم اسے اچھی لگی ہو۔ پھر مسئلہ کیا ہے؟ دیکھو فلرٹ نہیں کر رہا۔ شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔ تم اس طرح ری ایکٹ کیوں

www.urdugem.com

کر رہی ہو۔"

ثمن کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ ابراہیم نے ان آنکھوں سے محبت کی تھی۔ عشق کیا تھا۔ وہ ان آنکھوں میں خوشی دیکھنا چاہتا تھا۔ ان آنکھوں میں آنسوؤں نے اس کے دل میں ماتم برپا کر دیا تھا۔

"ثمن۔" وہ سختی سے بولا۔ "محبت کرتا ہوں تم سے۔ سمجھ میں آیا تمہیں..... میں تمہیں....."

"اگر محبت کرتے ہیں تو محبت کا ثبوت دیں۔ کبھی میرے سامنے مت آئیں اب۔" لفٹ کا دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے وہ باہر نکلی۔ آنکھیں صاف کرتی ہوئی تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو سمعیہ کو آئینے کے سامنے کھڑے پایا۔ وہ اپنا اسکارف سیٹ کر رہی تھی۔ پھر وہ اس کے پاس آئی۔

"ثمن!"

"جی آپی۔" اس نے نظریں چرائی کہ سمعیہ رویا ہوا چہرہ نہ دیکھ لے۔

"میں باہر واک کرنے جا رہی ہوں۔ کچھ دیر میں آجاؤں گی۔"

"میں بھی چلوں اگر آپ کہیں تو؟" وہ مدہم آواز میں بولی۔ سمعیہ بغیر جواب دیے چلی گئی۔ ثمن نے بھی تکلفاً ساتھ چلنے کی آفر کی تھی۔ جانتی تھی کہ سمعیہ اسے ساتھ لے کر نہیں جائے گی۔ نہ ہی اس کا جانے کا موڈ تھا۔ اس کا موڈ سخت آف تھا۔ وہ انگلیوں پر دن گننے لگی کہ انہیں کب واپس جانا ہے۔

ثمن کی کچھ حدود تھیں۔ وہ انہیں پار نہیں کر سکتی تھی اور ابراہیم وہ ساحر تھا جو پتھر میں بھی جان ڈال سکتا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو۔ وہ سوچوں سے باہر نکلی۔ سمعیہ آپی شاید واپس آ گئی تھیں۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔

"او میرے خدا۔" ثمن نے زور سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔ ابراہیم نے ہلکا سا دھکا دیا۔ ثمن جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔ ابراہیم اندر داخل ہوا۔

"تم ٹھیک ہو۔" وہ اس کی طرف آیا۔

وہ سیدھی کھڑی ہوئی۔ "آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ ایک لڑکی کے کمرے میں چلے آئے؟ کبھی نہیں سوچا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو اس لڑکی کی کیا وقعت رہ جائے گی؟ میرے گھر والے آ گئے تو وہ کیا سوچیں گے؟" وہ ساکت و جامد تھی۔

"تم اپنے گھر والوں سے اتنا کیوں ڈرتی ہو؟" وہ واقعی بات سمجھنے سے قاصر تھا۔

"آپ مجھے جج کر رہے ہیں کہ کیوں ڈرتی ہوں؟"

"میں صرف تمہارے انکار کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے کہ مشرقی لڑکیاں شرمیلی ہوتی ہیں، تم نے صاف انکار کیا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ مجھ میں کوئی ایسی برائی یا خامی ہے کہ کوئی لڑکی مجھے اس طرح انکار کرے اور اگر انکار کرتی ہے تو میں وجہ جاننے کا حق تو رکھتا ہوں نا۔" بہت نرم لہجہ تھا اس کا۔ نرم پتوں پر گرتی شبنم جیسا۔ زخموں پر رکھے مرہم جیسا۔

"آپ وجہ جاننے کے لیے کسی دوسرے انسان کو ہرٹ کر سکتے ہیں؟ اسے پریشان کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں؟ تو کیا یہ خود غرضی نہیں کہلائے گی؟"

"فائن۔ میں چلا جاتا ہوں تو تم مجھے کیسے بتاؤ گی؟"

"کل ہم شاپنگ کرنے جائیں گے، میں اور میری کزن، تو ویسے ہی بات کریں گے جیسے پہلے کی تھی ایک دن۔ اب آپ جائیے۔ میری بھی آجائے گی۔" انداز میں جیسے التجا تھی ایک۔ ابراہیم فوراً مڑ کر چلا گیا۔ اس نے جلدی سے دروازہ مقفل کیا اور صوفے پر گر گئی۔

☆☆☆

یہ شام کا وقت تھا۔ سب لوگ عظمیٰ آنٹی کے گھر سے واپس آ گئے تھے۔ وہ لوگ عظمیٰ آنٹی کے گھر ڈنر کر کے آئے تھے۔ اس وقت اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ حوریہ ثمن کے پاس آ بیٹھی۔

"ثمن! تم جانتی ہو کہ عظمیٰ آنٹی نے پروگرام ایک ساتھ آؤٹنگ کا پلان بنایا ہے۔"

"اچھا۔" وہ مدہم لہجے میں بولی۔ آواز اتنی تھی کہ حوریہ سن لیتی۔

"تم چلو گی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، سمعیہ آپی کے پاس کون رہے گا۔" اس نے بالوں میں ہاتھ چلائے۔

"ان کے ساتھ میں رہ جاؤں گی۔ تم چلی جاؤ۔" حوریہ بولی۔

ثمن کو حیرت نہ ہوئی۔ "تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟"

"بڑی چالاک ہو تم۔" حوریہ ہنسی۔ "سب پہلے ہی سمجھ میں آ جاتا ہے تمہیں۔"

"اس کو چالاکی نہیں کہتے ایکسپیرینس کہتے ہیں۔" اس نے اپنا سر دبایا جیسے سر میں درد ہو۔ "خیر تم کام بتاؤ۔"

"کل میرے ساتھ شاپنگ پہ چلو گی؟ یار! میں سب کے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔ یہ لوگ بور کرتے ہیں۔" وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ حوریہ کو کیسے کہے۔ حوریہ نے اس کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تھینک یو۔" وہ بیٹھے بیٹھے خوشی سے اس کے گلے لگ گئی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ لوگ مال گئے اور پھر وہی ہوا۔ حوریہ غائب ہو گئی اور وہ پتا نہیں کہاں سے نمودار ہو کر اس کے سامنے آ موجود ہوا۔

"آپ نمودار کہاں سے ہوتے ہیں میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ کوشش کے باوجود لہجہ سخت نہ کر پائی۔

بادشاہ تھے ہم اپنے مزاج مستی کے
کم بخت عشق نے تیرے دیدار کا فقیر بنا دیا

ابراہیم کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

ثمن نے نظریں چرائیں۔

"تم مجھے وہ بتاؤ۔ جو میں نے کل پوچھا تھا۔ انکار کی وجہ؟"

"میں..... انگیجڈ ہوں۔"

"چلو!" ابراہیم غصے سے بولا۔ "اب ایسا کرو۔ انکار کی وجہ چھوڑ کر جھوٹ بولنے کی وجہ بتا دو۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ میری منگنی ہو چکی ہے چار مہینے پہلے۔"

ابراہیم کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔ "انگوٹھی کہاں ہے منگنی کی؟" ثمن نے کوئی انگوٹھی نہ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ خالی تھے۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ ساؤتھ افریقہ کے رہائشی ہیں۔ وہاں لوگ اہتمام سے انگوٹھیاں پہنتے ہوں گے۔ پاکستان میں تو شادی کے بعد بھی انگوٹھی پہننا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔" ابراہیم کو لگا تھا زمین آسمان گھوم گئے ہیں۔

"میں نہیں مانتا۔" اس نے بالوں میں ہاتھ پھنسائے۔ ثمن نے اپنا موبائل نکالا۔ اس میں سے تصاویر نکالیں۔

"یہ دیکھیں!" اس کی منگنی کی تصاویر تھیں۔ سی گرین فراک میں ملبوس، دلہن بنی وہ۔ ساتھ میں ایک مرد نما لڑکا۔ خوبرو تھا۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ، سنجیدہ سا وہ مرد کافی خوش لگ رہا تھا۔ ہلکی مسکراہٹ ثمن کے ہونٹوں پر بھی تھی۔

"حاشر زمان نام ہے ان کا۔" ابراہیم کے سر پر جیسے آسمان آ گرا۔

"میں نہیں مانتا ثمن۔ میں نہیں مانتا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ کیسی آواز تھی یہ اس کی؟ ثمن کو اس کی موجودگی، اس کی آواز، اس کی آنکھوں سے عجیب آگ، عجیب سی تپش محسوس ہوئی۔ کیسی آگ لگ گئی تھی اس کے اندر۔ ثمن کو دکھ بھی ہوا اور شرمندگی بھی۔

"کسی بات کا، کسی چیز کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے ابراہیم صاحب، آپ چلے جائیں۔ ہمیں بات کرتے ہوئے میری کزن نے دیکھ لیا تو اپنی مرضی کے مطلب نکالے گی۔"

www.pdfbooksfree.pk

"تم بس ہر وقت......" ابراہیم کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ واقعی کیا فائدہ تھا۔

"آپ......اب مجھ سے......بات......"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

وہ جاتے جاتے پلٹا تھا۔ "ابراہیم...... کسی دوسرے کی ملکیت پر نظر تک نہیں ڈالتا۔ ہاتھ ڈالنا تو بہت دور کی بات ہے۔ تم سے بات کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہا۔ میں دعا کروں گا تم ہمیشہ خوش رہو۔ حاشر زمان کے ساتھ ہی سہی۔ تم بھی...... کبھی کبھی میرے لیے دعا کرنا۔ عشق کی آگ میں اکیلے جلنا میرا مقدر ہے تو...... میں جلوں گا اکیلے۔ تم سے کوئی گلہ نہیں۔ کیونکہ تم بے وفا نہیں ہو۔ جان ابراہیم! تم نے وفا کا وعدہ ہی کب کیا تھا۔" وہ کہہ کر چلا گیا۔ ثمن بھیگی آنکھوں کے ساتھ کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ایک عورت اگر تصوراتی دنیا بسا لیتی ہے تو اپنی محبت کو پانے کے خواب مرد بھی دیکھتا ہے۔ مرد محبت کرنے میں عورت سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ ایک آفاقی سچ ہے کہ مرد محبت کرنے اور عورت محبت پانے کی فطرت لے کر پیدا ہوئی ہے۔ محبت میں ناکامی مرد کو اسی لیے زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ بشرطیکہ محبت سچی ہو۔ جس محبت میں کھوٹ ہو۔ وہ محبت نہیں ہوتی۔

وہ اندھیرا کیے پڑا تھا۔ عائزہ کمرے میں آئی اور بتی جلائی۔

"خور (آپا) لائٹ آف کر دیں۔" وہ ایسے لہجے میں بولا جیسے سو رہا ہو۔ عائزہ ٹھٹکی اِس انداز میں وہ عام طور پر بات نہیں کرتا تھا۔

"ابراہیم......! ٹھیک ہو نا؟" وہ بیڈ کے قریب آئی اور پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ ابراہیم کچھ عرصہ قبل بہت مشکل وقت سے گزرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی۔ عالیہ نے کمرے کے دروازہ کو کھٹکھٹایا اور اندر آ گئی۔

"مام!" وہ ماں سے بولی۔ "کیا آپ کو لگتا ہے کہ ڈیڈی، پما کا صحیح سے خیال رکھ پاتے ہوں گے؟"

پما، عالیہ کی بلی کا نام تھا۔

"مام! ہم واپس کب جائیں گے؟"

"ارے؟ ماموں اور بھائی کے ساتھ چھٹیاں انجوائے نہیں کرنی؟" عائزہ حیران تو ہوئی۔

"لگتا ہے ہم یہاں بور ہو رہے ہیں۔ کہیں اور چلتے ہیں۔" ابراہیم نے کہا۔

"میں پما کو مس کر رہی ہوں۔" عالیہ بسوری۔

"تو ڈیڈی کو کال کر کے پوچھ لو کہ وہ کیسی ہے بلکہ اسکائپ پر دیکھ بھی لو۔" تھوڑے پس و پیش کے بعد وہ مان گئی۔

"ماموں اب ہم یہاں سے کہاں جائیں گے؟" وہ ابراہیم کے پاس بستر میں گھس گئی۔

"جہاں میری پرنسس کہے گی۔"

عالیہ جگہوں کے آئیڈیاز دینے لگی تھی۔ عائزہ ان دونوں کو دیکھ کر آسودگی سے مسکرائی، مگر ابراہیم کے چہرے سے لگ رہا تھا۔ وہ ڈسٹرب ہے۔ عائزہ نے زیادہ دور کا نہ سوچا تھا کہ اسے یہ ہی لگا تھا کہ ابراہیم ابھی تک بوشان اور بچے والی بات نہیں بھولا۔

"ابراہیم! کافی پیو گے؟" اس نے پوچھا۔

"جی آپا۔ میں بس فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ اٹھ گیا۔ عائزہ اور عالیہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

ابراہیم نے درحقیقت سکھ کا سانس لیا تھا۔ وہ اب یہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ حوریہ کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوئی تھی۔ جب اس نے دیکھا۔ استقبالیے پر ابراہیم، عائزہ اور بچے کھڑے تھے۔ ابراہیم چابی واپس دیتے ہوئے بل وغیرہ ادا کر رہا تھا۔ ان کا سامان بھی وہیں تھا۔ یعنی یہ لوگ جا رہے تھے۔ ابراہیم نے اس کی طرف یوں دیکھا۔ جیسے اس کے آنے کی خبر ہو گئی ہو۔ پھر فوراً نظر پھیر لی۔

"اوہ...... کیا یہ فیملی جا رہی ہے؟ اوہو۔ ابھی تو مجھے اس پرنس چارمنگ کو امپریس کرنا تھا۔" حوریہ کو اپنے دکھ لاحق ہو گئے۔ ثمن کو کوفت ہوئی۔ اس نے

ہنس دیا۔

"ہاں۔ تمہیں کیوں فکر ہوگی میری؟ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور اب سمعیہ آپی کی بھی ہو رہی ہے۔ رہ تو میں گئی نا۔" وہ دکھی انداز میں بولی۔

"یار اب برا نہیں ماننا، مگر تمہیں اپنی شاپنگ اور لُک سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ تم کسی کو امپریس نہیں کر سکتیں۔ تم سے اتنی دفعہ کہا تھا کہ سمعیہ آپی کے ساتھ رہ جاؤ۔ پتا ہے یہ ہمیں یہاں اکثر ہی نظر آتا تھا۔ تم امپریس کر لیتیں، مگر نہیں...... اور جاؤ عظمیٰ آپی کے گھر۔" ثمن بھڑاس نکالنے کے لیے بولی۔ وہ دونوں لفٹ کی طرف چلی گئی تھیں۔

لاشعوری طور پر ثمن نے مڑ کر دیکھا تھا استقبالیے کی طرف۔ وہ لوگ جا چکے تھے۔ اسے کچھ خالی پن محسوس ہوا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو ملامت کی۔ ابراہیم جان گیا تھا کہ وہ کسی اور کی ملکیت ہے تو وہ خود کیسے بار بار بھول جاتی ہے۔

حوریہ نے پہلے تو اسے غصے سے دیکھا۔ پھر غصے کی جگہ افسردگی نے لے لی۔ "یار! تم ٹھیک کہتی ہو۔ اتنا اچھا بندہ ہاتھ سے گنوایا۔ پتا ہے، یہ کوئی کرسچن وغیرہ بھی نہیں تھا۔ مسلمان تھا۔ اب یہ نہ کہنا حوریہ تمہیں کیسے پتا۔ کیونکہ اس کا نام ابراہیم ہے، ورنہ لگتا انگریز تھا نا۔" وہ بولے جا رہی تھی۔

ثمن سن نہیں رہی تھی۔ وہ سخت بددل تھی۔ گھر والے آخر اسے یہاں لائے ہی کیوں تھے؟ صرف سمعیہ کے ساتھ اسے چھوڑنے کے لیے؟ الٹا عجیب دکھ اور افسوس دل کو لگا کہ وہ جا رہی تھی۔ بات یہ نہ تھی کہ اسے ابراہیم کے لیے افسوس تھا۔ وہ بے حد خوب صورت تھی اور اپنی خوب صورتی سے آگاہ تھی۔ اکثر یونیورسٹی میں ایسا ہو جاتا تھا کہ کوئی لڑکا فری ہونے کی کوشش کرتا۔ وہ بالکل لفٹ نہ کرواتی۔ نہ اسے کوئی افسوس ہوتا۔ حاشر زمان نے بھی تو فری ہونے کی کوشش کی تھی، مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا تھا۔ پھر اس نے رشتہ ان کے گھر بھجوایا تھا۔ او میرے خدا!! ثمن کو وہ دن نہ بھولتا تھا۔ گھر میں جو ہنگامے ہوئے تھے۔ خالہ نے مزے لے لے کر اس کو ستایا تھا۔ اس پر الزامات کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔

"سمعیہ بڑی تھی، مگر اس نے کبھی کوئی افیئر نہ چلایا تھا اور ثمن نے یونیورسٹی جاتے ہی گل کھلا دیا۔"

خالہ نے یہ جملہ کوئی ایک ہزار سے زیادہ دفعہ بولا۔ ہر دفعہ یہ جملہ طاہر بھائی اور اطہر کو اور مشتعل کرتا۔ پاپا غصے میں بھی آتے شرمندہ بھی ہوتے۔ ماما الگ شرمندہ ہوتیں۔ بہن کو روکنا مشکل تھا۔ ثمن خود تو تھی ہی نقار خانے کی طوطی۔ اس کی کمزور سی ٹیں ٹیں کوئی نہیں سن رہا تھا۔ اوپر سے حاشر اور اس کی فیملی۔ ہر دوسرے دن یا تو خود آ جاتے یا کالز پر کالز کرتے اور ان کا یہ کام راکھ میں دبی چنگاری کو ہوا دیتا۔ خالہ معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتیں۔ جملے کستیں۔ ثمن شرمندہ بھی ہوتی اور اسے نہ صرف خالہ پر بلکہ ہانی اور حاشر کی فیملی پر بھی غصہ آتا۔

اس رشتے کے آنے میں حقیقت تو صرف یہ تھی کہ یونیورسٹی میں کسی فن فیئر ٹائپ چیز کو سیلیبریٹ کیا گیا تھا۔ یہ سب لوگ تیار ہو گئے تھے۔ ثمن کی شامت، اس دن اس کی دوست ہانیہ عرف ہانی کی وین نہ آئی۔ جس کی وجہ سے اس کے پاپا اس کو یونیورسٹی چھوڑ کر گئے اور بھائی لینے آیا۔

"تو تم آج آف کر لیتیں۔ میں بھی آف کر لیتی۔ آرام سے گھر بیٹھتے۔" ثمن کا مشورہ ہانی کو ہنسا گیا۔

"یار تم تو بالکل ہی آدم بے زار ہو۔ ہم تو فن کے لیے کچھ بھی کرے گا۔ آج کے دن کوئی پاگل گھر بیٹھے گا۔"

خیر! اب ہانی کے بھائی حاشر صاحب اسے لینے آئے۔ شامت اعمال ثمن کی۔ اس پر نظر پڑ گئی حاشر صاحب کی۔ حاشر صاحب کو ثمن سے معصوم سی محبت ہو گئی۔ ثمن کے لیے گویا قیامت آ گئی۔

حاشر نے ہانی کے ہاتھ ایک دو بار ثمن کو پیغام بھجوایا اور پیغام دے کر ہانی نے ثمن سے ڈانٹ کھائی۔ ایک دن ثمن کو ان جانے نمبر سے کال آئی۔ وہ

www.urdugem.com

عام طور پر ان جانی کالز ریسیو نہ کرتی تھی۔ پھر اسے اس نمبر سے میسیج آیا۔ وہ حاشر تھا اور ثمن سے بات کرنا چاہتا تھا۔ ثمن کو بے طرح غصہ آیا۔ اس نے ہانی کو کال لی۔

"یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟ میرا نمبر دینے سے پہلے تم مجھ سے پوچھ تو لیتیں۔"

"تو کیا تم پوچھنے پر انکار کر دیتیں؟" ہانی ہنسی۔

"بالکل انکار کر دیتی۔" وہ دو ٹوک بولی۔

"مگر کیوں؟" ہانی حیران ہوئی۔

"کیوں؟" ثمن اس کی حیرت پر حیران ہوئی۔ "تمہارے بھائی میرے لیے ایک غیر مرد ہیں۔ میں ان کو اپنا نمبر تمہیں کیوں دینے دیتی؟"

"ہاں یہ تو ہے۔" ہانی کو اب احساس ہوا۔ پھر وہ لوگ رشتہ لے کر آ گئے۔ حاشر زمان ڈاکٹر تھا۔ اس کا اپنا کلینک تھا اور وہ سرجن بن رہا تھا۔ شہر کے بہترین علاقے میں ان لوگوں کا گھر تھا۔ اسی علاقے میں ایک اور الگ گھر تھا جو صرف حاشر کا تھا۔ گاڑی، بینک بیلنس، غرض یہ کہ وہ لوگ اچھے خاصے کھاتے، پیتے لوگ تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ثمن چھوٹی تھی اور سمعیہ کا رشتہ پہلے کیا جانا تھا۔ اس لیے حاشر لوگوں کو انکار کر دیا گیا۔ مگر وہ لوگ روز آ دھمکتے۔ خالہ ہنستی تھیں۔ باتیں سناتی تھیں۔ افیئر کا طعنہ دیتی تھیں۔ غرض یہ کہ ثمن پر اس بات کا ٹھپہ لگ گیا کہ اس کی لو میرج ہو رہی ہے۔

آخر ماما نے ہی پاپا اور طاہر بھائی کو منایا۔ سمعیہ آپی کا رشتہ تو پہلے ہی سے دیکھا جا رہا تھا اور پوری امید بھی تھی کہ عظمیٰ آنٹی کے بیٹے سے ہونا ہے۔ پھر ثمن کے یہاں رشتے پر اعتراض یا انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ دونوں بیٹیوں کی ایک ساتھ شادی کا فیصلہ کیا گیا۔ حاشر کی فیملی جلد منگنی چاہتی تھی۔ شادی ثمن کے پیرنٹس کی مرضی سے ہوئی۔

قصہ مختصر...... ثمن کی منگنی حاشر سے ہو گئی۔ وہ دن ثمن کے لیے بہت مشکل تھے۔ خالہ اسے جہاں دیکھتیں، عشقیہ گیت معنی خیز انداز میں گانے لگتیں۔ طاہر بھائی گھورتے رہتے۔ پاپا خفا رہتے۔ ثمن چھپ چھپ کر روتی۔ وہ جانتی تھی کہ ظاہری طور پر روشن خیال ان کی فیملی درحقیقت بہت دقیانوسی تھی۔ سمعیہ نے پھر بھی گھر والوں کا کچھ پیار سمیٹا تھا۔ اس کی خالہ کے ساتھ بھی بنتی تھی، مگر ثمن کے ساتھ......

ثمن نے ہمیشہ کوشش کی تھی کہ اس کی ذات سے ماما، پاپا کبھی دکھی نہیں ہوں...... مگر...... اس کی کوشش ہرگز کامیاب نہ ہوئی تھی۔ رشتہ آنا اتنی بڑی بات نہ تھی۔ مگر کاش اس کی دوست کے بھائی کا نہ آتا۔ ماما پاپا کے جاننے والوں میں سے آ جاتا تو اتنی باتیں نہ سننی پڑتیں۔ منگنی پر پھپھو اور ان کی فیملی آئی، تو ان کو واضح طور پر بتایا گیا کہ یہ ثمن کی لو میرج ہے۔ پھپھو نے نہیں پوچھا۔ ثمن سے کہ یہ بات سچ ہے کہ نہیں۔ بس واویلا مچا دیا۔ ثمن نے ڈر کر دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ لیے اور کمرے میں بھاگ گئی۔

☆☆☆

وہ لوگ پاکستان واپس آ گئے۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔ عظمیٰ آنٹی لوگ ہر لحاظ سے سمعیہ کے رشتے کے لیے بہترین تھے۔ اب انہیں کال کر کے اطلاع دینی تھی۔ ثمن کا موبائل بجا تھا۔ اس نے دیکھا۔ "ہانیہ...... کالنگ۔" ثمن نے گھبرا کر جلدی سے موبائل اٹھایا۔ یہ دراصل حاشر کی کال تھی۔ حاشر کا نمبر اس نے یوں محفوظ کیا تھا کہ ہانیہ نام لکھ کر آگے تین نقطے ڈالے ہوئے تھے۔

"ہیلو! السلام علیکم!" وہ حتی الامکان دھیمی آواز میں بولی۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو؟" حاشر مسکراتی آواز میں بولا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

"فٹ...... ویلکم بیک، فن کیا دبئی میں؟" ثمن کی جان جیسے کانپ سی گئی۔ ایک لمحے کو تصور میں نیلی آنکھیں آ گئی تھیں۔ جو بے اعتباری تھیں۔

"اچھا ٹرپ تھا۔"

"کب کر رہے ہیں تمہارے پیرنٹس تمہاری سسٹر کی شادی تاکہ پھر ہماری بھی باری آئے۔"

"تقریباً چھ مہینے تک۔"

"اف یار ابھی بھی چھ مہینے لگیں گے؟" حاشر بیزار ہوا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

"میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔ ملو مجھ سے نا۔" ثمن جانتی تھی کہ یہ فرمائش ضرور ہو گی۔ وہ تنگ آ جاتی تھی اس بات سے اور حاشر بار بار یہ ہی کرتا تھا۔

"حاشر...... طاہر بھائی اور اطہر سارا دن باہر ہوتے ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھ لیا آپ کو پتا ہے نا۔ پہلے ہی ہم پر لو میرج کا الزام ہے۔"

"حالانکہ میرج کہاں ہوئی ہے ابھی۔" حاشر نے اس کی بات کاٹی۔

"جی...... مگر ان شاء اللہ ہو جائے گی نا۔ ہم تب ملا کریں گے۔"

"یار تب تو سب کچھ انڈر اسٹوڈ اور واضح ہوگا۔ چارم اور ایکسائٹمنٹ ابھی ملنے میں ہے، وہ شادی کے بعد کہاں ہوگا؟"

"حاشر مجھے اس ایکسائٹمنٹ کی سزا بہت بڑی ملے گی۔"

"یہ صرف تمہارا وہم ہے۔"

"مجھے اپنی فیملی سے ڈر لگتا ہے۔ میں آپ سے نہیں مل سکتی۔"

"تمہیں میں کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں مس کر رہا ہوں۔ اچھا ہمارے گھر آ جاؤ۔" ثمن کا دل چاہا کہ ان کے اس آئیڈیے پر اپنا سر پیٹ لے۔

"حاشر! آپ کا گھر میرا سسرال ہے۔ میں وہاں کیسے آ سکتی ہوں شادی سے پہلے؟"

"تو بس، پھر ایک بات سن لو، مجھے تم سے ملنا ہے کہاں اور کیسے؟ یہ تم سوچو اور مجھے کل تک بتاؤ، خدا حافظ۔" ثمن اپنا موبائل ہاتھ میں پکڑے رہ گئی۔

☆☆☆

وہ لوگ ساؤتھ افریقہ واپس آ گئے تھے۔ بچوں نے خاص طور پر ماموں کا شکریہ ادا کیا۔ عائزہ اور بلال نے بھی اس کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کافی ساری تفریح کی تھی۔

"ابراہیم! اس قدر خاموش کیوں ہو؟ میں جانتی ہوں جو تمہارے ساتھ بوشان نے کیا ہے۔ مگر اپنے آپ کو زندگی کی طرف لاؤ ابراہیم۔ میں جانتی ہوں۔ ابھی تو تم شادی کے لیے بھی نہیں مانو گے۔ مگر...... یہ دھیان میں رکھنا کہ تمہاری یہ خاموشی تمہاری بہن کو بہت تکلیف دیتی ہے۔"

"آپا! آپ فکر نہ کریں۔ یہاں آیا ہوں تو سب کچھ یاد آ گیا ہے۔ بہت جلد سنبھل جاؤں گا ان شاء اللہ۔"

"ان شاء اللہ، میں دعا کروں گی۔"

وہ عائزہ کے گھر سے واپس آیا تھا۔ گھر میں داخل ہو کر تنہائی اور خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

"کاش...... اس کی کوئی تصویر ہی ہوتی میرے پاس۔" اس خواہش کو دل میں دہرائے ہوئے وہ بھول گیا تھا کہ وہ دوسروں کی ملکیت پر نظر نہیں ڈالتا تھا۔ عشق کی گہری چوٹوں نے یہ بات بھلا دی تھی اسے۔

☆☆☆

"کیا سوچا تم نے؟" حاشر نے اس سے پوچھا تھا۔

"کس بارے میں؟" ثمن نے بھول جانے کی اداکاری کی۔

"ہمارے ملنے کے بارے میں یار۔" وہ زچ ہوا اور درحقیقت اس سے زیادہ ثمن زچ ہوئی، ایک ہی بات۔

"حاشر یہ ممکن نہیں نا۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"تو ہیل وڈ ممکن۔ تم خود ہی نہیں چاہتیں۔" اس نے غصہ دکھایا۔ "یار تم خود سوچو کہ ہمیں ملے کتنے دن ہو گئے ہیں؟ میں نے تمہیں ایک عرصے سے نہیں دیکھا۔ کبھی ایک دفعہ بھی تم اکیلے میں نہیں ملیں مجھ سے۔ سب کے سامنے ملتی ہو، ایک جھلک دکھا کر

www.urdugem.com

غائب ہوجاتی ہو۔ یار میں! مس کرتا ہوں تمہیں۔'' حاشر کی بے تابیاں واضح تھیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے۔ مگر..... آپ میری پرابلم سمجھتے ہیں نا؟'' وہ مدھم آواز میں بولی۔

''نہیں، میں کچھ نہیں سمجھتا۔'' وہ ضدی انداز میں بولا۔

''اگر آپ گھر آئے تو..... طاہر بھائی..... اور خالہ آگئیں تو..... مجھے بہت دن تک وہ طعنے دیں گی۔''

''یار تو' میں تمہارے گھر آنے کی بات کب کر رہا ہوں؟ کہیں باہر ملتے ہیں۔''

''یہ تو بالکل ممکن نہیں۔''

''کیوں ممکن نہیں؟'' وہ خفا ہونے لگا۔

''اس طرح میری پرابلمز میں اضافہ ہوگا۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں؟'' کبھی کبھی حاشر بالکل بچوں کی طرح ضد کرنے لگتا تھا۔

''تم ہمیشہ صرف اپنا سوچتی ہو۔ کبھی میرے بارے میں نہیں سوچتیں۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ رشتہ ہی یک طرفہ ہے۔''

''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟'' وہ روہانسی ہوگئی۔

حاشر نے فون بند کردیا۔ ثمن ہاتھ میں موبائل پکڑے رہ گئی۔ بعض اوقات حاشر ایسی حرکت کر جاتا تھا کہ وہ پاتال میں گرنے لگتی تھی۔ الفاظ سے اسے بلیک میل کرتا۔ رویّے سے ہرٹ کرتا۔ یہ سب کیا تھا؟ وہ پچھلے تقریباً ایک سال سے اس سے باہر ملنے کو کہہ رہا تھا اور وہ انکار کر رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ ہفتوں خفا رہتا، ناراض رہتا، وہ بری طرح ہرٹ ہوتی۔ اگر جیون ساتھی اس کے مسائل کو نہ سمجھے گا تو کون سمجھے گا؟

☆☆☆

سمعیہ کا رشتہ فائق کے ساتھ طے پا گیا تھا۔ وہ یونی ورسٹی مٹھائی لے کر گئی۔ افشین بہت خوش ہوئی۔

''ہمیں صرف مٹھائی پر نہیں ٹرخاؤ گی تم۔ ٹریٹ بھی چاہیے۔'' افشین مٹھائی کھاتے ہوئے بولی۔ ''مٹھائی تو تمہارے لیے لائی ہوں۔ جانتی ہوں تمہیں پ ہے۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''ہانی تم بھی تو کھاؤ۔'' اس نے ہانی سے کہا ہانی کچھ خفا سی تھی۔

''ہانی تمہیں کیا ہوا ہے؟'' افشین نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، مجھے مغرور لوگوں سے ٹریٹ نہ لینی۔'' ہانی اٹھ کر چلی گئی۔ ثمن کا دل برا ہوا۔ حاشر کو ضرورت تھی ان دونوں میں ہونے والی بحث بارے میں ہانی کو بتانے کی۔ اس نے یہ بات حا سے کی۔ حاشر الٹا خفا ہونے لگا۔

''میرے لیے سب سے امپورٹنٹ میری ما اور بہن ہیں۔''

''بالکل ہونی بھی چاہئیں۔ مگر کچھ ایسی باتیں ہیں جو میری اور آپ کی ہیں۔ جس کو عام الفاظ میں پرائیویسی کہا جاتا ہے۔ وہ نند کو کیوں معلوم ہو چاہئیں؟ کیا شادی کے بعد بھی ہماری باتیں ماما ہانی کو پتا ہوں گی؟''

''تو ایسا کریں گے۔ شادی کے بعد ماما اور ہا کو گھر سے باہر نکال دیں گے۔ کیا خیال ہے؟'' طنزیہ انداز میں بولا۔

''واٹ؟'' یا تو وہ غلط تھی یا حاشر نہ سمجھ رہا تھا بس وہ بہت بولا۔ بہت زیادہ بولا۔ وہ چپ کر کے سنتی رہی۔

☆☆☆

وہ اپنے گھر کے قریبی پارک میں بیٹھا ہوا تھا عشاء کی اذان ہونے والی تھی۔ وہ بینچ پر بیٹھا ہوا تھا سامنے آسمان پر چودھویں کا چاند تھا۔ وہ اس چا میں اپنے محبوب کی شبیہہ دیکھتے ہوئے محو گفتگو تھا

''بہت اچھی لگتی ہوں تمہیں؟'' شبیہہ نے ہنس پوچھا تھا۔ ''کبھی ہمارے دل میں آؤ، ہماری محبت حد دیکھو۔ واپسی کا فیصلہ ہم تم پر چھوڑ دیں گے۔''

''کیوں اچھی لگتی ہوں؟'' وہ ہنسی' اب کی ابراہیم بھی ہنسا۔

''وجہ پوچھو گی تو عمر گزر جائے گی۔''

کہانا اچھی لگتی ہو تو بس لگتی ہو۔''

نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر وہ ہنسی تھی۔ شرمیلی

''مختصر یہ کہ اچھی لگتی ہو۔

طویل یہ کہ تمہاری چاہت کی داستان بھی

زوال یہ کہ تم دور ہو۔

''کمال یہ کہ ہم جی رہے ہیں۔''

ابراہیم جانتا تھا کہ اسے اب ایسے ہی زندگی گزارنی تھی اور اسے کوئی افسوس نہ تھا۔ ثمن کی یادیں تھیں۔ وہ بس دعا کرتا تھا۔ وہ جنت میں اسے مل جائے۔ عشاء کی اذان ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

اس عید پر ثمن کی منگنی کو پورا سال اور سمعیہ کی کو دو مہینے ہو گئے تھے۔

''رخسی!'' پاپا نے ماما کو پکارا تھا۔

''جی! آجائیے کھانا لگ گیا ہے۔''

''گیراج میں بلیک کرولا کس کی کھڑی ہے؟''

''میری ہے پاپا۔'' طاہر بھی ڈائننگ روم میں

''زیرو میٹر لگتی ہے۔'' وہ اپنی مخصوص نشست پر

''بالکل زیرو میٹر ہے۔'' ایک سرخوشی سی تھی اس ہر انداز میں۔ وہ پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔

''اتنے پیسے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟''

''آپ چیک کر لیجیے گا۔ آپ کے چوری نہیں ہے۔ بلکہ آس پاس کے تھانوں سے بھی معلوم لیجیے گا۔ کہیں کوئی چوری نہیں ہوئی۔'' وہ ہنس کر

''طاہر۔'' ماما نے سرزنش کی۔

''سوری گائز..... ایکچولی..... میں اور میرا ایک بزنس شروع کر رہے ہیں۔ ایک شوروم بنا ہیں۔ انویسٹ وہ کرے گا۔ محنت ہم دونوں۔ ایڈوانس ملا تھا، تو گاڑی لے لی۔ پاپا کیسی ہے گاڑی؟''

فاروق اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔ جا کر طاہر کو اٹھا کر گلے سے لگایا۔ ''مجھے تم پر فخر ہے میرے بیٹے۔''

اطہر بھی بھائی سے گلے ملا۔ ثمن اور سمعیہ نے بھی مبارک باد دی۔ اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا۔

☆☆☆

ایک اچھی خاصی مشہور بوتیک کا پچھلا حصہ تھا۔ یہ کار پارکنگ کے قریب جہاں یہ دو چپڑاسی بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں ہی بے حد غصے میں تھے، کیوں کہ دونوں نے ابھی ابھی مینیجر سے ڈانٹ کھائی تھی۔ ڈانٹ کیا' جی بھر کر بے عزتی کی تھی مینیجر نے اور اب یہ دونوں پارکنگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ دو اسٹول لے کر۔ مکتب خان زیادہ غصے میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی بے عزتی ناحق ہوئی ہے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی استعفیٰ اس گنجے مینیجر کے منہ پر مار کر آئے۔ مگر اچھی خاصی نوکری چلی جاتی۔ یہ نوکری اس کے مطلب کی تو نہ تھی، مگر نہ ہونے سے تو بہتر تھی۔ یوں بھی اپنے تئیں وہ ایک مکمل انسان تھا۔ مڈل پاس کر لیتا اگر ماسٹر دو نمبر انگریزی میں نہ کاٹ لیتا تو..... باقی مضمونوں میں پاس ہو جانا اس کے لیے بی ایچ ڈی کی ڈگری کے جیسا تھا۔ بائیس تیئس سالہ مکتب خان اپنے لباس، ہیئر اسٹائل اور اپنی پشاوری ٹوپی کا بے حد دھیان رکھتا۔ ہر وقت لش پش' عطر میں ڈوبا رہتا۔ اس کی تیکھی آنکھیں ہر وقت اسی تاک میں رہتیں کہ امیر اور مال دار ہونے کا کوئی ایک موقع ملے تو وہ موقع پر چوکا دے مارے۔ اپنی غیر معمولی ذہانت اور مڈل تعلیم کے ساتھ اس کے لیے ایک بوتیک میں پیون کا کام کرنا بہت مشکل تو تھا، مگر وہ کیا کرتا؟ اور کہیں نوکری نہیں مل رہی تھی۔ اوپر سے یہ گنجا مینیجر اسی بات کا فائدہ اٹھاتا تھا۔ خواہ مخواہ ڈانٹتا تھا۔ ڈانٹ تو درصل اس کو پڑنی چاہیے تھی۔ اس نے تیکھی نظر سے دوسرے چپڑاسی کو یوں دیکھا جیسے اعلا نسل کا گھوڑا کسی بیمار گدھے کو دیکھتا ہو۔ دوسرا چپڑاسی واقعی

www.pugem.com

کسی بیمار گدھے جیسا ہی دکھائی دیتا تھا۔ ہٹا کٹا، اتنی بڑی توند۔ کپڑوں کا خدا جانے رنگ ہی ایسا تھا یا گندے ہی رہتے تھے کپڑے۔ تیل میں چپڑے بال، گریبان کے بٹن کھلے ہوئے۔ وہ اس قدر نسوار کھاتا تھا کہ آس پاس کے لوگ اس کا اصل نام بھول کر اسے نسوار خان کہنے لگے تھے۔ وہ کہنے کو چپڑاسی تھا، مگر دراصل وہ بوتیک میں صفائی کا کام کرتا تھا۔ وہ بھی اس وقت ڈانٹ کھا کر چلا بیٹھا تھا۔

''یہ منیجر ام کو اتنا ہلکا نہ لے۔ یہ ابی ام کو جانتی نہیں ہے۔'' نسوار خان بولا تھا۔ مکتب خان نے اس کے نسوار زدہ دانت دیکھ کر منہ بنایا۔

''تمہارے ساتھ جان پہچان کر کے وہ کرے گا بھی کیا؟'' مکتب خان کی اردو نسوار خان کی اردو سے بہتر تھی۔

''ام بوت جلدی ادھر سے چلی جائے گی۔'' نسوار خان بہت غصے میں تھا۔

''بس امارا نانا کا زمین بک جائے گا نا تو ام کو امارا حصہ مل جائے گی۔ ام یہاں نہیں رہے گی۔ ام چائے کا کھوکھا بنائے گی۔''

''تمہارے نانا زمین بیچنے والے ہیں؟'' مکتب نے اس سے پوچھا۔

''ہاں نا مڑا۔ چھوٹی ماموں کو پیسا کا جرورت (ضرورت) ہے۔ تو نانا کہتی ہے کہ سب کو ان کی حصہ دے دے گی۔ امارے پاس بھی اماری حصہ آئی گی۔'' وہ جوش میں مذکر کے صیغے کو مونث اور مونث کو مذکر میں ملا جلا کر بتا رہا تھا۔

''کتنے پیسے آئیں گے تمہارے حصے میں؟'' مکتب کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔

''مڑا ادھر ہی تو مسئلہ ہے۔ امارا حصہ ساڑھے سات لاکھ بنتی ہے۔ اور ماموں لوگ ام کو پانچ لاکھ دیتی ہے۔ ام اپنا حصہ کیوں چھوڑے گی؟'' وہ جوش اور غصے سے مکتب خان سے پوچھنے لگا۔ اب مکتب خان نے نسوار خان کو یوں دیکھا جیسے چیل چوزے کو دیکھتی ہے۔ اس نے خواہ مخواہ نسوار خان کو بے کار سمجھا ہوا تھا۔ اس سے تو کم سے کم تین لاکھ اور زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ اور جو وہ عقل استعمال کرے تو ساڑھے سات لاکھ اینٹھ سکتا تھا۔

''ہاں...... بالکل ٹھیک کہتے ہو یار۔ اپنا حصہ مت چھوڑنا۔ لینا اور چائے کا کھوکھا بنانا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''ہاں...... ام اس کھوکھے پر پکوڑے بھی بنائے گی۔ تم بھی امارا ہاتھ کا پکوڑی کھاؤ۔'' اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کو ملا کر منہ سے لگا کر یوں مزا لیا، جیسے پکوڑے کھا رہا ہو ابھی۔

''ہاں یار کیوں نہیں۔ اپنے دوست کے سارے پکوڑے، میں ہی کھاؤں گا، ابھی آؤ یہاں پاس ایک ڈھابہ ہے، وہاں سے چائے پی کے آتے ہیں۔ بڑی اچھی چائے ملتی ہے یہاں بھی۔ جب تمہارا کھوکھا بن جائے گا، تب ہم دونوں کی چائے کا مقابلہ کریں گے کہ کون سی چائے زیادہ اچھی ہے۔''

دونوں نے قہقہہ لگایا تھا۔

نسوار خان جب سے اس شہر میں آیا تھا یہ پہلی بار تھا کہ کوئی یوں اس کا دوست بنا تھا۔ مکتب خان کا ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس کرتا ہوا وہ بڑا مسرور سا اس کے ساتھ چائے پینے جا رہا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو......''

''السلام علیکم۔'' وہ بولی۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہو جان؟''

''میں ٹھیک، آپ کیسے ہیں؟'' پتا نہیں جب حاشر اسے ایسے القابات سے پکارتا تھا تو وہ خوش کیوں نہیں ہوتی تھی۔ جیسے عام لڑکیاں منگیتر کی طرف سے ایسی محبت پر پھولے نہ سماتی تھیں۔ مگر ثمن بھی کیا کرتی۔ وہ اپنے دل کو کیسے سمجھاتی۔ اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ اسے اپنی جان کہنے والا، جان کہہ کر بات شروع کرنے والا حاشر بات کا اختتام کچھ یوں کرتا کہ بری طرح ناراض ہوتا، خفا ہو کر، بغیر اس کی وضاحت سنے، بغیر اللہ حافظ کہے فون بند کر دیتا۔ وہ بری طرح

ہوتی، رو پڑتی، کیوں کہ حاشر کا ایک ہی مطالبہ ''باہر چلو، گھومنے چلو، تم بالکل بھی رومانٹک نہیں، تمہیں میری خواہش نہیں۔ ثمن کے انکار پر جھگڑا، وہی غصہ، اور فون بند......

''کیا کر رہی تھیں ابھی؟''

''کل یونی ورسٹی جانے کے لیے کپڑے نکال رہی تھی۔''

''تمہارے ماسٹرز کے ایگزام کب سے ہیں؟'' حاشر نے پوچھا۔

''کافی نزدیک ہیں اب تو۔''

''یعنی مصروف ہو جاؤ گی۔''

''جی......'' وہ اثبات میں بولی۔

''ایک کام کرتے ہیں۔ کل تم یونی ورسٹی اسکپ کرو۔ میں کلینک اسکپ کرتا ہوں۔ کہیں گھومنے چلتے ہیں۔''

''اف......'' ثمن کا دل چاہا یا تو کسی دیوار پر اپنا سر دے مارے یا فون ہی بند کر دے۔ اس نے وقوفانہ ''گھومنے چلتے ہیں۔'' کی رٹ سے تو اس کی جان چھوٹے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ حاشر کو دوٹوک انکار کرے گی۔ حد ہوتی ہے ایک چیز کی۔

''حاشر ایک بات بتائیں، ہم ہنی مون کے لیے کہاں جائیں گے؟''

''یار! وہ بعد میں سوچیں گے۔ پہلے کل کا سوچو۔ تم پر پنک کلر بہت سوٹ کرتا ہے۔ کل پنک ڈریس پہننا۔''

''کل پہن کر کیا کروں گی۔ آپ کو پنک پسند ہے تو پھر تب پہننا چاہیے نا جب آپ دیکھ سکیں۔ شادی کے بعد جب فرسٹ ٹائم آؤٹنگ کے لیے جائیں گے تو پنک ہی پہنوں گی۔''

''یعنی تمہارا کل موڈ نہیں آؤٹنگ کا؟''

''شادی کے بعد حاشر، آؤٹنگ شادی کے بعد۔''

''وجہ......؟'' وہ تنک کر بولا۔

''وجہ میں کئی دفعہ بتا چکی ہوں، کتنی بار دہراؤں۔ خالہ مجھے ''لو میرج گرل'' کہہ کر بلانے لگی ہیں۔ سوچیں مجھے کتنی شرمندگی ہوتی ہے سب کے سامنے اب آؤٹنگ پر جا کر سب کے الزامات اور تہمتوں کو سچ ثابت کر دوں؟''

''یار کچھ نہیں ہوتا۔'' حاشر نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔ ثمن کے دل میں کچھ ٹوٹا۔

''طے کرو، تمہیں کون سی جگہ پسند ہے۔ صبح جائیں گے اور شام کو آ جائیں گے۔''

خالہ کے منہ سے اتنی گھٹیا بات سننا ثمن کو کتنا برا لگتا ہوگا۔ یہ اس بات کا جواب تھا۔ یہ تھا اس کا منگیتر...... مستقبل کا شوہر۔ ثمن کی خاموشی محسوس کر کے وہ بار بار ہیلو ہیلو کہنے لگا۔

''ثمن ہیلو...... سن رہی ہو؟''

''جی...... میں سن رہی ہوں۔''

''تو پھر بولو، کہاں چلیں؟''

''آپ سمجھتے کیوں نہیں۔'' وہ کسی قدر جھنجلائی۔ ''میں شادی سے پہلے کہیں نہیں جا سکتی۔''

''ثمن تم عجیب خودسر لڑکی ہو۔ تمہیں دوسروں کی فیلنگز کا، خواہشات کا کوئی احساس نہیں؟''

''آپ کچھ میرے بارے میں بھی تو سوچیں۔ کیا آپ کو میرا احساس ہے؟ آپ کو اندازہ ہے کہ اگر ہمیں یوں کسی نے گھومتے ہوئے دیکھ لیا تو میری کیا پوزیشن ہوگی میرے گھر پر، کیا کیا الزامات لگ سکتے ہیں مجھ پر؟ اگر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو اپنی محبت کو مصیبت میں کیسے ڈال سکتے ہیں آپ؟''

''اچھا...... تو تمہاری بات کا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ نہ تو مجھے تم سے محبت ہے اور نہ ہی تمہارا احساس ہے، اگر مجھے تمہارا احساس نہ ہوتا تو کیا اتنے جتن کرتے میں اور میری فیملی تمہارے رشتے کے لیے؟ مگر نہیں، جب تک تمہارا خیال کرتے رہو محبت کا یقین ہے، جہاں اپنی بات شروع کی، وہاں میں خودغرض، واہ...... تم مجھے یہ بتاؤ کہ خودغرضی کا......''

اب تو جو حاشر شروع ہوا۔ وہ موبائل کان سے

UrduGem.com Urdu Novels, Books and Much More
www.urdugem.com

لگائے چپ رہ گئی۔ اس نے زبان کھولنے کی جو غلطی کی تھی، سزا تو ملنی تھی۔ وہ بہت بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ یہ تھا اس کا مستقبل؟ اگر یہ ہی تھا تو بہت دل دہلا دینے والا تھا۔ کیا اسے ساری زندگی حاشر کے سامنے اپنی صفائی دیتے رہنا تھا؟ کیا اسے ڈر، ڈر کر جیتے رہنا تھا؟

وہ سیڑھیوں کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ بے حد افسردہ سی۔ جب سمعیہ وہاں آئی۔

"تم یہاں بیٹھی ہوئی ہو؟" سمعیہ نے اس سے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ ایسے ہی طبیعت کچھ خراب سی ہے۔" ثمن نے بہانہ بنایا۔ اب ہونے والے شریک حیات کے بارے میں وہ بہن کو کیا بتاتی۔ اسے حاشر کی برائیاں کرنا پسند نہ تھا۔

"طبیعت کو کیا ہوا؟ بخار ہے؟"

"نہیں، سر میں درد ہے صرف۔" اب کی بار اس نے بات ٹالی۔

"سلطانہ سے چائے بنوا لیتیں۔" سمعیہ نے مشورہ دیا اور ساتھ ہی بولی۔ "سنو آج شام کو میرے ساتھ چلو گی، مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔"

"جی..... کس وقت چلنا ہے۔" وہ کہاں انکار کر سکتی تھی سمعیہ کو۔ یوں بھی وہ خود بھی چاہتی تھی کہ باہر نکلے، تاکہ ہر وقت کے اندیشوں سے تھوڑی دیر کے لیے نکلے۔ حاشر نے درحقیقت اسے سخت دکھی کر دیا تھا۔ وہ مستقبل کی طرف سے سخت پریشان تھی۔

"پانچ بجے تک نکلیں گے۔ اصل میں یونی میں ایک پارٹی ہے۔ جس میں سب فرینڈز نے طے کیا ہے کہ کوئی ایسا لباس پہنیں گی جو پہلے کسی فرینڈ نے نہ دیکھا ہو۔ میرے پاس ٹائم نہیں کہ الماری کھول کر دیکھتی پھروں کہ کون سا ڈریس ابھی تک یونی ورسٹی نہیں پہن کر گئی۔ اس لیے سیدھا نیا خریدنا چاہتی ہوں۔ اچھا تم ریڈی رہنا اور میں سلطانہ سے کہتی ہوں تمہارے لیے چائے بنا دے۔"

سمعیہ کہتی ہوئی چلی گئی۔ سمعیہ زیادہ تر اپنے آپ میں رہنے والی لڑکی تھی۔ مگر اکثر اوقات یہ بات وہ دکھا ہی جاتی تھی کہ وہ ثمن کی بڑی بہن تھی اور بڑی بہن وہ ہستی ہے جو انسان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

☆☆☆

"یار تمہارا پشتو ہمارے پشتو سے تھوڑا مختلف ہے۔ ایسا کیوں ہے؟" مکتب خان نے اس سے پوچھا۔

"کیوں کہ میں وزیرستان سے ہوں۔ تم پشاور سے۔" نسوار خان بولا تھا۔

وہ دونوں پشتو میں بات کر رہے تھے۔ وہ اس وقت بوتیک کے دروازے کے قریب جہاں پارکنگ ایریا تھا، وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دن کی ڈانٹ کے بعد دونوں نے اپنا کام دھیان سے کرنا شروع کر دیا تھا۔ مکتب خان کو تو ابھی اس جاب کی بہت ضرورت تھی۔ نسوار خان کی زمین کی رقم آنے میں بھی ابھی بہت وقت تھا۔ وہ فی الحال کھوکھانہ بنا سکتا تھا۔ اس لیے اب جی جان سے کام کرتا۔ وہ اس قدر زیادہ کڑوا تیل بالوں میں لگاتا تھا کہ زیادہ لوگ اس سے دور ہی رہتے۔ خیر اس کا کام تو صفائی کرنا ہی تھا۔

"تمہاری زمین کا کیا بنا؟" مکتب اصل بات کی طرف آیا۔

"ایڈوانس مل گیا ہے۔ اب بس قبضہ ہوتے ہی باقی پیسے بھی مل جائیں گے۔ بس چھوٹے ماموں نے شرط رکھی ہے۔"

"کیسی شرط۔" مکتب خان کا دل قدرے ڈولا۔

"وہ ہمارے گھر میں اپنے بچوں کا وٹہ سٹہ کرنا چاہتی ہے۔" اب کی بار وہ پشتو کے بجائے اردو میں بولا۔

"مطلب؟" مکتب کو دراصل وہ ہی باتیں سمجھ میں آتی تھیں جن میں اپنا مقصد ہو۔

"او مڑا۔" نسوار خان نے اسے دیکھا "مطلب یہ کہ ماموں اپنا بیٹا کا شادی ہمارے گھ ا

ہمارا شادی اپنے گھر کرنا چاہتی ہے۔" نسوار خان باقاعدہ شرمایا۔ مکتب خان نے دل ہی دل میں ہونے والی مسز نسوار خان کے نصیبوں پر فاتحہ خوانی کی۔ اس کڑوے تیل کی بو سے تو اس نے بے ہوش ہی ہو جانا تھا۔ رہی سہی کسر نسوار زدہ دانت پوری کر دیتے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ نسوار خان بلا کا ہنس مکھ بھی واقع ہوا تھا۔ اپنے دانتوں کی نمائش کرتا ہی رہتا تھا۔

"اچھا..... تو اگر تم ماموں کے گھر شادی کر لیتے ہو تو تمہیں پورا حصہ ملے گا؟"

"ہاں..... پورا ساڑھے سات لاکھ۔" نسوار خان اکڑا۔

"تو پھر تم نے کیا سوچا؟" مکتب خان کو بہت جلدی تھی۔

"ام نے تو کہہ دیا ہے کہ ام راضی ہے۔" وہ پھر شرمایا۔ اب کی بار مکتب خان کو اس کی شرماہٹ پر بھی پیار آیا۔ وہ دل میں پورا پلان بنا چکا تھا کہ اسے کیسے نسوار خان سے وقتاً فوقتاً قسطوں میں پوری رقم لوٹ لینی تھی۔

اتنے میں گارڈ نے ایک گاڑی اندر آنے کی اجازت دی تھی۔ آف وائٹ مہران گاڑی اندر آئی تھی۔ فرنٹ سیٹ اور ڈرائیونگ سیٹ سے دو لڑکیاں اتری تھیں۔ سمعیہ نے گاڑی لاک کی۔ یہ اس کی اپنی گاڑی تھی جو اس نے اپنی پاکٹ منی سے لی تھی۔ وہ اس کا بہت خیال کرتی تھی۔

سمعیہ اور ثمن اندر کی طرف بڑھیں۔ نسوار خان نے دروازہ کھولا۔ دونوں کو سلام کیا۔ سلام کرتے ہوئے اس نے ثمن کو دیکھا۔ ثمن چونکہ پہلے سے اپ سٹ تھی، اس نے سلام کا جواب دینا تو دور اس طرف دیکھا تک نہ تھا۔ شاید سلام سنا بھی نہ تھا۔

موتیے کے پھول جیسی لڑکی..... نسوار خان کھو گیا۔ سمعیہ نے جب اسے ایسے محویت سے ثمن کو تکتے ہوئے دیکھا تو اسے ڈانٹا۔

"اوے مسٹر..... تمیز نہیں ہے تمہیں۔" ابھی وہ بولی تو نسوار خان نے نہ صرف نظر بلکہ سر بھی جھکا لیا۔ "معاف کرنا بیگم صاحبہ!" دونوں اندر چلی گئیں۔ کپڑے دیکھنے لگیں۔

سمعیہ نے ایک میرون لباس پسند کیا اور دوسرا نیلا۔ "تم بھی لو۔" اس نے ثمن سے کہا۔

"نہیں آپی میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ مدھم انداز میں بولی۔

"کم آن ثمن، ایسا نہیں کرو۔ تم فرسٹ ٹائم میرے ساتھ آئی ہو۔ ایک ڈریس تو تمہیں لینا پڑے گا۔ میری طرف سے گفٹ لے لو۔ یوں بھی اب ہمیں اپنی اپنی شادی کی تیاری کرنی ہوگی اور ہم الگ ہو جائیں گے۔" سمعیہ آج بہت اچھے موڈ میں تھی۔ ثمن نے اس چیز کو محسوس کیا اور وہ مسکرائی۔ "ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے دل میں رہیں گے۔"

"اچھا تم یہ ڈریس دیکھو۔" ایک بہت ہی خوب صورت لباس تھا۔ گلابی، اورنج، پیلے اور سرخ امتزاج کے ساتھ۔

"کتنا خوب صورت ہے نا۔ بس یہ تمہارے لیے فائنل۔" وہ ثمن کے ساتھ لباس لگا کر دیکھنے لگی۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" سمعیہ نے تمام لباس پیک کروائے۔ ادائیگی کی اور باہر آ گئی۔ دروازہ اب کی بار بھی نسوار خان نے ہی کھولا تھا۔ سمعیہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا، مگر نسوار خان کا سر جھکا ہوا تھا۔

"آؤ کافی پینے چلتے ہیں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سمعیہ بولی۔ ثمن جواب میں مسکرائی تھی۔

☆☆☆

ثمن کی طبیعت ٹھیک نہ ہو رہی تھی۔ دو، تین دن ہو گئے تھے۔ اب بخار بھی ہونے لگا تھا۔

گھر میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ صرف سمعیہ تھی اور ثمن، سمعیہ کی آج پارٹی تھی۔ ساڑھے نو بجے کے قریب اسے اس کی ایک دوست نے پک کیا تھا اور دو بجے وہ واپس آ گئی تھی۔ اپنی اس دوست کو بھی گھر میں بلایا۔ چائے وائے پی دونوں نے اور پھر وہ چلی گئی تو سمعیہ بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

www.pakugem.com

ثمن باہر باغ میں آ گئی۔ تین دن ہو چکے تھے اس کی حاشر سے کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ حاشر اس سے ناراض ہو چکا تھا۔ اس نے حاشر کو دو، تین دفعہ کال کی تھی۔ مگر اس نے ثمن کی کال ریسیو نہ کی تھی۔ ابھی بھی اس نے موبائل کو دیکھا تھا۔

ثمن سے خراب طبیعت کے باعث زیادہ واک نہ کی گئی۔ وہ باغ میں رکھے بینچ پر بیٹھ گئی۔ حاشر کو پھر کال کی۔ اس نے پھر کال کاٹ دی۔ ثمن نے لمبا سانس لیا۔ مین گیٹ کھلا تھا اور طاہر کی بلیک کرولا اندر داخل ہوئی تھی۔ ثمن بے دھیانی میں دیکھ رہی تھی۔ آج کل طاہر کافی بدل چکا تھا۔ وہ بہت دھیان سے اور دل لگا کر وہ کاروبار کر رہا تھا جو اس نے اور اس کے دوست نے شروع کیا تھا۔ ثمن کے ہاتھ میں موجود موبائل پر میسج کی ٹون بجی۔ اس نے دیکھا۔ وہ حاشر کا میسج تھا۔

"گوٹو ہیل۔"

ثمن ششدر رہ گئی۔ کیا یہ کافی سخت الفاظ نہ تھے؟ وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اپنے اندر اتارتی رہی۔

☆☆☆

جمعے کا دن تھا۔ آج اتفاق سے گھر پر خالہ اور حوریہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ طاہر بھائی اور اطہر بھی گھر پر تھے۔ صرف پاپا گھر پر نہ تھے۔ کسی نے دروازے پر گھنٹی بجائی تھی۔

"بیگم صاحبہ جی!" ملازم جو اوپر کے کاموں کے لیے ہر وقت موجود رہتا' وہ اندر آیا اور رخشندہ سے بولا۔

"ہاں بولو۔" گھر کے وہ تمام افراد جو گھر پر موجود تھے۔ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"باہر ٹی سی ایس کا بندہ آیا ہے، کسی نے خط بھیجا ہے۔"

"واٹ؟" تابندہ نے ناک چڑھائی۔ "یہ خط بھیجنے کا کون سا دور ہے؟ واہ..... یہ تمہاری پرانے دور کی ذہنیت رکھنے والی نند کا کام ہو سکتا ہے رخشندہ۔"

طاہر باہر گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خاکی لفافہ تھا۔

"یہ آیا ہے مسز رخشندہ فاروق کے نام۔ ماما آپ کے لیے ہے۔"

"میں نے کہا تھا نا۔" تابندہ ہنسی۔

رخشندہ نے اسے کھولا۔ گھر کے سب لوگ ان کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ رخشندہ کا چہرا تاریک سا ہو گیا۔ ان کے ہاتھ کانپنے لگے۔ کچھ تصاویر تھیں۔

"ماما کیا ہوا؟" طاہر نے کہتے ہوئے تصاویر ان کے ہاتھ سے لیں۔ دیکھتے ہی اس کا چہرا لال بھبھوکا ہو گیا۔ وہ ثمن کی طرف پلٹا۔ تصویر اس کے منہ پر پھینکیں۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" اس نے ثمن سے پوچھا۔ ثمن نے پہلے تو حیران ہو کر طاہر کو دیکھا۔ پھر نیچے گری ہوئی تصاویر اٹھائیں۔ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ آسمان سر پر آ گرا۔

"یہ میں نہیں ہوں۔" وہ مری ہوئی آواز میں بولی۔ وہ پوری کانپنے لگی تھی۔

"ہمیں بھی کوئی کچھ بتائے گا؟" تابندہ بولی۔

تابندہ نے ثمن کے ہاتھ سے تصاویر لیں۔ حوریہ، سمعیہ اور تابندہ نے ایک ایک پکڑی۔ تینوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ثمن ایک مرد کے ساتھ تھی۔ اس مرد نے ثمن کے بازو پیچھے سے پکڑے ہوئے تھے اور ثمن کے سر پر اپنا سر ٹکایا ہوا تھا۔ ثمن مسکراتے ہوئے شرما رہی تھی۔

"او میرے خدایا۔" تابندہ نے حوریہ سے دوسری تصویر لی۔ مگر وہ ایک ہی تصویر کی تین کاپیاں تھیں۔

"ماما..... خالہ یہ میں نہیں ہوں۔ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں۔ یہ میں نہیں ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"اچھا یہ تم نہیں ہو؟ ہاں....." طاہر نے اس کے بال پکڑ لیے۔ "ہم سب اندھے ہیں کیا؟" اس نے ثمن کو پے در پے پانچ، چھ تھپڑ رسید کیے۔ ثمن کو لگا

کہ اس کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی ہے۔ دماغ سنسنا گیا' اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔

"ماما..... خالہ..... بھائی..... یہ میں نہیں ہوں۔ کسی نے شرارت کی ہے۔ چیک کروائیں یہ تصویریں نقلی ہیں۔" پاپا بھی گھر آ گئے تھے۔ گھر کی صورت حال دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئے۔

"کیا ہو رہا ہے؟" طاہر غصے سے پیر پٹخ پٹخ کر چیخ رہا تھا۔ غصے سے اس کا چہرا لال تھا۔

"خالو جی..... کیا یہ ثمن نہیں ہے؟" حوریہ..... ازلی بے وقوف..... ثمن بھاگ کے باپ کے پاس گئی۔ رخشندہ صوفے پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ سمعیہ حیران پریشان سی کھڑی تھی۔ فاروق نے دیکھا اور پھر ثمن کو دیکھا۔

"پاپا..... یہ میں نہیں ہوں۔ یہ سب کسی کی شرارت ہے پاپا..... آپ کو اپنی بیٹی پر یقین ہے نا۔ پاپا یہ میں نہیں ہوں۔"

"کون ہے یہ آدمی؟" وہ صوفے پر ڈھے سے گئے۔ اطہر نے انہیں سنبھالا۔ جب انہوں نے یہ پوچھا تو ان کا رخ ثمن کی طرف تھا۔

"پاپا..... میں نہیں جانتی۔ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟" وہ بے یقین تھی۔

"پاپا آپ کو یقین نہیں ہے اپنی بیٹی پر؟"

"تم بتاؤ ثمن کیسے یقین کریں، بولو؟" طاہر گرجا۔ "تم مجھے بتاؤ یہ آدمی ہے کون؟ اس آدمی کے اتنے ٹکڑے کروں گا، کہ کوئی گن نہیں سکے گا اور تمہیں اندھے کنویں میں دفن کروں گا میں۔"

"پاپا آپ مجھ پر یقین کریں۔" وہ باپ کے پیروں میں بیٹھی۔

"ثمن..... مجھے تو کیا بلکہ ہم سب کو ہی تم سے یہ امید نہیں تھی۔ مگر میں تو رخشندہ کو کہوں گی۔ رخشندہ تم نے یہ تربیت کی ہے اپنی اولاد کی؟" تابندہ نفرت سے بولیں۔ ماما رونے لگیں۔

"بیٹی کی ماں بن جانا کافی نہیں ہے رخشندہ۔ اولاد کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ تم نے ثمن کی یہ تربیت کی ہے؟ پہلے حاشر کے ساتھ معاشقہ، اب یہ، بالکل اولاد کی طرف سے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں تم نے؟" تابندہ کی ان باتوں پر وہ اور رونے لگیں۔ ثمن تڑپ کر خالہ کی طرف گئی۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ خالہ۔" اس نے تابندہ کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ "بات کو اس طرح غلط رخ پر نہ لے کے جائیں۔ یہ کسی نے میرے ساتھ دشمنی کی ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

"ہاہ! میں بات کو غلط رخ دے رہی ہوں؟ تم اچھی ہو بی بی۔ سب کرتی رہتی ہو۔ معاشقے چلاتی ہو۔ رومانس لڑاتی پھرتی ہو؟ اور غلط رخ میں دے رہی ہوں۔ دو الزام سب کو۔"

"آپ لوگ پاپا کو بھی تو دیکھیں۔ دیکھیں وہ بے ہوش ہو رہے ہیں۔" سمعیہ کی آواز پر سب اس طرف دوڑے تھے۔

☆☆☆

پاپا کو ان کے کمرے میں لے جایا گیا۔ مگر وہاں ثمن کا داخلہ ممنوع تھا۔ وہاں طاہر، اطہر، حوریہ، سمعیہ ماما اور خالہ سب تھیں۔ صرف ثمن کو آنے نہ دیا تھا۔

وہ رات ثمن نے انگاروں پر کاٹی تھی۔ بڑی مشکل سے صبح ہوئی۔ اتوار کی وہ صبح بھی بہت بھیانک تھی۔ بمشکل تھوڑا بہت ناشتا ہوا۔ طاہر گرجتا ہوا چلا گیا تھا کہ وہ اس بندے کو ڈھونڈے گا کہ یہ ہے کون؟ ثمن کو لگ رہا تھا کہ اسے سانس بھی نہ آ رہی ہو۔ ملازمہ اس کے کمرے میں ناشتا دے گئی۔ وہ کیا کھاتی۔

وہ بار بار باپ کے کمرے میں جاتی۔ اسے جانے نہ دیا جاتا۔ خالہ آتے جاتے طعنے دیتیں۔ حوریہ کچھ گھبرائی پھرتی۔

دن کا وقت تھا۔ جب نیا شوشا اٹھا۔ کسی نے یہ تصویر نیٹ پر ڈال دی۔

پاپا کا شوگر لیول بہت زیادہ لو ہو گیا۔ انہیں اسپتال لے جانا پڑا۔ وہ بھی جانے لگی۔ رخشندہ نے دھکا دے کر اسے دور پھینکا۔ "اپنے باپ کی یہ حالت

www.urdugem.com

کردی ہے؟ اب کیا جان لوگی ان کی؟ وہ تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتے۔ مرجاؤ کسی اندھے کنویں میں جاکر۔'' وہ روتی ہوئی چلی گئیں۔ وہ روتی ہوئی گھر پر رہ گئی۔ خالہ بھی گھر پر تھیں۔

''کتنے افیئرز ہیں تمہارے؟ ایک حاشر، ایک یہ آدمی..... اور کتنے ہیں؟'' طنزیہ انداز اور مسکراتی آنکھوں سے اس سے پوچھا تھا۔

یہ عورت کتنی ظالم تھی۔ وہ اپنے کمرے میں جاکر بند ہوگئی۔ وہ روتی رہی۔ کیا ہوگا اس کے ساتھ؟ کیا حاشر اس پر یقین کرے گا؟

''ہاں وہ ضرور کرے گا۔ وہ ضرور کرے گا۔ محبت کرتا ہے مجھ سے۔ ٹھیک ہے۔ محبت کرتا ہے تو ثابت بھی کرے گا۔''

☆☆☆

اگلے دن واپس آئے تھے پاپا۔ وہ ان کے پاس گئی۔ باپ کے پاؤں پکڑ لیے۔

''پاپا..... آپ مجھ پر یقین کریں۔ یہ کوئی دشمنی کررہا ہے۔'' وہ روئی۔

''ثمن..... پاپا کو تکلیف مت دو۔ ابھی یہ ٹاپک مت چھیڑو۔'' سمعیہ لجاجت سے بولی۔

''کسی کو ہماری تکلیف کا اندازہ ہے؟'' اطہر بولا۔ ''ہم باہر منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ یہ تصویر تم نے نیٹ پر کیوں ڈالی ثمن؟'' وہ بھڑکا۔

''اطہر..... تمہیں لگتا ہے کہ میں اتنی پاگل ہوں کہ ایسا کچھ کروں گی۔ اپنی تصویر ایسے اپ لوڈ کروں گی فیس بک پر؟''

''مان گئیں نا تم؟ کہ یہ تم ہو۔ یہ تمہاری اپنی تصویر ہے۔ مان گئیں نا تم۔ اب بتاؤ یہ آدمی کون ہے؟ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہوگیا ہوں؟'' طاہر کس وقت آیا تھا کوئی نہ سمجھ سکا۔

''تم دونوں باہر نکلو۔ باہر جاکر یہ معاملے سلجھاؤ۔ دیکھ نہیں رہے باپ کی حالت۔ نکلو یہاں سے دونوں۔'' طاہر باہر چلا گیا۔ ثمن کو تابندہ نے بازو سے پکڑ کر باہر نکال لیا اور دروازہ بند کردیا۔ طاہر تن فن کرتا باہر ہی نکل گیا۔

''یہ بتاؤ میڈم! اب آگے کیا سوچا تم نے؟'' مسکراتے ہوئے لہجے میں خالہ نے اسے چھیڑا۔ اسے یقین نہ آیا۔

''خالہ! اتنی ظالم نہ بنیں۔ آپ کے سامنے میری پوری زندگی گزری ہے۔ آپ جانتی ہیں۔ میں ایسا نہیں کرسکتی۔''

''بھئی ہمیں کیا پتا۔'' خالہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''آج شام کو حاشر اور اس کی فیملی بھی آرہی ہے۔ ان کو کیسے وضاحت دوگی ہر چیز کی؟'' وہ ہنسیں۔

''ان کو کس نے بتایا؟'' اس میں اتنی سکت نہ تھی ابھی کہ حاشر کو وضاحت دیتی۔ مگر اس نے اپنے آپ کو مضبوط کیا۔ ''حاشر میری بات پر اعتبار کرے گا، مگر حاشر کو..... کس نے بتایا؟''

''شاید میں نے۔'' وہ اٹھلائیں۔ ''عاشق ہے نا تمہارا؟ تو ثابت بھی کرے۔''

''وہ کرے گا۔ وہ ثابت کرے گا۔'' وہ مڑ کر اپنے کمرے میں جانے لگی تو تابندہ نے روکا۔

''ابھی حاشر کو بتایا نہیں ہے۔ صرف بلایا ہے۔ حیرت ہے، اس نے ابھی تک فیس بک سے نہیں دیکھا۔ خیر آج دیکھ لے گا۔''

وہ مڑ کر چلی گئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ یہ اس کے ساتھ ہوگیا گیا تھا؟ ہنستی بستی اس کی زندگی کو کیا ہوگیا تھا۔ ایک طوفان آیا تھا جس نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کوئی اس پر یقین نہ کرتا تھا۔ صرف پاپا کرسکتے تھے۔ وہ بیمار ہوگئے تھے۔ ان کے پاس کوئی جانے نہیں دیتا تھا۔ اب صرف ایک حاشر تھا۔ جو اس کا یقین کرلیتا تو وہ اسے سب کی نظروں میں کھڑا کرسکتا تھا۔ مگر اس کی فیملی؟

انگاروں پر لوٹتے ہوئے شام ہوئی تھی۔ اسے ملازمہ نے بتایا تھا کہ حاشر آگیا ہے۔ ساتھ فیملی بھی ہے۔ وہ بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہ حاشر کو

دیکھ رہی تھی۔ حاشر کے ہاتھ میں تصویر تھی۔ وہ کھڑا تھا۔

''حاشر..... آپ یقین کرتے ہیں مجھ پر؟ کہیں کہ مجھ پر یقین ہے نا آپ کو؟''

''ثمن..... تم اس آدمی کے لیے مجھے اگنور کرتی تھیں؟'' وہ حیران تھا۔

حاشر کے الفاظ..... یوں تھے جیسے کھڑے کھڑے تیزاب میں ڈبو دیا گیا ہو اس کو، وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہو۔

''آپ کو لگ رہا ہے کہ یہ سب سچ ہے؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''تو کیا سچ نہیں ہے یہ؟'' وہ دھاڑا۔ ''بولو..... یہ سچ نہیں ہے؟'' اس نے تصویر اس کی طرف پھینکی۔

''نہیں.....'' وہ چلائی۔ ''نہیں ہے یہ سچ۔ یہ سچ نہیں ہے۔ الزام ہے مجھ پر۔ تہمت ہے مجھ پر، آنٹی۔'' وہ بھاگ کر آنٹی کے پاس گئی۔

''آنٹی آپ بتائیں۔ آپ تو کہتی تھیں ثمن میری بیٹی ہے۔ بتائیں آپ میرا یقین کرتی ہیں نا؟'' وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ پھر وہ ہانی کے پاس آئی۔ ہانی کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''ہانی، میں تمہاری دوست ہوں نا؟ ہم بہنوں جیسے تھے نا؟'' تم مجھے جانتی ہو۔ میں ایسا نہیں کرسکتی نا؟'' ہانی نے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ سختی سے چھڑا لیے۔ وہ سسر کی طرف گئی۔

''انکل آپ مجھے بیٹی کہتے ہیں نا۔'' پھر وہ بھاگ کر حور یہ کی طرف گئی۔ ابھی وہ چائے کی ٹرالی لائی تھی اندر۔ ''حور یہ تم میری دوست ہو نا؟ مجھے جانتی ہو نا؟ کہو نا میں یہ نہیں کرسکتی۔ جانتی ہو نا؟ اللہ کا واسطہ کوئی تو کہے، ہاں ثمن ایسا نہیں کرسکتی۔'' وہ زور، زور سے رونے لگی۔ ''کوئی تو کہے کہ ثمن ایسا نہیں کرسکتی حاشر۔'' وہ چلائی تھی۔

''بند کرو یہ ڈراما۔'' حاشر سختی سے بولا۔ طاہر بھی وہاں آگیا تھا اور اطہر بھی۔

''ثمن..... اگر تم ایسا نہیں کرسکتیں تو یہ کون ہے؟'' وہ سختی سے بولا۔

''ارے مجھے کیا پتا؟ آپ، طاہر بھائی، اطہر..... آپ لوگ میرے محافظ ہیں۔ پتا کریں یہ کام کس نے کیا ہے؟ یہ دشمنی ہے یا شرارت کس نے کی ہے؟''

حاشر نے وہ تصویر اٹھائی جو زمین پر گری ہوئی تھی۔ ''دشمنی؟ ہاں؟ یہ شرماہٹ کہاں سے آئی؟ کون ہنس رہا ہے؟ یہ ہنسی تمہاری نہیں ہے؟''

''حاشر.....'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''آپ.....''

''بس.....'' حاشر نے اس کی بات کاٹی۔ ''میں تمہیں معاف کردوں گا۔ بات ختم ہوجائے گی، اگر تم معافی مانگ لو۔ غلطیاں ہوجاتی ہیں انسان سے۔ میں ان لوگوں کی قدر کرتا ہوں جو اپنی غلطی مان لیں۔''

''میں کہہ رہی ہوں حاشر، کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں معافی کس بات کی مانگوں۔''

''بکواس بند کرو۔ ہمیں نظر نہیں آتا کیا؟ ہٹ دھرمی میں اتنی ماہر ہو تم اتنی چھوٹی سی لڑکی؟ معافی مانگو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''کچھ ٹھیک نہیں ہوگا اب۔ یہ لڑکی اب کبھی ہماری بہو نہیں بن سکتی۔'' حاشر کی ماما سختی سے بولی تھیں۔

''نہیں ماما! میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ اب یہ میری عزت ہے۔''

''اگر میں عزت ہوں تو عزت دکھاؤ بھی تو۔ شک کررہے ہو مجھ پر۔'' وہ روتی رہی۔

''تم معافی مانگو۔'' وہ سختی سے بولا۔ ''معافی مانگو۔ میرے پیر پکڑو۔ ماما اور بابا کے پیر پکڑو۔ اپنی غلطی مان کر معافی مانگو۔''

''کون سی غلطی؟ حاشر یہ تصویر میری نہیں۔ خدا کے لیے معلوم کرو یہ کس نے کیا ہے؟''

''ماما، بابا، انھیں آئیں، ہم چلتے ہیں۔ جس وقت اس ہٹ دھرم عورت کو عقل آگئی اور یہ تکبر کے

www.pugem.com

کیا محبت مرد کی عادت اور عورت کی ضرورت ہے؟

آذر اور ثناء دونوں ایڈورٹائزنگ کے شعبے میں کام کرتے ہیں۔ گہری دوستی ہے۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہے ہیں۔۔۔۔ آذر اپنے شعبے میں نام بنا چکا ہے۔ لیکن بے حد جذباتی اور اپنی چلانے والا شخص ہے اس لیے کئی جاب چھوڑ چکا ہے۔ ثناء ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے فرحان دونوں کا پرانا کلاس فیلو ہے۔ پیسے والا لڑکا ہے باہر سے واپس آیا ہے۔ اپنی ایڈ ایجنسی کھول رہا ہے۔ ثناء اور آذر فرحان کو جوائن کرتے ہیں۔ فرحان بظاہر ایک خوش مزاج مگر فلرٹ قسم کا انسان ہے۔ منال ایک مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی ہے اپنی بہن روحی اپنی ماں اور ماموں کے ساتھ سادہ مگر خوشی خوشی زندگی گزار رہی ہے جہاں پیسہ بے شک کم ہے لیکن آپس کی محبت بہت زیادہ ہے۔ روحی کا نکاح ہو چکا ہے۔ اس کی ساس کی [illegible] منال جیسی لاپرواہ لڑکی کو حساس بنا دیتی ہیں اور یہ محسوس کرنے لگتی ہے کہ لڑکیوں کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیے۔

یہی سوچ اسے جاب کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

منال فرحان کی ایجنسی جوائن کرتی ہے یہاں آذر کو منال کی سادگی [illegible] اچھی لگتی ہے [illegible] ہے۔ ثناء اس بات کو محسوس کر کے سخت ٹینشن میں آ جاتی ہے۔

آذر اور منال کے درمیان [illegible] شروع ہوتا ہے۔ جو ثناء کے لیے ناقابل برداشت ہے کیونکہ وہ خود بہت شدت سے آذر کو چاہتی ہے اور اپنے بیچ کسی کو بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ فرحان بھی [illegible] ایجنسی میں آذر کی [illegible] ہمیشہ سے آذر کو خود سے آگے دیکھنا اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ ثناء کی [illegible] آذر کے لیے [illegible] ہے کہ وہ منال کو آذر سے چھین لے گا اور اس کے لیے وہ بڑی گہری پلاننگ شروع کرتا ہے۔ ثناء خود کسی بھی صورت آذر کو حاصل کرنا چاہتی ہے اس لیے فرحان کا ساتھ دیتی ہے۔ آذر جلد ہی منال کو پرپوز کر دیتا ہے۔ آذر کے والد احمد صاحب جو ایک بہت ہی زندہ دل انسان ہیں اس فیصلے پر حیران ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ ثناء کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھتے آئے ہیں اور ثناء کی ممی کو اس رشتے کے لیے رضامندی بھی دے چکے ہیں ہر شخص کے لیے آذر کا یہ فیصلہ حیرانگی کا سبب بن رہا ہے۔ لیکن آذر ہمیشہ کی طرح صرف اپنے دل کی سن رہا ہے۔ آذر ایک شوٹ پر چند دن کے لیے باہر چلا جاتا ہے منال اور گھر والے بہت خوش ہیں اور سب کو یقین ہے کہ یہ رشتہ اب طے ہونے ہی والا ہے لیکن اسی دوران فرحان اور ثناء کی چال کامیاب ہوتی ہے۔ منال ایک بڑی غلط فہمی کا شکار ہو کر اس رشتے سے انکار کر دیتی ہے۔ آذر یہ خبر سن کر بری طرح اپ سیٹ ہوتا ہے لیکن منال کسی کی ایک نہیں سنتی۔ ان ہی دنوں میں منال کی بہن روحی کی شادی بھی انجام پا رہی ہے۔ تب ہی فرحان بھی منال کو پرپوز کر دیتا ہے اور گھر والے اتنا اچھا رشتہ ملنے پر منال کو ہاں کرنے کے لیے مجبور کر دیتے ہیں اور یہ رشتہ طے ہو جاتا ہے۔ آذر شدید غصے میں آ جاتا ہے۔ ثناء اسے یقین دلاتی ہے کہ [illegible] فرحان اور منال کے بیچ [illegible] ایسا ہو رہا ہے لیکن آذر صرف فرحان کو قصور وار سمجھتا ہے اور منال کی طرف سے [illegible] ایک رات فرحان کے گھر [illegible] ہنگامہ کرتا ہے جس کی [illegible] ہے۔ فرحان کی [illegible] آذر گرفتار کر لیتی ہے اور کہانی ایک زبردست موڑ لے لیتی ہے۔

کیا آذر منال کے سامنے اپنی بے گناہی ثابت کر سکے گا؟

کیا فرحان اور منال کی شادی ہو جائے گی؟

کیا ثناء آخر کار آذر کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جائے گی؟

#TvOnePK

Tuesday 8:00pm

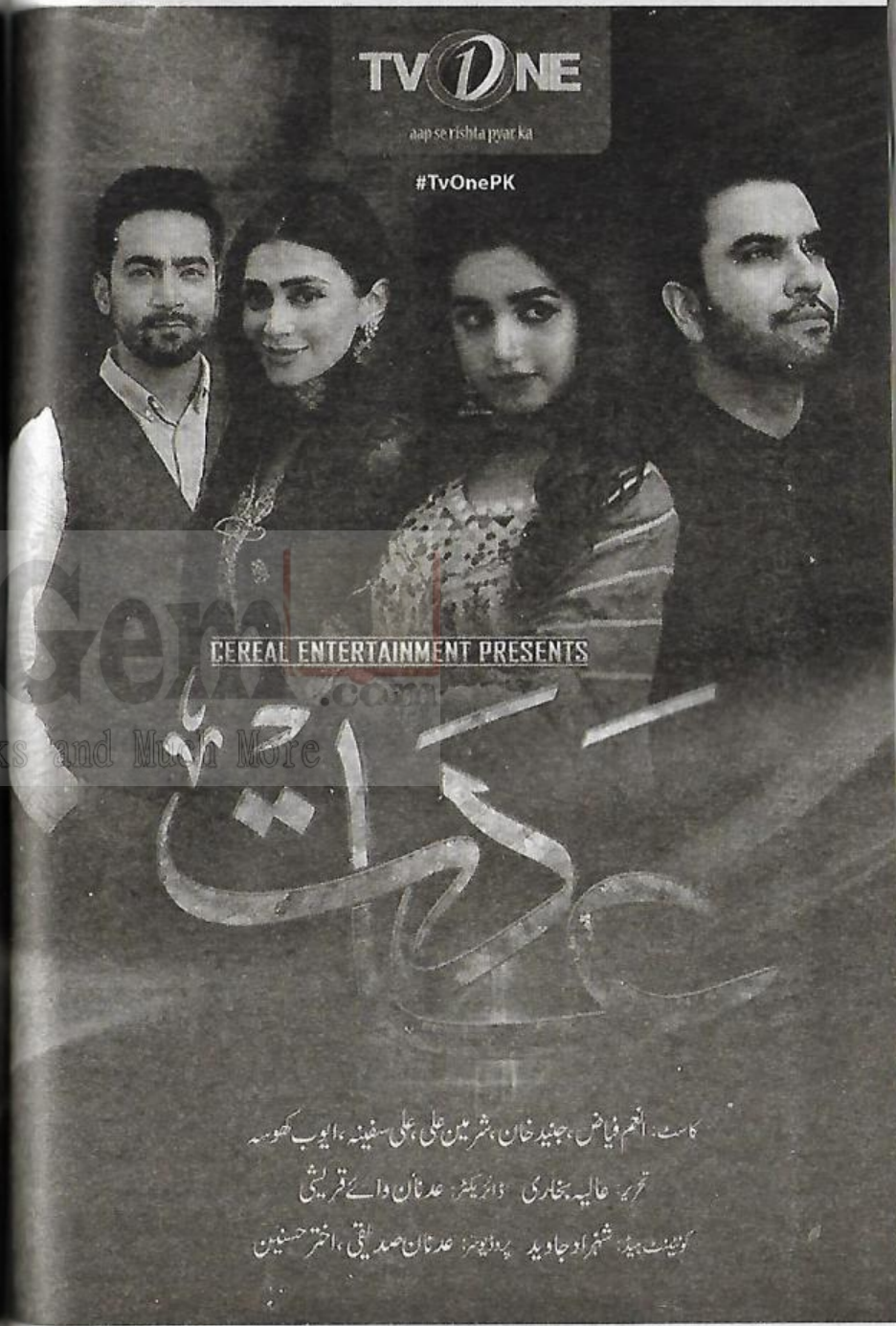

UrduGem .com Urdu Novels, Books and Much More

www.urdugem.com

پہاڑ سے اتر آئی اور اس نے آپ دونوں سے اور مجھ سے معافی مانگ لی تب ہم آگے کا سوچیں گے۔" پھر اس نے طاہر اور اطہر کی طرف دیکھا۔ "تھوڑی سی غیرت اگر بچی ہے تو اس آدمی کو ڈھونڈو، ایک تصویر میں لے کر جا رہا ہوں، تاکہ میں بھی اسے ڈھونڈوں، پھر میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔" کہہ کر وہ چلا گیا۔ پیچھے ماما، بابا اور ہانی تھے۔ ثمن نے ہانی کا ہاتھ پکڑا۔

"ہانی! تم تو میری دوست تھیں۔"

ہانی نے ہاتھ چھڑوایا۔ "ہاں بہت اچھا صلہ دیا دوستی کا تم نے۔ شکریہ۔" وہ سب چلے گئے۔

"اس قدر بے عزتی۔" طاہر صوفے پر ڈھے گیا۔ "ثمن..... اس سے تو بہتر تھا تم ہمیں زہر دے دیتیں۔ ایک کام کرو۔ ابھی زہر دے دو۔ ایسی زندگی ہم نہیں جی سکتے۔" سرخ چہرا لیے وہ وہاں سے چلا گیا۔ ثمن کو اب اندازہ ہوا۔ یہ کڑی آزمائش صرف اس پر تو نہ آئی تھی۔ اس کا باپ بستر پر پڑ چکا تھا۔ ماں رو، رو کر پاگل ہو گئی تھی۔ بھائی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے۔

"میں صرف یہ پوچھتی ہوں کہ آپ لوگ اس تصویر کو چیک کروائیں، یہ نقلی ہے۔ آپ کیوں نہیں پتا کرواتے؟" وہ رو رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔

"اگر یہ ثابت ہو گیا کہ یہ تصویر غلط ہے تو کیا سب ٹھیک ہو جائے گا؟ لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے؟" اطہر بولا۔

"کم از کم آپ لوگوں کو تو پتا ہو گا کہ میں ایسی نہیں ہوں۔" اطہر وہاں سے ہونہہ کر چلا گیا۔

"خالہ..... تصویریں جو دوڑ گئی ہیں، اس میں سے ایک مجھے دیں۔ میں خود ثابت کروں گی کہ تصویر غلط ہے۔"

تابندہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "اگر گھر والوں کو معلوم ہو بھی جائے کہ تم صحیح ہو تو وہ باہر کے لوگوں کو خاموش کیسے کرائیں گے؟"

"میرا ساتھ دیں گے، میرے گھر والے۔ میری مدد کریں گے۔"

"بی بی! تمہارا تو منگیتر تمہارا ساتھ نہیں دے رہا۔ پہلے اس کا کچھ سوچو۔" خالہ کہہ کر چلی گئیں۔

ثمن بلک بلک کر روتی رہی۔ حوریہ اور سمعیہ بھی چلے گئے۔

☆☆☆

وہ حوریہ کے پاس آئی۔

"حوریہ! یار، پلیز تم تو میرے بارے میں کچھ کہو۔ میری دوست ہو، مجھے جانتی ہو۔ میں ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔"

"سوری ثمن! میں ماما کے سامنے نہیں بول سکتی اور میں تمہیں زیادہ نہیں جانتی، تصویر میں تو وہ تم ہی لگ رہی ہو۔"

"حوریہ تمہیں اللہ کا واسطہ..... تم....."

"ثمن پلیز، جاؤں یہاں سے۔" بے یقین، بے آس روتی ہوئی وہ سمعیہ کے پاس چلی آئی۔

"آپی..... آپ میری بہن ہیں۔ مجھے جانتی ہیں۔ آپ میرے لیے بولیں۔ آپ بولیں گی تو سب سنیں گے، مانیں گے۔"

"تم مجھے تو معاف ہی رکھو۔ مجھے تو شرم آ رہی ہے تم پر۔ وہ اتنا عجیب سا آدمی۔ چھی..... اچھے خاصے امیر کبیر خاندان میں تمہاری منگنی ہو چکی تھی، مگر تمہاری آوارہ گردی نے یہ دن دکھایا۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہمیں۔ سدھر نہیں سکتی تھیں تم؟ سن لو ثمن۔ اگر یہ بات کسی بھی طرح عظمیٰ آنٹی کے پاکستان میں موجود ریلیٹوز تک پہنچ گئی اور انہوں نے عظمیٰ آنٹی کو بتا دیا تو میں تمہارا گلا دبا دوں گی۔ تمہاری وجہ سے مجھے کوئی باتیں نہیں سننا۔ یہ طاہر بھائی اور اطہر ہیں جو یہ سب برداشت کر رہے ہیں۔ ان کی جگہ میں ہوتی نا تو کب کا تمہیں مار کر دفن کر چکی ہوتی۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اب۔ اپنی شکل مت دکھانا مجھے۔"

بھاری قدموں سے وہ وہاں سے آ گئی۔ کہنے کو ایک لفظ تک نہ تھا اس کے پاس۔

☆☆☆

آج بدھ کا دن تھا۔ صبح صبح اس نے پھپھو کو کال کی تھی۔

"پھپھو آ جائیں۔ مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔ پلیز آ جائیں۔ میری مدد کریں آ کر۔" اس نے رو رو کر پوری بات انہیں بتائی۔

"میں آ رہی ہوں،" کہہ کر انہوں نے فون بند کیا تھا۔

دن ڈھلے وہ ان کے یہاں پہنچی تھیں۔ انہوں نے جو کیا..... ثمن کو افسوس ہوا کہ اس نے انہیں بلایا ہی کیوں۔ انہوں نے خوب رونا دھونا مچایا بھائی کے پاس بیٹھ کر۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ عورت نااہل ہے۔ اس کے ساتھ شادی مت کرو، مگر تمہیں۔ تمہیں تو بس اپنی کرنی تھی۔ اب دیکھو! ثمن کی کیا تربیت کی اس نے۔ یہ دن دکھا گئی یہ عورت تمہیں۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی....." وہ بولتی رہیں۔

"پھپھو! میرا ساتھ دیں۔ آپ کیا بولے جا رہی ہیں۔" ثمن فرش پر بیٹھی تھی، مگر پھپھو نے وہ واویلا کیا..... یہ نہیں سوچا کہ ان کا یہ واویلا ثمن پہ لگائے گئے الزام کو سچ ثابت کر رہا ہے۔

ثمن کے اللہ کو کیے جانے والے سجدے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ طاہر تقریباً روز اس پر ہاتھ اٹھاتا۔ وہ اف بھی نہ کرتی۔

اس آدمی کو ڈھونڈا جا رہا تھا۔ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کون ہے۔ ثمن بری طرح ٹوٹ چکی تھی۔ اسے اب کوئی مستقبل نظر نہ آتا۔ ہر دروازہ بند تھا۔ حاشر کی اپنی ایک رٹ لگی ہوئی تھی کہ معافی مانگو۔ یہ جمعرات کی صبح تھی۔ اسے حاشر کی کال آئی۔

"کیا سوچا تم نے؟ کب معافی مانگو گی؟"

"حاشر۔ معافی مانگنے میں کوئی مسئلہ نہیں۔ جب کبھی کوئی غلطی کروں گی، ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگا کروں گی، مگر کوئی غلطی کی بھی تو ہو۔ معافی مانگنے کا مطلب ہے کہ اس بات کو قبول کیا جائے کہ ہاں میں نے یہ غلطی کی ہے، اب مجھے معاف کریں، مگر جو غلطی میں نے کی ہی نہیں اور..... اتنی سنگین بات کیسے مان لوں۔ میرے کردار پر حرف آ رہا ہے۔"

"یہ تمہیں غلطی کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ تم جلدی سے فیصلہ کرو کہ کب معافی مانگو گی۔ یوں بھی اب تو..... ہر چیز مجھے نئے سرے سے پلان کرنی ہو گی۔ اب کبھی میں گھر میں مرد ملازمین نہیں رکھ سکوں گا۔ ماما تو کہہ رہی ہیں کہ گھر میں کیمرہ لگنا چاہیے تم سے شادی کی صورت میں....."

ثمن کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ "مرد ملازم نہیں رکھ سکتے۔" وہ ہنسی۔ زخمی ہنسی۔

"یعنی اعتبار نہیں ہے مجھ پر کہ میں ملازمین کے ساتھ..... اور کیمرہ..... ہوں..... صحیح طرح رکھوالی ہو سکے میری؟"

"بتاؤ کیا غلط کہہ رہی ہیں ماما۔ تم معافی تک نہیں مانگ رہی ہو..... تم....." ثمن نے کال کاٹ دی۔ حاشر نے اسے کال کی۔ ثمن نے پھر کاٹ دیا۔ حاشر نے تین دفعہ کال کی۔ ثمن نے تیسری بیل پر اٹھایا۔

"یو..... تمہاری ہمت تم میری کال کاٹو گی؟ بھیک منگوں کے ساتھ افیئر کرنے والی تم....."

"شٹ اپ مسٹر حاشر زمان۔ جس وقت آپ فری ہوں۔ ہمارے گھر سے منگنی کی انگوٹھی لے جایے گا۔ مجھے آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا۔ نہ کوئی رشتہ۔" ثمن نے فون بند کر دیا۔ وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ان کے گھر پر موجود تھا۔

ثمن ڈرائنگ روم میں آئی جہاں حاشر غصے میں ٹہل رہا تھا۔

"ثمن بات سنو میری....." ثمن نے انگوٹھی میز پر رکھ دی۔ "آپ ایک ایسی عورت کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔ جس پر آپ کو اعتبار نہیں تو آپ کی زندگی جہنم بن جائے گی اور جو آپ کے ساتھ رہے، وہ تو یوں بھی جہنمی ہی کہلائے گا۔ آپ جہنم کے سوا کچھ نہیں دے سکتے ایک عورت کو۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔ حاشر پکارتا رہ گیا۔

www.pugem.com

"تمہارے عاشق کو تو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ جہنم کو بھی ترسے گا اور تم......"

☆☆☆

وہ سجدے میں گری ہوئی تھی۔ اپنے رب کو شکوے، دکھ، غم سب سنا رہی تھی۔ اپنی غلطی پوچھ رہی تھی۔ سزا کتنی لمبی ہے یہ پوچھ رہی تھی۔ اب تو کوئی آس امید ہی نہ رہی تھی، مگر...... آزمائش ابھی باقی تھی۔

یہ جمعرات کی رات تھی۔ اسے عدالت میں بلایا گیا۔ پاپا کے کمرے میں سب اکٹھے تھے۔

"ثمن!" پاپا نے پکارا۔ وہ ان کے بیڈ کے سامنے کھڑی تھی۔

"پاپا!" وہ رو پڑی۔ اتنے دن بعد انہوں نے پکارا تھا اسے۔

"تم نے حاشر سے منگنی کس سے پوچھ کر اور کیوں توڑی؟" ان کا لہجہ سخت تھا۔

"پاپا۔ وہ میرے اندر کی عورت کو گالی دیتا ہے۔ کہتا ہے شادی کے بعد گھر میں کیمرہ لگوائے گا کیونکہ اسے مجھ پر یقین نہیں۔ بتائیں میں کیا کرتی؟" وہ روتی رہی۔ اس کا دل چاہا وہ پاپا کے پاس بیٹھے۔ وہ بیمار ہونے کی وجہ سے لیٹے ہوئے تھے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھیں سب بیٹھے ہوئے تھے۔ صرف وہ کھڑی تھی۔

"تم انتہائی بدتمیز اور خودسر ہو۔ یہ بات میں تمہارے بچپن سے ہی جانتا ہوں۔ اب جو حرکتیں تم نے کی ہیں۔ پہلے اس گھر کی عزت کا جنازہ نکال دیا اور اب منگنی بھی توڑ لی۔ تمہیں اس گھر کی عزت کا بالکل احساس نہیں؟ تم نے سوچا کہ باپ بیمار ہے جو دل میں آئے کرتی رہوں، مگر تمہارا باپ ابھی مرا نہیں ہے۔ میں نے حاشر سے بات کی ہے۔ تم اس کے پیروں میں گر کر معافی مانگو گی۔ وہ تمہیں معاف کردے گا اور میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں۔ ایک دفعہ حاشر کے ساتھ رخصت ہو جاؤ پھر کبھی اس گھر کی طرف مڑ کر مت دیکھنا۔ مر گئے ہم تمہارے لیے۔ جو اور جتنا جہیز تمہیں چاہیے میں دوں گا، مگر پھر کبھی تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا۔"

"پاپا...... آپ کو بھی لگتا ہے کہ میں غلط ہوں؟ یہ تصویر اصلی ہے؟ اور میں بچپن سے بدتمیز اور خودسر ہوں؟" اس نے رخشندہ کی طرف دیکھا۔ "کون بتاتا ہے آپ کو یہ؟ کون؟ آپ نے کب دیکھا کہ میں نے کبھی بدتمیزی کی ہو۔ خودسری دکھائی ہو۔ کب پاپا؟ ماما نے ہمیشہ جو کہا۔ آپ نے مانا۔ ہمیشہ ان کی سنی۔ میں بدتمیز ہوں، زبان دراز ہوں۔ چور ہوں، نافرمان ہوں۔ آپ نے سب سنا اور مانا۔ کبھی کرتا ہوا دیکھتے تو مانتے۔ تو میں بھی انکار نہ کرتی، مگر آپ نے ہمیشہ اپنی بیوی کی سنی۔ اولاد کی کبھی نہیں۔ مجھے تو آپ بھول ہی گئے ہیں پاپا۔"

"تم اپنے باپ پر الزام لگا رہی ہو؟" رخشندہ اس کے سامنے آئیں۔

"الزام نہیں سچ ہے یہ۔ انہوں نے ہمیشہ آپ کی سنی۔ میری خاموشیوں کو کبھی نہیں سنا۔" پاپا بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ نے آخری بار کب مجھے پیار کیا۔ ایک سال پہلے؟ پانچ سال پہلے؟ دس سال پہلے یا اٹھارہ سال پہلے؟ آپ کو یاد نہیں ہوگا۔ مجھے یاد ہے۔ اٹھارہ سال پہلے۔ جب میں واقعی آپ کی بیٹی تھی۔ اب آپ مسز رخشندہ فاروق کے شوہر ہیں، مگر میرے پاپا نہیں۔ مجھے لگتا ہے آپ کی اس بیماری کے دوران ماما اور خالہ نے آپ کے بہت کان بھرے ہیں۔ سوچیں ان دونوں عورتوں نے میرے حق میں اٹھارہ سال میں کبھی کوئی ایک بھی بات کی؟ کیا میں اتنی بری تھی پاپا؟"

"پہلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں پاپا! ماما، حاشر بھائی اور میں نے اس کے نئے چہیتے کو کھوج لیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟" ماما نے پوچھا۔

"ایک بوتیک کا پیون ہے۔ سارا دن صفائی کرتا رہتا ہے وہاں۔"

"ہائیں۔" تابندہ حیران ہوئی۔ "چھی۔ چھی۔" اسے گھن آئی۔

"حاشر بھائی نے ثمن سے شادی سے انکار کردیا ہے۔" طاہر غصے سے چلایا۔ "وہ کہتے ہیں اس قدر لولیول عورت کے ساتھ میں نہیں رہ سکتا۔"

"اب بہتر تو یہ ہے کہ اس کی شادی اس پیون سے ہی کروائی جائے اور کوئی تو اسے اپنائے گا نہیں۔" تابندہ خالہ نے کہا۔

"دیکھا۔ یہ ہمیشہ میرے خلاف بات کرتی ہیں۔ آپ کے کان بھرتی ہیں۔ آپ ان کے سنتے ہیں ہمیشہ۔ کیا اپنی اولاد کو بھول گئے ہیں۔ ان عورتوں کی وجہ سے۔"

"کیا بکواس کیے جا رہی ہو۔ مجھے اپنی بحث میں مت گھسیٹو۔" تابندہ غصے سے بولی۔

رخشندہ رونے لگیں۔ "اپنی اولاد کی طرح پالا اور صلہ یہ کہ آج اتنے الزامات۔ غیر غیر ہی رہتا ہے۔ ہم غیر اور پرائے ہیں۔ تابندہ! مجھے نہیں رہنا یہاں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ یہ لڑکی میری ممتا کا صلہ دے رہی ہے کہ آج مجھے الزام دے رہی ہے۔ جس کی کیئر کرنے میں، پیار دینے میں، نہ میں نے کبھی دن دیکھا نہ رات اور آج......" رخشندہ صوفے پر بیٹھ کر رونے لگیں۔

"آپ دیکھ رہے ہیں فاروق بھائی......"

"آپ ہمارے گھر کے معاملات میں مت بولیے خالہ۔" ثمن سختی سے بولی۔ آج اگر وہ نہ بولتی تو کبھی نہ بول پاتی۔

"اتنی بدتمیزی...... وہ بھی گھر آئے مہمان کے ساتھ۔" تابندہ نے بھی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ دونوں عورتوں نے خوب رونا دھونا مچایا۔

"ڈیڈی! آپ میری طرف دیکھیں۔ میں نے ایسا کچھ......" ابھی وہ اتنا ہی بولی تھی کہ فاروق کا ہاتھ اٹھا اور ثمن کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔ "تم جیسی اولاد سے اچھا تھا کہ میری اولاد ہی نہ ہوتی۔ لے جاؤ اسے میری نظروں کے سامنے سے۔" فاروق نے سینے پر ہاتھ رکھا اور گرتے چلے گئے۔ دوسری جانب وہ...... ثمن۔ وہ تو ایسی گری کہ اٹھ نہ پائی...... اس کا باپ اس کا آخری سہارا تھا۔

☆☆☆

نسوار خان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس نے کس بڑے گھر کی عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے؟ وہ اپنی اردو، پشتو مکس کرتا کچھ وضاحت دینا چاہتا تھا، مگر کسی نے اس کی کوئی بات نہ سنی تھی۔ پہلے حاشر نے اسے دھنکا تھا۔ پھر طاہر نے۔ آس پاس کی دکان والوں نے بیچ بچاؤ کروایا۔ صورت حال جان کر نسوار خان کو نوکری سے مینجر نے نکال دیا اور طاہر اور حاشر کو گھر جا کر معاملہ سلجھانے کو کہا۔ نسوار خان چیختا چلاتا رہ گیا۔ حاشر تو وہاں سے چلا گیا، مگر طاہر نے پولیس کو فون کردیا۔ جس پر نسوار خان بالکل ہی طاہر کے پیروں میں بیٹھ گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پولیس کے ہتھے وہ ایک دفعہ لگا تو اسے پولیس چھوڑے گی نہیں۔ پولیس وہ تمام کیس جو حل نہیں ہو پا رہے اس پر ڈال دے گی۔ وہ باقاعدہ گڑگڑانے لگا۔

"تو پھر خان صاحب! اگر تھانے نہیں جانا تو اس گند کو تم سمیٹو گے جو تم نے پھیلایا ہے۔"

"کون سی گند؟" نسوار خان نے آگے پیچھے دیکھا۔

"ابے گدھے! ہماری عزت خراب کی ہے تو نے۔ اب ہماری عزت تو سنبھالے گا۔" خان صاحب کی سمجھ میں ابھی بھی بات نہ آئی جس کی پاداش میں انہوں نے اور مار کھائی اور انہیں دھکیل کر گاڑی میں ڈال کر تھانے لے جایا جانے لگا۔ مکتب خان کچھ حیران پریشان سا وہیں کھڑا رہ گیا۔ تھانے کا نام دوبارہ سن کر خان رونے لگا۔

"ام سمجھدار نہیں اے۔ ام کو سمجھ نہیں آتی۔ تم صاحب لوگ ام کو صحیح سے سمجھاؤ۔ تم جو کہے گی ام وہ کرے گی۔ ام کو تھانے نہیں لے کے جاؤ۔" اب کے طاہر نے اسے واضح طور پر بتایا کہ اسے اس لڑکی سے شادی کرنی ہے جس کے ساتھ اس نے یہ حرکت

www.urdugem.com

کی ہے۔ خان نے پھر شور شرابا ڈالا۔ مکتب خان کو آوازیں دینے لگا۔ مدد مانگنے لگا۔

''ام برباد ہو جائے گی۔ امارہ منگنی ہونے والا ہے وزیرستان میں۔ اس طرح تو امارہ بہن کا بھی شادی رہ جائے گا۔ ماموں زمین میں سے حصہ بھی نہیں دے گی۔ اوئے مکتب خانا۔ کچھ کرو مڑا...... نہیں نہیں...... گاڑی مت چلاؤ۔ تھانے نہیں لے جاؤ۔ ام کرے گی شادی۔ ام کرے گی۔'' نسوار خان آنسوؤں سے رونے لگا۔

نسوار خان کو اس کے گھر لے جایا گیا تاکہ وہ لباس وغیرہ تبدیل کرے۔ نسوار خان نے اپنے محلے کے ایک بزرگ کو تمام روداد سنائی اور انہیں بھی شمولیت کا کہا۔ رستم خان اس پٹھان محلے کے بزرگ اور بڑے مانے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی، بیٹے اور دو دوستوں کو لیا۔ اپنی بیوی اور بھابھی کو تیار ہونے کو کہا۔ آخر کو دلہن لانی تھی۔ عورتوں کا ہونا ضروری تھا۔

طاہر اور اطہر نسوار خان کے گھر گئے جو رستم خان کے گھر کے سامنے واقع تھا۔ اس وقت اطہر کے دل کو کچھ ہوا۔ ثمن اس کی بہن تھی۔ اسے اپنی باقی زندگی یہاں گزارنی تھی؟ مگر طاہر نے اسے سمجھالیا۔ نسوار خان کے پاس ایک بھی ڈھنگ کا لباس نہ تھا۔ اسے رستم خان کے بھائی کا لباس پہننے کو دیا گیا۔ جمعے کی نماز سے پہلے نکاح اور رخصتی دونوں ہو جانی تھی۔

طاہر اور اطہر نے دولہا کو اپنے ساتھ لے جانا تھا تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔ اس کا بٹوہ جس میں اس کا شناختی کارڈ کچھ اور کاغذ اور سات سو روپیہ تھا۔ وہ پہلے ہی لے چکے تھے۔ رستم خان اور باقی لوگوں نے گاڑی کا انتظام کر کے خود ہی آنا تھا۔ رستم خان کی بیوی گل جان نے اپنے پیچھے گھر کی عورتوں کو ہدایت دی تھی کہ آج رات کا نسوار خان اور اس کی دلہن کا کھانا ہمارے گھر سے جائے گا۔ کھانے کی تیاری کرلی جائے۔

☆☆☆

باپ کا تھپڑ کھا کر جب وہ اجڑی حالت میں، بے سائبان ہو کر گری تو تابندہ اسے اٹھا کر کمرے کے باہر چھوڑ کر چلی گئیں۔ باپ کے دروازے کے پاس بیٹھی وہ...... رخشندہ اس کی باتوں کو سن کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ جان سے عزیز نازک اندام بیوی کو بے ہوش ہوتا دیکھ کر فاروق اپنی بیماری بھول گئے۔ ساری رات رخشندہ بے ہوشی میں بولتی رہیں۔ ثمن سے معافی مانگتی رہیں۔ اسے اپنی محبت کا یقین دلاتی رہیں۔

''مجھے معاف کر دو ثمن۔'' وہ نیند میں روتی رہیں۔

''میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا۔''

''کبھی تمہارے باپ کے کان نہیں بھرے۔''

''میں پیار کرتی ہوں تم سے۔ تم بیٹی ہو میری۔''

فاروق کے کان تو کیا دل بھی بھرتا رہا۔ ثمن باہر بیٹھی سنتی رہی۔ صبح بھی جب رخشندہ بہتر نہ ہوئیں تو انہیں اسپتال لے جانا پڑا۔

طاہر بتانے آیا کہ ''حاشر شادی سے انکار کر چکا ہے۔ ثمن کا عاشق مل چکا ہے۔ دنیا ہم پر تھوک رہی ہے۔ آپ لوگ باری باری اسپتال چلے جاتے ہیں۔ بتائیں میں کیا کروں؟'' وہ جوان مرد روہانسا ہو گیا۔

تب جب وہ لوگ کمرے سے نکلنے لگے تھے۔ تب ثمن کے کانوں نے سنا۔ پاپا کی آواز تھی وہ۔

''طاہر! اپنی ماں کی حالت دیکھو۔ تم بڑے بھائی ہونے کی حیثیت سے ولی و مختار ہو ثمن کے۔ جو ٹھیک لگے وہ کرو۔''

''آج گیارہ بجے ثمن کا نکاح ہے پاپا۔'' وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔ ثمن کے مردہ کانوں نے کچھ سنا ہی نہ تھا یا واقعی پاپا کچھ نہ بولے تھے؟

اس کی زندگی میں کیا طوفان آیا تھا؟ سب برباد ہو گیا تھا۔ وہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ نیلے رنگ کے لباس میں ملبوس۔ سمعیہ نے اس کا میک اپ کیا تھا۔

جب پاپا، ماما اور خالہ کے ساتھ اسپتال سے واپس آئے تو چھوہارے بٹ رہے تھے۔

(دوسری اور آخری قسط اگلے ماہ)

خالی ہاتھ

ماہ وش طالب

ہوا میں آج غیر معمولی گھٹن سی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی زبردستی سانس لے رہا ہو۔ چاند بھی اس سے گھبرا کر بے نور ہو رہا تھا اور پیڑوں کا جیسے دم نکل رہا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر میں فضا کی یہ بے رحمی ٹیرس پر کھڑا برداشت کرتا رہا۔ مگر جب ہوا کی تکلیف میں مزید اضافہ ہوا تو ستاروں کی بے بسی سے نظریں چرا کر مجھے نیچے جانا پڑا۔ زندگی تو اب یہ ہی تھی۔ بے بسی، گھٹن اور شاید...... نہیں...... بلکہ یقیناً مجرم سی بھی۔

☆☆☆

میں آفس کے لیے تیار ہو کر ڈائننگ ہال کی جانب بڑھا، جہاں وہ حسب معمول ناشتے پر خوب اہتمام کیے میرا انتظار کر رہی تھی مگر میرا مزاج آج معمول کے برعکس تھا۔ اس کی خوب صورت مسکراہٹ کے جواب میں، میں نے کچھ کاغذات اس کی جانب بڑھائے، جنہیں چہرے پر سوالیہ تاثرات لیے اس نے دائیں ہاتھ سے تھام لیا۔ کاغذات کو کھول کر دیکھنے کے بعد اس کے چہرے کے تاثرات یکسر بدلے تھے اور کچھ لمحوں بعد اس نے فقط

www. ugem.com

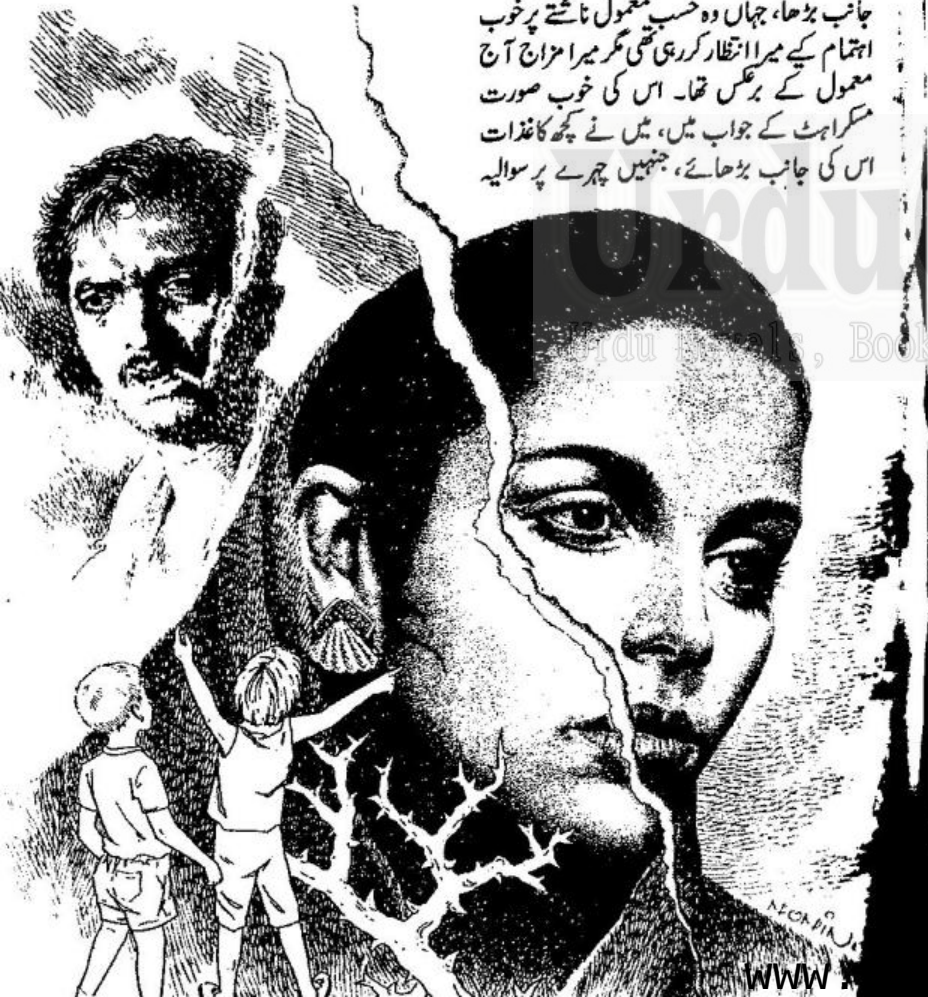

مجھ سے یہ ہی پوچھا تھا۔

''اس کی وجہ؟''

اس کا ردعمل میری توقع کے بالکل برعکس تھا اور شاید یہ ہی بہتر تھا ورنہ میں اپنا دفاع کر پاتا نہ کوئی وضاحت دے سکتا، ناشتے سے سجی میز کی رونق ماند پڑ گئی تھی۔ جیسے بہار کے بعد کسی باغ کی خوب صورتی و چمک پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ بہرحال میرے پاس موقع تھا کہ میں اس کے سادہ سے انداز میں کیے گئے سوال کا آرام سے جواب دے کر جان چھڑاؤں۔

''میں اپنے آفس کی کولیگ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ دن پہلے ہی میں نے اسے پروپوز کیا ہے مگر وہ چاہتی ہے کہ اسے اپنانے سے پہلے میں تمہیں چھوڑ دوں۔'' میں نے سفاکی کی انتہا کرتے ہوئے کہا اور باہر کی جانب چلا گیا۔

☆☆☆

رات کو آفس سے واپسی پر خلاف معمول وہ مجھے لاؤنج یا ڈائننگ ہال میں نظر نہ آئی، البتہ میز پر گلدان کے نیچے ایک سفید کاغذ دبا تھا، وہ میری بیوی قدسیہ کی جانب سے لکھا گیا نوٹ تھا، جس کا متن یہ تھا۔

''اسد! مجھے آپ کے فیصلے پر کوئی اعتراض ہے، نہ فیصلے کے محرک —— پر..... بس میری ایک درخواست ہے اور جس طرح سزائے موت سے پہلے مجرم کی آخری خواہش کا احترام کیا جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے رشتے کی موت سے پہلے اور ہمارے بچے کے لیے آپ میری بات پر ضرور غور کریں گے۔ المان نے ہفتہ پہلے ہی اسکولنگ شروع کی ہے۔ ہمارے علیحدہ ہوجانے سے وہ بہت بری طرح ڈسٹرب ہوجائے گا اور اس عمر میں 'رہ جانے والا خلا پھر کبھی پُر نہ ہو پائے گا۔ اس لیے کچھ زیادہ نہیں، بس چھ ماہ تک اس رشتے کو سلامت رہنے دیں۔ یہ مدت پوری ہوتے ہی میں طلاق کے کاغذات پر دستخط کردوں گی۔''

اس کی یہ خواہش، درخواست یا کچھ اور..... مجھے معقول لگی تھی۔ کم از کم اپنے بچے کے لیے میں یہ سمجھوتا کرسکتا تھا۔ اب اس رشتے کو محدود مدت کے لیے بے دلی سے برداشت کرنا میرے لیے کسی سمجھوتے سے زیادہ نہ تھا۔

وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ اس دوران ہم اپنے آپس کے تعلقات بالکل نارمل رکھیں، یعنی جیسے ایک نارمل شادی شدہ جوڑے کے درمیان ہوتے ہیں۔ جیسے میرے اس فیصلے سے قبل ہمارے تھے اور میں جانتا تھا کہ وہ یہ سب کیوں چاہ رہی ہے۔

دراصل روزانہ دفتر سے آکر اور جاتے ہوئے بھی میں قدسیہ کے ماتھے پر بوسہ دیا کرتا۔ ایک دوسرے کو پیار بھری مسکراہٹ سے دیکھنا ہمارا معمول تھا اور اس معمول کو دیکھنے کا المان عادی تھا اور مجھے یقین تھا کہ آج صبح خلاف معمول ماحول دیکھنے پر المان نے قدسیہ سے ضرور سوال کیا ہوگا۔ تب ہی اس نے اس بیچ پر سوچا۔ میں نے قلم نکال کر اس کاغذ پر دستخط کیے اور المان کو دیکھنے کمرے میں چلا گیا۔ صد شکر کہ وہ کمرے میں نہیں تھی، کہاں تھی؟ مجھے یہ جاننے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ المان البتہ سو رہا تھا۔ اسے احتیاط سے بوسہ دے کر میں نے تازہ دم ہونے کے لیے واش روم کا رخ کیا۔

☆☆☆

میرے شب و روز آج کل رمشا کے ساتھ بہت خوب صورت گزر رہے تھے۔ اس لیے اگلی شام واپسی پر جب مجھے قدسیہ لاؤنج کے دروازے پر بجی سنوری ملی تو میں جی بھر کر کوفت کا شکار ہوا مگر بادل نخواستہ مجھے اپنے تاثرات نارمل رکھنے تھے۔ المان ''بابا آگئے، بابا آگئے۔'' کا نعرہ لگاتا میری گود میں آگیا۔

وہ میرے سینے پر سر ٹکائے، مجھے پرانی باتیں یاد دلا رہی تھی۔ المان کچھ لمحے قبل ہی گہری نیند سویا تھا۔ مجھے اس کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی، مگر اس سے بے نیاز وہ اپنی ہی کہے جارہی تھی۔

اگلی رات میں نے اس کے بالوں پر غور کیا جو کبھی گہری گھٹاؤں کی مانند ہوا کرتے تھے، اب ایک پتلی سی بے رونق رسی میں تبدیل ہوچکے تھے۔ اس کے بالوں کی ابھرتی سفیدی دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ ہماری شادی کو زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا تھا۔ غالباً چھ سال یا کچھ اوپر..... مگر میں اس پر زیادہ غور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مبادا یہ بات میرے ارادے کو متزلزل نہ کردے۔

☆☆☆

دو ماہ گزر چکے تھے۔ المان کا اسکول بہت اچھا جارہا تھا۔ قدسیہ کے رویّے یا تاثرات سے کسی طور عیاں نہ ہوتا تھا کہ کچھ عرصے بعد ہم قطع تعلق کرنے والے ہیں۔ وہ معمول کے ڈھنگ سے زندگی جیے جارہی تھی۔

آج اس نے باہر ڈنر کی خواہش ظاہر کی۔ میں چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کرسکا۔ وہ تیار ہوکر گاڑی میں بیٹھی تو میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ مجھے بے اختیار نظریں چرانا پڑیں۔ وہ شام بے حد خوش گوار گزری تھی۔ المان کی چہچہاہٹ دیکھنے والی تھی۔

☆☆☆

دن، ہفتوں اور مہینوں کی بیساکھی پکڑ کر گزرتے رہے۔ آج بھی وہ میرے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی بیتے لمحوں کو یاد کررہی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کے لہجے میں نمک گھلا محسوس ہوا۔ وہ ہماری ساحل پر ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے گھنٹوں کی گئی چہل قدمی کا دن یاد کررہی تھی۔ وہ مجھے یاد دلا رہی تھی جب اس کے بیمار ہونے پر میں نے کیسے پاگلوں کی طرح فکرمند ہوکر اس کا خیال رکھا اور بھی نہ جانے کیا، کیا..... میں اپنے خیالوں میں گم، اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ یک دم میں چونکا۔ وہ سوچکی تھی۔

اس کی معصومیت پر مجھے اس لمحے بے حد پیار آیا۔ بے اختیار میں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

میں نے غور کیا تھا کہ پانچ ماہ کے عرصے میں اس کی جلد اور بالوں کی رونق لوٹ رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے اپنا بازو اس کی گردن سے الگ کیا۔

وہ ساری رات میں نے جاگتے اور سوچنے میں گزاری..... اور صبح تک میں ایک نتیجے پر پہنچ ہی گیا۔

☆☆☆

میں کافی عرصے بعد گھر سے مطمئن ہوکر دفتر کے لیے نکلا تھا۔ لنچ ٹائم میں نے رمشا کو واضح انداز میں ''انکار'' کیا۔ اس کے غصے، ناراضی کی پروا کیے بغیر' میں شام کو جلدی دفتر سے نکل آیا۔ راستے میں ایک خوب صورت سا بکے خریدا۔ مجھے معلوم تھا کہ قدسیہ دروازے پر میرا انتظار کررہی ہوگی۔ میں اپنے فیصلے کی تبدیلی پر اس کے تاثرات دیکھنے کے لیے بے چین اور پُرجوش تھا..... مگر..... جب میں گھر پہنچا تو خلاف معمول وہ دروازے پر نہ تھی۔ ڈائننگ ہال، لاؤنج، کچن سب خالی تھے۔

پھر مجھے کمرے سے ہچکیوں، سسکیوں کی آواز آنے لگی۔ وہ المان تھا۔ میں تیزی سے کمرے کی جانب بڑھا..... قدسیہ سامنے بیڈ پر بے جان پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں طلاق کے دستخط شدہ کاغذات تھے۔ اور میں..... میں خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔

وہ پچھلے سات ماہ سے گلے کے سرطان میں مبتلا تھی اور میں اپنی زندگی میں اس قدر کھو گیا کہ اپنی رفیق حیات کی اتنی سنگین حالت کے بارے میں جان تک نہ سکا وہ اپنی زندگی کا آخری حصہ میرے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ تب ہی اس نے المان کا نام لیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی بصورت دیگر میں قائل نہیں ہوپاؤں گا۔

قدسیہ نے سات برس کے ساتھ پر وفا کی مہر ثبت کردی تھی، جاتے جاتے اور میں نے بے وفائی کا تمغہ اپنے نام کرالیا۔

بکھرے، مسلے نازک پھول اپنی حالت پر نوحہ کناں تھے اور چاند ''گرہن'' زدہ تھا۔

☆

www.urdugem.com

نمرہ احمد

عالم

تالیہ خواب میں فاتح کے سن باؤ والے گھر میں، خود کو ایڈم کے ساتھ خزانہ تلاش کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ فاتح تالیہ سے اپنی فائل کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسے اپنے گھر آنے سے منع کر دیتا ہے۔ تالیہ کو عصرہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ سکہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم اسے ایک جیولر کو بیچ دیتا ہے۔ تالیہ اس کے حوالے سے اسے الجھا دیتی ہے اور جیولر کو بلیک میل کر کے سکہ نکلوا لیتی ہے، مگر سکہ اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ایڈم اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

فارض صاحب کے ذریعے فاتح کو حالم کا پتا چلتا ہے۔ فائل کی واپسی کے لیے حالم صبح تک کا وقت مانگتا ہے اور اس منصوبے میں فاتح کو بھی شامل کرتا ہے۔ فاتح اس کی باتوں سے متاثر ہو کر راضی ہو جاتا ہے۔ ایڈم پر سکے کا اسرار کھلتا ہے۔ حالم پتا چلا لیتا ہے کہ فائل اشعر کے آفس میں ہے۔

سمیج، تالیہ کو بلیک میل کرنے آتا ہے۔ بازار میں داتن، سمیج کو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ حالم جان پہ کھیل کے اگلے روز ہی فائل اشعر کے سیف سے چرا کر لا دیتا ہے۔ فاتح، حالم سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

ایڈم کو تالیہ مشکوک لگتی ہے۔ وہ تالیہ کی گردن پہ نشان دیکھتا ہے تو اسے تاریخی کہانی یاد آ جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے

www.urdugem.com

کہ تالیہ اس بیکے کے پیچھے ہے جو ایڈم کے پاس ہے۔ عصرہ سے فاتح جھوٹ بولتا ہے۔ عصرہ کو فاتح اور اشعر دونوں پہ غصہ آتا ہے۔ فاتح سن باؤ کو بچنے سے پہلے وہاں ایک دن گزارنے جاتا ہے۔ عصرہ، تالیہ کی فرمائش پہ اسے بھی بلا لیتی ہے۔ فاتح سن باؤ کے گھر کی کہانی سناتا ہے۔ تالیہ اس گھر کے کنویں کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔ وہ فاتح سے اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ مگر وہ اسے بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فاتح کو یاد آتا ہے کہ وہ عصرہ اور بچوں کے ساتھ پہاڑوں کی سیر کو جاتا ہے، جہاں آریانہ کو اس کی آیا دھوکے سے اغوا کر لیتی ہے۔ فاتح، آریانہ کے گرائے ہوئے پاپ کارن کے ذریعے آریانہ کی لاش تک پہنچ جاتا ہے۔ آریانہ مزاحمت کے دوران پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس کے اغوا کار بھی کھائی میں گر کر مر جاتے ہیں۔ فاتح آریانہ کی مسخ شدہ لاش دفنا دیتا ہے۔ اور اس کی موت کا کسی کو نہیں بتاتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آریانہ کو صوفیہ رحمٰن نے اغوا کرایا تھا۔

ایڈم ملاکہ پہنچ جاتا ہے۔ ایڈم کو یقین دلانے کے لیے تالیہ بریسلیٹ اس کو دے دیتی ہے۔ ایڈم شک میں پڑ کر راستے میں فاتح کو سچ بتاتا ہے۔

تالیہ فاتح کے گھر میں خزانے کا راستہ تلاش کر لیتی ہے۔ فاتح اور ایڈم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ فاتح اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے، مگر تالیہ خزانہ دیکھنے پر بضد ہوتی ہے۔ بالآخر تینوں بحث کے بعد ایک دروازے سے گزرتے ہیں۔ جہاں سے وہ ایک جنگل میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ غائب ہو جاتا ہے۔

راستے میں وہ ہی حالات پیش آتے ہیں جو تالیہ خواب میں دیکھ چکی ہے۔ اسے داتن کی باتوں میں سچائی نظر آنے لگتی ہے کہ وہ پندرہویں صدی کی لڑکی ہے جو وقت سے آگے نکل آئی تھی۔ خزانے کے لالچ میں، اور سچ کی تلاش میں تالیہ اور ایڈم پرانے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں۔

فاتح پر کھل جاتا ہے کہ تالیہ ہی عالم ہے۔ اب اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ وہ حالات سے گھبرانے کے بجائے جنگل سے نکلنے کا سوچتا ہے۔ ازخود ان دونوں کا لیڈر بن جاتا ہے۔

نویں قسط

"یہ کھانے کے لیے ہے۔" تالیہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس نے بھاری سا وہ پتا پکڑا اور پتھر پہ بیٹھی۔ گھٹنوں پہ پتا رکھ کے کھولا تو مسکراہٹ غائب ہوئی۔

پتے پہ ایک قطار سے کوئی انگلی جتنی چیزیں رکھی تھیں۔ پہلے اسے اچنبھا ہوا۔ گردن جھکائی۔ پھر ان چیزوں کے پر، ٹانگیں باز و نظر آئے تو وہ بلبلا کے کھڑی ہوئی۔

"یہ تو Grass hoppers ہیں۔ (ٹڈے) "بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا۔ "تم.... تم گراس ہوپرز لائے ہو؟"

"ریلیکس چے تالیہ! ان کے سر کاٹ دیے تھے میں نے۔ اب آپ کھا سکتی ہیں۔ میں نے بھی دو کھائے ہیں۔ ادھر یہی ملے گا۔"

وہ گردن پہ ہاتھ رکھتی دور ہٹی۔ اسے متلی ہونے لگی تھی۔ "دور ہو جاؤ تم مجھ سے ایڈم!"

"گراس ہوپر میں انرجی ہوتی ہے۔ میں نے اتنی مشکل سے پکڑے ہیں۔ انرجی نہیں ہوگی تو آپ زیادہ دیر چل نہیں سکیں گی۔"

"چپ کر جاؤ ایڈم!"

"وہ درست کہہ رہا ہے۔ جنگل سے لڑتے نہیں ہیں، تالیہ۔ آنکھیں بند کر کے کھا لو۔"

"گراس ہوپرز؟" اس نے صدمے سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ "پورے جنگل میں اس کو صرف گراس ہوپرز ملے؟ کوئی پھل، کوئی سبزی.... کچھ نہیں ملا؟"

"چے تالیہ.... میں کتنا چل سکتا تھا؟ مجھے سامنے یہی نظر آیا۔ اور یہ جنگل نہیں ہے۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔"

"میں.... میں جھرنے کی طرف جا رہی ہوں۔" اس کا اندر کھول رہا تھا۔ وہ تیزی سے مڑی۔ جہاں سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی، اس طرف بڑھی۔

"سوری مگر آپ جھرنے کا پانی نہیں پی سکتیں۔ نہ بارش کا پانی پی سکتی ہیں۔" وہ اب اپنے پتے اور پھول جوڑ رہا تھا جیسے اپنی میڈیسن کمپلیٹ سے بہت خوش ہو۔

وہ تلملا کے پلٹی اور گھور کے اسے دیکھا۔ "وہ کیوں؟"

"کیونکہ وہ پانی صاف نہیں ہوتا۔ اس میں جراثیم اور پیراسائیٹ ہوتے ہیں۔ اس کو ابالے بغیر نہیں پیا جا سکتا اور درختوں کی لکڑی اتنی گیلی ہے کہ ہم اسے جلا بھی نہیں سکتے۔" تالیہ کا دل ڈوبنے لگا۔ امید پھر سے ناامیدی میں بدلنے لگی۔

"تو ہم پانی کیسے پئیں گے؟ ہم کیسے زندہ رہیں گے؟" خاموش کھڑے درختوں کی ہیبت پھر سے طاری ہونے لگی۔

"یہ ٹہنیاں..." فاتح نے بیٹھے بیٹھے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ جانے بانس کا درخت تھا یا کیا، اس کی سیدھی سیدھی ٹہنیاں تھیں۔ جیسے بھوری لکڑی کی ڈنڈیاں ہوں۔

"ان کو کاٹیں گے تو اندر سے پانی نکلے گا۔ تازہ خالص پانی۔ تم وہ پی سکو گی۔"

تالیہ چپ ہو گئی۔ پھر ایک ناپسندیدہ نظر پتے پہ نظار میں رکھے گراس ہوپرز پہ ڈالی جن کے سر کٹے ہوئے تھے۔ (بدتمیز انسان نے رکھے بھی کیسے سجا کے ہیں۔)

"مگر... یا اللہ.... میں یہ کیسے کھا سکتی ہوں؟"

"اچھا؟ میں تو سمجھا تھا تم ایورتج فیری ٹیل گرل نہیں ہو۔" وہ سادگی سے بولا۔ سفید شرٹ گدلی ہو رہی تھی مگر چہرہ جھرنے سے ابھی دھو کے آیا تھا اور تازہ دم، مسکرا رہا تھا۔ گیلے بال ہاتھ سے پیچھے کو کر دیے تھے۔

تالیہ نے لب بھینچ لیے۔ وہ دونوں اب پہلے سے زیادہ آرام دہ نظر آتے تھے۔ فیز ٹو۔

"میں.... ایورتج فیری ٹیل گرل.... ہوں بھی نہیں۔" وہ چبا چبا کے بولی اور قریب آئی۔ پتے سے ایک مرا ہوا گراس ہوپر اٹھایا۔ (آخ تھو) مگر ساری کراہیت کو اندر دبائے، اس نے وہ منہ میں ڈال لیا۔ آنکھیں زور سے میچیں اور چبایا۔

کرنچی.... کرپسی اور انتہائی بدذائقہ۔ یا اللہ۔ مگر کراہ تک منہ سے نہیں نکالی۔ آخری لقمہ حلق سے اتارتے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے مگر وہ اسے چباتی گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"مجھے نہیں معلوم میرے بابا کو کس سے خطرہ تھا جو انہوں نے مجھے ایک دوسری دنیا میں بھیج دیا، لیکن خدا کی قسم، جس دن مجھے وہ شخص ملا جس نے میرے گاؤں اور میرے بابا کو ان مسائل کا شکار کیا تھا، میں اس کی جان لے لوں گی۔" بے بسی بھرے غصے سے بول رہی تھی۔ حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔

"گڈ۔ تمہارے پاس پلان ہے فائنلی۔ خیر۔ میرے پاس بھی پلان ہے۔" فاتح اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی چھوٹی آنکھوں میں ڈھیر ساری امید تھی۔

"ہمیں STOP کرنا ہے۔ ایس ٹی او پی۔ ایس سے stop۔ (ٹھہرنا) ٹی سے think (سوچنا) او سے observe (مشاہدہ کرنا) اور پی سے plan۔ (منصوبہ) ہم جب بھی جنگل جاتے تھے.... اس STOP تدبیر کے ذریعے اگلا لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔"

وہ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑا کہہ رہا تھا اور وہ دونوں اس کو سن رہے تھے۔

www.urdugem.com

''ہم اسٹاپ اور تھنک کے مرحلے سے نکل آئے ہیں۔ اب مشاہدہ کرنا اور پلان کرنا ہے۔ اس لیے سنو!''

☆☆☆

''ہم اس وقت جنگل میں ہیں' اور جنگل سے نکلنے کا واحد راستہ اس کے سب سے اونچے مقام تک پہنچنا ہوتا ہے۔''

وہ تینوں درختوں کے درمیان چل رہے تھے۔ لمبی قمیص اور الجھے بالوں والی تالیہ بیگ اٹھائے سب سے پیچھے تھی اور وان فاتح سب سے آگے۔

''ہمیں اونچائی کی طرف سفر کرنا ہے' جہاں سے ہم دیکھ سکیں کہ جنگل سے نکلنے کا راستہ کیا ہے اور وہاں سے کسی کو مدد کے لئے پکار سکیں۔ یقیناً آس پاس آبادی ہوگی۔''

ایڈم چلتے ہوئے پتے موڑ رہا تھا۔ فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے متلاشی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا اور وہ سب سے پیچھے نڈھال سی چلتی جا رہی تھی۔

''ہم ایک دن میں جنگل میں ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں چل سکیں گے۔ زمین سلپری ہے' پیر پھنس جاتے ہیں۔''

زمین پہ سرخ بھوری مٹی گیلی تھی۔ اس میں پتھر' پتے' ٹہنیاں سب بکھرا ہوا تھا۔ وہ بدقت قدم اٹھا پا رہی تھی۔ بار بار کوشش کرنی پڑتی۔ اونچائی کو جاتے درخت خاموشی سے وقت کے ان تین مسافروں کو نم زمین پہ اوپر چڑھتے دیکھ رہے تھے۔

''چونکہ جنگل زندہ ہے' ہمیں ڈنڈوں اور جوتوں کی آوازوں کے ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کو اپنی آمد کی خبر کرنی ہوگی تاکہ وہ چھپ جائیں۔ وہ صرف ڈر کے حملہ کرتے ہیں۔ جب وہ ہمیں دیکھ لیں گے تو دور ہٹ جائیں گے۔''

ان تینوں نے لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں جو دراصل درختوں کی موٹی ٹہنیاں تھیں اور وہ ان کو زمین پہ رکھتے ہوئے قدم اٹھا رہے تھے۔ پتوں اور پتھروں پہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ جنگل کا معاملہ عجیب تھا۔ درخت کے تنے پہ اگر آواز پیدا کرو' یا ذرا سا جھٹکا دو' تو اوپر شاخوں تک جا کر وہ آواز کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ نیچے تھوڑی سی حرکت اوپر جاتے جاتے ــــ شور بن جاتی۔

''ہمیں بہت سارا پانی پینا ہوگا۔ ٹہنیوں کو توڑ کے ہم رات بھر کے لیے ان کو بوتل پہ اور پتوں کے برتنوں میں الٹا کھڑا کر دیں گے۔ صبح تک کافی پانی جمع ہو جائے گا۔''

وہ ایک درخت کے پاس رکے کھڑے تھے۔ ایڈم ٹہنیاں کاٹ کاٹ کے ان کو دے رہا تھا۔ تالیہ نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کے ٹہنی منہ پہ لٹکائی تو قطرہ بہ قطرہ پانی اندر گرنے لگا۔ تھوڑا اور آہستہ۔ مگر تازہ صاف پانی تھا۔

''یہ تالیہ کے کوٹ سے میں نے مچھلی پکڑنے کے لئے جال بنایا ہے' اگر ہم اس سے مچھلیاں پکڑ سکیں تو ہمیں گراس ہوپرز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

وہ ایک جھرنے کے کنارے بیٹھے تھے۔ ایڈم چند کیڑے خنجر پہ اٹھائے' پانی پہ چھڑک رہا تھا۔ فاتح نے ایک ٹہنی کا loop سا بنایا' انگریزی حرف P کی طرح' اوپر کپڑا چڑھا کے بازو اور اس 'جال' کو پانی میں ڈال دیا۔ اس کے نم بال ماتھے پہ بکھرے تھے' جن کو وہ بار بار ہاتھ سے پیچھے کرتا تھا۔ وہ پتھر پہ بیٹھی اس کو دیکھنے لگی۔ وہ اس لیے دیے اور سپاٹ سیاستدان سے مختلف نظر آ رہا تھا جس سے وہ چند دن پہلے ملی تھی۔ مگر تب اور اب میں فرق تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا۔ گرد آلود قمیص' چہرہ بھی میلا۔ سنہری چوٹی سے نکلتے بال۔ وہ سوشلائیٹ' وہ طرحدار امیر زادی.... وہ غائب ہوگئی تھی۔

''مگر ہو سکتا ہے کہ ہمیں مچھلی نہ ملے اور ہمیں انہی کیڑوں پہ گزارا کرنا پڑے۔''

فاتح نے ٹہنیوں اور کپڑے کا جال پانی سے باہر نکالا تو وہ خالی تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر

...لٹے اچکا دیے۔ اس جھرنے کی مچھلیاں بہت تیز ...شیار تھیں۔ ہاتھ نہیں آ رہی تھیں۔

''ہم زیادہ دیر جھرنے کے پاس رک نہیں سکیں ...۔ اگر مچھلیاں ہاتھ نہ آئیں تو ہمیں آگے بڑھتے ...نا ہوگا۔ ہر چند قدم پہ درختوں کی اقسام بدل جاتی ...''

وہ اب گھنے اور موٹے تنے والے درختوں کے ...رمیان چل رہے تھے۔ ایڈم ایک درخت کے پاس ...ا اور قدرے جوش سے کچھ بتانے لگا۔ وہ برے منہ ...کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔ وان فاتح سنتے ہوئے بار ...ار چہرے پہ آیا پسینہ پونچھتا تھا۔

''ہو سکتا ہے ہمیں یہاں کوئی اور درخت مل ...جائیں جیسے آئیوری پام اس کا پھل تمہارے کھانے ...کے قابل ہوگا' تالیہ۔''

ایڈم ایک پپیتے کی شکل کے پھل کو کاٹ کے ...اندر کا گودا اس کی طرف بڑھا رہا تھا اس نے برے ...دل کے ساتھ تھاما اور منہ میں رکھا۔ یہ بھی بدذائقہ ...تھا۔ یا اس کے منہ کا ذائقہ ہی کڑوا ہو چکا تھا۔ اُف' وہ ...مر جانا چاہتی تھی۔

''رات کو سونے کے لئے ہم ان سانپ ...بچھوؤں کے ساتھ جنگل کے فرش کو شیئر نہیں کر سکتے۔ ...اس لیے ہمیں hammock (جالی دار جھولا) ...بنانے ہوں گے۔''

شام اتر آئی تھی' مگر روشنی کافی تھی۔ وہ ایک جگہ ...رکے ہوئے تھے اور لکڑیاں جوڑ رہے تھے۔ تالیہ ...ٹہنیاں کاٹ رہی تھی۔ فاتح لکڑی کے دو پول زمین ...میں گاڑھے ان کے درمیان ٹہنیوں کا جھولا بنا رہا تھا۔ ...بار وہ رک کے رسی نما ٹہنی کھینچتا اور اس کی مضبوطی ...چیک کرتا۔ یہ جھولا زمین سے چار پانچ فٹ اونچا تھا۔

''مچھر بہت زیادہ ہیں یہاں اور ایڈم کا کہنا ہے ...ہمیں چیونٹیوں کی بنائی سرخ مٹی جو وہ پتوں کو توڑ کے بناتی ہیں' خود پہ لگانی ہوگی تاکہ مچھر اور ...سے دور رہیں۔ یہ مٹی ابھی تک نظر نہیں آئی۔ چند میل کے سفر میں مل ہی جائے گی۔''

رات جنگل پہ چھائی تھی۔ وہ لکڑی کے دو پولز کے درمیان بنے ٹہنیوں کے جھولے پہ لیٹی تھی اور تھکی آنکھیں دور اوپر درختوں کے پتوں سے پار نظر آتے سیاہ آسمان پہ جمی تھیں۔ اس کے چہرے پہ سرخ مٹی لگی تھی۔

''اور جب ہم اس جنگل سے نکل جائیں گے' تو ہمیں ملاکہ جانا ہوگا۔''

صبح کی سفیدی پھیلی تھی اور وہ جھرنے کے پاس بیٹھی ہاتھ منہ دھو رہی تھی۔ ایڈم قریب بیٹھا کسی ٹہنی کو چبا کے سوچنے رک جاتا۔ وہ مختلف پودوں کو ٹیسٹ کر رہا تھا کہ کون سا کھانے کے قابل ہے۔ وان فاتح ایک درخت کے ساتھ کھڑا پانی کے لئے ڈنڈیاں کاٹ رہا تھا۔

''ملاکہ یہاں سے کتنا دور ہے مجھے نہیں معلوم۔ لیکن ہمیں ملاکہ جانا ہوگا اور تالیہ کے والد کو ڈھونڈنا ہوگا۔''

کڑی دوپہر میں وہ خاموشی سے درختوں کے درمیان اوپر چڑھتے جا رہے تھے۔ بیگ اب فاتح نے اٹھا رکھا تھا۔ چہروں اور بازوؤں پہ سرخ مٹی لگی

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ

کی جانب سے بہنوں کے لیے خوشخبری
خواتین ڈائجسٹ کے ناول گھر بیٹھے حاصل کریں

30 فی صد رعایت پر

طریقہ کار ناول کی قیمت کے 30 فی صد کاٹ کر ڈاک خرچ -/100 روپے فی کتاب منی آڈر کریں۔

منگوانے اور دستی خریدنے کا پتہ
مکتبۂ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.urdugem.com

تھی۔ شکلیں میلی اور بدنما ہو رہی تھیں۔

''فی الحال تو آسمان نظر نہیں آ رہا مگر جیسا کہ تالیہ کا کہنا ہے' اس کے بابا نے اسے ستاروں سے گاؤں کا راستہ سمجھایا تھا' ہم جب جنگل سے نکلیں گے تو ستاروں سے راستہ ڈھونڈ لیں گے۔''

ایک اور رات اتر آئی تھی' اور وان فاتح ٹہنیوں کے بستر پہ لیٹا تھا۔ ہاتھ میں اس نے اپنا بٹوہ کھول رکھا تھا جس میں آریانہ کی تصویر لگی تھی۔ اس نے تصویر سے اندر جھانکا۔ پاپ کارن کے دو دانے اندر چھپے ہوئے تھے۔ پھر اس نے تاریخ دیکھی۔ آج کاغذات نامزدگی جمع ہونے شروع ہو گئے ہوں گے۔ وقت کم رہ گیا تھا۔

''مراد ایک شکار باز ہے۔ اگر وہ پہلے چابی بنا سکتا تھا تو وہ اب بھی چابی بنا لے گا۔ اس چابی کے ذریعے ہم واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔''

جنگل میں روشنی پھیلی تھی اور وہ تینوں کچھ فاصلے پہ بیٹھے تھے۔ تالیہ نے چہرہ گھٹنوں پہ گرا رکھا تھا اور فاتح ایک ٹہنیوں کے گٹھے کو جوڑ رہا تھا۔ ایڈم دور بیٹھا اپنے موبائل پہ تصویریں آگے کرتا جا رہا تھا۔ باپ' ماں' فاطمہ ....اس کے دوست....عید کی تصویریں....عید کے پکوان....محلے کی دکان۔ بیٹری لیمٹ (ختم)۔ ٹون بجی اور موبائل بجھ گیا۔ پرانی زندگی سے تعلق کی جو ڈور بندھی تھی' وہ ٹوٹ گئی۔

''میرا نہیں خیال کہ تالیہ تم نے جو ہما ہم تینوں کے سر پہ دیکھا تھا، وہ حکومت یا بادشاہی کی علامت تھا۔ ہما پرندہ کچھ اور چیزوں کی علامت بھی ہوتا ہے۔''

رات کے اندھیرے میں جنگل کے درخت خاموش کھڑے تھے اور وہ ٹہنیوں کے جھولے پہ سکڑ کے لیٹی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پہ سرخ مٹی ہنوز لگی تھی۔ آنکھیں ویران تھیں۔

''ہم سولہ جولائی کی رات دروازہ پار کر کے آئے تھے۔ کل بیس جولائی شروع ہو جائے گی۔''

ان دونوں کے بستر دور بنے تھے۔ مگر وہ اس کی آواز سن سکتے تھے۔ فاتح بستر پہ نہیں تھا۔ پتھروں پہ بیٹھا بٹوہ کھولے دیکھ رہا تھا۔

کسی نے تالیہ کو جواب نہیں دیا۔ اتنے دن سے چل چل کے گرمی اور حبس سے توانائی ختم ہوتی جا رہی تھی۔

''بیس جولائی کو میری سالگرہ ہوتی ہے۔ جو یتیم خانے میں لکھوائی گئی تھی۔''

وہ دونوں خاموش رہے۔ وہ اوپر آسمان کو دیکھتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔

''مگر میری طرح میری سالگرہ بھی جعلی ہی ہو گی۔'' ایک آنسو آنکھ سے نکلا' کنپٹی پہ بہتا نیچے ٹپکا اور جنگل کے فرش پہ جا گرا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔ درخت خاموش رہے۔ دور پتھروں اور غاروں میں چھپے سانپ بچھو خاموش رہے۔

ہما صرف خوش بختی یا حکومت کی علامت نہیں ہوتا۔ یہ اپنی راکھ سے دوبارہ جنم لینے والا پرندہ ہے۔ یہ دوبارہ جنم لینے کی علامت ہے۔ نئی زندگی کا نشان۔

نئی دنیا، نئے زمانے میں ایک دوسری زندگی کی پیش گوئی۔

☆☆☆

اونچے درختوں کے پتوں سے چھن کے آتی روشنی نے جنگل منور کر رکھا تھا۔ وہ تینوں قطار میں چلتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔ اب سامنے سیدھی زمین شروع ہو گئی تھی۔ درخت اتنے زیادہ اور قریب قریب اُگے تھے کہ چند میٹر سے آگے کیا ہے' دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ نڈھال سی چل رہی تھی۔ ڈنڈا زمین پہ مارتی ....بے جان قدم اٹھاتی۔

''ایڈم ....کیا ہم ان پودوں میں سے کچھ کھا سکتے ہیں؟'' فاتح سب سے آگے چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں سر۔ ان پودوں میں سفید اور پیلے

[...]ہیں، یہ زہریلی ہوں گی۔ اور مشروم کا تو سوال [...]پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر زہریلے ہوتے ہیں۔''

وہ بڑی سمجھداری سے بتاتے ہوئے قدم اٹھا رہا [...]تالیہ تنک کے اس کی پشت کو دیکھتے چل رہی تھی۔

''اور یہ ان پودوں کے پتے بہت چمکیلے ہیں' سر [...]بھی زہریلے ہیں۔ اور یہ والا میں نے اس لیے [...]ں توڑا کیوں کہ اس کے پتے تین تین کے گروپ [...] ہیں۔ اور جن پودوں کے پتے تین تین کے [...]روپ میں ہوں' وہ کھانے کے لائق نہیں ہوتے [...]یہ والے جو اس طرف ہیں۔'' وہ اشارہ کر کے بتا [...]تھا۔ ''یہ پہلے بھی گزرے تھے۔ ان سے بادام کی [...]بو آتی ہے اور یاد رکھیے گا' کبھی بھی بادام کی خوشبو [...]لے پودے سے کچھ نہیں کھاتے کیوں کہ....''

''کیوں کہ وہ زہریلا ہوتا ہے۔'' وہ تلخی سے [...]پے سے بولی۔ ''ایڈم تمہارے اس جنگل میں کچھ [...]ہے جو زہریلا نہ ہو۔''

''ریلیکس کریں چے تالیہ۔ ہم اس جنگل میں [...]آپ کی وجہ سے....'' (وان فاتح نے گردن موڑی تو [...]ڑبڑا کے بولا) ''نہیں ہیں۔ ہم اپنی وجہ سے [...]ں۔'' آواز دھیمی کر لی۔ فاتح نے ایک تنبیہی نظر اس [...]ڈالی اور آگے بڑھ جاتا مگر تالیہ مراد نے ایک دم اپنا [...]ک پھینکا اور ان دونوں کے سامنے آ گئی۔

''اسے کہنے دیں' توانکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔'' وہ [...]ند سے چلائی تھی۔ منہ پہ مٹی لگی تھی اور سنہری بال گول [...]گول پونی میں باندھ رکھے تھے۔ ٹراؤزر کے پائنچے [...]گرد آلود تھے اور قمیض کے دامن پہ کانٹے لگے تھے۔

''تالیہ....'' اس نے رسان سے پکارنا چاہا مگر [...]نہیں سن رہی تھی۔

''آپ دونوں اس میں میری وجہ سے پھنسے [...]ں۔ میں ذمہ دار ہوں' میں قصوروار ہوں۔ ہم چار [...]سے اس جنگل میں بھٹک رہے ہیں' ہم گراس [...]ز' ٹرمائیٹ اور عجیب عجیب سے پودے کھا رہے [...]یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔ یہ سب میرے [...]کا انجام ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم اس میں میری وجہ سے پھنسے ہیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے۔ ایڈم خفیف سا ہوا۔ ''چے تالیہ' میرا یہ مطلب نہیں تھا....''

''میرے پاس پلان ہوتا تھا توانکو' میرے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ مگر اب نہیں ہے۔ کیوں کہ میں چار دن سے کٹی فیل کر رہی ہوں۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گئی۔ گردن جھکا دی اور بچوں کی طرح رونے لگی۔

''اب میرا ذہن بلینک ہو گیا ہے۔ ساری تدبیریں' سارے راستے کھو گئے ہیں۔ داتن نے مجھے کتنا منع کیا' مگر میں نے اس کی ایک نہیں سنی۔ یہ میری سزا ہے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو رہی تھی۔

وہ دونوں سامنے کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں کمزور اور تلخ نہیں تھی۔ میں بہت بہادر اور مضبوط تھی۔ میں ہر مسئلے کا حل نکال لیتی تھی مگر اب....میرا دل اتنا بوجھل' اتنا دکھی ہے کیوں کہ میں نے آپ دونوں کی زندگی بھی خراب کر دی ہے۔ اس کو بولنے دیجیے' توانکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔''

فاتح نے لکڑیوں کی گٹھی پرے پھینکی اور اس کے سامنے جھکا' جیسے بڑا کسی بچے کے سامنے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکتا ہے۔

''Make a wish!'' (کوئی خواہش کرو)

تالیہ نے ہاتھ ہٹا کے بھیگے چہرے سے اسے دیکھا۔ ''جی؟''

''آج تمہاری سالگرہ ہے۔ کوئی خواہش کرو۔''

وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ آنسو سرخ مٹی والے چہرے پہ نہروں کی صورت بہہ رہے تھے۔

''تم بتاؤ تالیہ.... تمہیں اس وقت سب سے زیادہ کس چیز کی خواہش ہے؟''

''میں واپس کے ایل جانا چاہتی ہوں' اور ایک اچھی زندگی.....''

''اونہوں....وہ تمہاری ضرورت ہے۔ میں

www.urdugem.com

خواہش پوچھ رہا ہوں۔"

"خواہش!" اس نے آنکھیں بند کیں تو آنسو ابل کے گردن تک لڑھکتے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

"میں ملاکہ کے ہوٹل فریج سے چاکلیٹ رکھتے رکھتے رہ گئی تھی۔ میں نے آپ کے گھر کے سامنے والے کیفے میں بھی ہاٹ چاکلیٹ آرڈر کر کے اُن چھوا چھوڑ دیا تھا۔ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے' تو انکو۔" وہ پھر سے رونے لگی تھی۔ اسے اپنی بے بسی پہ غصہ آ رہا تھا۔ رحم بھی آ رہا تھا۔ وہ اتنی کمزور کیسے پڑ سکتی تھی؟

"کتنی کیلوریز ہوں... مجھے پرواہ نہیں۔ مجھے بس بڑا سا چاکلیٹ کیک کھانا ہے۔ اتنی... اتنی ساری چاکلیٹ!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتایا۔ وہ چند لمحے جھک کے کھڑا اسے دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ قریب میں ایک موٹے تنے کا درخت لگا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے ایک پھل توڑا جو سخت خول میں تھا۔ دیکھ کے ہی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔ پھر فاتح نے اسے چاقو سے کاٹا اور اندر سے سفید گودا خنجر پہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ اس گودے میں سخت سخت سے بیج نظر آ رہے تھے۔

"تم تصور کرو' یہ چاکلیٹ ہے۔ تصور کرنے سے یہ واقعی تمہیں چاکلیٹ لگے گی۔ اور تم اسے شکر کر کے کھا لو۔" وہ دوستانہ انداز میں سفید شے بڑھائے ہوئے تھا جو دیکھنے سے ہی بدمزہ لگتی تھی۔ تالیہ نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"یاد ہے تم نے کہا تھا.... کہ اگر کبھی مجھ پہ ایسا وقت آیا کہ میرے ساتھ ملے قوم میں سے سوائے ایک کے کوئی نہ کھڑا ہوا تو تم اپنی پوری سچائی سے کہتی ہو کہ تم وہ ایک شخص ضرور ہو گی۔ اس لیے کیوں کہ تم مجھے اپنا لیڈر مانتی رہی ہو۔ اب میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ تم اس کو شکر ادا کر کے کھا لو۔"

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا' آنسو پونچھے اور کھڑے ہوتے ہوئے خنجر لے لیا۔ پھر اس گودے کو (اُف) تھوڑا سا منہ میں ڈالا اور بند ہونٹوں سے ذرا سا چبایا۔

ایک دم اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

"یہ تو.... یہ تو چاکلیٹ ہے۔" اس نے بے یقینی سے اس گودے کو دیکھا۔ خوشبو' ذائقہ.... سب چاکلیٹ والا تھا۔ ایسا لذیذ نرم مادہ جو منہ میں جاتے ہی گھل گیا تھا۔

"پہلی برتھ ڈے تالیہ۔ اور سالگرہ اسی دن ہوتی ہے جس دن ہم اسے مناتے ہیں۔" وہ مسکرا کے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"مگر یہ کیا تھا؟ تو انکو؟ وان فاتح؟" وہ حیران سی پکار رہی تھی مگر وہ آگے جا رہا تھا۔

"آپ ذرا سا صبر کر لیتیں تو میں بتانے والا تھا چے تالیہ کہ میں ان زہریلے پودوں کو اس لئے نہیں ہاتھ لگا رہا کیونکہ سامنے کوکوا کا درخت ہے۔ اس کا بیج چاکلیٹ بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ کڑوا ہوتا ہے مگر یہ گودا میٹھا ہوتا ہے۔ پھولوں جیسا میٹھا۔ سر کو آپ سے زیادہ درختوں کی پہچان ہے۔"

ایڈم اس کا بیگ اٹھاتے ہوئے گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

وہ چند لمحے بے یقین رہی' پھر اس کی آنکھوں میں خوشی اور کوئی انہونی کیفیت ابھری۔ وہ دوڑ کے اس درخت کے پاس گئی۔ وہ اونچا بڑا قدیم درخت اپنی شاخوں پہ ایسے ڈھیروں پھل لادے ہوئے تھا۔ جانے اس میں اتنی توانائی کہاں سے آ گئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور آگے جاتے فاتح کے قریب آتے ایڈم نے سرگوشی میں کہا۔ "چاکلیٹ حلق میں جاتی ہے تو دماغ میں وہ ہارمون ریلیز ہوتے ہیں جو ہمیں خوشی دیتے ہیں۔ ریلیکس کرتے ہیں۔ امید ہے چے تالیہ کا موڈ اب اچھا ہو جائے گا۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"آپ کتابیں نہیں پڑھتے کیا؟" وہ خفگی مگر اعتماد سے کہتا آگے بڑھ گیا جہاں ایک ٹیلے پہ سرخ مٹی نظر آ رہی تھی۔ اسے پوٹلی میں مزید وہ 'مچھر مار دوا' بھرنی تھی۔

تالیہ ابھی تک درخت پہ چڑھی اپنی قمیض کے میں وہ بہشتی پھل اکٹھا کر رہی تھی۔ مٹی سے چہرے پہ مسکراہٹ اور رونق واپس پلٹ رہی

☆☆☆

دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ گرمی اور حبس بڑھ گیا وہ تینوں قریب قریب چلتے جا رہے تھے۔ ایک سایا سی چھا گئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ ہر روز اتنی دفعہ بارش برستی تھی کہ اب ان کو کسی کی تلاش ہی نہ رہی تھی۔ بس ایک درخت تلے آ ے ہوئے۔ پھوار یہاں بھی ان کو بھگوئے جا تی۔

فاتح نے گھڑی دیکھی۔ "سورج ڈوبنے میں پون گھنٹہ ہے۔" پھر آسمان کو دیکھ کے کچھ سوچنے

"آپ کو کیسے پتا؟" وہ چونکی۔ اس نے اپنے ہوئے کوٹ میں بہت سے کوکو کے پھل باندھے

"کیوں کہ میں نے اپنی گھڑی صبح صادق پہ ے سے سیٹ کر دی تھی۔" جواب میں خاموشی تو اس نے ان دونوں کو دیکھا۔

"کیا تم لوگوں کی گھڑیاں ابھی تک کے کے وقت کے مطابق ہیں؟"

"ہم نے کون سا یہاں ہمیشہ رہنا ہے' ور۔" وہ خفیف سی ہو کے بولی۔

"اور مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے کہ شاید ہم اس سے نکلیں تو سامنے ملائیشیا ہی ہو۔ شاید ہم اپنے کے ہی کسی جنگل میں کھوئے ہوئے ہوں۔" ب مایوس نہیں تھا۔ بس اس کی امیدیں کسی اور کی تھیں۔

فاتح سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔ اونچائی پہ کچھ بلند و بالا درخت اگے تھے۔

"سنولڑکی..." اس نے سوچتے ہوئے اسے کہا۔ "تم بازی گر... ہو نا؟"

"بہت شکریہ یاد دلانے کے لیے۔" اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یاد رکھو.... جو تمہیں معلوم ہے' وہ تمہاری جان بچائے گا۔" وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "وہ درخت دیکھ رہی ہو؟" اس نے بارش میں بھیگتے اونچے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے خیال میں یہ اس جنگل کا سب سے بلند ترین مقام ہے۔ تمہیں دیواروں پہ چڑھنے کی عادت ہو گی۔ بارش تھمے تو تم اس درخت پہ چڑھ کے وہ اوپر اس کی چوٹی تک جاؤ گی اور وہاں سے تمہیں دور دور تک کا سارا علاقہ دکھائی دے گا۔"

"اوکے مگر مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"تمہیں دیکھنا ہو گا کہ جنگل سے نکلنے کا قریبی راستہ کون سا ہے۔ میدانی علاقہ کس طرف ہے۔ کوئی انسان آس پاس ہے یا نہیں۔ پھر ہم اسی سمت میں سفر کریں گے۔"

"اور اگر ہر طرف درخت ہی درخت ہوئے' تو؟"

"تو آپ یہ دیکھیے گا چے تالیہ کہ آس پاس کوئی جنگل ہے یا نہیں۔" ہم جنگل کی طرف چلے جائیں گے۔"

"عقل مند، ہم پہلے ہی جنگل میں کھڑے ہیں۔"

"یہ جنگل نہیں ہے گو کہ ہم اس کو جنگل کہہ رہے ہیں۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔ بعض دفعہ بڑے بڑے جنگلوں کے درمیان چند میل کا علاقہ رین فاریسٹ بنا ہوا ہوتا ہے۔" ایڈم رسان سے سمجھا رہا تھا۔ "اگر ہم کسی جنگل میں نکل جائیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ وہاں پہ جانور اور پرندے ہوں گے جن کا ہم شکار کر سکتے ہیں۔ اور پھل بھی ہوں گے۔ آسمان بھی نظر آئے گا۔"

"اچھا بس کرو۔ ایسے بول رہے ہو جیسے مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔" اس نے ہونہہ کر کے ناک سکیڑی۔ "تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے میں نے کتنے

www.urdugem.com

کام کیے ہیں زندگی میں۔ اور ہاں.... مجھے شکار کرنا بھی آتا ہے۔"

"آپ کے والد شکاری جو تھے۔"

"اور لکڑ ہارے بھی۔ میں پچھلی زندگی میں بھی غریب تھی اور نئی زندگی میں بھی ایک عرصہ غریب رہی۔ ہاؤ فنی۔"

وہ تینوں درختوں کے ساتھ کھڑے تھے اور بارش آس پاس برسے جا رہی تھی۔ تالیہ مکمل طور پہ بھیگ چکی تھی مگر اب بارش سے فرق پڑنا ختم ہو گیا تھا۔ وہ چلتی تو وہ دونوں آگے بڑھ گئے مگر وہ وہیں رکی رہی۔ بالکل ساکت۔ جامد۔

"تالیہ" فاتح نے پلٹ کے پکارا تو وہ چونکی۔

"کیا ہوا؟" اس نے غور سے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ ابھی نیند سے جاگی ہے۔

"میں نے دیکھا' وہ میرے گاؤں کے لوگوں کو پکڑ رہے تھے۔" وہ کسی اور کیفیت میں تھی۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"کیا دیکھا تم نے؟ مجھے بتاؤ۔"

"وہ سپاہی میرے گاؤں سے پمبو رو کو چن چن کے گرفتار کر رہے تھے۔ وہ ان کو قید میں ڈال کے مار دیں گے۔ اب وہ میرے گھر آ رہے تھے۔ وہ میرے بابا کو بھی پکڑ کے لے گئے۔ اسی لیے میں نے چابی اٹھائی۔" وہ چونک گئی۔ "میرے بابا نے مجھے نہیں بھیجا۔ وہ تو قید میں ڈال دیے گئے ہیں۔ میں خود گئی تھی دروازے کے پار۔ تاکہ مدد لے کر آؤں اور اپنے گاؤں والوں کو قید میں مرنے سے بچاؤں۔"

اس نے نڈھال سے انداز میں اپنا سر تنے کی پشت سے ٹکا دیا۔

"کس کی قید سے؟ کیا تم نے کچھ سنا کہ تمہارے بابا کو کس نے قید کیا ہے؟"

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ حیران سی لگ رہی تھی۔ "وہ بنداہارا اور شہزادی کے سپاہی تھے۔ شہزادی تاشہ کے۔"

لمحے بھر کو جنگل میں سکوت چھا گیا۔ پرندوں کی آوازیں بھی پس منظر میں چلی گئیں۔

"شہزادی تاشہ کے سپاہی؟" وان فاتح رامزل بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ تالیہ نے سر ہلایا۔

"وہ سب کہہ رہے تھے کہ شہزادی ... ہے۔ اس نے سارے گاؤں کو تباہ کر کے رکھ دیا ... سوری تو انکو' شہزادی تاشہ اتنی حسین تو ہے جتنی تاریخ کی کتابوں میں بتائی جاتی ہے کہ اس دن ... نے خواب میں اس کو مجسمہ بناتے دیکھا تھا۔ بلاشبہ ... بہت حسین لگتی تھی۔ لیکن وہ نہ اتنی رحم دل ہے نہ اتنی اچھی جتنا آپ اس کو سمجھتے تھے۔" اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ "شہزادی تاشہ ذمہ دار ... میرے گاؤں اور میری تباہی کی۔ خدا کی قسم میں ا... نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے مجھ سے میرے سار... خواب لے لیے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے لوگ اس کے بارے میں یونہی کہہ رہے ہوں' شاید وہ اتنی بری نہ ہو۔" وہ فوراً مدافعانہ انداز میں بولا تھا مگر تالیہ کی آنکھوں میں کچھ سلگنے لگا تھا۔

"شہزادی کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔ ... ذمہ دار ہے اس سب کی۔ اس نے میرے بابا کو قید میں ڈالا ہوا ہے۔ چار دن پہلے میں اس دنیا سے گئی تھی۔ یہاں وقت نہیں گزرا۔ چار دن سے میرے بابا اس کی قید میں ہیں۔ خدا کی قسم میں اس کو نہیں چھوڑوں گی۔" پھر اس نے کلائی اوپر کی اور آستین تلے چھپی گھڑی باہر نکالی۔ "مجھے بتائیے یہاں کیا وقت ہوا ہے۔ مجھے وقت کے سارے حساب کتاب ابھی سے طے کرنے ہیں۔"

اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں اور آواز رندھ رہی تھی۔

بارش ایک دفعہ پھر سے سلطنتِ ملاکہ کے اس جنگل پہ برسنے لگی تھی۔

★ ★ ★

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے.... نیم تاریک.... آتش دان میں لکڑیاں جل رہی ہیں....

... الماری کے سامنے مراد کھڑا ہے.... ہاتھ میں ... ہے۔ ... اندر پانی کی طرح کا بے رنگ مشروب ہے۔ ... کے پیندے میں ایک سکہ اور ڈلی بیٹھی ... وہ الماری کا پٹ کھول کے بوتل اندر رکھتا ہے۔ ... مڑتا ہے.... تو ٹھٹھک جاتا ہے....

وہ لڑکی چوکھٹ پہ کھڑی ہے.... انگلیاں مروڑتی ... کے باوجود خود کو سنجیدہ رکھے۔ مراد تیزی سے ... کے قریب آتا ہے.... پنجوں کے بل اس کے ... بیٹھ کے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے....

"تالیہ.... میں جانتا ہوں تم خوفزدہ ہو اور...."

"نہیں تو۔" وہ پریقین انداز میں سر کو نفی میں ہلاتی ... فضا میں خوف اور پریشانی کی خوشبو رچی بسی ہے۔

"اور تم پریشان بھی ہو۔" وہ اس کو سنے بغیر اس ... آنکھوں میں دیکھ کے کہے جا رہا ہے۔ "مگر برے ... جلد ختم ہو جائیں گے۔ اچھے دن قریب ہیں۔"

"یہ شور کیسا ہے بابا؟ الور سونگائی میں سر... ہی کیسے لوگ گھس آئے ہیں؟"

مراد گہری سانس لیتا ہے۔ "یہ بنداہارا اور ... زادی کے سپاہی ہیں۔ یہ پورے گاؤں سے ... بازوں کو گرفتار کر کے محل کے قید خانوں میں ڈال ... ہے ہیں۔"

اسے اپنے اندر غصہ ابلتا محسوس ہوتا ہے۔ "شہزادی ... ظالم کیوں ہے بابا؟ وہ کب تک الور سونگائی کے لوگوں ... کرتی رہے گی؟"

یکدم وہ اپنے اندر خوف محسوس کرتی ہے اور یہ ... اس کو چونکا دیتا ہے۔ وہ مراد کے ہاتھوں کو ... مضبوطی سے تھامتی ہے۔

"بابا.... کیا وہ آپ کو بھی گرفتار کر لیں گے؟" ... ہراساں سی وہ نفی میں سر ہلاتی ہے۔ "میں آپ کو ... گرفتار ہونے نہیں دوں گی۔"

باہر گھر کا بیرونی دروازہ دھڑ دھڑاتا ہے۔ مراد ... کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔

"تالیہ.... وہ آ گئے ہیں۔ میری بات غور سے سنو' بیٹی۔"

وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہا ہے مگر دروازے پہ شور بڑھتا جا رہا ہے۔ سپاہی آواز لگا رہے ہیں کہ وہ محل سے آئے ہیں.... مراد حاضر ہو.... وہ مسلسل خوف اور پریشانی سے نفی میں سر ہلائے جا رہی ہے....

"تالیہ.... قوم کا راہبر قوم کا باپ ہوتا ہے.... اس کو قربانی دینی پڑتی ہے.... یہ میری قربانی کا وقت ہے.... وہ مجھے لینے آئے ہیں.... مگر تم سے میں اتنا چاہتا ہوں تالیہ.... کہ تم میرا ایک حکم مان لو...."

وہ سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں مگر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

"جی بابا.... میں کیا کروں.... مجھے بتا دیں بابا۔"

"یہ قربانی تمہیں الور سونگائی کے لوگوں کے لیے دینی ہو گی.... تالیہ.... اور اپنے بابا کی اٹھی گردن اور وقار کے لیے.... دو گی نا!"

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے ہیں.... خوف اور بے یقینی کی فضا.... ہراسیت.... اور دروازے پہ ہوتی زوردار دستک....

اور یہیں خواب ٹوٹ گیا تھا......

☆☆☆

وہ سال تھا 1459 عیسوی۔

اور سلطنت تھی سرزمین ملاکہ کی جو کئی ریاستوں اور ملکوں سے وسیع و عریض تھی۔

اس میں کہیں وہ گھنا رین فاریسٹ واقع تھا۔ جس کے اندر برستی بارش اب تھم چکی تھی اور کیچڑ زدہ زمین پہ وہ تینوں چل رہے تھے۔

تالیہ کی پیشانی خفگی سے سکڑی ہوئی تھی۔ تیز چلتے چلتے وہ فاتح کے برابر پہنچ گئی اور پھر دو قدم آگے نکل گئی۔

وان فاتح نے ایک گہری نظر اس کی پشت پہ ڈالی۔

"ضروری نہیں ہے شہزادی ویسی ہی ہو جیسی تمہارے خواب میں تمہیں بتائی گئی ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے اسے ظلم کرتے نہیں دیکھا۔ صرف اس کے ظلم کے قصے سنے ہیں۔"

تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو آنکھوں

www.urdugem.com

میں غصہ تھا۔

"اس کے آدمیوں نے گاؤں میں فساد برپا کیا ہوا تھا۔ وہ میرے بابا کو پکڑ کے لے جانے والے تھے۔ اور اس وقت بابا نے مجھے ایک حکم دیا تھا..... یقیناً چابی کے ذریعے دروازہ پار کرنے کا۔" اس کی آواز اونچے درختوں سے ٹکرا کے پلٹنے لگی۔ "شہزادی تاشہ کی وجہ سے میرا خاندان ٹوٹا اور گاؤں تباہ ہوا۔ اور یہ سب چار دن پہلے ہوا ہے۔ وقت یہاں رک گیا تھا۔ چار دن پہلے جب ہم دروازہ پار کر کے ادھر آئے تو اسی دن میرے بابا کو قید میں ڈالا گیا ہوگا۔ چار دن سے ہم اگر ان درختوں میں بھٹک رہے ہیں تو میرے بابا قید خانے میں اذیت کاٹ رہے ہوں گے۔ کیا یہ شہزادی تاشہ کے ظالم ہونے کے لئے کافی نہیں ہے؟"

"سر ٹھیک کہہ رہے ہیں بچے تالیہ۔" ایڈم چھڑی سے زمین کو ٹٹولتا قریب آیا۔ "کیا معلوم وہ سپاہی شہزادی کے نہ ہوں۔ تاریخ کی کتابوں کے مطابق بنداہارا انتہائی مکار اور سازشی آدمی تھا۔ مگر اس کی بیٹی..... تاشہ..... وہ بہت اچھی شہزادی تھی۔"

تالیہ لب بھینچ کے ایڈم کو دیکھنے لگی جو اس کے کھا جانے والے تاثرات سے بے نیاز بولے جا رہا تھا البتہ فاتح بس غور سے اس کی پیشانی کی سلوٹیں دیکھ رہا تھا۔ چار دن سے بددل نظر آتی تالیہ کے اندر اب چنگاریاں سی بھر چکی تھیں۔

"ٹھیک ہے .... پرتگالیوں نے تاریخ کی کتابیں جلا دیں اس لئے ہمیں سلطان مرسل شاہ یا شہزادی تاشہ کا ذکر بہت کم ملتا ہے مگر جتنا ذکر موجود ہے' اس کے مطابق وہ ملاکہ کی سب سے خوبصورت شہزادی تھی۔ اتنی سحر انگیز کہ اس کے سامنے چاند سورج شرما جائیں۔" وہ قدیم کتابوں کے الفاظ یاد کر کے دہراتے ہوئے اردگرد درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ "وہ جب محل کی بارہ دریوں میں چلتی تھی تو ادب سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ جب وہ دربار میں آتی تو وزراء' درباری اور غیر ملکی سفیر بے اختیار کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ بولتی تھی تو سلطان دم سادھے اس کو سنا کرتا تھا۔ وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھی۔ تیر اندازی' تلوار زنی' گھڑ سواری' ... بازی..... وہ سب جانتی تھی۔ وہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی' رقص اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے بھی واقف تھی۔ ... اور ملاکہ کا کوئی ایسا کھاتا نہ تھا جو شہزادی تاشہ ... سکے۔ کوئی ایسا ٹانکا نہ تھا جس کو وہ کاڑھ نہ سکے۔ ... حرم کی نگران تھی۔ بنداہارا کی سب سے قابل ... مشیر۔ وہ سیاست کے داؤ پیچ سے بھی واقف تھی غرض کیا تھا جو راجہ کی بیٹی کو کرنا نہیں آتا تھا؟ اسی ... اس کو تاشہ پُسونا کہا جاتا تھا۔"

"تاشہ پُسونا؟" تالیہ نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ابرو اٹھایا۔ اس اَن دیکھی عورت کی اتنی تعریف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"پُسونا یعنی Enchantress (ساحرہ..... جادوگرنی۔")

"اور یہ ساری باتیں تمہیں کیسے معلوم ہیں ایڈم!" وہ پھنکاری۔

"کیونکہ میں کتابیں پڑھتا ہوں بچے تالیہ۔ کیوں؟ آپ نہیں پڑھتیں؟" کچھ زیادہ ہی سادگی سے پوچھا۔ تالیہ کی رنگت اب ضبط سے سیاہ پڑنے لگی تھی۔ دانت کچکچا رکھے تھے۔

"تمہاری تاریخ کی کتابیں جھوٹی ہو سکتی ہیں مگر میرے خواب نہیں۔ وہ ایک ظالم شہزادی ہے اور بس!"

"اتنی ساری کتابیں ایک ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتیں۔" بالآخر فاتح سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا تو وہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ ایڈم کہہ رہا تھا تو صرف برا لگا تھا' مگر اس کا انداز تو مانو تالیہ بنت مراد کے اندر آگ لگا گیا۔

"میرے خواب جھوٹ نہیں بولتے' تو انکو۔ میری زندگی کی تباہی کی ذمہ دار آپ کی تاشہ پُسونا ہی ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" وہ بے نیازی سے نفی میں سر ہلاتا آگے جا رہا تھا جیسے اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ تالیہ اور اس کے خواب غلط ہو سکتے تھے مگر اس کے ذہن میں بنا تاشہ پُسونا کا امیج نہیں۔

"وان فاتح کو شہزادی تاشہ کی طرفداری کا شوق ہے' ہاں؟" اسے دور جاتے دیکھ کے وہ بے ... بولی۔

"کیونکہ وان فاتح اس کے فین ہیں۔ وہی ... آپ فاتح صاحب کی ہیں۔ فین۔" زور دے ... بولا۔

"ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا۔ "فاتح صاحب کو ... سے کسی عورت کے بارے میں بات کرنی ... آخر وہ شادی شدہ ہیں۔"

"کیوں؟ آپ کو جلن ہو رہی ہے کیا؟" وہ ... کندھے پہ ڈالتا ابرو اچکا کے بولا اور پھر بے ... ی سے آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی برداشت ختم ہو چکی ... لپک کے ایک پتھر اٹھایا اور ایڈم کی کتابوں سے ... کھوپڑی کا نشانہ باندھا۔ مگر پھر ضبط کر گئی۔

میں اور جیلس؟ ہونہہ۔ لیکن اس کو تو میں ... وڑوں گی نہیں۔ پتھر پرے پھینک دیا اور ڈنڈے کو ... زمین پہ رکھتی قدم اٹھانے لگی۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑی ... اور اندر غصہ ہی غصہ ابل رہا تھا۔

شہزادی تاشہ کے گناہوں میں ایک اور کا اضافہ ہوا۔

جنگل مزید گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل گدلی' ... یلی زمین پہ اوپر چڑھ رہے تھے۔ بار بار پیر پھسلتا ... ر خود کو سنبھالنا پڑتا۔ ایڈم وقفے وقفے سے گردن کے پیچھے ہاتھ رکھتا' پھر سر جھٹکتا۔ شاید اسے کہیں تکلیف تھی۔ (ہونہہ۔ اور پڑھے کتابیں۔)

"کیٹ برگلر!" ایک درخت کی طرف اشارہ ... کرتے فاتح اسے پکارتے ہوئے رکا۔ وہ سفید گدلی ... شرٹ کے آستین چڑھائے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ... ہوئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ جمے تھے اور مٹی والا چہرہ ... پر اٹھائے اونچائی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا' وہ ... صدیوں سے اس جنگل میں بھٹک رہا ہو۔

"جی تو انکو!" وہ ڈنڈا نیچے پھینکتی سامنے آئی۔ ... بالوں پہ مٹی جمی تھی' الجھی چوٹی کندھے پہ گری تھی' اور ... آنکھوں میں ناراضی تھی۔

"اس درخت پہ چڑھو۔ اوپر آخری شاخ تک اور وہاں سے دیکھ کے بتاؤ کہ..... اس جنگل کے پار کیا ہے۔" وہ اوپر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے حکم دے رہا تھا۔

تالیہ نے ہتھیلی سے گال پہ لگی مٹی صاف کی' آستینیں مزید پیچھے کو چڑھائیں اور تیز قدموں سے درخت کی جانب بڑھی۔ وہ چار دن کی تھکی اور پست حوصلہ تالیہ نہیں تھی۔ شہزادی تاشہ پہ آتا غصہ توانائی دے رہا تھا۔

درخت کانٹوں سے بھرا تھا۔ سب کچھ اتنا نوکیلا تھا کہ احتیاط سے چڑھنا پڑتا مگر اس کے لیے یہ آسان تھا۔ ہاتھوں پہ اس نے پھٹے کوٹ کا کپڑا لپیٹ لیا اور اوپر چڑھتی گئی۔ بالکل کسی بلی کی طرح۔

وان فاتح اور ایڈم گردنیں اٹھائے' ہاتھوں سے آنکھوں پہ سایہ کیے اس کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اونچے درخت پہ غائب ہو گئی۔ پھر چند منٹ بعد وہ نیچے اترتی دکھائی دی۔

"تو..... کیا دیکھا تم نے؟ کیا ہے جنگل کے چاروں طرف؟"

"اوہ گاڈ تو انکو۔" وہ درخت سے اترتے ہی آنکھوں میں حیرت اور خوشی سموئے بولی۔ "ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہم تو 2016ء میں ہی ہیں۔ جنگل کے باہر کوالالمپور ہے۔ دو میل کے فاصلے پہ مجھے سینٹرل پارک نظر آ رہا ہے۔"

ایڈم کا منہ بے یقینی سے کھلا۔ خوشی سے لب وا ہوئے۔ پھر ذرا ٹھہرا۔ فاتح کو دیکھا جو بالکل سنجیدہ تھا۔ ایڈم کی مسکراہٹ سمٹی۔ شک سے تالیہ کو دیکھا۔

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں؟"

"ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ کیوں؟ تم چہرے نہیں پڑھ سکتے کیا؟" ناک سکیڑ کے جتا کے بولی اور اس کی طرف سے رخ پھیر لیا ہونہہ۔ ایڈم پہ گویا اوس پڑ گئی۔

"قریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پہ شمال کی طرف یہ رین فاریسٹ ختم ہو جاتا ہے۔" وہ اب سنجیدگی سے فاتح کو بتا رہی تھی۔ "اس کے آگے درختوں کا سلسلہ ہے مگر وہ کسی جنگل کے درخت لگتے ہیں۔ وہاں روشنی

www.urdugem.com

ہوگی' غذا ہوگی' جانور ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی آبادی دکھائی نہیں دی۔ بس درخت ہی درخت ہیں۔"

"یعنی ہمیں کل صبح ہوتے ہی شمال کی طرف سفر کرنا ہوگا۔ ایک دفعہ ہم جنگل پہنچ جائیں' آگے کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔" وہ پرامید لگ رہا تھا۔

☆☆☆

مغرب اترنے میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا تھا۔ ایڈم خفا نظر آرہا تھا مگر اس سے زیادہ تھکا ہوا۔ وہ وہیں ایک پتھر پہ بیٹھ گیا اور پیشانی چھو کے دیکھنے لگا۔

"تمہیں کیا ہوا؟" سامنے کھڑے فاتح نے تشویش سے پوچھا۔

"توانائی ختم ہورہی ہے میری۔ شاید بخار ہو رہا ہے۔" وہ نڈھال لگ رہا تھا۔

"کیوں؟ تم نے اپنی کتابوں میں بخار کا علاج جڑی بوٹیوں سے کرنا نہیں سیکھا؟" وہ پلکیں جھپک جھپک کے بولی تو فاتح نے ایک برہم نظر اس پہ ڈالی۔

"اس کی طبیعت خراب ہے، تالیہ۔"

"اوہ۔ افسوس ہوا۔ مگر فکر نہ کرو۔ ہم شہزادی تاشہ کے پاس پہنچ جائیں تو وہ ایڈم کا علاج کر دے گی۔ بہت ہمدرد اور نیک دل شہزادی ہے نا وہ۔"

"جی ہاں۔ اور بہت خوبصورت بھی۔" وہ نقاہت سے چہرہ اٹھا کے بولا۔

"چھ سو سال پرانی شہزادی کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ خوبصورت بھی تھی؟"

"پانچ سو ستاون سال' بے تالیہ!" نقاہت سے آنکھیں بند کرتے' تنے سے ٹیک لگاتے وہ تصحیح کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ ہونہہ کر کے رہ گئی۔

تاشہ.... تاشہ.... اسے اس نام سے چڑ ہونے لگی تھی۔

اوپر درختوں کے جھروکوں سے دکھائی دیتا آسمان تیزی سے تاریک ہونے لگا۔ یہاں سورج ڈھلنے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر گھپ اندھیرا ہو جاتا تھا۔

فاتح اندھیرے کی پرواہ کیے بغیر آگے درختوں کی طرف بڑھ گیا تو وہ ایک تنے کے ساتھ بیٹھی اور تھیلے سے کوکو پھل نکال لیا۔ یہ کٹا ہوا تھا۔ وہ انگلی سے گودا ——— نکال نکال کے منہ میں ڈالنے لگی جیسے جار میں سے مایونیز کھا رہی ہو۔ ایک سرسری نظر ایڈم پہ ڈالی جو نقاہت سے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

"تم تو نہیں کھاؤ گے نا؟"

ایڈم نے آنکھیں کھول کے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"بہت شکریہ بے تالیہ۔ میں نہیں کھاؤں گا۔"

وہ مسکرائی، شانے اچکائے اور انگلی لبوں میں ڈالے سفید گودا کھائے گئی۔ ایڈم نے بے بسی بھری ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"آپ شاید ٹارگٹ اورینٹڈ زندگی گزارنے کی عادی ہیں۔ اگلے مارک کے بارے میں سوچتے رہنے کی تب ہی جیسے ہی آپ کو معلوم ہوا کہ شہزادی تاشہ آپ کی دشمن ہے۔ آپ کے اندر توانائی سی بھر گئی ہے...."

وہ جو انگلی سے گودا چوس رہی تھی۔ رکی' اور آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

"اگر کوئی تمہارے بابا کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دے صرف اس لیے کہ وہ اپنے گاؤں کے غریبوں کے لیے لڑ رہے تھے' تو کیا تم بدلہ نہیں لینا چاہو گے؟"

"اور آپ بدلہ کیسے لیں گی شہزادی تاشہ سے؟"

"پہلے اپنے بابا کو اس کی قید سے چپکے سے نکال لاؤں گی اور پھر...." وہ کچھ سوچ کے مسکرائی۔ نچلا لب دانتوں سے دبا لیا۔ "شہزادیوں کے پاس بہت زیور ہوتا ہے۔ سونا' چاندی' ہیرے' زمرد' یاقوت۔" اس کے جیسے منہ میں پانی آرہا تھا۔ "شہزادی تاشہ نے اس سے اچھا بدلہ کیا ہوگا کہ اس کا سارا زیور اس سے چھین کے اس کو قلاش کر دیا جائے؟"

"یا اللہ' بے تالیہ۔" ایڈم نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ "آپ نے کہا تھا آپ چوری چھوڑ دیں گی۔ مگر آپ ابھی بھی شہزادی کے ہیرے جواہرات کا لالچ رکھے ہوئے ہیں۔"

"لالچ میرے ڈی این اے میں شامل ہے۔" ...نے سے بھری انگلی لبوں میں رکھ لی۔ ایڈم ...سے اسے دیکھے گیا۔

"کیا واقعی آپ تاشہ کے محل میں چوری کا ...بنائے ہوئے ہیں؟"

"تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!" اس نے ...اچکائے' آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ خواب میں شہزادی کا زیوروں سے بھرا ہاتھ یاد آیا۔ اگر وہ یہ ...چرا کے واپس اپنے زمانے میں لے جائے تو اس ...ت.... اُف! اسے مزا آنے لگا۔

وہ فیز فور میں پہنچ چکی تھی۔

"وان فاتح کہاں رہ گئے۔" یکدم ایڈم نے ...انی سے ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ تمہارے لئے آگ کا بندوبست کرنے ...ہیں۔"

"مگر میں کتنی دفعہ بتا چکا ہوں کہ سارے ...یسٹ کی لکڑی گیلی ہے۔ نم لکڑی سے آگ نہیں ...لے گی۔"

"ان کو کیا معلوم؟ وہ کتابیں تھوڑی پڑھتے ہیں۔" ایڈم نے اس دفعہ جواب تک نہیں دیا۔ بس ...ھیں موند لیں۔

فاتح واپس آیا تو ایک ہاتھ میں لکڑیاں اٹھائے ...ئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور تنفس ...لا ہوا تھا۔

نیچے بیٹھ کے اس نے لکڑیاں سامنے رکھ ...یں۔ پھر چند پتلی سوکھی ٹہنیوں کو گھونسلے کی صورت ...یا اور ایک بڑی گیلی لکڑی اٹھائی گویا درخت کے ...کی چھال ہو جو لمبائی میں اکھاڑ لایا تھا۔

"سر.... یہ گیلی ہیں۔ ان سے آگ کیسے جلے گی؟"

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ خنجر سے لمبی لکڑی کے ...ے کو کاٹا اور اسے مٹر کے چھلکے کی طرح کاٹ کے دو ...وں میں کھولتا گیا۔ اندر ایک پتلی لمبی لکڑی پڑی تھی۔

"یہ ڈیڈ ووڈ ہے۔ مردہ خشک لکڑی۔ اس سے ہم جلائیں گے۔" بغیر جتائے کہتے ہوئے اس نے مردہ لکڑی سوکھی ٹہنیوں کے ساتھ رکھی۔ ایڈم کی رنگت خفت سے گلابی ہوئی۔ فوراً تالیہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیوں؟ تم نیشنل جیوگرافک نہیں دیکھتے کیا؟" آنکھیں جھپکا کے سادگی سے پوچھا۔ اس کا جسم پہلے درد سے ٹوٹ رہا تھا' اوپر سے بے تالیہ کی باتیں۔ وہ سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ رخ ہی موڑ گیا۔

جنگل کے اس حصے میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔ واحد آواز پرندوں کی تھی یا اس خنجر کی جسے فاتح ایک گیلی موٹی لکڑی پہ رگڑ رہا تھا۔ لکڑی کا بورا سا ٹہنیوں کے ڈھیر پہ گرنے لگا۔ (یہی سفوف آگ کو بھڑکانے کے کام آتا تھا۔)

جس طرح وہ زمین پہ بیٹھا' گردن جھکائے لکڑی چھیل رہا تھا' اس کو دیکھ کے تالیہ کے دل میں افسوس جاگنے لگا۔

"آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا... توان کو.... کہ آپ چھ سو سال پیچھے چلے جائیں گے۔"

"پانچ سو ستاون سال۔" ایڈم رخ پھیرے بغیر خفگی سے بڑبڑایا۔

"میں حال کے بارے میں سوچتا ہوں، تالیہ۔"

"کبھی آپ مجھے تاشہ کہتے تھے۔" وہ مزید اداس ہوئی۔

"تب مجھے تم پہ بھروسہ نہیں تھا۔"

"اور اب؟"

"اب ہے۔" وہ سر جھکائے چاقو لکڑی پہ رگڑے جا رہا تھا۔ بار بار گیلے بال انگلیوں سے پیچھے کرتا' لیکن وہ پھر سے ماتھے پہ آن گرتے۔

"آپ کا چیئرمین کا الیکشن سر پہ تھا۔ چار دن سے آپ غائب ہیں۔ سارا ملک آپ کو ڈھونڈ رہا ہوگا.... اور اشعر اب چیئرمین بن جائے گا۔" اندھیرے کے ساتھ اس پہ پھر سے قنوطیت طاری ہونے لگی۔

"جب ہم واپس جائیں گے تو میں راستہ نکال لوں گا۔ وان فاتح کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔"

"ایک منٹ۔" ایڈم نے رخ موڑا۔ چہرے پہ

www.u ugem.com

حیرت تھی جو اندھیرے کے باوجود عیاں تھی۔ ”وقت کا اصول ہے کہ اگر ہم اس میں سفر کریں تو ہماری واپسی تک وہ رک جاتا ہے۔ یعنی ہم اس کے آگے بڑھنے سے پہلے واپس آسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے‘ ہمارے پیچھے سن باؤ کے گھر میں وقت وہیں ٹھہر گیا ہو۔ ہم کئی دن بعد بھی واپس جائیں تو وقت وہیں سے شروع ہو۔“

”اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے‘ ایڈم۔ ہمیں ابھی یہ بھی یقین نہیں ہے کہ ہم کس دور میں واپس آئے ہیں!“

”مجھے یقین ہے یہ وہی دور ہے‘ تو انکو۔“ وہ تیزی سے بولی۔ ”چار دن پہلے جب ہم اس جنگل میں آئے‘ اس سے چند لمحے قبل ہی گیارہ سالہ تالیہ نے دروازہ پار کیا تھا۔ وقت ٹھہر گیا تھا۔“

”مگر آپ گیارہ سالہ لڑکی کے طور پہ نہیں لوٹیں۔“ ایڈم بول کے پچھتایا۔ وہ تندی سے اس کی طرف گھومی۔

”چابی سے وقت آگے اور پیچھے ہوتا ہے‘ ایڈم۔ ایک پلا پلایا انسان چھوٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ سائنس نہیں پڑھی کیا تم نے؟“

”یا اللہ! ایسے ہی ایک بات کہہ رہا تھا!“ وہ چڑ گیا۔ ”مستقبل کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑو‘ حال کی فکر کرو۔“ وہ اب ٹہنیوں کو جوڑ رہا تھا۔ پھر اس نے چاقو اور ایک لوہے کا آلہ (لاک پک) جو تالیہ کے بیگ میں تھا نکالا اور ان کو اوپر تلے رکھ کے رگڑا۔ ایک دفعہ، دو دفعہ، چنگاریاں نکلتیں مگر آگ نہ جلتی۔

تالیہ آگے کو جھکی اور پھونکیں مارنے لگی۔ فاتح بار بار دونوں دھاتوں کو رگڑتا۔ یکا یک شعلہ سا جلا اور لکڑیوں نے آگ پکڑ لی۔ تالیہ ابھی تک پھونکیں مار رہی تھی۔ فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

”مجھے خوشی ہے کہ تم فیز تھری میں آچکی ہو۔“ آگ نے سارے کو روشن کر دیا تھا۔

”میں فیز تھری سے آگے نکل چکی ہوں۔ معلوم نہیں آپ لوگ میرا ساتھ دے بھی سکیں گے یا نہیں۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈنڈا اٹھا لیا۔ فاتح نے اسے نہیں روکا۔ وہ آگے چلتی جا رہی تھی۔ شاید یہ جنگل میں ٹہلنے۔

”آپ کہاں جا رہی ہیں‘ چے تالیہ؟“ ایڈم فکرمندی سے پکار اٹھا۔ ”اس وقت جنگل خطرناک ہوتا ہے۔“

”یہ جنگل نہیں‘ رین فاریسٹ ہے۔ کیوں؟ ڈکشنری نہیں پڑھتے کیا؟“ وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

”جب ہم واپس جائیں گے تو پہلا کام یہ تالیہ کو پولیس کے حوالے کرنے کا کریں گے۔“

وہ جو ایڈم کے تھیلے سے پتے نکال نکال کے ان کا معائنہ کر رہا تھا‘ دھیرے سے ہنس پڑا۔

”وہ چوری چھوڑ چکی ہے‘ ایڈم۔“

ایڈم نے تڑپ کے اس کی طرف چہرہ موڑا۔ ”آپ کی اطلاع کے لیے وہ شہزادی تاشہ سے بدلے کے طور پہ اس کا زیور چرانا چاہتی ہیں۔ وہ اب بھی چوری کا ہی سوچ رہی ہیں‘ سر۔“

”ہم اس وقت ایک کرائسس میں ہیں‘ ایڈم۔“ آگ کے دوسری جانب وہ اکڑوں بیٹھا گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”زندگی کے کچھ کرائسس جنگل کی مانند ہوتے ہیں اور جنگل میں صرف ایک سمت میں چلا جاتا ہے۔ ورنہ بھول بھلیاں مار ڈالتی ہیں....“

تالیہ ان سے دور‘ ڈنڈا زمین پہ مارتی چلتی جا رہی تھی۔ مسکراہٹ غائب تھی۔ وہ اداس لگتی تھی۔

”ہر انسان کرائسس میں مختلف طریقے سے ردِعمل دیتا ہے۔ بعض دفعہ اپنے برے وقت کو کاٹنے کے لئے اسے لالچ کا سہارا لینا پڑتا ہے....“

وہ ایک درخت تلے جا ٹھہری اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھنے لگی....

”انسان کو ایک فینٹسی چاہیے ہوتی ہے۔ کچھ ایسا جس کی تکمیل اس کو متحرک رکھے.... دنیا والوں کے نزدیک وہ فینٹسی.... وہ ناممکن خواب بری چیز ہوسکتا ہے لیکن جو انسان اس جنگل میں کھڑا ہوتا ہے‘ اس

کے لئے واحد روشنی وہی فینٹسی ہوتی ہے۔“

اب وہ درخت کے تنے سے سر ٹکائے کھڑی دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں اداس تھیں۔ ہاتھ دل پہ تھا۔

”تو اگر کبھی انسان صرف چلتے رہنے کی غرض سے.... کسی اچھوتی چیز کی خواہش دل میں زندہ رکھے کوئی خواب‘ کوئی فینٹسی.... جس کا انتظار... جس سے ملنے کی تمنا اسے امید دلائے‘ اور اس کے قدم اسی سمت اٹھتے رہیں.... تو اٹس اوکے۔ کبھی کبھی خود کو تھوڑی رعایت دے دینی چاہیے۔“

تالیہ نے آنکھیں موند لیں اور دھیمے سروں میں کوئی گیت سا گنگنانے لگی۔

”اور کرائسس سے نکل آنے کے بعد وہ عجیب خواہشیں خود ہی غائب ہو جاتی ہیں.... اس لیے عجیب خواہشوں اور خوابوں پہ کبھی نادم نہیں ہونا چاہیے۔ ہم انسان ہیں اور یہ ہماری ضرورت ہیں۔ اس لیے.... خود کو رعایت دے دیا کرو....“

اب وہ آنکھیں کھولے اوپر درختوں کے سروں کو دیکھتی گنگنا رہی تھی۔ ہاتھ ابھی تک دل پہ تھا۔

”رہی تالیہ.... تو اگر اسے لگتا ہے کہ بہت سے دور اسے خوشی دے سکتے ہیں‘ تو اسے اس خیال میں جینے دو۔ اگر یہ خیال اسے جنگل سے باہر لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اٹس اوکے۔“

”مگر وہ مجھے اتنی باتیں سنا رہی ہیں۔“ الاؤ کے پار نیم دراز ایڈم خفا ہوا۔

”وہ صرف تمہیں تنگ کر رہی ہے۔“

”مگر کیوں؟“

”کیا اس کے پاس کرنے کو کچھ اور ہے؟“ الاؤ کے پار بیٹھے فاتح نے ابرو اٹھا کے پوچھا تو وہ چپ کر گیا۔ ڈنڈے کی آواز آنے لگی تھی۔ وہ اب واپس آ رہی تھی۔ ایڈم خاموش ہو گیا۔ سارا جنگل خاموش ہو گیا۔

اب ایک اور رات بہت سے شور اور بہت سی خموشی میں کٹنی تھی۔

☆☆☆

صبح ہوئی تو سورج یوں نکلا گویا کبھی ڈوبا ہی نہیں تھا۔ گرمی بڑھ گئی تھی۔ اور ایڈم کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔ وہ کبھی پیٹ پہ ہاتھ رکھتا‘ کبھی گردن پہ۔ مگر چلتے رہنا بھی مجبوری تھی۔

وہ تینوں آگے پیچھے گدلی زمین پہ چلتے جا رہے تھے۔ ایڈم بار بار پیچھے رہ جاتا تو فاتح کو رکنا پڑتا۔

”کیا تم کوئی دوا‘ کوئی بوٹی جانتے ہو جو تمہاری تکلیف رفع کر سکے؟“ فاتح اس کے لیے فکرمند تھا۔

”میں خود نہیں جانتا سر مجھے ہو کیا رہا ہے۔“

”نہیں جانتے تو جلدی چلو پھر.... ہمیں دن کی روشنی میں اس رین فاریسٹ سے نکلنا ہے۔“ وہ ڈپٹ کے کہتی آگے بڑھ گئی تو ایڈم نے جہاں دکھ سے اسے دیکھا‘ وہیں فاتح کا دماغ کھول اٹھا۔

”وہ بیمار ہے‘ تالیہ!“ آواز میں غصہ اور گرج تھی۔ وہ رکی‘ اور گردن موڑ کے بے نیازی سے ان دونوں کو دیکھا۔

”ایڈم بیمار نہیں ہے۔ اب جلدی چلیں۔“ اور سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ فاتح ضبط کر گیا‘ پھر ایڈم کے کندھے کو تھپکا۔ ”ہمت کرو۔“

ایڈم نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم اٹھانے لگا۔

قریباً ڈھائی گھنٹے گزرے تھے جب چلتے چلتے ایک دم ڈھیر ساری روشنی نظر آئی۔ سب سے آگے چلتی تالیہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر وہ تیزی سے اس طرف دوڑی۔

درخت ختم ہو گئے تھے۔ باہر گھاس تھی۔ سبز چھت کی حدود بھی ختم ہو گئی۔

جیسے کوئی طلسم سا ٹوٹا تھا۔ قید ختم ہوئی تھی۔

اس نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔

اوپر کھلا آسمان تھا۔ صاف سنہری آسمان جہاں سورج چمک رہا تھا.... وہ دونوں بازو پھیلائے بے یقینی سے ایڑیوں پہ گھومی، گول گول۔

یہاں سے جنگل شروع ہو رہا تھا۔ جنگل کی زمین گھاس اور جھاڑیوں سے ڈھکی تھی۔ فاصلے فاصلے پہ موٹے تنے کے درخت اُگے تھے۔ یہ مختلف

www.uploadgem.com

قسم کے درخت تھے۔ درمیان میں اتنا فاصلہ تھا کہ آسمان نظر آتا۔ زمین اور درخت یہاں بھی گیلے گیلے سے تھے مگر مٹی گھاس کے باعث پھسلن زدہ نہیں تھی۔ کہیں جنگلی پھول اُگے تھے۔ دور بہتے پانی کی آواز۔ جانوروں کی مختلف بولیاں۔ زندگی سے بھرپور وہ ''جنگل'' تھا۔ ایک خوبصورت جنگل۔

وہ خوشی سے مڑی تو وہ دونوں بھی درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلتے دکھائی دیے۔ فارح بیگ کندھے پہ ڈالے آگے تھا اور نڈھال سا ایڈم پیچھے۔ (بیگ وہ تینوں باری باری اٹھاتے تھے۔ ابھی ایڈم کی باری تھی اور تالیہ نے ایڈم کو بیگ پکڑا بھی دیا تھا مگر فارح نے وہ اس سے لے لیا تھا۔)

''چلیں.... ہم نے اس طرف جانا ہے۔ میں نے اوپر سے دیکھا تھا۔ اس طرف آگے جنگل کم گھنا ہو جائے گا۔'' وہ اشارہ کرتے ہوئے بولی تو فارح کو اسے ٹوکنا پڑا۔

''تالیہ ہمیں ٹھہرنا ہوگا۔ ایڈم مزید نہیں چل سکتا۔''

''کیوں؟'' وہ ایڈم کی طرف گھومی اور کمر پہ ہاتھ رکھے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''کیونکہ اگر اس کی جگہ تم بیمار ہوتیں تو بھی میں یہی کرتا۔''

''غلط کرتے۔ اور وہ کوئی بیمار نہیں ہے۔ اب چلیں۔'' وہ رکھائی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

''میں چل سکتا ہوں' سر! اٹس اوکے۔'' وہ اداسی سے کہتے ہوئے قدم اٹھانے لگا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا اسے رونا آرہا ہے مگر ضبط کر رہا ہے۔ وہ ان تینوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ کم عمر اور سادہ۔ اسے اپنی ماں یاد آرہی تھی۔ جب وہ بیمار ہوتا تو وہ کس طرح.... سر جھٹک کے اس نے یادوں کو ذہن سے جھٹکا' اور بہت سے آنسو پی کر چلنے لگا۔ اسے تالیہ سے کسی قسم کی رعایت کی امید نہ تھی۔

ان کے راستے میں بہت سے درخت آئے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی پھل دار نہ تھا۔ ان جان چیزیں اُگی تھیں۔

کافی آگے ایک جگہ چشمہ بہہ رہا تھا۔ صاف ٹھنڈے پانی کا۔ قریب ہی درخت اُگے تھے۔ فارح نے ایڈم کو ادھر بیٹھنے کا اشارہ کیا' اور خود چشمے کی طرف آیا۔ جھک کے پانی سے ہاتھوں کے کٹورے بھرے اور اسے منہ پہ ڈالا۔

''تالیہ.... ہم یہاں ٹھہر رہے ہیں۔ میں آگ جلاتا ہوں' تاکہ ایڈم کو حرارت ملے۔ اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ تم اس کے لئے کوئی دوا ڈھونڈو۔''

''کیوں؟ وہ بیمار تھوڑی ہے۔'' وہ نروٹھے پن سے کہتی اٹھی' اپنا خنجر نکالا اور ایک طرف چل دی۔

فارح نے برہمی سے مڑ کے اسے دیکھا۔ وہ دور جا رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کے اپنے اوپر پانی ڈالنے لگا۔ جنگل میں شدید خارش اور الرجی سے بچنے کے لئے بار بار خود کو پانی سے دھونا بہت ضروری تھا مگر یہ پانی بھی تالیہ پہ آیا غصہ کم نہیں کر پا رہا تھا۔

☆☆☆

ایڈم بن محمد نقاہت سے آنکھیں موندے ایک درخت سے لگا بیٹھا تھا۔ فاصلے پہ فارح ایک دوسرے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے چند جنگلی پھول اپنے ہاتھ پہ رگڑ رہا تھا۔ کبھی کسی کو سونگھتا، کسی کو پھینک دیتا۔ فکر مندی سے بار بار ایڈم کو دیکھتا جس کی گردن اب ڈھلکی ہوئی تھی۔ دونوں کے درمیان الاؤ جل رہا تھا۔

یکا یک بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں۔ اس نے بوٹیوں کا تھیلا پرے ڈال دیا اور خود بے بسی سے ٹیک لگا لی۔ بارش نے چند لمحوں میں ہی الاؤ بجھا ڈالا۔ تب ہی قریب آتے قدموں کی آواز سنائی دی اس نے گردن نہیں موڑی۔ جانتا تھا کہ وہ تالیہ ہی ہے۔ بس سامنے دیکھتا رہا۔

پیچھے کہیں سے تالیہ کے آنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ کچھ گھسیٹ کے لا رہی تھی۔ کن انکھیوں نظر آرہا تھا کہ تالیہ ہرن کے ایک بچے کو گھسیٹ رہی تھی۔

www.urdugem.com

وہ زندہ تھا شاید۔ تڑپ رہا تھا۔ گردن میں خنجر اہوا تھا' خون بہے جا رہا تھا مگر وہ اسے قابو کیے ہوئے تھی۔ بدقت کھینچتی وہ اسے فاتح کے سامنے لائی، اور اس کی گردن پہ اپنا کیچڑ آلود پیر رکھ کے بیٹھی اور چاقو اس کی گردن سے نکالا۔ خون بھل بھل بہنے لگا۔

فاتح خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے منہ پہ مٹی لگی تھی اور الجھے سنہرے بال گرد آلود تھے..... چہرے پہ زخم کے نشان بھی تھے اور چبھتی ہوئی نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔

ہرن اس کی گرفت میں کسمسا رہا تھا' پھڑپھڑا رہا تھا' مگر تالیہ نے اپنا پاؤں اس کی گردن پہ جما رکھا تھا۔

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا..... یاد ہے.....''

وہ نظریں اس پہ جمائے کیچڑ پہ رکھا چاقو اٹھاتے ہوئے مصنوعی سا غرائی۔ ''کہ تاشہ تمہارے ٹیلنٹ کیا ہیں؟ تمہاری زندگی میں کامیابیاں کیا ہیں؟ تمہیں کیا آتا ہے؟'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کر رہی تھی۔ چاقو اب ہرن کی گردن سے لگا رکھا تھا۔

''مجھے..... یہ آتا ہے۔'' اور ساتھ ہی چاقو تیزی سے اس کی گردن پہ پھیر دیا۔ معصوم جانور چلایا..... تڑپا..... خون کے تازہ چھینٹے فاتح کے چہرے اور شرٹ پہ آ گرے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سر جھٹکا۔ بولا کچھ نہیں.....

ہرن تڑپ رہا تھا..... خون بہہ رہا تھا..... اس کے کپڑے..... زمین..... سرخ خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی..... اور وہ زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے مہارت سے ننھے غزال کو ذبح کر رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور وہ بے جان ہو گیا۔

''اس طرف بہت سے ہرن ہیں۔ مگر ایک وقت میں ایک ہی کافی ہے ہمارے لیے۔ کیوں' توانکو؟ کیسا لگا میرا نشانہ؟'' وہ جتاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ''ویسے بھی حالم کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا' جیسے حالم کے خواب کبھی جھوٹے نہیں ہوتے۔'' پھر خنجر چلاتا ہاتھ روکا۔ ''یہی منظر میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ یعنی میرے خواب علامتی نہیں تھے۔ وہ ہو بہو حقیقت کا عکس تھے اور میں ان میں علامتیں تلاش کرتی رہی۔''

فاتح اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''اور جو میں نے تمہیں لینے بھیجا تھا؟ ایڈم کی دوا؟''

''مگر ایڈم بیمار نہیں ہے۔'' وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ وان فاتح کے تو سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ وہ کچھ سخت کہنے ہی لگا تھا کہ.....

''جب میں ملائیشیا آئی تھی تو میرا وزن اس سے پچیس کلو زیادہ تھا۔ میں نے کئی ماہ لگا کے وزن گھٹایا۔ اور تب سے وزن کے ساتھ جنگ لڑ رہی ہوں اور اس دوران میں نے فاقے بھی کیے۔ اور ڈپریشن میں اوورایٹنگ بھی کی۔ غرض میں ہر طرح کی 'بھوک' سے لڑتی رہی ہوں۔'' وہ خون آلود ہاتھوں سے ہرن کے ٹکڑے کر رہی تھی۔ اتنی مہارت اور صفائی سے کہ وہ رک کے دیکھنے لگا۔ (وہ واقعی کسی شکاری کی اولاد تھی۔) پیچھے لیٹا ایڈم بھی سن رہا تھا گو کہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''مجھے قدرتی جڑی بوٹیوں کا تو علم نہیں مگر میں کئی سال سے ایک ایسی عورت کے ساتھ رہ رہی ہوں جس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی 'بھوک' ہے۔ ان سات سالوں میں اس کو پچاس قسم کے مختلف پیٹ درد ہو چکے ہیں جن کے علاج کے لیے میں اس کے ساتھ ڈاکٹرز کے پاس گئی ہوں اور ہر دفعہ وجہ ایک ہی نکلتی ہے۔ بھوک۔ خوراک۔ اس لیے وان فاتح..... جب تالیہ کہہ رہی ہو کہ ایڈم بیمار نہیں ہے' تو ایڈم بیمار نہیں ہے۔ ایڈم..... صرف..... بھوکا ہے!''

گوشت کی چند بوٹیاں اس نے ایک پتے پہ رکھیں اور اٹھ کے بجھے الاؤ کے قریب آئی۔

''آپ سلیبرٹی ہیں' فٹ رہتے ہیں' مجبوری ہے کہ رہنا پڑتا ہے' آپ کی بھوک آپ کے تابع ہے۔'' وہ لکڑیوں پہ بوٹیاں سیخوں کی طرح پرونے لگی۔ ''میں کیٹ برگلر (چور) ہوں' مجھے روشن دانوں اور وینٹ کی سرنگوں میں گھسنا ہوتا ہے' دبلا رہنا میری مجبوری ہے۔

مگر ایڈم کی بھوک اس کے تابع نہیں ہے۔ وہ نارمل انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور وہ چار دن سے غیر فطری غذا کھا رہا ہے۔ ایڈم بیمار نہیں ہے' توانکو۔ ایڈم صرف بھوکا ہے۔ اور جب وہ یہ بھنا ہوا گوشت کھائے گا' تو اس کی توانائی واپس آ جائے گی۔

لیکن یہ بات پتا نہیں کیوں ایڈم کی سمجھ میں نہیں آئی۔ کیوں ایڈم.....'' وہ معصومیت سے اس کی طرف گھومی۔ ''تم نے کبھی متوازن غذا کے اوپر لکھی کوئی کتاب نہیں پڑھی؟''

فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس کی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔ ایڈم اپنی جگہ گنگ ہو گیا۔ پہلے تو اسے تالیہ کے اس ''خیال رکھنے کے عمل'' پہ یقین ہی نہ آیا۔ پھر جب محسوس ہوا کہ وہ اس کو دیکھ رہی ہے تو خفگی سے رخ موڑ گیا۔ دونوں ہاتھ ابھی تک پیٹ پہ تھے۔ درد بہت شدید تھا۔

بارش تھمنے کے بعد جب دوبارہ آگ جلائی گئی اور لکڑی کی سیخوں پہ دہکتی گوشت کی بوٹیوں کو آگ نے چھوا تو ان سے مختلف قسم کے رس نکلنے لگے۔ اشتہا انگیز خوشبو سے بوجھل دھوئیں کے مرغولے اٹھ اٹھ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

باربی کیو کی زبردست مہک نے تینوں کی طبیعت پہ بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ اتنے دن بعد..... اتنی بھوک کاٹنے اور اذیتیں اٹھانے کے بعد..... بھنے گوشت کی وہ مہک..... ایک دم ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔

اور پھر مہک سے بوجھل دھواں اوپر فضا میں گم ہونے لگا.....

مگر کیا وہ واقعی گم ہو رہا تھا؟ یا وہ مختلف سمتوں میں پھیلتا جا رہا تھا؟

جنگل سے لڑائی نہیں لڑی جاتی..... کیونکہ جنگل زندہ ہوتا ہے۔ اور جنگل میں انسان کا پتا اس کی آواز اور چاپ سے پہلے اس کی ''خوشبو'' دے دیتی ہے..... یہ خوشبو جنگل میں ان کی پہلی سنگین غلطی تھی۔

☆☆☆

دوپہر اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ جنگل کے ان خوبصورت درختوں کے بیچ وہ تینوں الاؤ کے گرد بیٹھے تھے۔ ایڈم اپنے پتے پہ رکھا بھنے ہوئے گوشت کا ٹکڑا شوق سے کھا رہا تھا۔ البتہ وہ خاموش تھا۔ فاتح کھاتے ہوئے کبھی اس کو دیکھتا اور کبھی تالیہ کو۔

تالیہ..... جو خاموش ہو ہی نہیں رہی تھی۔

''جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ ایڈم بن محمد کے پاس تھا تو ہمیں کیا ملتا تھا کھانے کو' توانکو؟'' وہ بوٹی توڑتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کے بول رہی تھی۔ گوشت سخت تھا مگر کھانے لائق تھا۔ ''مرے ہوئے منحوس گراس ہوپرز..... بدمزہ پپیتا..... اور تو اور اس نے ہمیں ٹرمائٹس (دیمک) بھی کھلائے..... وہ کیڑے..... اور ایک دفعہ تو کوئی چھپکلی بھی لے آیا کہ چے تالیہ' یہ زہریلی نہیں ہے' یہ آپ کھا سکتی ہیں۔''

ایڈم نے بس متبسم خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ فاتح کی طرف متوجہ تھی۔

''اور..... وہ کراہت آمیز جانور جس کا نام بھی مجھے یاد نہیں..... وہ کھلایا اس نے ہمیں..... توانکو! اور وہ موٹا سا کیڑا..... کریپ..... اور.....''

''اور کوکو کا پھل۔'' فاتح نے دھیرے سے یاد دلایا مگر تالیہ نظر انداز کر گئی۔

''اور وہ گندا سا پھول..... آخ تھو..... کیا کیا نہیں کھلایا اس نے ہمیں..... مگر جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ تالیہ مراد کے ہاتھ میں آیا تو کیا کھانے کو ملا ہمیں؟''

اب وہ باری باری دونوں سے رائے مانگ رہی تھی۔ اگر بنا نمک کے اتنا لذیذ گوشت تالیہ نے نہ بھونا ہوتا تو ایڈم اسے ابھی پھینک دیتا مگر ضبط کر گیا۔ سر جھکائے کھاتا گیا۔ توانائی آنے لگی تھی۔ پیٹ کا درد غائب ہو رہا تھا۔

''تالیہ مراد کی وجہ سے ہمیں یہ غزال ملا کھانے کو' توانکو۔ یہ لذیذ غزال۔ سوچیں' اگر میں نہ ہوتی تو آپ کا کیا بنتا۔'' وہ لقمہ چباتے ہوئے مزے سے کہہ رہی تھی۔ پھر ہاتھ جھاڑ کے اٹھی۔

www.urdugem.com

"میں جھرنے پہ ہاتھ دھونے جارہی ہوں۔"
پھر اپنا بیگ اٹھا کے وان فاخ کے قریب سے نکل کے چلی گئی۔ ایڈم نے دانت کچکچا کے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔
"ایڈم....وہ تمہارا خیال رکھ رہی ہے۔" وہ تحمل سے سمجھانے والے انداز میں بولا تو ایڈم نے تڑپ کے اسے دیکھا۔
"یہ خیال رکھنا ہے؟"
"یہ اس کی دوستی ہے۔"
"پھر نہ معلوم دشمنی کیسی ہوگی۔"
فاخ نے کوکو کے چھلکے کے کٹورے سے بھرا پانی پیا اور پھر درخت کے تنے سے ٹیک لگالی۔
"اس کا ذہن عام انسانوں سے کہیں زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے' اس لیے مجھے یقین ہے' اس کی دشمنی بہت خطرناک ہوگی۔ شہزادی تاشہ سے خبردار رہنا چاہیے۔"
ایڈم نہیں ہنسا۔ بس پتا پرے رکھ دیا۔ "مجھے ایسی دوستی نہیں چاہیے جس میں ہر وقت اتنی باتیں سننی پڑیں۔"
"دوستی میں باتیں سننی پڑتی ہیں۔ دوستی میں ہی تو سننی پڑتی ہیں۔"
مگر ایڈم کے ماتھے کے بل صاف نہیں ہوئے۔ "صرف اس لیے کہ آپ کا دوست آپ کا خیال رکھ رہا ہے' آپ اس کی ہر بُری بات برداشت کرتے جاؤ؟"
"اگر کوئی دوست آپ کے لیے زہر آلود نہیں بن رہا' تو اس کو برداشت کرنا چاہیے۔"
"سر آپ کے نزدیک دوستی کیا ہے؟"
وہ دونوں کھلے جنگل کی گھاس پہ بیٹھے تھے۔ فاصلے فاصلے پہ درخت اُگے تھے۔ بارش کے بعد اب ہر سو ٹھنڈی چھایا پھیلی تھی۔
"کیا فرق پڑتا ہے کہ دوستی کیا ہے؟ میں فلسفوں میں نہیں الجھتا۔ زیادہ فکر اس بات کی کرتا ہوں کہ دوستی بچائی کیسے جاتی ہے؟"
دونوں کے درمیان جلتا الاؤ اب ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ سرخ انگارے سلگتے دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا دوستی کو بھی بچانے کی ضرورت ہوتی ہے؟"
اس سوال پہ فاخ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "زندگی میں ہموار زمین کی طرح ہوتی کون سی چیز ہے' ایڈم؟ رشتے' کیریئر' شوق.... ہر چیز یا تو اوپر جاتی ہے' یا نیچے۔ اگر دوستی پہ محنت نہ کی جائے تو اس کا گراف نیچے چلا جاتا ہے۔"
"اور کیسے محنت کی جاتی ہے دوستی پہ؟"
"دیکھو.... کوئی آپ کو اسے زبردستی نبھانے پہ مجبور نہیں کرسکتا۔" وہ بولتے ہوئے ٹھوڑی کو ناخن سے رگڑ رہا تھا۔ نظریں دور اس سمت لگی تھیں جہاں تالیہ گئی تھی۔ "یہ خون کے تعلق سے بے نیاز ہوتی ہے۔ صرف دل سے کی جاتی ہے اور وہی لوگ اپنے دوست کے دل سے نہیں اُترتے جن میں وہ دو چیزیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ بہت سا صبر اور خوش نصیبی۔ ان دو چیزوں کی مدد سے ایک دوست دوسرے کے دل میں آئی عداوت کو اچھی باتوں سے دور کرسکتا ہے۔ یہ صبر انسان کو خود پیدا کرنا ہوتا ہے اور بخت اسے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔"
"بخت؟" اس نے اچنبھے سے دہرایا۔ "کیا اچھا دوست نصیب سے ملتا ہے؟"
"بالکل! لیکن آج کل کے بچے تو اپنے دوستوں کی تنقید تک نہیں سہہ سکتے۔ ایسے نازک لوگوں کو بخت نہیں لگا کرتے' ایڈم۔ اس کے لیے برداشت سے دوستوں کی بری بھلی باتوں پہ منفی ردعمل دینے سے خود کو روکنا ہوتا ہے۔ جو تحمل سے اپنے دوست کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے' اسے ہی اللہ بخت لگاتا ہے۔ اور یہ خوش بختی اس کو مزید اچھی دوستیاں عطا کرتی ہے۔"
"یعنی کسی عام دوست کو برداشت کرنے پہ اللہ یا تو اسی کو خاص بنادے گا یا آپ کو کوئی اور خاص دوست عطا کرے گا؟"
"میں نے تو ایسے ہی ہوتے دیکھا ہے۔ لوگوں کی فطرت سمجھ کے ان کو ڈیل کرو گے تو دل زیادہ نہیں

دُکھے گا۔ مجھے دیکھو۔ ہزاروں کارکنوں سے سب کی عادات اور طبیعت کے مطابق ہر روز ڈیل کرتا ہوں اور...." وہ ٹھہرا۔ "کرتا تھا۔"
الفاظ تھے کہ کیا' سارے جنگل میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔ کرب ناک سا سکوت۔ دونوں کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔
ان سے دور.... ایک طرف تالیہ چلتی جارہی تھی۔ پھر ایک جگہ درختوں کی اوٹ میں وہ ٹھہری اور احتیاط سے پیچھے دیکھا۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔ صد شکر کہ فاخ یا ایڈم میں سے کوئی اس کا تعاقب نہیں کررہا تھا۔ گڈ۔
اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک بٹوہ نکالا۔ وان فاخ کا بٹوہ جو ابھی اس کے قریب سے گزرتے ہوئے تالیہ نے اچک لیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی صفائی کمال تھی۔
"میں بھی تو دیکھوں' ہر رات سونے سے پہلے اپنے بٹوے سے کیا نکال کے دیکھتے ہیں فاخ صاحب۔" نچلا لب شرارت سے دبائے اس نے بٹوے کو کھولا۔ اندر رقم تھی جو کافی نم تھی۔ کریڈٹ کارڈ۔ آئی ڈی کارڈ۔ آریانہ کی تصویر۔ اور تصویر کے پیچھے کچھ پھولا ہوا۔
اس نے دو انگلیاں خانے میں گھسا کے وہ شے باہر نکالی جو تصویر کے پیچھے چھپی تھی۔ پلاسٹک کا ننھا سا زپ لاک بیگ۔ بالکل آدھی انگلی کے جتنا۔ ائیر ٹائٹ۔ تالیہ اچنبھے سے اس کو آنکھوں کے سامنے اوپر لائی۔ شفاف پلاسٹک کے اندر پاپ کارن کے چند ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے تھے۔
اس کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔
(وان فاخ جیسا بڑی عمر کا پریکٹیکل آدمی .... سیاستدان .... پورے ملک پر حکمرانی کرنے کے قریب ہونے والا شخص.... وہ پلاسٹک بیگ میں یہ پاپ کارن کے ٹکڑے کیوں رکھے گا؟) ٹکڑے پرانے لگتے تھے۔ بہت پرانے۔ یہ غلطی سے اندر نہیں آن گرے تھے۔ بالخصوص محفوظ کیے گئے تھے۔
وہ سوچ میں گم' بٹوہ جیب میں ڈالتی ہوئی مڑی تھی کہ نظروں کے سامنے جھماکا سا ہوا....
کیا خواب دیکھا تھا اس نے بھلا جب پہلی دفعہ وہ وان فاخ سے مل کے تنگو کامل کے گھر سے لوٹی تھی؟
چونک کے تالیہ نے اطراف کے درختوں کو دیکھا.... یہی درخت تھے وہ۔ یہی گدلی زمین۔
وہ ایڈم اور فاخ سے دور آئی تھی اور اس کی گردن میں پھندا آپڑا تھا.... ایسا ہی کچھ تھا اس کے خواب میں۔
پہلی دفعہ اسے احساس ہوا کہ.... وہ جنگل میں اکیلے نہیں تھے....
وہ تیزی سے واپس بھاگی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سانس پھولنے لگا تھا۔

☆☆☆

پیچھے جنگل کے اس حصے میں ویسا ہی سکون تھا۔ فاخ درخت سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے ہوئے تھا.... اور ایڈم سستی سے سر کے تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے گھاس پہ لیٹا تھا۔ جب ان دونوں نے قریب آتے قدموں کی آواز سنی۔
"کیا معلوم چے تالیہ اس دفعہ کوئی شیر شکار کر لائی ہوں۔" ایڈم جل کے بولا تھا۔
فاخ ہلکا سا ہنس دیا اور آنکھیں کھول کے گردن گھمائی۔ درختوں کے پار سے قدم نزدیک آتے سنائی دے رہے تھے۔ ٹہنیاں ہٹاتے ہاتھ۔ پیچھے سے نکلتے سراپے.... دو سے زیادہ قدم.... مردانہ قدم....
فاخ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ خطرے کی گھنٹی بجی۔
"ایڈم!" وہ تیزی سے اٹھا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ آنے والے ان کے سروں پہ پہنچ چکے تھے۔
وہ تین آدمی تھے۔ لمبے بال.... سانولی رنگت.... ماتھے پہ پٹی' اور پاجامے کے اوپر بنا آستینوں کے قمیص پہنے.... ایک سے حلیے اور ہاتھوں میں خم دار' چمکتی تلواریں۔ ان دونوں کو دائرے کی صورت گھیرا اور تلواریں ان کی طرف تان لیں۔

www.urdugem.com

فاتح نے احتیاط سے ان کو دیکھتے ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھا دیے۔ ایڈم بھی تیزی سے سیدھا ہوا اور ہاتھ جیب تک گیا جس میں پستول تھا۔

''ایڈم.... کوئی بیوقوفی مت کرنا.... یہ ہمارے جیسے لوگ نہیں ہیں۔'' اس نے دبی آواز میں انگریزی میں گھرکا۔ ایڈم نے ہاتھ کھینچ لیا۔

تب ہی ان تینوں میں سے ایک غرّایا کے کچھ بولا۔ ایڈم جو دھیرے سے ہاتھ اٹھائے سیدھا ہو رہا تھا' ٹکر ٹکر ان کے چہرے دیکھنے لگا۔

وہ آدمی پھر سے کچھ غرایا اور ان پہ تانی تلوار آگے کی۔

تب وان فاتح کو احساس ہوا کہ اسے ایڈم سے انگریزی میں بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر وہ ملے بھی بولتا' تو وہ تب بھی اس کی بولی نہ سمجھ سکتے۔ بھلے ملک وہی تھا' زبان وہی تھی' قوم وہی تھی' مگر چھ سو سال پہلے کی 'ملے زبان' مختلف تھی۔ لہجہ' الفاظ' سب کچھ جدا تھا۔ وہ تینوں قدیم ملے میں بار بار ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے اور فاتح اور ایڈم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔

''ہم مسافر ہیں.... راستہ بھٹک گئے ہیں۔'' فاتح نے ہاتھ فضا میں بلند کیے اور کہنے کی کوشش کی۔ ان کا سرغنہ جس کے چہرے پہ زخم کا قوس نما نشان تھا' ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر دوبارہ اپنی بات دہرائی' جیسے اب غصے میں آ رہا ہو۔

درختوں کے جھنڈ میں سے تالیہ دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ ان سے کچھ دور وہ ٹھہر گئی۔ پتوں سے لدی ٹہنی ہٹائی اور سامنے نظر آتا منظر دیکھا۔ جہاں تین افراد ان دونوں کو نرغے میں لیے تلواریں تانے کھڑے تھے۔

تالیہ کا سانس رک گیا۔ ''یا اللہ.... اب وہ کیا کرے؟'' اس نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

سرغنہ اب چلّا کے اپنی بات دہرا رہا تھا۔ ''تم کون ہو؟ اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟ کیا تم اپنے مالک سے بھاگے ہوئے ہو؟ جواب دو!''

فاتح نے بے بسی سے ایڈم کو دیکھ کے کندھے اچکائے' جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو کہ وہ آدمی کیا پوچھ رہا ہے۔ درخت کی اوٹ سے دیکھتی تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

وہ اس زبان سے واقف تھی۔ یہ لہجہ' یہ الفاظ.... یہی اس کے بابا بولتے تھے ان خوابوں میں.... وہ ان کو بنا کسی دقت کے سمجھ سکتی تھی۔ تو یہ تھا وہ عجیب پن جو ان خوابوں میں تھا؟ صرف زمانہ نہیں' وہ 'زبان' کا فرق تھا جو بتاتا تھا کہ کچھ غلط ہے....

وہ تینوں اب آپس میں کچھ کہہ رہے تھے۔ یہاں تک آواز نہیں آ رہی تھی۔ فاتح نے دفعتاً ہاتھ دھیرے سے گراتے ہوئے مصالحتی انداز میں بات کرنے کی کوشش کی۔ ''میں یہاں جنگل میں راستہ ڈھونڈنے....'' مگر سرغنہ نے تیزی سے تلوار اس پہ تان لی تو اس نے ''اوکے اوکے ریلیکس'' کہتے ہوئے دوبارہ ہاتھ اٹھا دیے۔ ان جنگلیوں کا کیا بھروسہ۔ وہ تلوار چلا ہی دیتے۔

تالیہ نے جیب سے خنجر نکالا' اور ایک آنکھ بند کیے تاک کے نشانہ باندھا۔ سرغنہ کے کندھے کا نشانہ۔ پھر مہارت سے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور.....

کسی نے پوری قوت سے اس کے سر کی پشت پہ ضرب ماری تھی۔ اس کا ہاتھ فضا میں ہی رہ گیا۔ خنجر چھسل کے نیچے جا گرا.... اور اسے اپنا وجود کسی کٹی ٹہنی کی طرح زمین پہ گرتا محسوس ہوا....

اندھیرا.... گھپ اندھیرا.... وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر درد کی شدت سے وہ مکمل کے نہیں دے رہی تھیں۔ سر کسی لکڑی پہ ٹکا ہوا تھا' اور جسم ہوا میں جھول رہا تھا۔ گویا وہ کسی چلتی چیز پہ سوار ہو.... اور سواری تیزی سے راستے پہ آگے بڑھ رہی ہو اور اس کا جسم ساتھ ساتھ ہل رہا ہو.... ہلکے ہلکے جھٹکے.... اس نے بدقت آنکھیں کھولیں.... ذرا سی جھری سے روشنی نظر آئی پھر وہ بوجھ سے واپس گر گئیں.....

☆☆☆

سخت نیند میں پلکیں اٹھانا بہت پُرمشقت کام

لگ رہا تھا' مگر کانوں میں آتی آواز نے اس کو جگا دیا۔

گیارہ سالہ تالیہ نے آنکھیں کھولیں تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

یتیم خانے کے اس کمرے میں دو بنکر رکھے تھے جن میں اوپر تلے چار بستر بچھے تھے۔ باقی تین لڑکیاں اپنے اپنے بستروں میں سو رہی تھیں۔ صرف اوپری بنکر پہ لیٹی تالیہ تھی جو آواز سے جاگ گئی تھی۔

کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ باہر راہداری سے روشنی آ رہی تھی۔ تالیہ نے لیٹے لیٹے گردن دروازے کی سمت موڑی۔ وہاں دو ہیولے کھڑے تھے۔ دو عورتیں جو دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں۔ اس کا دماغ اس زبان کو سمجھ نہیں پا رہا تھا جو وہ بول رہی تھیں۔

''کیا وہ اپنے نام کے علاوہ کچھ نہیں بتاتی' ماریہ؟'' ایک نے دوسری سے پوچھا۔ تالیہ خاموشی سے لیٹی وہ انجان زبان سنے گئی۔

''اس نے صرف اپنا نام بتایا' اور پھر اس نے چند باتیں کہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا سوائے چند الفاظ کے۔ وہ عجیب لہجے میں بولتی ہے' شاید کوئی علاقائی زبان۔''

''تمہاری سمجھ میں کیا آیا؟''

''میرا گاؤں.... گاؤں کے لوگ.... مر جائیں گے.... بابا کا ذکر.... مدد.... مجھے خالی جگہیں خود پُر کرنی پڑیں۔''

''اور دوبارہ وہ کچھ نہیں بولی؟''

''نہیں۔ ایسے لگتا ہے' وہ سب کچھ بھول گئی ہے۔'' مسز ماریہ اداسی سے کہہ رہی تھیں۔

''پولیس نے بھی کوئی سراغ نہیں لگایا؟''

''بچی کی تصاویر ٹی وی تک پہ دی ہیں' اخباروں میں بھی لگوائی ہیں مگر ایسا لگتا ہے وہ آسمان سے گری ہے یا زمین سے اُگی ہے۔ کیونکہ اسے لینے کوئی نہیں آیا نہ ہی کوئی اسے جانتا ہے!''

نیم اندھیرے میں کھڑے دونوں ہیولے باتیں کر رہے تھے اور اوپر بنکر پہ کروٹ کے بل لیٹی لڑکی سن رہی تھی مگر ان کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''کیا وہ کھاتی پیتی ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔ وہ کھانا پینا تو نہیں بھولی۔ اپنے کام بھی خود کرتی ہے۔ سمجھ دار ہے۔ بس باقی باتیں بھول گئی ہے۔''

''کل جب میں کھانے کی میز کے پاس سے گزری تو میں نے دیکھا ماریہ! وہ اپنی کلائی کو بار بار چھو کے دیکھ رہی تھی' جیسے کوئی لڑکی اپنے کڑے کو مس کرتی ہے۔''

''ایسے ہی کچھ دیکھ رہی ہو گی۔ آپ زیادہ سیریس نہ لیں۔'' مسز ماریہ جلدی سے بولیں۔ کھڑے کھڑے انہوں نے پہلو بدلا۔

''کوئی چوڑی' کڑا وغیرہ تو نہیں پہن رکھا تھا اس نے جب وہ یہاں آئی تھی؟ مجھے لگتا ہے اسے صرف یہی بات یاد ہے کہ اس کی کلائی میں کچھ تھا۔'' دوسری عورت سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی' مگر مسز ماریہ اس کو کہنی سے تھام کے آگے لے جانے لگیں۔

''آپ تالیہ کی فکر نہ کریں۔ وہ میری ذمہ داری ہے۔ میں اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی اور ان شاءاللہ اس کی یادداشت واپس آ جائے گی۔''

جاتے جاتے مسز ماریہ نے دروازے کو بند کر دیا۔ پٹ چوکھٹ سے آن لگا تو روشنی کا راستہ رک گیا۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اور اس گھپ اندھیرے میں وہ آنکھیں پوری کھولے دیوار کو تکنے لگی۔

☆☆☆

تالیہ نے دوبارہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ پلکیں جدا ہوئیں تو روشنی سی امڈ آئی۔ نقاہت سے اس نے پلکیں جھپکائیں۔ منظر دھندلا تھا جیسے سبزہ ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔ یا وہ کسی سواری پہ تھی جو چلتی جا رہی تھی۔ کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی.... سوائے گھوڑے کی ٹاپوں کے.... تیز آواز.... پتھریلی زمین پہ سرپٹ دوڑنے کی آواز....

بوجھ بڑھ گیا تو اس نے پلکیں واپس گرا

www.urdugem.com

دیں.... پھر سے ساری دنیا اندھیر ہونے لگی.....

☆☆☆

وہ گلاب سیاہی مائل سرخ تھے۔ اتنا گہرا سرخ رنگ کہ ان پہ سیاہ رنگ کا گمان ہوتا تھا۔ کھڑکی میں ان گلابوں کا بڑا سا گلدستہ رکھا تھا۔ کرسی پہ بیٹھی وہ پھولے گالوں والی قدرے موٹی بچی ان پھولوں کو تکے جا رہی تھی۔

ساتھ والی کرسی پہ مسز ماریہ بیٹھی تھیں جو میز کے اس پار براجمان ڈاکٹر کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ چھوٹے بالوں اور چشمے والی سانولی سی خاتون تھیں جن کے چہرے پہ تالیہ کے لیے خالص فکرمندی تھی۔

"میں نے ساری رپورٹس بھی دیکھی ہیں اور تالیہ کا بذاتِ خود معائنہ بھی کیا ہے۔" ڈاکٹر صاحبہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ تالیہ ان کے آفس کی ہر شے سے بے نیاز صرف ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔

"تالیہ جسمانی لحاظ سے بالکل فٹ ہے۔ اس کی عمر گیارہ بارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی مگر قد کاٹھ میں یہ عمر سے بڑی لگتی ہے۔ ہڈیاں مضبوط ہیں' اور میرا خیال ہے کہ یہ خالص اور متوازن غذا کھا کے بڑی ہوئی ہے۔"

"مگر یہ ہمیں بہت بُرے حال میں ملی تھی۔ جیسے کسی غریب گھرانے کی افلاس کی ماری لڑکی ہو۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس کا گھرانہ غریب ہی ہو مگر شاید کسی ایسی جگہ رہتی ہو جہاں اچھا کھانے کو ملتا ہو' جیسے کوئی گاؤں وغیرہ۔ وہ ہاتھوں سے کھاتی ہے مگر نفاست سے۔ یعنی خاندانی ہے اور اس کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔" ڈاکٹر صاحبہ ایک ایک بات پہ زور دے رہی تھیں۔

"مگر اس کی یادداشت۔" مسز ماریہ کی سُوئی وہیں اٹکی تھی۔

"کسی ذہنی صدمے کے باعث اس کی یادداشت چلی گئی ہے' یہ درست ہے مگر بظاہر اسے کوئی چوٹ نہیں لگی۔ گردن پہ جلنے کا نشان ہے مگر میرا نہیں خیال اس کا تعلق اس کی یادداشت کھونے سے ہے۔ میں نے اس سے بات کر کے دیکھا ہے۔ اس کے چند الفاظ سمجھ میں آتے ہیں' شاید دور کسی گاؤں کی علاقائی زبان بولتی ہے جس سے ہم واقف نہیں مگر چند الفاظ ملے کے ہی ہیں۔"

"اگر اس کی یادداشت کھو گئی ہے تو وہ اپنی زبان کیوں نہیں بھولی؟"

"خیر.... کچھ علوم.... زبانیں.... یہ سب پروسیجرل میموری میں اسٹور ہوتے ہیں۔ اور یادیں ذہن کے دوسرے خانوں میں بنتی ہیں۔ بہت سے کیسز میں لوگ اپنی عادتیں نہیں بھولتے۔ وہ پپا تو بجا لیتے ہیں' مختلف زبانیں بول لیتے ہیں' کھانا پینا نہیں بھولتے۔ ان کو بہت کچھ کرنا آتا ہے۔ بس ان کو یہ یاد نہیں ہوتا کہ ان کو کیا کیا کرنا آتا ہے۔"

ایک ترحم بھری نظر انہوں نے تالیہ پہ ڈالی جو ابھی تک پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ترچھی تھی اور لمبے سیاہ بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔

"یعنی اس کو بہت کچھ کرنا آتا ہے اور موقع ملنے پہ وہ خود دیکھ لے گی کہ وہ کیا کیا کر سکتی ہے مگر ابھی اسے وہ یاد نہیں۔"

"بالکل۔"

"اور کیا اس کی یادداشت کبھی واپس نہیں آئے گی۔"

"میں اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ کوئی جسمانی چوٹ تو اسے لگی نہیں ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ اسے جلد سب کچھ یاد آجائے۔"

مسز ماریہ نے ایک فکرمند نظر اس پہ ڈالی جو اب بھی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ مسز ماریہ کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ جمیں۔ وہ ایک انگلی کلائی کے گرد دائرے کی صورت پھیر رہی تھی۔ گویا کوئی کھوئی ہوئی شے یاد آئی ہو.....

مسز ماریہ کا دل بری طرح دھڑکا.... کتنا اچھا ہو اسے وہ بریسلیٹ بھولا رہے جو انہوں نے اتنا مہنگا بیچا تھا۔ اگر اسے وہ یاد آگیا اور اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور دوسری ٹیچرز کو معلوم ہوگیا تو وہ کیا کریں گی؟

وہ جھرجھری سی لے کر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

☆☆☆

تالیہ نے بڑی دقت سے پلکیں جھپکائیں..... اس کا جسم ابھی تک ہلکا ہلکا ہل رہا تھا۔ سواری چل رہی تھی.... منظر ذرا دھندلا تھا مگر چند لمحوں بعد دھند چھٹتی گئی.....

اس نے دیکھا کہ لکڑی کی سلاخوں سے بنا چوکور سا پنجرہ ہے جس میں وہ بیٹھی تھی.... اور نقاہت سے سر لکڑی کی سلاخوں سے ٹکا رکھا تھا۔ وہ پنجرہ کسی سواری پہ رکھا تھا.... گھوڑا گاڑی پہ شاید.... اور گھوڑے اس کو دوڑاتے دور جا رہے تھے۔ پتھریلی پکی سڑک.... اور سڑک کنارے دور دور تک اُگے سبز کھیت.... شام کا نیلگوں وقت.... ٹھنڈی ہوا.... اور وہ پنجرہ.....

درد.... سر کے پچھلے حصے میں درد کی لہر پھر سے اٹھنے لگی تو اس نے نقاہت سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

یتیم خانے کا عقبی لان سرسبز گھاس سے ڈھکا تھا۔ ایک طرف جھولے لگے تھے جن کے آگے پیچھے بہت سے بچے پھر رہے تھے۔ کچھ ٹولیوں کی صورت گھاس پہ بیٹھے تھے۔

ایسے میں ایک تنہا بنچ پہ وہ بیٹھی تھی۔ پہلے کی نسبت ذرا موٹی بچی جس کے گال خوش خوراکی سے مزید پھول گئے تھے۔ وہ سر جھکائے' گھٹنوں پہ کاپی رکھے صفحے پہ قلم چلا رہی تھی۔

مسز ماریہ نے دور سے اسے بیٹھے دیکھا تو گہری سانس بھری اور قریب آئیں۔ اس کے ساتھ بنچ پہ جگہ سنبھالی تو تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے دیکھا اور مسکرائی' پھر دوبارہ سر جھکا کے قلم چلانے لگی۔ لمبے سیاہ بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔

"کل مسز حلمی نے بتایا کہ تم نیند میں ڈر گئی تھیں۔ کوئی بُرا خواب دیکھا تھا تم نے؟"

تالیہ نے قلم صفحے پہ رگڑتے سر ہلایا۔ "مجھے یاد نہیں کیا دیکھا' مگر کچھ بُرا ہی تھا۔" کندھے ذرا سے اچکائے۔ ان چند ہفتوں میں وہ ٹوٹی پھوٹی زبان سیکھ گئی تھی اور اب بات سمجھ اور سمجھا لیتی تھی۔

"مثلاً کیا؟" مسز ماریہ محبت اور اپنائیت سے پوچھتے ہوئے اس کے بال نرمی سے پیچھے ہٹانے لگیں۔

"اندھیرا سا تھا.... اور میں کسی سے کہہ رہی تھی کہ شہزادی ظالم ہے' وہ گاؤں کو تباہ کر رہی ہے۔" وہ خاکے میں سیاہ رنگ بھرتے ہوئے سادگی سے بولی۔

"کون سی شہزادی؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔" پھر سے شانے اچکا دیے۔

"تم بہت کھانے لگی ہو تالیہ! اس لیے' معدہ ڈسٹرب ہو جائے تو برے خواب آتے ہیں۔ اچھا دکھاؤ' کیا بنایا ہے تم نے؟" انہوں نے بات بدلتے ہوئے نرمی سے کاغذ لینا چاہا تو اس نے مسکرا کے کاغذ خود ہی آگے بڑھا دیا۔ مسز ماریہ نے کاغذ چہرے کے سامنے لا کر دیکھا۔

"ہوں.... اچھا ہے' لیکن تم بس ایک یہی چیز کیوں بناتی ہو؟ جزیرے کے اوپر پہاڑی' چاروں طرف سمندر اور پہاڑی کی چوٹی پہ محل....."

بچی نے دونوں ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ گرا دیا اور شانے اچکا دیے۔ انہوں نے کاغذ سے نظر ہٹا کے اسے دیکھا۔

"کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم ایسے محل میں رہو؟"

تالیہ کی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں چمکیں۔ مگر گال سرخ ہوئے۔ قدرے خجالت' قدرے جوش سے اس نے سر ہلایا۔ مسز ماریہ نے مسکرا کے اسے کاغذ واپس کر دیا۔

وہ جب واپس آفس آئیں تو ٹھٹک کے رکیں۔

وہاں ایک درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ ماریہ کی رنگت بدلی۔ جلدی سے دروازہ بھیڑا اور اندر آئیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

www.urdugem.com

اس آدمی نے مسز ماریہ کو دیکھتے ہی ابرو غصے سے بھینچ لیے۔

"وہ سنار میری جان لے لے گا' ماریہ۔"

"آہستہ بولو.... کوئی سن لے گا۔" وہ اضطراب سے کہتے ہوئے سامنے بیٹھیں۔ نووارد پہ جمی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

"ماریہ.... وہ بریسلیٹ اور وہ سکہ.... وہ تم سے خرید کے جس سنار کو میں نے بیچا' وہ کب سے اپنے پیسے واپس مانگ رہا ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ وہ دونوں چیزیں پگھل کے ہی نہیں دے رہیں۔ وہ کوئی ملعون زیور ہے۔ جب سے اس نے خریدا ہے' اس پہ آفتیں آ رہی ہیں۔ وہ بہت پریشان ہے۔"

"اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میں پیسے خرچ کر چکی ہوں۔" انہوں نے فوراً ہاتھ جھلائے۔ آدمی نے غصے سے دانت کچکچائے۔ "ماریہ.... اگر وہ مجھے اسی طرح تنگ کرتا رہا تو میرے پاس تم سے پیسے لے کر اسے واپس دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔"

"اس کو کہو وہ اسے آگے بیچ دے۔" وہ تیزی سے کہہ رہی تھیں۔ آدمی نے برہمی سے انہیں دیکھا۔

"وہ ملعون چیز ہے' ماریہ۔ اسے ڈر ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

"میں اب کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے نہیں پتا۔" وہ خود کو سنبھال چکی تھیں اور اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھیں۔

"وہ لڑکی جس کے ہاتھ میں یہ تھا۔ تم اس سے احتیاط کرنا.... کیا معلوم وہ بھی کسی سحر کے زیر سایہ ہو۔ ملعون۔ سحر زدہ۔" وہ انہیں متنبہ کرنا نہیں بھولا تھا۔

ان سے دور.... باہر بینچ پہ بیٹھی تالیہ اب ایک نئے کورے کاغذ پہ خاکہ بنا رہی تھی۔ ایک مختلف جزیرہ.... ایک مختلف محل.... یہ ستونوں والا تھا اور زیادہ خوبصورت تھا۔

☆☆☆

"تالیہ.... تالیہ!"

مدھم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی.... اندھیرے میں جیسے کوئی دھیمی سی سرگوشی ہو جو نیند کے سحر کو توڑ دے.... تکلیف کے باوجود اس نے بدقت آنکھیں کھولیں.... دھندلا سا منظر دکھائی دیا....

پنجرے میں اس کے سامنے کوئی بیٹھا تھا... ہیولہ سا... قریب.... اس کی طرف فکرمندی سے جھکا ہوا....

"تالیہ!"

اس نے پلکیں جھپکائیں.... تصویر واضح ہوئی.... وہ کوئی مرد تھا.... شکل ابھی تک دھندلی تھی... گدلی سفید شرٹ' ماتھے پہ آگے کو گرے بال.... چھوٹی آنکھیں.... اور آنکھوں میں فکرمندی....

"تم ٹھیک ہو تالیہ؟" تشویش میں ڈوبی آواز.... اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ یہ کس کی آواز تھی؟ شناسا.... بہت شناسا....

☆☆☆

چوکھٹ میں وہ ہچکچاتی ہوئی بارہ سالہ لڑکی کھڑی تھی۔ پہلے سے کافی موٹی ہو چکی تھی مگر بال اب بہت چھوٹے تھے۔ چہرے پہ تذبذب تھا۔

سامنے ایک آفس تھا جس میں فائلوں سے بھری اونچی الماریاں رکھی تھیں۔ کرسی خالی تھی اور آفس کی مالکن (یتیم خانے کی کچن انچارج) مسز ایگنیس ایک الماری کے سامنے کھڑی تھیں۔ دستک پہ پلٹیں اور ذرا کوفت سے اسے دیکھا۔

"ہاں تالیہ.... بولو.... کیسے آئیں؟"

وہ ایک گال پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑستی اندر داخل ہوئی۔ پھر ہاتھ باہم مروڑتے ہوئے ہچکچا کے کہنے لگی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی میم۔"

"جلدی بولو' مجھے بہت کام کرنے ہیں۔" وہ بے زاری سے کھڑے کھڑے بولیں۔

"وہ.... میم.... میس میں کھانا... بہت.... کم ہوتا جا رہا ہے ہر روز۔ کیا آپ مقدار بڑھا نہیں سکتیں؟"

وہ اب صاف ملے بول رہی تھی۔

"نہیں۔ اور کچھ؟"

تالیہ نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ "میم میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں کیا کروں؟ مجھے ساری رات بھوک سے نیند نہیں آتی۔"

"بھوک' نیند اور لالچ جتنا بڑھاؤ بڑھتا ہے' جتنا گھٹاؤ گھٹتا ہے۔ یہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اپنی بھوک کم کرنے پہ دھیان دو۔"

"میم' پہلے ٹھیک تھا کھانا' اب آپ لوگوں نے مقدار کم کر دی ہے اور...."

"بات سنو تالیہ۔" وہ اسے گھور کے درشتی سے بولیں۔ "جو مل رہا ہے نا' یہ بھی لوگوں کی خیرات سے مل رہا ہے' اور خیرات پہ پلنے والوں کو نخرے نہیں کرنے چاہئیں۔"

تالیہ کی آنکھوں سے قطرے ٹپ ٹپ گالوں پہ لڑھکنے لگے۔

"اب جاؤ۔" کروفر سے ہاتھ جھلا کے کہا تو وہ مڑ گئی۔ جاتے جاتے اس نے دیکھا' میم ایگنیس کی میز پہ خوبصورت ڈیزائنر بیگ رکھا تھا۔ میم کے جوتے بھی نئے تھے۔ کلائی کی گھڑی بھی قیمتی لگ رہی تھی۔ یہ سب کھانے کی مقدار گھٹانے سے پہلے تو نہیں ہوتا تھا۔

ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی وہ باہر نکل آئی۔ سامنے سے خاکروب وائپر اور جھاڑو لیے چلا آ رہا تھا۔ یقیناً اسے اب آفس کی صفائی کرنی تھی۔

اگلی صبح وہ ابھی بستر میں سو رہی تھی' جب کسی نے زور سے اس کا لحاف کھینچا۔ تالیہ ہڑبڑا کے اٹھی۔

"نیچے اترو۔" کمرے میں اتنے سارے لوگ۔ ان کے غصیلے چہرے۔ وہ نیند کی کیفیت میں چند لمحے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی' پھر حواس واپس آئے تو تیزی سے بنکر کی سیڑھیاں پھلانگ کے نیچے اتری۔

میم ایگنیس کمر پہ ہاتھ جمائے سرخ چہرے کے ساتھ سامنے کھڑی تھیں۔

"میرے پیسے کہاں ہیں؟" انگارہ ہوتی آنکھوں سے سوال کیا۔

"جی؟" تالیہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"زیادہ ڈراما نہیں کرو۔ کل تم آئی تھیں میرے آفس۔ میز پہ میرے بیگ میں نوٹوں کی گڈی رکھی تھی۔ وہ تمہارے جانے کے بعد غائب ہوئی۔ کہاں ہے وہ؟"

اس کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا۔ بری طرح کچلے جانے کا احساس اسے یوں پہلی دفعہ ہوا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ تالیہ چور نہیں ہے' میم۔ تالیہ نے چوری نہیں کی۔"

ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پہ لگا۔ وہ تیورا کے نیچے گری۔

ایگنیس کے پیچھے کھڑی افسردہ سی مسز ماریہ نے روکنا چاہا لیکن پھر ٹھہر گئیں۔ وہ مداخلت نہیں کر سکتی تھیں۔ آفس پالیٹکس۔

"اس کے سامان کی تلاشی لو۔ اور آج سے تالیہ کا ایک وقت کا کھانا بند۔ جب تک یہ میرے پیسے واپس نہیں کرتی۔" ایگنیس حکم دے رہی تھیں۔

اور وہ گال پہ ہاتھ رکھے صدمے سے نیچے گری پڑی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم پانی بہ رہا تھا.... اور نظروں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا.... پس منظر میں آوازیں آ رہی تھیں.... اس کا سامان کھولنے کی.... کچھ نہ ملنے کا اعتراف کرنے کی.... مگر ایگنیس کی چیخ و پکار جاری تھی....

☆☆☆

"تالیہ.... تم ٹھیک ہو؟"

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کو واپس کھینچ لائی تھی۔ اس کا جسم تیز دوڑتی سواری کے باعث جھول رہا تھا۔ بدقت اس نے آنکھیں کھولیں اور پلکیں جھپکائیں۔

وہ سامنے بیٹھا فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے آنکھیں چندھی کر کے دیکھا۔ اس کا چہرہ واضح ہوا۔

"تو انکو۔" وہ ذرا سا اٹھ کے بیٹھی۔ وہ دان

www.urdugem.com

فاتح تھا اور وہ پنجرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے پنجرے کی سلاخوں سے سڑک کنارے دوڑتے کھیت نظر آ رہے تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس نے پھر پوچھا۔ آواز بار بار پلٹ کے سنائی دیتی جیسے وہ کنویں میں بول رہا ہو۔ شاید اس کے کان بج رہے تھے۔

"ہوں!" اس نے سر کو ذرا سی جنبش دی۔ کچھ بولا نہیں جا رہا تھا.... وہ جواب میں کچھ پوچھنے لگا مگر اب اس کی آواز آنا بند ہو گئی۔ صرف لب ہلنے لگے۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کی سماعت پہ چھانے لگی۔ تالیہ نہیں جانتی تھی کہ اس شور میں وہ کیا کہہ رہا ہے۔

☆☆☆

وہ ایک لمبا سا برآمدہ تھا جس سے کئی کمروں کے دروازے باہر کھلتے تھے۔ شام کے اس پہر وہ خاموش پڑا تھا۔ دفعتاً ایک دروازہ کھلا اور یتیم خانے کا خاکروب باہر نکلتا دکھائی دیا۔ منہ میں کچھ چباتا وہ دروازہ بھیڑ کے آگے بڑھ گیا۔

دیوار کی اوٹ سے تالیہ دھیرے سے نکلی۔ اس کے پھولے گال پہ نیل کا واضح نشان تھا اور آنکھوں میں سلگتا ہوا غصہ۔

خاکروب اب بے پرواہ سا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے تک آئی۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ وہ اناڑی چور تھا لیکن اگر اتنا ہی ذہین ہوتا تو خاکروب تھوڑا ہی ہوتا؟

وہ تیزی سے اندر گھس گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر بتی جلائی۔ سادہ کمرہ.... الماری.... صندوق۔ وہ تیزی سے آگے آئی اور ایک ایک چیز کھولنے لگی۔ چند منٹوں میں کمرے کا حشر نشر ہو گیا۔ جو آخری چیز اس نے کھولی وہ تکیے کا غلاف تھا۔ اسے الٹایا تو نوٹوں کی گڈی زمین پہ آن گری۔

وہ تلخی سے مسکرائی اور گڈی اٹھائی۔ (تو یہ تھی وہ رقم جس کے لئے ایگنیس نے مجھ پہ جھوٹا الزام لگایا؟ میرے بعد خاکروب آیا تھا۔ یہ واقعی اسی نے چُرائی تھی۔)

اس نے رقم لباس میں چھپائی' ایک نظر کمرے کو دیکھا اور پھر اسے اسی طرح چھوڑ کے باہر نکل آئی۔ یہ اس کی پہلی چوری تھی اور تھی تو وہ بھی اناڑی چور مگر جانتی تھی خاکروب کبھی بھی گڈی نکال لینے والے کا سراغ نہیں لگا سکے گا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے نوٹوں کی گڈی چھپا دی اور پھر بستر پہ آلتی پالتی مار کے بیٹھی سوچنے لگی۔

کیا وہ یہ رقم ایگنیس کو واپس کر دے؟ مگر پھر گال پہ ہاتھ رکھا تو کراہ نکلی۔ درد ابھی تک ہوتا تھا۔ سر نفرت سے ہلایا۔ ہرگز نہیں۔

تو پھر وہ اس کا کیا کرے؟ چہرہ ہتھیلیوں میں تھامے وہ سوچتی رہی۔

اس رات جب میس میں کھانا لگا تو اس نے آہستہ آہستہ کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سب اٹھ گئے اور وہ ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔ نرملا دیوی جو وہاں کام کرتی تھی' کوفت سے اس کی میز تک آئی۔ "تم اٹھو گی یا نہیں؟"

"نرملا دیوی ...." اس نے ادھر ادھر دیکھتے لجاجت سے بات شروع کی۔ دل دھڑک رہا تھا۔

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتی ہو؟"

"بتاؤ۔" وہ سننے رک گئی۔

تالیہ نے ایک تہ شدہ نوٹ کپڑوں سے نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ نرملا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تالیہ! تم نے واقعی مسز ایگنیس کے پیسے چرائے تھے؟"

"ششش۔" وہ جلدی سے بولی۔ "اگر میں تمہیں روز پیسے دوں تو تم مجھے زیادہ کھانا دیا کرو گی؟ بہت زیادہ۔"

نرملا نے ایک نظر نوٹ کو دیکھا اور چہرے پہ غصہ لے آئی۔

"کیوں بھئی؟ میں کیوں کروں گی ایسا؟ بلکہ میں ابھی مسز ایگنیس کو بتا دوں گی۔"

"کیا بتاؤ گی؟ کہ تالیہ نے آپ کے پیسے چُرائے ہیں؟ سارا یتیم خانہ پہلے سے ہی یہی سمجھتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ پیسے رکھ لو تو تمہارا ہی فائدہ ہو گا....." وہ تیزی سے بولی اور نرملا لاجواب ہو گئی.....

پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور نوٹ تھام لیا۔

☆☆☆

"اس نے تمہارے سر پہ مارا تھا کچھ شاید۔ کیا تمہیں درد ہو رہا ہے؟" فاتح کے الفاظ اب کچھ کچھ سنائی دینے لگے تھے۔ گھوڑا گاڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور وہ پنجرے کے کونے میں بیٹھی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ ویرانی اور خالی پن سے۔ ذہن اس کے الفاظ کو رجسٹر نہیں کر پا رہا تھا۔

"سر میں درد ہے کیا؟" وہ فکرمندی بھری نرمی سے سوال پوچھ رہا تھا۔

"ہم..... کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے خود کو کہتے سنا.....

پنجرے کے باہر اب کھیت نیلے اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے.... شاید مغرب پھیل رہی تھی۔

☆☆☆

نرملا دیوی راہداری میں چلتی جا رہی تھی جب تالیہ سامنے سے آتی دکھائی دی۔ وہ پہلے سے بڑی اور سنجیدہ نظر آتی تھی۔ قد نرملا کے برابر پہنچنے کو تھا۔ گال زیادہ پھول گئے تھے۔ راہداری کے وسط میں اس نے نرملا کو روکا تو وہ اکتائے ہوئے انداز میں رکی۔

"کیا ہے؟" لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی ساڑھی پہ جیبوں والا لمبا سوئیٹر پہنے وہ ایک تیز طرار عورت لگتی تھی۔

"نرملا دیوی ..... میں نے تم سے چاول زیادہ مانگے تھے اور تم نے مجھے نہیں دیے۔"

"کیونکہ تم اب مجھے پیسے نہیں دے رہیں۔"

"میرے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔"

"ہاں میں جانتی ہوں' تم جب بازار جاتی ہو ٹرپ کے ساتھ تو اپنے کپڑوں میں کتنے کیک اور چاکلیٹس چھپا کے واپس لاتی ہو۔ اگر تم فضول خرچی نہ کرتیں تو اتنے سارے پیسے ختم نہ ہوتے۔" وہ ناک سکیڑ کے بولی۔

"مگر اتنے ماہ تو میں نے تمہیں پیسے دیئے ہیں۔ اب نہیں ہیں تو کیا کروں۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"تم چور ہو۔ چُرا لو کسی کے۔ لیکن اگر پیسے نہ دیے تو زیادہ کھانا نہیں دوں گی۔" وہ ہونہہ کہہ کے آگے بڑھی۔ تالیہ راستے میں کھڑی تھی' سو اس کو ایک ہاتھ سے تالیہ کو پرے دھکیلنا پڑا۔ اور اسی وقت تالیہ کا ہاتھ نرملا کے سوئیٹر کی جیب میں گیا۔ نرملا چلتی گئی۔

تالیہ نے بند مٹھی کھولی۔ اندر چابی تھی۔

"آخر میں چور ہوں نا۔" اس نے دکھ سے وہ چابی دیکھی۔ ان میں سے ایک میس کے فریج کی چابی تھی۔ جو نرملا کی دسترس میں رہتی تھی۔

اگلی صبح چابی نرملا کی جیب میں واپس آ چکی تھی مگر جب ناشتے کے لیے اس نے فریج کا دروازہ دیکھا تو اس کا لاک کھلا تھا اور لاک کے اندر چابی ٹوٹی ہوئی تھی۔ شاید کل جلدی میں فریج بند کرتے ہوئے چابی لاک کے اندر ٹوٹ گئی ہو اور اسے علم نہ ہو سکا ہو مگر شکر کہ دروازہ لاک نہیں ہوا تھا۔ ورنہ یہاں سب اتنے ست تھے' کوئی بھی لاک تبدیل کروانے کی ہمّت نہ کرتا۔

اب وہ فریج کو لاک نہیں کر سکتی تھی مگر دروازہ کھول بند کر سکتی تھی۔ خیر ہے کسی دن لاک بدلوا دوں گی۔ کون سا بچوں کو علم ہے کہ دروازہ اب لاک نہیں ہو گا اور وہ کچھ چُرا لیں گے۔ اس نے بے لاوائی سے اندر سے دودھ نکالا اور دروازہ بند کر دیا۔

مگر ایک بچی کو علم تھا کہ اب رات کو دبے پاؤں میس میں جا کر کھانا کہاں سے چُرانا ہے۔

☆☆☆

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اس کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی تھی۔

پتھریلی سڑک پہ دوڑتی گھوڑا گاڑی کو مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے۔ کھیت اب اندھیرے میں

www.urdugem.com

ڈوبتے جارہے تھے۔

"میں نہیں جانتا۔ انہوں نے گن پوائنٹ پہ...." وہ رکا۔ "تلوار تان کر ہمیں اندر بیٹھنے پہ مجبور کیا۔ اور پھر یہ تمہیں بھی لے آئے۔ تم بے ہوش تھیں۔"

"اور ایڈم؟" اس نے نظریں گھمائیں۔ دوسرے کونے میں ایڈم اکڑوں بیٹھا تھا۔ اسے خود کو دیکھتا پا کے سر کو خم دیا۔

"بری خبر' چے تالیہ۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔"

اس کی نظریں ایڈم کے ہاتھوں پہ جم گئیں۔ وہ آگے کو اکٹھے تھے اور کلائیوں کے گرد رسی بندھی تھی۔ رسی اس کی گردن تک جاتی تھی۔ اور پیروں میں بھی۔ وہ پوری طرح سے بندھا تھا۔

"اس کے ہاتھ...." وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی.... "کیوں بندھے ہیں؟"

اب سارے پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ سڑک تاریک ہورہی تھی۔

☆☆☆

یتیم خانے کی پتھریلی عمارت اس ڈوبتی شام میں یوں کھڑی تھی کہ اس کے سایے لمبے ہو کے گھاس پہ گر رہے تھے۔ سورج کا نارنجی تھال ڈوبنے کے قریب تھا۔ تالیہ ایک درخت سے ٹیک لگائے گھٹنوں پہ کاپی رکھے قلم تیز تیز چلا رہی تھی۔ کاغذ پہ ایک سیاہ سفید سا اسکیچ ابھر رہا تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پہ مخروطی چھت والا محل۔

دفعتاً جوتوں میں مقید دو پیر اس کے سامنے آ رکے۔ ایسے سیاہ چمک دار جوتے کہ ان میں چہرہ نظر آئے۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

وہ ٹو پیس میں ملبوس ایک آدمی تھا جس کے سر پہ انگریزوں والا سیاہ ہیٹ تھا اور ہاتھ جیبوں میں تھے۔ صاف رنگت' چینی نقوش' دلکش مسکراہٹ اور ہاں.... کوٹ کی اوپری جیب میں اٹکا' پیلا گلاب جو پہلی نظر میں ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرالیتا تھا۔

اجنبی یہاں کم کم نظر آتے تھے۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی حیرت بھانپ کے نووارد نے ہیٹ اتارا اور سر جھکایا۔

"کیسی ہو تم؟ کم عمر لڑکی؟"

وہ مسکرائی نہیں۔ بس سنجیدگی اور اچنبھے سے اس کو دیکھے گئی۔

بھورے بالوں والا وہ آدمی بہت سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ عمر چالیس سے اوپر ہوگی۔ اور آنکھیں کسی کم عمر لڑکے جیسی جوان تھیں۔

"تمہارے بال کس نے کاٹے ہیں' ننھی لڑکی؟"

وہ اس کے سامنے گھاس پہ کھڑا تھا۔ پیچھے سورج ڈوب رہا تھا۔ پتھریلے قلعے کے سایے غائب ہو رہے تھے۔

تالیہ چپ رہی۔

"اچھے نہیں کاٹے۔" اس نے ہیٹ دوبارہ سر پہ جمالیا۔ تالیہ نے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو چھوا۔ وہ پہلے کی طرح لمبے نہیں تھے بلکہ کانوں سے ذرا نیچے تک باب کٹ کی صورت آتے تھے۔

"کیا تمہیں لمبے بال نہیں پسند؟"

تالیہ نے سر جھکا لیا اور بولی تو آواز میں سادگی تھی۔ "ہم یتیم ہیں اور ہم خیرات پہ پلتے ہیں۔ جتنے لمبے بال' اتنا زیادہ شیمپو۔ یہاں سب کے بال چھوٹے ہوتے ہیں۔"

"اور تمہارے کپڑے؟" وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگالی۔

"ہمارے کپڑے کبھی درست سائز کے نہیں ہوتے۔ لوگ اچھے کپڑے اور کھلونے کبھی خیرات میں نہیں دیتے' آن جے (مسٹر)...؟"

وہ رکی اور ہچکچا کے گردن اٹھائی۔

"ذوالکفلی!" وہ مسکرایا۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔

"ذل...کف...لی؟" وہ مسحور سی توڑ توڑ کے دہرانے لگی۔ جیسے اس ویران کھنڈر قلعے میں کوئی عجوبہ

دیکھ لیا ہو۔

"ہاں۔ صرف ذوالکفلی۔ میں رائٹر ہوں اور یتیم خانے کی زندگی پہ ناول لکھ رہا ہوں۔ کیا تم میری مدد کروگی؟"

"میں؟" اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"مسز ماریہ نے مجھے یتیم خانے کے ان کوارٹرز میں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔" اس نے قلعے کی اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں ٹاور کی سب سے اونچی کھڑکی تھی۔ "لیکن یہاں کوئی ٹھیک سے بات ہی نہیں کرتا۔ تم کروگی؟"

"ہوں۔" اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"کل رات جب میں ادھر رہا تو.. .چے....(مس)؟" وہ رکا۔

وہ تیزی سے بولی۔ "تالیہ بنتِ مراد۔" وہ مسکرایا۔ کیا سحر انگیز مسکراہٹ تھی اس کی۔

"چے تالیہ۔ بلکہ مجھے کہنا چاہیے۔ پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)...." تالیہ کے گالوں پہ سرخی پھیلی۔ مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا پتری تالیہ....رات جب میں یہاں رہا تو چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔"

"ہر رات آتی ہیں۔ یتیم خانے میں کبھی خاموش راتیں نہیں گزرتیں' ان جے ذوالکفلی۔"

"مگر کل رات وہ لڑکا کیوں چیخ رہا تھا۔"

"کیونکہ جب بھی کوئی نیا شخص یتیم خانے میں آتا ہے۔ (اس کی نظریں ذوالکفلی کے چہرے پہ بہت مان سے جم گئیں۔) اور وہ ہم سے پیار سے بات کرتا ہے....تو ہمیں لگتا ہے وہ ہمارا فوسٹر فادر بن جائے گا۔ اور وہ ہمیں اس جگہ سے دور لے جائے گا۔ وہ ہمیں فیملی دے دے گا۔ اس نے بھی یہی سمجھا لیکن وہ لوگ جب اس کو پسند کیے بغیر چلے گئے تو وہ ساری رات روتا رہا۔"

"ویری سیڈ۔" اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ پھر نگاہ تالیہ کے کاغذ پہ پڑی تو قدرے چونکا۔

"کیا بنا رہی ہو تم؟" اس نے کاغذ لیا تو وہ مسکرا دی۔

"مجھے محل بنانا اچھا لگتا ہے۔"

"مگر مجھے محل میں رہنا اچھا لگتا ہے۔" وہ بے ساختہ بولا تو وہ دونوں ہنس دیے۔ قلعے کے اوپر شام کے سایے اب مزید گہرے ہو رہے تھے۔

☆☆☆

"اس کے....اس کے ہاتھ کیوں بندھے ہیں؟" وہ تکلیف کے باعث رک رک کے بول پائی۔ سامنے بیٹھے فاتح نے گہری سانس لی۔

"کیوں کہ وہ نہیں چاہتے کہ ہم بھاگ جائیں' اس لیے انہوں نے ہمیں باندھ دیا ہے۔"

گھوڑا گاڑی پنجرہ لادے سڑک پہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ اردگرد کھیتوں پہ رات چھائی جارہی تھی۔

"ہم؟" اس نے چونک کے دہرایا۔ حواس ذرا جاگے۔ گردن جھکائی تو دیکھا۔ گود میں رکھے اس کے اپنے ہاتھ بھی رسیوں میں بندھے تھے اور وہ رسی اس کی گردن تک آ کر اسے جکڑے ہوئے تھی۔ پھر پیروں تک جاتی۔ پیر تک بندھے تھے۔

اس نے بدک کے ہاتھ اوپر کھینچے مگر رسیوں کی گرفت مضبوط تھی۔

"ریلیکس چے تالیہ....ہم کوشش کر چکے ہیں.... یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" دور بیٹھا دھندلا سا نظر آتا ایڈم بولا تھا۔

وہ سیٹ بغیر مخمل حواسوں کے ساتھ بار بار ہاتھ اوپر کھینچ رہی تھی۔

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سماعتوں میں صور پھونکے جارہی تھی.....

☆☆☆

ملاکہ شہر میں واقع یتیم خانے کا پتھریلا قلعہ دھوپ میں کھڑا دہک رہا تھا۔ اندر ایک راہداری میں چند بچے چلتے جارہے تھے۔ سب سے پیچھے وہ دونوں تھے۔ پیلے گلاب کو کوٹ کی اوپری جیب میں نکائے' سیاہ ہیٹ پہنے ذوالکفلی....اور....اس کے ساتھ چلتی

www.urdugem.com

تالیہ۔

''آج سب خوش کیوں ہیں' پتری تالیہ؟'' وہ سامنے چہکتے بچوں کی طرف اشارہ کر کے بولا تھا۔

سرخ سیبوں جیسے موٹے گالوں والی تالیہ مسکرا کے بتانے لگی۔ ''کیونکہ ملاکہ کی کسی امیر فیملی کے بچے کی آج سالگرہ ہے۔ جب امیر لوگوں کے بچوں کی سالگرہ ہوتی ہے نا' تو وہ یتیم خانے میں مٹھائی یا چاکلیٹ بھیجتے ہیں...یا ایک وقت کے چاول وغیرہ....بہت مزہ آتا ہے۔ کاش امیر بچوں کی سالگرہ روز ہوا کرے تاکہ ہمیں ان کے مال سے کچھ حصہ ملتا رہا کرے۔''

وہ آس سے بولی تو وہ راہداری کے درمیان رک گیا اور اس کی طرف گھوما۔ وہ بھی بے ساختہ ٹھہر گئی۔

ذوالکفلی گھٹنوں پہ دونوں ہاتھ رکھے اس کی جانب جھکا اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''امیر لوگ بھی ہم جیسے ہوتے ہیں تالیہ....مگر وہ امیر اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا پیسہ لوٹتے ہیں۔ ان کی دولت اصل میں ہماری ہوتی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' تالیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''یہاں کہ وہ ٹیکس ہم دیتے ہیں وہ قومی خزانے میں جاتا ہے۔ امیر لوگ خزانے سے بہانے بہانے سے رقم نکلواتے ہیں۔ کبھی پراجیکٹس کی صورت میں' کبھی بینکوں سے قرضے کی صورت میں۔ امیر لوگ پھر وہ رقم کبھی واپس نہیں کرتے۔ اسی رقم سے وہ اپنے بچوں کی سالگرہ کرتے ہیں۔''

''یعنی ان کا پیسہ ہمارا ہوتا ہے؟''

''ہاں....اور اپنا پیسہ واپس لینا کوئی جرم نہیں ہوتا۔'' وہ سیدھا ہو گیا۔ پھر مسکرایا۔ ایک دم سے اس مسکراہٹ نے اس کے سنجیدہ تلخ چہرے کو ڈھانک دیا۔

''چلو اوپر چھت پہ چلیں۔ میں ملاکہ کا نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔'' تالیہ نے گہری سانس لی۔

''آپ کو چھت سے ہر وقت شہر دیکھنا کیوں پسند ہے' ان چے ذوالکفلی؟'' وہ افسوس سے بولی تھی۔ وہ جواب میں کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں اب راہداری میں چلتے دور ہوتے جا رہے تھے....ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھی۔

☆☆☆

''تالیہ۔ مت کرو۔ رکو۔ اسٹاپ اِٹ۔'' وہ اب کے جھڑک کے بولا تو وہ چوری مسلسل کھینچ رہی تھی رک گئی....گردن اٹھا کے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا....

''یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے ہمیں کیوں پکڑا ہے؟'' پلکیں جھپکائیں تو بصارت واضح ہوئی جیسے پانی گدلے شیشے کو صاف کر دے .... چاندنی اندھیرے میں فاتح کا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

''میں نہیں جانتا۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھتا۔'' وہ مدھم آواز میں بتانے لگا۔ ''انہوں نے ہمارے اوپر تلواریں تان لی تھیں۔''

''تو آپ لوگوں نے مزاحمت کیوں نہیں کی۔ ایڈم کے پاس تو پستول بھی تھا۔'' وہ شاکی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے ان کی بہادری پہ شک ہوا۔

''میں تو اس کو شوٹ کرنا چاہتا تھا مگر سر نے روک دیا۔'' ایڈم گلہ آمیز انداز میں بولا۔

''ایڈم نے آج تک ایک جیتا جاگتا انسان نہیں مارا' میں تم دونوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ اور پنجرے کی سلاخوں سے ٹیک لگا لی۔ سفید گدلی شرٹ کے آستین اوپر چڑھائے' مٹی لگے چہرے کے ساتھ' وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر بھی ویسے ہی بندھے تھے۔

''اور جب میں نے ان کی گاڑی دیکھی تو کوئی مزاحمت نہیں کی۔ گاڑی کا مطلب تھا کہ وہ راستوں سے واقف ہیں۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھتا مگر وہ بار بار ایک ہی لفظ دہرا رہے تھے۔ ملاکہ۔ یقیناً یہ گاڑی

کا شہر جا رہی ہے۔''

''اور آپ نے خود کو بندھوا کے جانوروں کی طرح اس پنجرے میں ڈالنے دیا ان کو۔ کوئی مزاحمت نہیں کی؟'' وہ غصے سے بولی۔ سر ابھی تک گول گول گھوم رہا تھا۔

''صرف اس لیے کہ وہ ملاکہ جا رہے تھے۔ ان کو جنگل سے نکلنے کا راستہ معلوم تھا۔ کیا تم بھول گئیں؟ Eyes on the Prize۔ اور ہماری منزل ملاکہ ہے۔ منزل پہ سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ راستوں اور طریقوں پہ کر لیا جاتا ہے۔''

وہ بالکل چپ ہو گئی....پھر سر دھیرے سے سلاخوں سے ٹکا دیا اور نظریں باہر دوڑتے کھیتوں پہ جما دیں۔

چاند نکل آیا تھا اور کھیت اندھیرے میں چاندنی کے باعث دھندلے دھندلے سے نظر آ رہے تھے....

گھوڑے دھول اڑاتے تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے....

☆☆☆

قلعے کے باغیچے میں ڈھیروں پھول کھلے تھے اور ان کی خوشبو گھاس پہ بیٹھے لوگ محسوس کر سکتے تھے۔

وہ گھاس پہ آلتی پالتی مار کے بیٹھی تھی اور سامنے ہیٹ والا مسکراتا ہوا ذوالکفلی بیٹھا تھا۔

''اور کیا ہے وہ جادو جو آپ نے مجھے دکھانا تھا؟'' وہ مسکرا کے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔ انداز میں اعتماد اور انسیت تھی۔

''ہاں وہ...!! '' وہ مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔ تالیہ آگے کو جھکی اور جب مٹھی باہر نکال کے کھولی تو اس میں ایک سکہ تھا۔

''یہ کھوٹا ہے' اور یہ دنیا والوں کے پاس کھوٹا رہے گا مگر جب یہ تمہارے ہاتھ میں آئے گا تو....''

تالیہ نے دلچسپی سے اپنی ہتھیلی پھیلا دی۔ ذوالکفلی نے سکہ اس کے ہاتھ پہ رکھا اور اس کی مٹھی بند کی۔ اب ذوالکفلی کے ہاتھ اس کے ہاتھ کے اوپر نیچے رکھے تھے۔ پھر اس نے تالیہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مگر تمہارے ہاتھ میں وہ کھوٹا نہیں رہے گا۔ وہ تمہارے دل جیسا ہو جائے گا۔ خوشبودار اور خوبصورت۔'' اس نے ہاتھ کھینچ لیے۔ تالیہ نے بند مٹھی دھیرے سے کھولی۔

اندر سکہ نہیں تھا۔

اندر پیلا گلاب تھا۔

اس کی آنکھیں بے یقینی سے پوری کھل گئیں۔ ''یہ.....کیسے؟'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ گئے۔

''میں جادوگر ہوں' پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)۔'' وہ آواز کو بھاری کر کے بولا تو وہ حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں ہنس دی۔

''اور وہ سکہ کہاں گیا؟''

''تمہاری جیب میں۔''

تالیہ نے جلدی سے فراک کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اندر سکہ واقعی رکھا تھا۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

''کیا آپ مجھے یہ جادو سکھا سکتے ہیں؟'' وہ لجاجت سے بولی مگر ذوالکفلی گھڑی دیکھ کر اٹھنے لگا۔

''مجھے ابھی چھت سے ڈوبتا سورج دیکھنا ہے۔ اس کے بعد۔''

''پلیز ابھی۔'' وہ منّت کرنے لگی مگر وہ مسکرا کے اپنا ہیٹ درست کرتا آگے بڑھ گیا۔

''سب کہتے ہیں ذوالکفلی صاحب یہاں تمہاری وجہ سے ٹھہرے ہیں۔'' ایک کم عمر بچہ اس کے قریب آ کے بیٹھا اور دھیرے سے کان میں سرگوشی کی۔ تالیہ کا چہرہ مزید چمک اٹھا مگر بظاہر خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

''وہ ناول لکھ رہے ہیں' بس اس لیے ٹھہرے ہیں۔''

''نہیں۔ کل مسز ایکنیس بھی کہہ رہی تھیں کہ وہ ایسے بچے کو ایڈاپٹ کرنا چاہتے ہیں جس سے ان کی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔ وہ شاید تمہارے فوسٹر فادر بن کے تمہیں ایڈاپٹ کر لیں گے۔ تم لکی ہو تالیہ....تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔'' وہ سمجھداری سے کہہ کے اٹھ

باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

www.urdugem.com

سائرہ رضا

حسن آرا جے اور....

عبدالمبین اور مولانا صاحب کی صحبت میں رہ کر موسیٰ دن بہ دن کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ کے والدین موسیٰ کی جدائی میں تڑپتے ہیں۔ موسیٰ شوبز چھوڑ دیتا ہے اور حسنل کو بھی چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ حسنل شوہر کے حوالے سے اپنے خیالات موسیٰ پر واضح کرتی ہے۔ موسیٰ ان خیالات کو عبدالمبین کے سامنے رکھ کر رہنمائی کا طالب ہوتا ہے۔ شہزاد دوستی کے پردے میں حسنل سے دشمنی کا آغاز کردیتی ہے۔ جیک اپنی دوست کو شادی کا پیغام دیتا ہے جسے وہ سختی سے رد کردیتی ہے۔

حسنل کی شوبز میں آمد اور اس کی بے باکی دونوں ماموؤں اور نانا کو بہت ناگوار گزرتی ہے۔ مگر حسنل سب کے اعتراضات کو ذرا اہمیت نہیں دیتی۔ وہ عبدالمبین کے گھر اس سے لڑنے پہنچ جاتی ہے۔ جہاں موسیٰ بھی آجاتا ہے اور حسنل کی بدتمیزی پر اسے تھپڑ مار دیتا ہے۔ حسنل محی الدین سے اس کی شکایت کرتی ہے مگر موسیٰ انہیں حقیقت بتاتا ہے۔ وہ حسنل

مکمل ناول

سمجھاتا ہے۔
موسیٰ، اسکارلٹ کی شدید خواہش پہ ان سے ملنے جاتا ہے اور نہایت سرد مہری سے پیش آتا ہے۔ لندن میں جیکب دوست کو اس کے ادارے والے اسے موسیٰ کا ایک متنازعہ انٹرویو لینے کے لیے مجبور کرتے ہیں مگر وہ انکار کردیتی ہے۔
اور موسیٰ کو یہ بات بتانے پہنچ جاتی ہے۔ جہاں موسیٰ اسے ماہ رو فیاض کی حیثیت سے پہچان لیتا ہے۔

تیئسویں اور آخری قسط

ان سب کی واپسی کا وقت آگیا تھا۔ وہ بہت بے انداز سے اپنا سامان پیک کر رہا تھا۔ اسے واپس جانے کا دکھ تھا یا دل نہیں تھا۔
ہاں یہ پہلی بار تھا کہ جانے کے خیال سے دل کے اندر جو خوشی اور جوش پیدا ہوتا تھا اس کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔
اس نے سر جھٹکا۔ بڑی عجیب بات ہوئی تھی۔ عجیب ترین...... ابھی بھی جب وہ پژمردگی سے بے سمت سوچوں میں گھرا بیٹھا تھا اور اس نے خود کو ایک نقطے پر مرکوز کرنے کی سعی کی تھی۔
اس کا گھر...... اس کی پیاری بیٹی اور اس کی بیوی ——— کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آتے ہی مہرو کا عکس نظروں کے سامنے لہرانے لگا۔
''ہاں مہرو...... پر کیوں مہرو؟'' وہ بیڈ پر چت

www.urdugem.com

لپٹ گیا۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا جیسے اب نظر نہ آئے گی۔ لیکن وہ دکھائی کے ساتھ ساتھ سنائی بھی دینے لگی۔

کاش انسانی جسم میں ایک ایسا عضو بھی ہوتا جو دل دکھا دینے والی باتوں کو مٹا دیتا۔

موسیٰ جیسی زندگی گزار رہا تھا یا جو بھی اس کا طرز حیات تھا۔ وہ اسے پرفیکٹ لگتا تھا۔ زندگی خوب صورت تھی۔ عیش و آرام سے مزین تھی اور مکمل تھی۔ ایسی کہ رشک کیا جائے۔

صحرا نے اسے دنیا کا دوسرا رخ دکھایا...... ورنہ اس کے نزدیک تو صحرا کا حسن موروں کے رقص سے آگے نہیں جاتا تھا۔

وہ کوتاہ بین تھا۔ اللہ نے اسے نظر عطا کی۔

اس نے دنیا کی خوب صورتی کو دیکھا تھا۔

اس نے سب اچھا دیکھا تھا۔ اسے برا دکھایا گیا۔ اسے نہیں پتا تھا دنیا میں لوگ کن کن مسائل سے دوچار تھے۔ اور یہ کہ ہر انسان کے دو روپ ہوتے ہیں۔ دنیا میں موجود ہر شے کا متضاد ہے۔

موسیٰ نے لایعنی سوچوں سے گھبرا کر آنکھوں سے ہاتھ اٹھایا۔ وہ یک ٹک چھت کو دیکھ رہا تھا۔ تو ایک وہ دنیا اور وہ زندگی تھی جو اس نے بسر کی...... اور اب ایک یہ زندگی ہے اور اس کے مسائل...... جن کا اس سے پہلے اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔

اور ایک وہ زندگی تھی۔ جو میرو نے بسر کی ...... آہ میرو۔

تین دن بعد اسے چلے جانا تھا اور تین دن پہلے وہ میرو سے الوداعی ملاقات بھی کر رہا تھا۔ اور اس سے پہلے کی ملاقاتیں...... نئی زندگی میں ہر روز کچھ نیا ہوتا تھا۔

نئی چیزیں نئی باتیں۔ مگر وہ جو میرو کی داستان حیات تھی۔ موسیٰ کو لگا اس کی حیات تنگ پڑ گئی ہے۔ وہ کیسی بے خبر زندگی گزار رہا تھا۔

☆☆☆

"تم نے جھوٹ بولا مجھ سے......"

اس نے ایک ہاتھ مار کے سائیڈ ٹیبل پر دھری ہر شے گرا دی۔ اور خود گرتے پڑتے قدموں سے اس کا گریبان پکڑنے آئی۔ ارادہ تھا کہ اسے جھنجھوڑ کر باز پرس کرے گی۔ مگر سکت باقی نہ رہی۔ دونوں ہاتھ اس کے سینے پر ٹھہرا کر اس نے خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ پھر سانس کچھ بحال ہوئی تو ان ہی ہاتھوں کو سینے پر یوں مارنے لگی۔ جیسے چھوٹے بچے دروازے کو بجایا کرتے ہیں۔

بدر کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔ کون سا جھوٹ، وہ سنتی ہی کب تھی۔ بیشتر وقت تو مسکن ادویہ کے زیر اثر سوئی پائی جاتی تھی۔ ایسا کیا سن لیا جو جنونی ہو گئی اس نے اپنے گلے میں موجود موتیوں کی مالا نوچ کر پھینک دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے اور آنسو ایک ساتھ نکل رہے تھے۔

"میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا اسکارا"

اس نے پیار سے اسے یقین دلانا چاہا۔

"بولا ہے۔ تم ...... تم بھی میرا تماشا دیکھنے والوں میں شامل ہو گئے۔ حالانکہ تم تو جانتے ہو میں کتنی مجبور ہوں۔ لیکن اب ...... اب میں کسی کی نہیں سنوں گی۔ تم نے میری فون پر بات نہیں کروائی موسیٰ سے۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔ "میں نے کتنی منتیں کیں تمہاری ...... تم میری بیماری سے فائدہ اٹھا رہے ہو۔ مگر اب نہیں۔"

"میں کوشش کروں گا دوبارہ سے۔" بدر نے جھوٹا وعدہ کیا۔

"نہیں، تم کچھ نہیں کرو گے جو کروں گی، میں خود کروں گی۔"

وہ حتمی انداز سے سر کو جھٹکنے لگی اس نے ہاتھوں کی پشت سے بہتی آنکھوں کو بھی پونچھ لیا۔ شدید جسمانی کمزوری کا شکار ہونے کے باوجود اس نے خود کو فوجی جوان کی طرح چاق و چوبند ظاہر کرنے کے لیے سینہ تانا اور شانے سیدھے کر لیے۔

"کیا کرو گی تم ......؟" بدر نے فکر مندی سے دیکھا جواب الماری کھول کر پرس نکال رہی تھی عجلت میں چیزوں کا ایک ڈھیر نیچے گر گیا تھا۔ ڈھیر پر ڈگمگاتے قدم رکھ کر آگے بڑھ کر اب اس نے دوسری الماری کھولی...... اگلے پل وہ دونوں ہاتھوں سے ہینگرز میں لگے ملبوسات کو بیڈ پر پھیلا چکی تھی۔ بدر زمین پر گرے بیگز سے بچتا اس کے نزدیک جا پہنچا۔

"کیا کر رہی ہو اسکار......؟" اس نے اس کے ہاتھ پکڑنے چاہے۔

"میں اپنے بیٹے سے ملنے جاؤں گی۔" اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ دور کیے۔

"ملنے......" بدر نے دہرایا۔ "تم اس سے ملنے کیسے جا سکتی ہو۔ ایسے اچانک ...... تمہاری صحت ...... تم ہوائی سفر نہیں کر سکتیں اسکار! ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے۔"

"مجھے ہوائی سفر کرنے کی کیا ضرورت ہے بدر!"

اس نے اپنی نیلی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔ وہ مجھ سے چند گھنٹوں کی دوری پر ہے اسی ملک میں ...... اسی شہر میں ...... اور تم مجھے بے وقوف بناتے رہے۔ بولو ...... کیوں کس لیے......؟"

بدر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اسکارا!" اس نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ اسکار نے ایک بار پھر جھٹک دیا اور اس سے دور جا کھڑی ہوئی۔ اس کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔ آنسو بھی رواں ہو گئے۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی بدر...... کہ تم ...... تمہارے باپ نے زندگی بھر اسے مجھ سے چھیننا چاہا...... اور چھین ہی لیا۔ پر تم بھی اسے مجھ سے دور کرو گے۔

ہنی نے جب مجھ سے فون پر اس کا حال پوچھا تو مجھے لگا، وہ مذاق کر رہی ہے۔ مگر اس نے کہا وہ تو کتنے دنوں سے یہیں آیا ہوا ہے۔ اور پہلے وہ اس سے رابطے میں تھا۔ لیکن پچھلے ایک ہفتے وہ کہیں نہیں مل رہا۔ ایما نے اس سے بات کرنا چاہتی ہے۔ تو میں اس سے کہوں کہ وہ گھر بات کرے، اور تم کہتے ہو کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیوں بدر کیوں......؟ وہ یہاں ہے اسی ملک میں اور پھر بھی تم نے اسے میرا حال نہیں بتایا۔"

وہ سخت ناامیدی سے استفسار کر رہی تھی۔

پھر شکستگی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر پہلے کا جوش اور غضب بھی ماند پڑ گیا۔

"میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔" اس نے مجرمانہ انداز سے سر جھکا کر کہا۔

"پر تم نے ایسا کیا......" وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"ہم اس سے ملنے کے قابل نہیں ہیں اسکار......!" اس نے بالآخر تمہیدی جملہ موزوں

www.urdugem.com

کرلیا۔

اسکار نے اس کے جملے کو زیرلب دہرایا۔ اس کے جملے سے زیادہ اس کے لہجے نے اسے چونکا دیا تھا۔

"ہم.....؟"

"ہاں ہم..... میں اور تم..... دونوں..... وہ ہم سے شاید نہیں ملے گا۔ اب..... ہم اس سے ملنے کے قابل نہیں رہے۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر وہ بھڑکی۔

"کیسے نہیں رہے۔ ماں بیٹے کی ملاقات میں قابلیت کا کیا کام۔"

"تم نے اسے دیکھا نہیں ہے؟" بدر کی نظریں جھک گئیں۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... وہ میرا بیٹا ہے۔" اسکار نے بات ہی ختم کردی۔

بدر کے پاس بولنے کو کچھ نہ بچا۔ جس موسیٰ کو وہ اپنا بیٹا کہتی ہے۔ وہ اسے دیکھے گی تو پہچان نہ پائے گی۔

بدر نے بہت دیر بعد جھکا سر اٹھایا۔ اور بھونچکا رہ گیا۔ نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ بدر کو پتا ہی نہ چلا اسکار نے وہیں کھڑے کھڑے لباس بدل لیا تھا۔ جوتے پہن چکی تھی۔ بیگ کہنی میں پھنسائے وہ ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائے وہ اپنے بیٹے سے ملنے جانے کے لیے تیار ہوچکی تھی۔

☆☆☆

"مشکل ہوگیا تھا اس شہر میں رہنا۔ پاپا کو میگی کا غم مار گیا اور دادی کو شرم..... لیکن وہ دونوں پھر بھی ہم سے اچھے رہے۔ مرجانا بعض چوئشنز میں سب سے شاندار آپشن ہوتا ہے۔ مرجانا جیتے جی مرجانے سے بہتر ہوتا ہے۔

اور بچ جانے والے ہم تین..... میں ماما کو نہیں گن رہی ہم تین' میں موحد اور احد..... یہ فیصلہ میں آج تک نہیں کرسکی موسیٰ..... دنیا کے سوال مشکل ہوتے تھے یا ان کی نظروں اور اٹھتی انگلیوں کا سامنا کرنا۔

دادی جتنے دن زندہ رہیں۔ وہ ان کے خود کے لیے بھی اور ہم سب کے لیے بھی مشکل ترین دن تھے۔

دادی بابا کو کوستیں بابا نے زبان رہن رکھوا دی ہوگویا۔

دادی ماما کو کوستیں..... ایک روز تو ماما پر جھپٹ بھی پڑیں..... وہ دونوں ہاتھ ماما کے اوپر یوں مار رہی تھیں۔ جیسے کوئی انسان سامنے سے آتی شہد کی مکھیوں کی یلغار کو خود پر پڑنے سے روکتا ہے رکے بغیر چلتے ان کے ہاتھ جو ماما کے منہ شانے اور سینے پر پوری طاقت سے پڑتے تھے۔

اور ماما..... مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آتا ماما ری ایکشن کیوں نہیں دیتی تھیں' میں نے بچپن سے دادی کو بولتے سنا..... اور ماما کو ایک خاموش سامع کا کردار نباہتے دیکھا۔ وہ دادی کے آگے کبھی نہیں بولتی تھیں۔

نہ احتجاج نہ دفاع..... دادی کی صحیح غلط ہر بات کے لیے ماما کے پاس خاموشی ہوتی تھی۔ یا پھر ایک سرد نظر۔

اور میں اس ردعمل پر حیران ہوتی تھی جبکہ میگی ماما سے لڑ پڑتی تھی۔

"آپ آنسر کیا کریں ماما۔" ماما ایسے ہوجاتیں جیسے وہ اس زبان سے ہی ناواقف ہوں۔

مگر اس طرح سے مارنا..... یہ پہلی بار ہوا تھا۔ فطری طور پر ماما کو اپنے بچاؤ کے لیے حرکت کرنی چاہیے تھی۔ ان کے اس طرح ساکت ہونے سے دادی کا اشتعال مزید بڑھتا گیا۔ یکدم وہ ماما کو چھوڑ کر خود کو پیٹنے لگیں۔

موحد اور احد خوفزدگی سے دادی کو دیکھتے تھے اور پھر میری طرف کہ میں دادی کو روک سکوں..... مجھے ہی روکنا چاہیے تھا۔ مگر میں انہیں کیا بتاتی موسیٰ..... میں ان سب سے زیادہ شکستہ تھی۔ میری تو ہستی ہل چکی تھی۔ مجھ پر تو ہر سمت سے وار کیے گئے تھے۔

لوگوں کے رویوں نے' لوگوں کی اصلیت نے پر آشکار ہو کر مجھے کھوکھلا کر دیا تھا۔ حلیمہ ..... حنسل نے اور میگی کی موت نے..... مجھے وہ لاش بنا دیا تھا۔

میرے فائنل کے ایگزام ہونے والے تھے۔ ادھر زندگی امتحان بن گئی۔

میگی کے بعد بابا..... اور بابا کے بعد دی..... ہم قابل رحم تھے۔ لیکن دنیا نے نہیں سمجھا' را گھر ایک تماشا گاہ بن چکا تھا۔

مجھے نہیں پتا۔ ماما نے کب اور کیسے انگلینڈ آنے فیصلہ کیا۔ مجھے تو تب پتا چلا جب سب بندوبست چکا تھا۔ میں حیرت سے ان کی صورت دیکھنے لگی۔ اں کی خشک ہواؤں نے ان کی رنگت کو گہرا کر دیا ۔

"ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے میری.....!"

ہوں نے مجھے لاجواب کردیا۔

"ہم نہیں جاسکتے ماما!" بہت دیر لگی مجھے جواب ڈھونڈنے میں۔ "یہاں میگی ہے۔ پاپا' میں اور دادی۔" میری ہچکی گھٹ گئی۔

"یہاں صرف ان کی قبریں ہیں میری.....!"

میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔ آج سے پہلے یں نہیں جانتی تھی کہ ماما بھی نشتر زنی کے فن سے واقف ہیں۔

"اور ہم ابھی زندہ ہیں اور ہمیں زندہ رہنا ہے ور۔" ماما کی آواز لڑکھڑائی۔ "یہاں کے لوگ..... وہ میں زندہ رہنے نہیں دیں گے۔"

"اور اس سب میں کس کا قصور ہے؟" میرے نہ سے بلا ارادہ نکلا۔ ماما نے چونک کر میری صورت دیکھی۔

"صرف میرا....." وہ اب سامنے دیوار پر لگا ہیں گاڑ چکی تھیں۔ میں اچھل پڑی۔ مجھے کبھی بھی اس جواب کی توقع نہیں تھی موسیٰ.....

ماما چپ رہتی تھیں۔ میں دل ہی دل میں اور میگی برملا اس خاموشی پر خفگی کا اظہار کرتی تھی۔

دادی کے رویے پر اگر یہ خاموش احتجاج تھا تو فضول ثابت ہوا۔ یا ماما دادی کو اس لیے جواب سے نہیں نوازتی تھیں کہ وہ ان کی باتوں کو اس قابل ہی نہیں سمجھتی تھیں۔ ان کے نزدیک اہمیت ہی نہ ہوگی۔

مگر آج وہ کہہ رہی تھیں۔ قصور صرف ان کا تھا کیسے بھلا۔

☆☆☆

"محبت اندھی ہوتی ہے۔ مگر انسان تو اندھا نہیں ہوتا ناں.....؟"

ماریہ نے یہ جملہ خدیجہ بانو کے منے..... اور اپنے فیاض کے سامنے تو بارہا کہا تھا۔ میری کے سامنے پہلی بار دہرایا۔

"یہ کیسی تمہید ہے۔" مہرو نے سوچا تھا۔

"یہ سچ ہے کہ میں نے فیاض کی محبت میں مذہب بدلا تھا۔ سب نے کہا کہ میں کیسی انسان تھی جس کے نزدیک مذہب کی ذرا اہمیت نہ تھی۔ میرے نزدیک تھی مذہب کی اہمیت..... فیاض مسلم کی جگہ ہندو یا زرتشت یا کچھ اور ہوتا تو میں ضرور سوچتی..... یہاں تک کہ انکار پر آجاتی مگر مجھے اسلام بہت نزدیک لگا عیسائیت سے..... مجھے عیسیٰ سے محبت تھی اور پاک مریم سے عشق..... وہ میرے لیے دنیا میں سب سے اچھے تھے اور اسلام انہیں میری سوچ سے بھی بڑھ کر اچھا بتا رہا تھا۔ قرآن بی بی مریم کی پاکی کی گواہی دے رہا تھا۔

میں دین اسلام سے متاثر ہو رہی تھی۔

فتح مکہ میری زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ تھا۔ بھلا ایسے بھی جنگ جیتی جاسکتی ہے۔ ایک خون کا قطرہ بہائے بغیر..... اور اس پر عام معافی کا اعلان۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچرا پھینکنے والی بڑھیا کو معاف کر دیا۔ اور پشت پر اوجھڑی ڈالنے والے لوگوں کو معاف کردیا۔

اور طائف کے شرارتی لڑکوں کو..... اور۔"

ماما کے الفاظ گھٹ گئے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

www.urdugem.com

''اسلام کی سب سے بڑی خوبی کھلی بانہوں سے خوش آمدید کہنا تھا۔ عزت و مرتبہ دینا تھا۔

مجھے اسلام قبول کرنا ذرا مشکل نہ لگا۔ مولوی صاحب کے کہے الفاظ کو دہرا کر میں مسلمان ہو چکی تھی۔ اتنا آسان تھا خیر کا راستہ..... مجھے یقین نہ آتا تھا۔ میں فیصلہ نہ کر پائی کہ مجھے فیاض کی وجہ سے اللہ ملا تھا یا اللہ کی وجہ سے فیاض۔

مولوی صاحب نے کہا تھا ''میری دنیا و آخرت سنور گئی ہے۔'' میں نے سرشاری سے سر ہلایا۔ ''ہاں'' دنیا فیاض..... اور آخرت اسلام..... اللہ لیکن.....

خدیجہ بانو..... وہ میرے اسلام کو اسلام مانتی ہی نہ تھیں۔ وہ مجھے برداشت کرتی تھیں۔ اور میں اس وقت کا انتظار جب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ جو مجھے چپکے چپکے جج کرتی رہتی ہیں۔ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گی۔ مگر وہ وقت کبھی آیا ہی نہیں.....

ایک نارمل روایتی رشتے میں بھی ساس بہو کے بیچ کھچاؤ ہوتا ہے مگر ہمارے بیچ پوری خندق تھی اور اسے پاٹنے کی کوشش میں میں نے جان لڑا دی۔

اور لڑکیوں کو خود کو ایک اچھی بہو ثابت کرنا ہوتا ہے۔ مجھے خود کو ایک اچھی مسلمان ثابت کرنا تھا۔

ان کے تنقیدی جملے اور نظریں.....

وہ میری ریاضت کو ڈھکوسلہ کہتی تھیں۔ اور میری شرافت کو میری کمزوری سمجھ کر مجھ پر حاوی ہوتی تھیں۔

میں ہر بار ان کے وار سہنے کے بعد کمرہ بند کر کے ان اسلامی کتب کو پڑھنا شروع کرتی جن میں دین کی تبلیغ کے واقعات بھرے پڑے تھے۔ میں ہار گئی لیکن ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملا جو خدیجہ بانو کے رویے کی تائید کرتا..... وہ کیوں کرتی تھیں میرے ساتھ یہ سب؟ انہیں اپنی عبادات پر زعم تھا۔''

ماما نے تاسف سے گردن گرا دی۔

''''انہوں نے میرے لیے مسلمان ہونے کو بہت مشکل بنا دیا تھا۔ میں نے اپنے اردگرد کی مسلمان عورتوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ وہ بہت نارمل زندگی گزارتی تھیں۔ اپنی مرضی سے..... وہ..... وہ نہیں کرتی تھیں جو خدیجہ بانو مجھ سے چاہتی تھیں۔

میری آفس کولیگز..... ان میں سے کوئی بھی نماز کی پابند نہیں تھی۔ کچھ جمعہ کے جمعہ پڑھتی تھیں کوئی صبح کی اور کسی کو عشاء کی عادت تھی۔

ہاں رمضان میں خوب جوش و خروش ہوتا۔

میں نے اسلام کے بارے میں یہ سمجھا تھا کہ جب آپ اسے لیں گے تو پورا کا پورا لینا پڑے گا زیر زبر پیش کے ساتھ..... اس میں کمی بیشی یا من مانی کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن میں کم و بیش ہر مسلمانوں سے ملی ان سب نے اسلام کو ایسے اپنا رکھا تھا۔ جیسے کھانے کی ترکیب میں نمک حسب منشا لکھ دیا جاتا ہے۔ تھوڑا سا بہت تھوڑا سا یا بہت زیادہ..... میں اب ماریہ سالومن..... نہیں ماریہ فیاض تھی۔

کاش خدیجہ بانو بھی میرے معاملے میں فیاض ہو جاتیں۔

☆☆☆

''تمہارے رشتے سے انکار کی وجہ دادی تھیں اور ماما۔'' میرو نے موسیٰ سے کہا۔ ''دادی جنہوں نے ماما پر زندگی تنگ کر دی تھی۔

تم سے شادی کرتی تو..... اپنے جیسے بچے پیدا کرتی' وہ بھی ساری زندگی میری طرح ننھیال ددھیال کے درمیان موجود فرق کو سمجھنے کی کوشش میں میرے جیسے سائیکی ہو جاتے۔

میں نے زندگی بھر دادی کے ہاتھوں' ماما کی تحقیر دیکھی۔ اور ماما.....

انہوں نے کبھی دادی کی تربیت و تعلیم کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ وہ ہمیں آنکھیں بند کر کے ان کے احکامات کو ماننے کی سخت تلقین کرتی تھیں۔ لیکن وہیں دوسری طرف وہ نانا' نانی کی خوشنودی کے لیے ہمیں سنڈے کی سروس میں لے جاتیں۔'' میرو نے ہونٹ کچلے۔ موسیٰ نے اس کی آنکھوں میں درد ہلکورے لیتے دیکھا۔

''وہ جیسے اس طرح کر کے اپنی غلطی کا کفارہ ادا

کی کوشش کرتی تھیں۔ نانا' نانی کی آنکھوں کی دیکھنے کے لیے وہ بھول جاتی تھیں کہ ہم ذہنی کس قدر ڈسٹرب ہوں گے۔ ہمارے کچے پر اس سب کا کیا اثر ہوگا۔

تم سے شادی سے انکار پر میں نے ماما سے کہا نہ میں ادھر ہوں نہ ادھر، لیکن شادی میں کسی انسان سے کروں گی جو ایک طرف ہو۔

ماما' نانا کو خوش کرنے کے لیے اتنا آگے بڑھ چکی کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں یوحنا سے شادی ں۔ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ یا یہ کہ اس سے کوئی نہیں پڑتا۔ میں جانتی ہوں کہ اس انتہائی خوفناک ے کے پیچھے دادی کا سخت ترین رویہ تھا جس نے ماما ل سے بالآخر فرق کو معدوم کر دیا تھا۔

''اور فاریہ خالہ..... آہ!'' میرو تاسف سے مر ی گویا۔

''وہ جانتی تھیں کہ خود ان کی اپنی بیٹی ٹینا' یوحنا کو کرتی ہے۔ مگر ماما سے یا پاپا سے یا نجانے کس سے اس چیز کا انتقام لینے کے لیے وہ مجھے فورس کرتی ں کہ میں یوحنا سے شادی کر لوں۔ اس سے کچھ نہیں پڑے گا۔''

''میں کیسے کر سکتی ہوں شادی..... میں مسلمان ہوں۔''

تمام متزلزل خیالات کے باوجود اتنا جانتی تھی ..... میرے لاشعور میں جیون ساتھی کی کوئی شبیہہ تھی۔ مگر ایک معزز بیک گراؤنڈ ضرور تھا۔ اریبہ کا نل کا..... اور جیسے حلیمہ کا۔ مگر ان دونوں نے تو ے مسلمان ہونے کو ہی مسترد کر دیا۔ میں اپنے مجرم کو آج تک شناخت نہیں کر سکی موسیٰ.....!'' کا لہجہ ڈگمگانے لگا۔

''ماما..... کہ پاپا..... دادی یا نانا..... فاریہ خالہ حسنل..... یا میں خود.....'' وہ ڈھے گئی۔

''میں ایسی زندگی جی رہی ہوں۔ جس نے ے وجود کو توڑ مروڑ دیا۔ میں نے خود پسندی ۔ میں زندگی بھر ان لوگوں سے رحم کی امید کرتی رہی۔ جو اپنے اچھے ہونے کے برتر و بہتر ہونے کے زعم میں راستے میں آنے والی ہر شے کو پیروں تلے روند دینے کی سرشت رکھتے تھے۔

دو خداؤں کو ماننے والی ماہ رو..... آج کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ کیسی عجیب بات ہے ناں پھر بھی کوئی مجھے عیسائی کہے تو انکار کرتی ہوں۔ مسلم کہے تو میرے پاس جواب نہیں ہوتا۔ اور سچ کہوں تو دل ہمک ہمک کر اثبات کہتا ہے۔ مگر زبان ساتھ نہیں دیتی میرے لیے زندگی پل صراط ہے۔ گرنے کو دل بھی نہیں کرتا اور کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا۔

جیک نے کہا۔ ''میں نے تمہیں کبھی مسجد جاتے نہیں دیکھا۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میں نہیں جاتی۔ کس منہ سے جاؤں۔ دل نہیں کرتا اگر وہاں کسی نے میرے ایمان پر سوال اٹھایا تو.....؟'' وہ رُکی تھی۔

''تم حجۃ الوداع کے موقع پر کیا جانے والا خطبہ جانتے ہو؟'' اس نے دم بخود موسیٰ کے آگے سوال رکھ دیا۔ موسیٰ چونکا تھا پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کی لاعلمی ہی تو اسے یہاں تک لے آئی تھی۔

''مجھے وہ زبانی یاد ہے۔'' میرو اذیت پسندی سے مسکرائی۔

''اے قوم قریش! خدا نے جاہلیت کے غرور اور نسب کا فخر مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اے لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنا دیے تاکہ تم پہچانے جا سکو اور اللہ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے۔ جو زیادہ متقی ہے اللہ داتا اور جاننے والا ہے۔''

موسیٰ! دیکھو اس دنیا نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا۔ میں جسے چار سال کی عمر میں ساری دعائیں یاد تھیں اور تمام نماز..... اور جس نے چھ برس کی عمر میں قرآن پڑھ لیا تھا۔ میرے ساتھ کیا کر دیا دنیا نے موسیٰ۔ دیکھو مجھے دیکھو دیکھتے کیوں نہیں۔''

وہ موسیٰ کا شانہ جھنجوڑنے لگی۔ موسیٰ جواب نہ

www.urdugem.com

دے سکا۔ اس کے پاس جواب ہی تو نہیں ہوتے تھے۔ جواب ہی تو موسیٰ کا مسئلہ تھے۔

☆☆☆

وہ وحشت زدہ سا ہو کر اٹھ بیٹھا...... سامنے قد آدم آئینے میں اس کا عکس تھا وہ خود کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس کے چہرے پر داڑھی تھی اور کچھ وقت اور لگتا۔ وہ شرعی تناسب کو چھو لیتی۔ اسے اپنا آپ اجنبی لگا۔

میں موسیٰ ہی ہوں...... موسیٰ بدرالدین...... یا سمیع الدین......

تو زندگی ایسے بدل دیتی ہے کہ کوئی مجھ سا ہو جاتا ہے...... اور کوئی میرو سا......

جو کچھ موسیٰ کے ساتھ ہوا اس نے موسیٰ کو ایسا کر دیا۔

تو پھر جو میرو نے جھیلا اس نے اسے ویسا کر دیا۔

"تو زندگی ایسے گزارو گی؟"

"گزارو گی؟" میرو نے بھنویں سکیڑ کر دہرایا۔ "گزارو گی سے کیا مطلب' گزر رہی ہے...... چھکا چھک۔" اس کی مصنوعی بشاشت نے موسیٰ کو کبیدہ کر دیا۔

"صحیح اور غلط راستے کی پہچان کر لینے کے بعد بھی تم ایسا کیسے کر سکتی ہو میرو؟"

وہ اسے یاد دلا رہا تھا کہ جب وہ دو مذاہب کی سچائی کے بیچ لڑھکتی تھی اور پھر اس نے سچ، کو پا لیا تھا۔ وہ سچ جو کائنات کی بنیاد ہے۔ جو حرا کے غار سے پھوٹا جو ازل سے ابد کے بعد بھی قائم رہنا تھا۔ جو وحدانیت کا درس دیتا تھا۔ اور حقانیت پر اٹل تھا۔ وہ جو......

موسیٰ نے چونک کر میرو کو دیکھا جو ہنس پڑی تھی۔

"ٹھیک کہتے ہو میں نے صحیح اور غلط کو پہچان لیا تھا۔ مگر اس کا کیا کیجیے کہ دنیا نے مجھے کان سے پکڑ کر غلط پر کھڑا کر دیا۔ اور صحیح کے دروازے پر نو انٹری کا بورڈ آویزاں کر کے مانو دربان بھی کھڑے کر دیے۔ دیکھو گھسنے نہ پائے۔"

بات ختم کرتے وہ پھر سے ہنس دی اور موسیٰ کو ایسے دیکھا کہ اب کیا بولتے ہو اور موسیٰ کے پاس کوئی جواب نہ رہا۔ بلکہ کہنے سننے کو بھی کچھ نہ بچا۔ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ بھی نہ کہا۔

میرو بیگ شانے سے لٹکائے کھڑی ہو گئی۔ موسیٰ بھی۔ دونوں شاید الوداعی جملے ترتیب دے رہے تھے۔

دوبارہ ملنے کا وعدہ...... اونہوں۔ کیا حاصل۔

وہ کہنا چاہتا تھا اپنا خیال رکھنا...... فضول اتنے عرصے سے اپنا خیال رکھ رہی تھی۔ دونوں ہونٹ ایک ساتھ کھلے۔ پھر دونوں ہی ایک دوسرے کو موقع دینے کی خیال سے چپ ہو گئے کہ پہلا بولے مگر......

افسوس...... دونوں کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ میرو پلٹ گئی۔ موسیٰ آواز تک نہ دے سکا۔

بہت عزت تھی اس کی نظر میں حلیمہ کی...

مگر کیا اب بھی...... میرو سے ملنے کے بعد بھی......

کیا حلیمہ اس عزت کی حق دار رہی تھی؟ اور حسنل......؟

☆☆☆

محی الدین سہگل نے اچھی عورت کی وضاحت کرتے وقت ہمیشہ اسکارلٹ کی برائیاں کی تھیں اس کے عیب گنوائے تھے کہ اچھی عورت بس اسکارلٹ کا الٹ ہوتی ہے۔ اس میں اسکارلٹ جیسا کوئی عیب نہیں ہوتا۔

موسیٰ نے ہمیشہ اسی عینک سے حسنل کو دیکھا تھا۔ اور جو عیب اسکار میں تھے۔ وہ واقعتاً حسنل میں نہیں تھے۔ کبھی نہیں تھے۔ اس لیے اسے بھی حسنل دنیا کی سب سے اچھی عورت لگتی تھی۔ مگر اب......

میرو کو سوچتے سوچتے...... ساری دنیا کے قصے کرتے کرتے نجانے کیا بات تھی۔ قصے میں اسکار کا ذکر آ جاتا تھا۔

اور وہ اسکار سے ملے بغیر واپس لوٹ رہا تھا۔ اس نے بدر کی کسی منت پر کان نہیں دھرے۔

پہلے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی فطری محبت [illegible]تا تھا۔ مگر اب جب سے اس کا قلب بدلا [illegible]و ماحول بدلا تھا۔ تب سے تو اسکار کا نام ہی [illegible] گڑھے میں گر جانے جیسا لگا تھا۔

[illegible]سی کو پتا نہ چلے اس کی ماں ایسی عورت ہے۔

[illegible]دروازے پر ہوتی دستک نے اس کے خیالات [illegible] بھٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

[illegible]ینٹرل سٹی کی اس مسجد میں الوداعی لنچ تھا اور [illegible] ڈے ہونے کے باوجود ان سے ملنے آنے [illegible] لوگوں کی تعداد حیران کن تھی۔ اس نے ان [illegible]ی آمد اور اتنی زیادہ سرگرمیوں پر اپنی خوشی و تشکر [illegible] اظہار ضرور کیا۔

لنچ کا ٹائم ہو گیا تو رہ جانے والے لوگوں کو بیٹھا دیا گیا۔ سب ہی تکان کا شکار تھے۔ پھر اگلے [illegible]ی لمبی فلائٹ......

کھانا عمدہ تھا۔ اسے خیال آیا کہ اس نے بہت [illegible]ن سے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ میزبان [illegible]ن سب کھلانے پر مصر تھے۔ باہر ہوتے شور نے [illegible] متوجہ کیا۔ کوئی ان سے ملنے کے لیے بحث کر رہا [illegible]

موسیٰ کا لقمہ بناتا ہاتھ رک گیا۔ کوئی بار بار اس [illegible]ام لے رہا تھا۔ انداز میں جارحانہ پن تھا۔ [illegible]مبین سمیت کچھ لوگ کھڑے ہو گئے۔

کون تھا جو اس طرح سے...... دروازہ دھاڑ [illegible] کھلا۔

ایک مرد، ایک عورت...... اور انہیں روکنے کی [illegible]ش میں حواس باختہ اور شرمسار ملازمین......

مرد کا انداز شرمندہ اور مجرمانہ سا تھا۔ جبکہ [illegible]ت سرخ گرم لباس میں تھی۔ اس کے سر پر گرم ٹوپا [illegible] سرخ لپ اسٹک جو بے ڈھنگے پن سے ہونٹ [illegible]کل کر ٹھوڑی پر بھی لگی تھی اور بٹنے برابر موتیوں کی [illegible] مالا گلے میں ڈالے۔ اس نے اپنا بیگ مضبوطی [illegible] تھام رکھا تھا اور متلاشی نگاہوں سے کھانے کے گرد بیٹھے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ ملازمین حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ مسجد میں آنے والی یہ انگلش عورت اور مرد...... ان کا اس طرح آمد کا کیا مقصد ہو سکتا تھا بھلا؟۔

عورت کے چہرے پر مایوسی پھیلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نمی نمودار ہوئی۔ وہ اپنے ساتھ آئے مرد کی سمت گھومی۔ اس کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔

"تم نے جھوٹ بولا ایک بار پھر...... وہ نہیں ہے یہاں......؟" اس کی رندھی آواز کی مایوسی نے اسے پکڑ کر نکال دینے کے خیال سے آگے بڑھتے لوگوں کے قدم روک دیے۔

وہ مرد کے بازو کو زور زور سے جھنجھوڑنے لگی تھی اور اسے مورد الزام ٹھہرا رہی تھی۔ اور مرد...... اس نے کسی الزام یا حرکت کا جواب نہیں دیا۔

وہ یک ٹک اس کونے کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں موسیٰ براجمان تھا۔ سب کی نظریں اس سمت اٹھ گئیں۔ اور موسیٰ کو عبدالمبین نے الجھ کر دیکھا۔ موسیٰ کو کیا ہوا تھا؟ اس کا لقمہ بناتا ہاتھ پلیٹ میں رکا کا رکا رہ گیا تھا اور اس کا رنگ لٹھے کی طرح سفید تھا۔

جیسے اس نے بھوت دیکھ لیا ہو...... عبدالمبین نے اسے کھڑے ہوتے اور کرسی کھسکا کر نکلتے دیکھا...... ایسا لگتا تھا وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ جانا چاہتا ہے۔

"کہاں ہے وہ......؟" وہ عورت زور زور سے چلانے لگی۔ مرد نے انگلی اٹھا دی۔ عورت کرنٹ کھائے انداز سے مڑی تھی۔ اس نے انگلی کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ پھر نظروں کے......

اگلے پل وہ پوری جان سے لڑکھڑائی تھی۔ اس نے کرنٹ کھائے انداز سے پلٹ کر مرد کو دیکھا۔ وہ تصدیق چاہتی تھی۔ مرد نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اثبات کا اشارہ دے دیا۔

عورت نے عجب خوف زدگی کے عالم میں مرد کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا اور پھر ڈرے ڈرے انداز سے گردن گھما کر موسیٰ کو دیکھا۔

www.urdugem.com

جس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ کنپٹی کی رگ پھڑک رہی تھی۔

"موسیٰ......! میرا موسیٰ......!" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے بدرالدین سے پھر موسیٰ سے تصدیق چاہنے لگی۔

اور ان کا موسیٰ...... ان کا بیٹا...... موسیٰ ایک قدم پیچھے ہٹا تھا۔ وہ جیسے الٹے قدموں غائب ہو جانا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور انکار تھا۔ کچھ تھا جس نے سب کو ساکت و جامد کر دیا تھا۔

اسکار کی بے یقین آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔ وہ بدر کا بازو چھوڑ کر موسیٰ کی سمت بڑھنے لگی۔ وہ یک ٹک موسیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

اسکار کے بڑھتے قدم دیکھ کر نہ رکے۔ ادھر موسیٰ دو قدم اور پیچھے سرکا۔

عبدالمبین نے بھی موسیٰ کی ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر اس وقت کوئی اندھا بھی اسکار کے قدموں کی چاپ یا سانسوں کی آواز سنتا تو موسیٰ سے اس کے رشتے کو پہچان لیتا۔

اسکار گرتی پڑتی موسیٰ تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے موسیٰ کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرنا چاہا تھا۔

مگر یہ کیا...... موسیٰ نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔ اس نے ایک ملامتی نظر بدر پر ڈالی تھی۔

اور اس کے پاس سے گزرتا چلا گیا تھا۔

عبدالمبین نے بے ساختہ پکارا تھا۔ اسکار اس کے پیچھے کو لپکنا چاہتی تھی۔ مگر سر میں اٹھنے والی درد کی شدید لہر نے اسے بے بس کر دیا۔ اس کے ہاتھ سے لٹکتا بیگ گر گیا۔

عبدالمبین نے موسیٰ کے پیچھے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور۔ اس نے بہت عزت احترام سے اسکار کو تھام کر کرسی پر بٹھایا۔ کمرے میں موجود ہر شخص کی سوالیہ نظریں اسکار اور بدر پر جمی تھیں۔

"آپ بیٹھیں پلیز۔" عبدالمبین نے بدر کو پکارا۔

بدر متوجہ نہ تھا۔ وہ اس راستے کو دیکھ رہا تھا جہاں موسیٰ گیا تھا۔

"یہ موسیٰ کی مدر ہیں۔" اور یہ فادر......

اس نے بہت احترام سے اشارہ کیا۔

بری طرح چونک کر دیکھا تھا۔ اور پھر باری باری ...... جن کی آنکھوں میں ادب و احترام کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ سب اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

بدر کا دھیان نہیں تھا۔ اس کی یادداشت ... سال پہلے کے ورق الٹ رہی تھی۔ جب وہ باپ ... تھا۔

☆☆☆

وہ اس روز نشے میں نہیں تھا۔ پتا نہیں کیا ہوا ... اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے وہ ننھا وجود بہت پیارا لگ رہا تھا۔

وہ آنکھیں سختی سے بند کیے کسمسا رہا تھا۔ بدر ... لگا وہ اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔

بدر کو اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔ بچے کے چہرے میں دادی کی گہری شباہت تھی۔ اس کی ناک اور بھنویں۔

تولیے میں ٹانگیں مارتا بچہ اب رو رہا تھا۔ ... سمجھی کے عالم میں بینچ پر ٹک گیا۔

اس کی یادداشت میں کوئی علم، عمل یا اثاثہ نہیں تھا۔ مگر نجانے کیا ہوا وہ یکدم کلمہ پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے اسے یاد آیا۔ اذان دیتے ہیں مگر اسے بس اللہ اکبر یاد تھا آگے کیا پڑھتے ہیں۔

وہ شرمسار ہوا...... اس نے شمار کیے بنا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اسے پتا نہیں تھا اس کی آنکھوں سے آنسو گر کر تولیے میں جذب ہو رہے تھے۔

"میں......" ایک ہچکچاتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے سامنے دیکھا سیاہ ڈاڑھی والا ایک نوجوان جس کے سر پر رومال بندھا تھا۔ ... مخاطب کر رہا تھا۔

وہ نوجوان حیران تھا۔ شکل و حلیے سے انگ... دکھائی دینے والا امرد غلط تلفظ کے ساتھ کلمہ پڑھ رہا تھا ... لگا تار......

اس نوجوان کے ہاں بھی بیٹے نے جنم لیا ...

اس نے بدر کی انگلش بیوی کو دیکھ لیا تھا۔

"میں...... اذان دوں۔ دراصل بچے کے کان ... اذان دیتے ہیں۔ آپ کلمہ پڑھ رہے ہیں...... آئی ... سوری...... مجھے لگا کہ......" (وہ لفظ مسلم کہتے رک ...)

بدر کے جسم میں بجلی دوڑ گئی۔ اس نے کسی ...ول کی طرح بے حد تیزی سے دونوں ہاتھ آگے کر ...یے۔ جیسے وہ منتظر تھا کسی ایسی ہی صدا کا......

نوجوان بینچ پر تسلی سے بیٹھ گیا۔ اس نے بچے ...کے کان سے منہ جوڑ لیا تھا۔ بدر سحر زدہ تھا۔ وہ دفعتاً ...جوان کے گھٹنے کے پاس زمین پر اکڑوں بیٹھ ...گیا اس کے چہرے پر اشتیاق اور بے حد خوشی اور ...انیت تھی۔ نوجوان نے اذان مکمل کر کے بچے کی ...پیشانی پر بوسہ دیا۔ تو بدر کو لگا یہ کوئی اعزاز تھا۔

نوجوان نے اپنی جیب سے ایک ٹیوب ...برآمد کی' یہ شہد تھا۔

اس نے اجازت طلب نگاہوں سے دیکھا۔

بدر کا حال برا ہو گیا۔ وہ زور زور سے سر ہلا رہا تھا۔

"آپ نے اسے غلط طریقے سے پکڑا ہے سر ... ذرا سا اٹھا ہوا ہو اور اسے سینے میں چھپائیں ... ایسے......" اس نے کر کے دکھایا۔

بدر کے اعصاب تھرتھرائے...... اور اگر اس ...نے غلط طریقے ہی سے پکڑا جیسے اسے اس کے باپ ...نے پکڑا تھا تو......؟

بدر اسے اسکار کے سائے سے بچانا چاہتا تھا۔ ...وہ اسے اپنے سائے سے بھی بچانا چاہتا تھا۔

اسکار کی ہٹ دھرمی اور ناپسندیدگی کے باوجود ...ہب کے خانے میں اسلام لکھا تھا۔ اس کا نام سمیع ...الدین رکھا تھا۔ اس نے بیٹے کو اسلامک سینٹر سے ...وابستہ کیا تھا۔

اس کی ہر چیز کا دھیان رکھا تھا۔

اور اگر آج بدر الدین سہگل نے سمیع الدین ...سہگل کو اس حال میں دیکھا تھا تو کیسی حیرانی؟ خون ...اور دودھ تربیت کو چیلنج نہیں کرتے مگر یہ پیچھا ضرور کرتے ہیں۔

☆☆☆

بدرالدین اور اسکارلٹ نے چار سال اکٹھے رہنے کے بعد شادی کر لی تھی اور سال بعد ان کے گھر سمیع الدین پیدا ہوا تھا۔ محی الدین جو اپنے تئیں ان دونوں پر لعنت بھیج چکے تھے۔ اس ننھے سے وجود کا تصور کر کے بے چین ہو جاتے۔ وہ شعوری کوشش سے بھی لاتعلقی ظاہر نہ کر سکے۔ اپنی تمام تر نفرت اور بیزاری کے باوجود بدر تین سال کے سمیع کو پاکستان لایا تھا۔ وہ اس قدر خوب صورت بچہ تھا کہ محی الدین کے دل کے در پاٹ وپاٹ کھل گئے۔

کہاں تو وہ ایک ہفتے تو کیا ایک دن بھی ان کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے اور کہاں اب یہ حال کہ وہ کبھی نہ جائیں۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔

بدر اور اسکار جیسے لوگوں کے لیے پاکستان آئیڈیل جگہ کبھی بھی نہیں تھی۔ انہیں لوٹنا تھا اور محی الدین اور عقیلہ حیران تھے۔ ان کے منہ پر طمانچہ تھا اس ننھے سے بچے کا اردو بولنا، کلمے سنانا بے حد تمیز و تہذیب کا مالک ہونا۔

بدر اپنے بچے کے حوالے سے بے حد حساس باپ تھا۔ ان دونوں نے محسوس کیا کہ وہ اسکار سے بھی بچے کو غیر محسوس طریقے سے دور رکھتا تھا۔ یا شاید اسکار ایسی ہی تھی۔

وہ واپس چلے گئے مگر محی الدین سہگل کا دل جیسے ساتھ لے گئے۔ وہ خالی وجود کا کیا کرتے۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ لندن میں ان کے گھر جا کر بس رہیں مگر......

بدرالدین سہگل شعوری و لاشعوری طور پر ارادی و غیر ارادی حوالے سے سمیع کے لیے بہت محتاط اور قریب تھا۔

مگر اس نے جو علت پال رکھی تھی۔ وہ ہوش و خرد سے بے گانہ کرنے والی تھی۔ اس نے جس دلدل میں پیر جمائے تھے' وہ دن بدن اس کے اندر دھنستا جا رہا تھا۔

www.urdugem.com

مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی یا بیٹے کی..... وہ بڑے متوازن طریقے سے بڑا ہوا مذکورہ معاشرے کے تمام رنگ اس کے سامنے تھے اور وہ اپنی مرضی کا ہر رنگ خود پر سجاتا تھا۔ مگر وہ..... وہ نہیں بنا جیسا بدر بنانا چاہتا تھا۔

پر ویسا بھی نہیں جس روپ سے بدر ڈرتا تھا۔ اس کا اپنا ایک الگ رنگ روپ تھا۔

☆☆☆

عبدالمبین سخت مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا..... ایک طرف بلک بلک کر روتی اسکارلٹ اور بے بسی کی تصویر بنا بدرالدین..... اس پر کمال ضبط کہ لبریز آنکھیں چھلکنے نہ پائیں۔

اسکار بہت بیمار تھی۔ یہ صاف نظر آتا تھا۔ اور اس پر اس کے لباس کا سرخ رنگ..... سرخ لپ اسٹک اور نیل پالش اس کے جسم سے قیمتی پرفیوم کی خوشبو اٹھتی تھی۔

"وہ ہم سے نہیں ملے گا اسکار..... اب تو بالکل نہیں۔" بدر نے تکان زدہ لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں ملے گا؟ میں اس سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی اور اب کیوں نہیں ملے گا۔" اب کیا ہوا ہے؟" اسکار نے جملہ مکمل کرتے ہی اپنا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"میں پوری طرح کور ہو کر آئی ہوں..... دیکھو۔" اس کا اشارہ اپنے لباس کی طرف تھا۔

بدر چونکا۔ یعنی ایسے اس ناگفتہ بہ حالت میں بھی موسیٰ کی پسند یاد رہی تھی۔

بدر کو بروقت یاد آیا کہ کیسے موسیٰ جب تیرہ چودہ برس کا تھا۔ تو بہت خوشی سے اپنے ساتھ لائے دوستوں کو اس نے یکدم واپس کر دیا تھا۔ وہ سب ناراض ہو گئے مگر موسیٰ نے انہیں دہلیز پار کرنے نہیں دی تھی۔ وہ آہنی دیوار بن کر کھڑا تھا۔ ایسے کہ دوست جو اچک اچک کر اس کے پیچھے جھانکنا چاہتے تھے۔ مایوسی سے پلٹ گئے۔

بدر نے چند لمحے کی حیرت کے بعد وجہ جان لی۔

وجہ اسکار تھی۔ جو جینز کی بنی نیکر اور جسم کے بالائی حصے پر دھجی سی لپیٹے بیٹھی تھی۔ وہ گھر میں ایسے ہی حلیے میں رہتی تھی۔ اس کا موڈ خوش گوار تھا۔ اور وہ مخمور لہجے میں موسیٰ کو دوستوں کو اندر لے آنے کا کہہ رہی تھی۔ اور بدر کو یہ بھی یاد آیا۔ موسیٰ نے اپنی دوستیاں باہر تک محدود کر لی تھیں پھر اسکار کی طرف سے اسے خطرہ لاحق رہتا۔ وہ اسکار سے نگاہیں چراتا تھا۔ یا پھر نگاہ جھکا کر بات کرتا تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی موسیٰ کے لیے صرف ندامت کا باعث تھے۔

اسکار نے عبدالمبین کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ وہ انہیں اپنے ہاتھوں میں بھینچے ہوئے لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

"تم اس سے کہو مجھ سے مل لے، مجھے لگتا ہے وہ تمہاری بات مانے گا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے میں مرنے والی ہوں۔ میں مرنے سے پہلے اس سے باتیں کرنا چاہتی ہوں پلیز....."

بدر کے ساتھ ساتھ عبدالمبین کے حواس بھی مختل ہو گئے۔ اسکار نے اپنے ہاتھوں میں دبے عبدالمبین کے ہاتھوں کو اپنے ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

"اوخدا.....!" اس ٹھنڈ میں بھی بدر کے ماتھے سے پسینہ پھوٹ نکلا۔

اس نے متوحش نگاہوں سے اس دروازے کو دیکھا۔ جہاں موسیٰ گیا تھا۔ اور اگر موسیٰ نے یہ دیکھ لیا۔ وہ اسکار کی جان لے لے گا..... یا پھر خود کو۔

(وہ ایک بار پہلے بھی یہ کوشش کر چکا تھا)

"پلیز مائی سن..... پلیز۔" وہ عبدالمبین سے کہہ رہی تھی۔

بدر اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ کیا کہا تھا اسکار نے عبدالمبین کو..... مائی سن (میرے بیٹے) عبدالمبین نے اسکار کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ اس نے اب خود سے اسکار کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں

کر لیا تھا۔

وہ بہت محبت بھرے پُریقین انداز سے انہیں سمجھا رہا تھا۔ یہ موسیٰ کا پہلا دوست تھا جس نے اسکار کو دوست کی ماں سمجھا تھا..... ماں..... ماں جیسی۔

"میں اسے لے کر آتا ہوں آنٹی.....!"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

اسکار نے حیرت آمیز بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ کیا وہ لا سکے گا..... واقعی۔

وہ خود کو باور کروا رہی تھی کہ بس آیا ہی چاہتا ہے موسیٰ..... ہاں بالکل بس ابھی۔

☆☆☆

"اپنی ماں کے عیب۔ مجھے مت بتائیں موسیٰ! خود بھی مت سوچیں۔" عبدالمبین نے منت بھرے انداز میں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور سر نفی میں ایسے ہلتا تھا جیسے تاب نہ لا سکتا ہو۔

"نہیں آپ کو سننا ہوگا۔" موسیٰ نے جارحانہ پن سے کہا۔ "میرے ماں باپ آج ابھی اس وقت اس سچویشن میں میرے لیے باعث شرم نہیں ہیں۔ وہ اس وقت سے ہیں جب میں نے ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا۔ آپ جانتے ہیں میری ماں....." اس نے جیسے کلاشنکوف کا برسٹ کھول دیا۔ "اور کیا آپ کو پتا ہے میرا باپ....."

موسیٰ کا دماغ الٹ گیا تھا۔ وہ بنا سوچے سمجھے بولتا چلا جا رہا تھا۔ اور عبدالمبین کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ موسیٰ کا منہ بند کیسے کرے۔

اس کی ماں بُری عورت تھی اور باپ بُرا مرد۔ (اسے شاید بے غیرت کہنا تھا) اور اس کی ماں..... اور اس کی ماں..... اور۔

"اللہ ستار العیوب ہے موسیٰ.....!" عبدالمبین حلق کے بل چلایا تھا۔ "وہ عیب پوشی پسند کرتا ہے۔" عبدالمبین کی آواز مدہم ہو گئی۔

"گناہ مت کمائیں۔" عبدالمبین کی آواز گم ہو گئی۔

"اللہ کا واسطہ خاموش ہو جائیے۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

موسیٰ دم بخود رہ گیا۔ ایسے عبدالمبین کے اس طرح چلا اٹھنے کی کبھی امید نہیں تھی۔ اور یہ کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔

"میں ان سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ آپ کو باہر لے کر آ رہا ہوں۔" عبدالمبین قطعی انداز اختیار کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ موسیٰ کا چہرہ تن گیا۔

"آپ ان سے جا کر کہہ دیجیے کہ آپ نہیں لا سکے، آپ انہیں واپس بھیج دیں۔ مجھے ان سے نہیں ملنا..... اور اب تو بالکل بھی نہیں۔" اس نے رخ موڑ لیا۔

"اب....." عبدالمبین نے دہرایا۔ "اب کیا ہوا ہے؟"

موسیٰ کو پلٹنا پڑا۔ عبدالمبین نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ جیسے اسے اندر تک پڑھ لینے کا ارادہ ہو۔

"اوہ سمجھا..... اب، اب جبکہ آپ خود نیک ہو گئے ہیں۔" اس نے عجیب جتاتے ہوئے انداز سے کہا۔

"نہیں ان کی برائیاں کھل کر سامنے آ گئی ہیں۔"

"نہیں آپ اپنے اچھے ہونے کے زعم میں انہیں حقارت سے دیکھ رہے ہیں موسیٰ!" عبدالمبین نے صاف گوئی کی انتہا کر دی تھی۔

موسیٰ یوں اچھلا جیسے اسے بجلی کا ننگا تار لگا ہو۔ موسیٰ نفی کرنا چاہتا تھا۔ عبدالمبین کو صفائی دینا چاہتا تھا یا وضاحت..... مگر اس سے پہلے دروازہ وا ہو گیا۔

یہ اسکار تھی اور اس کے پیچھے اسے روکتا بدر۔

"میں تم سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی موسیٰ۔" اسکار کا لہجہ ہانپتا جبکہ جملہ کسی بچی کی سی طرح ٹھنکتا ہوا تھا اور موسیٰ کے جواب اور بدر کے بازو کھینچنے سے پہلے وہ موسیٰ سے جا لپٹی تھی۔

☆☆☆

"ہم پہلی بار ملے تب تمہارا باپ سترہ برس کا تھا اور میں انیس برس کی۔ وہ اس رات فلپ کی موت کا

www.uploadgem.com

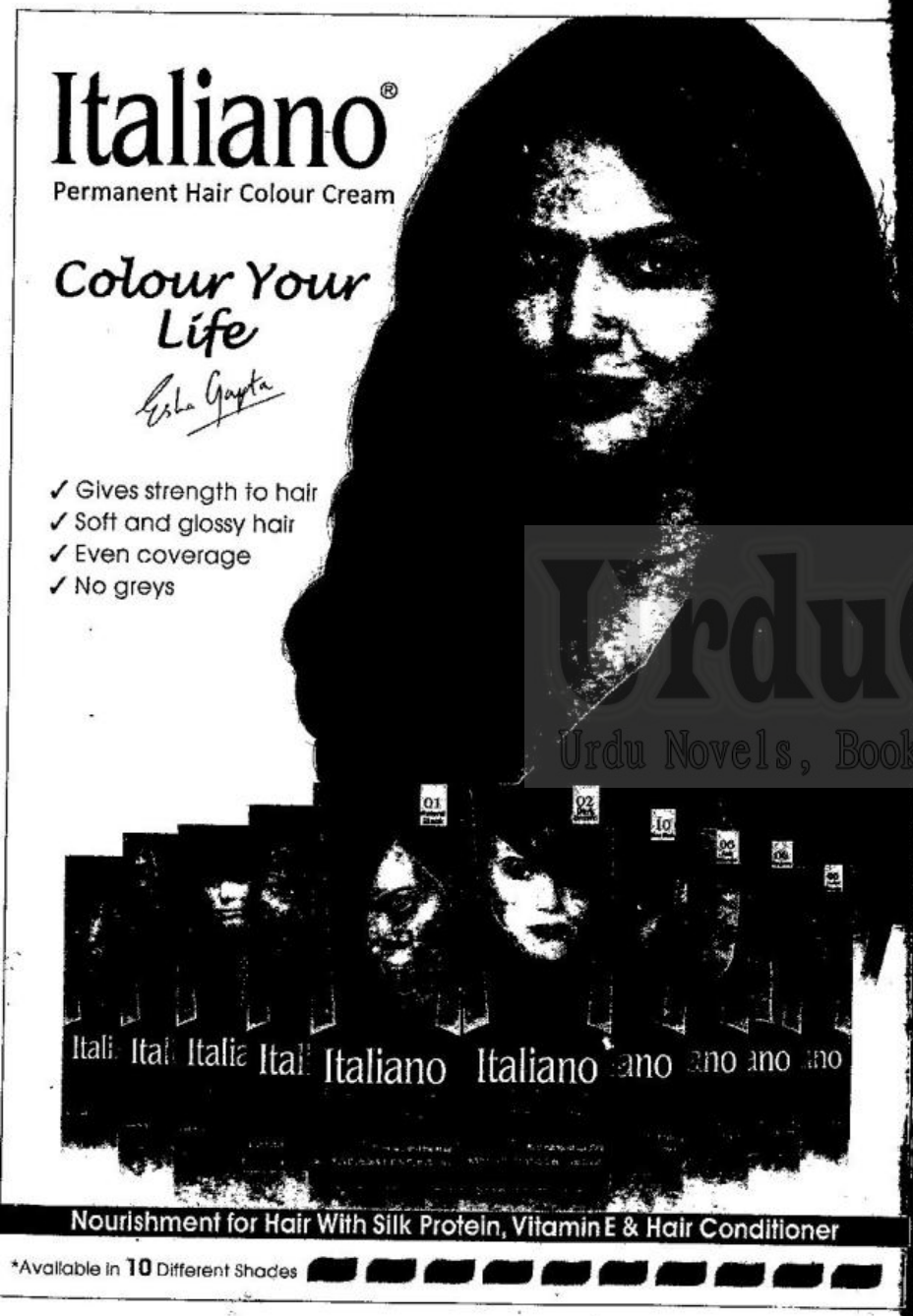

غم منا رہا تھا۔ سرد برفیلی رات میں بنچ پر اکیلا بیٹھ کر ہچکیوں سے روتا ہوا...... کیا تم جانتے ہو' فلپ کون تھا؟''

موسیٰ نے بدر کے چہرے کو سفید پڑتے دیکھا۔

''اس بارے میں بات مت کرو۔'' اس نے شتابی سے اسکار کو ٹوکنا چاہا تھا۔

''نہیں' مجھے کرنا ہوگی۔ فلپ نے بارہ برس کی عمر میں بدر کے ساتھ...... اور پھر سترہ برس کی عمر تک وہ یہ کام بنا رکاوٹ کرتا رہا تھا۔

اور میں موسیٰ...... میری مام کے بوائے فرینڈ نے اور اس کے بیٹے نے...... بدر تو دن تاریخ سن کے حساب سے زیادتی کو یاد رکھا۔ میں اتنی چھوٹی تھی کہ یاد ہے تو صرف وہ درد...... اور وہ اذیت......'' وہ ،وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ ساکت بیٹھا بدر اسکار کو آج بھی روتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسکار کے نزدیک کھسک آیا۔ اس نے اپنا بازو اسکار کے شانے کے گرد حمائل کر دیا تھا۔

اسکار نے چونک کر بدر کو دیکھا۔

''دنیا میں کوئی انسان گناہ گار پیدا نہیں ہوتا...... یہ تو حالات ہوتے ہیں جو اسے بنا دیتے ہیں یا بگاڑ دیتے ہیں۔ مجھے یہ بالکل یاد نہیں کہ میں نے پہلی بار پیگ کب بنایا لیکن میں تمہیں ان مرد و عورت کی تعداد بتا سکتی ہوں جو میری ماں اور باپ کے فرینڈز بن کر آتے تھے اور ماما مجھے بوتل اور گلاس کمرے میں پہنچا دینے کی ذمہ داری سونپتی تھیں۔

تم نے زندگی بھر مجھ سے نفرت کی موسیٰ...... میں جانتی تھی یہ بات' میں تو ماں بننا ہی نہیں چاہتی تھی۔ میں کسی بچے کو پال نہیں سکتی تھی۔ اس کی تربیت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے موسیٰ کہ خود مجھے کسی نے نہیں پالا تھا۔ میں خود ہی ادھر ادھر لڑھک کر بڑھی ہوگئی تھی۔''

(میں باپ نہیں بننا چاہتا تھا...... مجھے لگتا ہے میں کسی بچے کی تربیت نہیں کر سکوں گا) ہاں موسیٰ نے خود بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ جیسے اسکار نے...... اور اسے اللہ نے موسیٰ دے دیا...... اور موسیٰ کو ایمان نے۔

''تمہارے گرینڈ فادر مجھے برا کہتے ہیں۔ ہم دونوں کو...... ہم اتنے بُرے نہیں تھے موسیٰ...... ورنہ اللہ تم جیسا بیٹا ہمیں کیوں دیتا؟'' اسکار کے جملے نے موسیٰ کے وجود کے پرخچے اڑا دیے۔

''جب تم موسیٰ تھے تم تب بھی بہت اچھے انسان تھے اور اب جب تم سامی دین بن گئے ہو تب بھی...... گاڈ مجھ سے خفا نہیں ہے موسیٰ...... دیکھو وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ جب ہی تو تمہیں دے دیا مجھے۔''

''آپ کہیں بھی چلے جائیں کچھ بھی بن جائیں اچھے یا بُرے...... روز حشر پکارے اپنی ماں کے نام ہی سے جائیں گے موسیٰ!''

اللہ کی عیب پوشی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی وہ اس روز (حشر کے روز) بھی ماؤں کا بھرم رکھے گا۔ وہ نہیں پوچھے گا ماؤں سے...... نہیں بتائے گا کسی کو بھی کہ وہ کہاں سے لائی تھیں اولادیں...... وہ کس کا بوجھ کوکھ میں اٹھائے پھرتی تھیں۔'' ابھی کچھ دیر پہلے عبدالمبین نے موسیٰ سے کہا تھا۔

UrduGem.com
Urdu Novels, Books and Much More

''تم کیا سمجھتے ہو موسیٰ میں اپنی خامیوں سے آگاہ نہیں تھی...... میں تھی موسیٰ...... مگر مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ ان سے پیچھا کیسے چھڑایا جائے۔ مجھے کبھی کسی نے بتایا نہیں موسیٰ...... تمہارے گرینڈ فادر نے بھی نہیں، حالانکہ میں نے کہا تھا ان سے...... کہ وہ مجھے بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے' میں کرلوں گی۔ مگر انہوں نے مجھے دھتکار دیا۔ انہوں نے کہا میں نے اپنی شکل دیکھی ہے کبھی۔

وہ بس مجھے بدر کی زندگی سے دور کر دینا چاہتے تھے۔ اور یہ بدر نے ہونے نہ دیا۔ دیکھو یہ مجھے مرنے بھی نہیں دیتا۔ دوائیاں کھلا کھلا کر زندہ رکھے ہوئے ہے۔''

''تم مت بات کرو مجھ سے۔'' وہ موسیٰ کی جانب سے منہ پھیر کر بدر سے مخاطب ہوئی۔

''مگر یہ ایک بات نہیں جانتا بدر......

www.urdugem.com

ہے ناں۔
کیا کہتا تھا موئی دین......؟" اب تک اس کا ذریعہ اظہار انگلش تھا۔ اب اسے ایک اردو جملہ کہنا تھا۔ نائک اولاد......صادقہ جاری (صدقہ جاریہ) ہوتا۔ پیرنٹس کو بخشا گاڈ کے آگے......ہم تو بخشا گیا بدر......بخشا گیا۔ (نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔ والدین کو بخشوا دیتی ہے' اس طرح تو ہم بخشے گئے بدر)

موئی دین چاہتا تو وہ ہمیں سمجھا سکتا تھا بدر! مگر اس نے ہمارے برے ہونے پر اسٹیمپ لگا دی۔ اس نے خود ہی فیصلہ سنا دیا۔ اس کا بس چلتا تو ہمیں ......شوٹ کر دیتا۔ وہ سنتا ہی نہیں تھا۔ یقین نہیں کرتا تھا۔ دنیا موقع نہیں دیتی بدر......معاف نہیں کرتی ہے' ناں؟"

اسکار نے لڑکھڑاتے لہجے میں جیسے نتیجہ پیش کر دیا۔ بدر نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کی آنکھیں پونچھیں اور بہتی ناک......اسے اپنے حوالے سے کوئی صفائی نہیں دینی تھی۔ والدین کی بے توجہی کا شکار بچہ جیسا بن سکتا تھا' وہ ویسا ہی بنا۔

بدر نے موسیٰ سے نظریں پھیر لیں۔ اس نے اسکار کے بکھر جانے والے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔ اس کے اونی ٹوپے کو سر پر جمایا۔

موسیٰ کسی ٹرانس میں گھرا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ دھیان کہیں اور تھا۔

"یہ دنیا والے اللہ کے نزدیک پہنچنے ہی نہیں دیتے موسیٰ کہ وہ اعزاز سے نوازے۔ یہ خود ہی فیصلہ سناتے ہیں۔ اور ہم جیسوں کے لیے ان کے بس میں ہو تو سنگساری کا حکم دے دیں ۔۔۔ مانتے ہی نہیں، سنتے ہی نہیں، یقین نہیں کرتے۔ دنیا معاف کیوں نہیں کرتی موسیٰ......یقین کیوں نہیں کرتی؟"

ابھی جو الفاظ اسکارٹ کے تھے۔ الفاظ کے ذرا سے ردوبدل سے وہی سب میرو نے کہا تھا۔ تو اس کی ماں نے بھی وہی سب جھیلا تھا۔ بس یہ کہ اس نے نشے میں غرق ہو کر سب بھلایا تھا۔ جبکہ میرو نے ہوش میں رہ کر سب کچھ خود پر طاری کر لیا تھا۔

موسیٰ کی سماعت میں دونوں کے الفاظ گڈمڈ ہونے لگے۔

اور وہ دونوں موسیٰ سے مایوس ہو کر ایک دوسرے کے سہارے اٹھنے کی سعی کر رہے تھے۔ انہیں جانا تھا۔ موسیٰ نے دیکھا......اسکار کو اٹھانے کی کوشش میں بدر خود ڈھے گیا تھا۔ اگلی بار بدر نے اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے اسکار کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا تھا۔ مگر دوسرے ہی قدم میں وہ لڑکھڑائے تھے۔ اس بار اسکار نے بدر کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما تھا۔

ٹوٹے ہوئے قدم اٹھاتے' وہ ساکت کھڑے موسیٰ کی نظروں سے دور ہوتے جاتے تھے۔

یہ سخت دلخراش منظر تھا۔ بہت بوڑھے دکھائی دینے والے مرد عورت......جو بیمار بھی تھے۔

ایک دوسرے کے سہارے ڈگمگا کر چلتے تھے۔ چھوٹے قدم......جو ایک دوسرے سے الجھ جاتے تھے اسکار کھانسنے لگی۔ بدر بری طرح چونکا۔ اس نے بہت عجلت میں اپنی جیبیں تھپتھپائی تھیں۔ اس نے کوئی دوا نکالی تھی اور متلاشی نگاہوں سے پانی کو دیکھا تھا۔

ان کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ مگر لاٹھی پکڑنے کو بھی ہاتھ کی سکت ضروری ہوتی ہے۔ مہنگی سے مہنگی وہیل چیئر خرید سکتے تھے۔ مگر اس میں بٹھانے کے لیے بھی دو صحت مند بازوؤں کی ضرورت تھی۔ اور جس کے پاس بازو تھے۔ وہ ساکت کھڑا تھا۔

"انہیں معاف کر دیں موسیٰ......! انہیں آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔"

یہ عبدالمبین تھا۔ کچھ وقت جاتا تھا کہ وہ بھاگ کر ان دونوں کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھر لیتا ۔ مگر ایک کوشش جس کا یہ فرض تھا اور حق تھا اور اعزاز تھا۔ بوڑھے والدین......جب وہ لاچار ہوں۔

عبدالمبین کو لگا اگر اس وقت اس کی آنکھ سے

آنسو ٹپکے تو وہ سرخ رنگ کے ہوں گے۔ اس نے اپنے والدین کو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اگر وہ آج ہوتے تو بالکل ایسے ہی دکھائی دیتے۔

موسیٰ نجانے کس دھیان میں تھا۔ معاف کرنے کے ہدایتی جملے پر اس کا سر نفی میں ہلا۔

"تو پھر آپ اللہ سے اپنے لیے معافی کی امید کیسے کر سکتے ہیں؟"

عبدالمبین کے انداز میں جارحیت عود کر آئی۔ اس نے جھٹکے سے موسیٰ کا بازو پکڑ کر اپنی سمت موڑا تھا۔ موسیٰ کی نظریں دھیرے دھیرے دور ہوتے بدر اور اسکار پر تھیں۔ وہ بری طرح چونکا۔ عبدالمبین نے اپنا سوال دہرایا۔

"آپ نے انہیں معاف نہیں کرنا۔ آپ کو ان سے معافی مانگنی ہے؟" وہ دور ہوتے بدر اور اسکار کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے......" موسیٰ نے بے یقینی سے دہرایا تھا۔

"دوڑیے، موسیٰ یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو قیامت تک بھی پیر کے انگوٹھے پر کھڑے رہے تو معافی نہیں ملے گی......قیامت کے بعد بھی۔"

یکدم عبدالمبین نے شور سا ڈال دیا۔ اسکار و بدر گاڑی میں بیٹھنے والے تھے اور وہ شخص کھڑا دیکھتا ہی جاتا تھا۔

☆☆☆

ایک طویل صبر آزما سفر سے وہ گھر لوٹ آیا تھا۔ صوفے میں دھنسی' ناخن فائل کرتی حسنل نے نظر اٹھا کر دروازے میں کھڑے موسیٰ کی پشت پر پچھلی رات کو دیکھا۔ پھر ایک اچٹتی نظر موسیٰ پر ڈالی اور دوبارہ سے ناخنوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔

یہ بے نیازی نہیں بدتہذیبی اور بدتمیزی کی آخری حد سے بھی پرے کی چیز تھی۔ اگر وہ ناراضی دکھانا چاہتی تھی تو یہ طریقہ بالکل غلط تھا۔

اور اگر نظر انداز کرنا مقصود تھا تو یہاں عین دروازے کے سامنے رات کے اس پہر وہ براجمان ہی کیوں تھی۔ تو دراصل یوں بیٹھنا' یوں دیکھنا اور نظر چرا لینا پہلے سے طے تھا۔ اسے دراصل موسیٰ کو باور کرانا تھا کہ وہ اسے جیسا اور جس حال میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ اب بھی ویسی ہی ہے۔ اس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوا......اور نہ ہو گا۔

دوسری طرف موسیٰ کا ردعمل قطعاً مختلف تھا۔ اس نے بیگ چھوڑ دیا تھا۔ اور حسنل کی طرف آنکھیں سکیڑے دیکھ رہا تھا۔ جیسے جانچ رہا ہو۔ اندر تک پڑھ لینا چاہتا ہو۔ اس کی آنکھوں میں چبھن، بے یقینی، تاسف تھا۔ وہ اسے ماہ رو فیاض کے بیان کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس حسنل کو دیکھ رہا تھا۔ جسے وہ بالکل نہیں جانتا تھا۔ اور جس کے بارے میں جان کر اسے صدمہ پہنچا تھا۔

سامنے بیٹھی عورت کو وہ ہنی کے نام سے جانتا تھا۔ بلکہ خوب جاننے کا دعوے دار تھا۔ پر اس پر ابھی یہ تکلیف دہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ سامنے بیٹھی عورت کو بالکل نہیں جانتا۔ جس ہنی کو وہ جانتا تھا' وہ تو بہت تابع دار تھی۔ اس کی محبت کا دم بھرتی تھی۔ اس کے ابرو کے اشارے پر جان دے دینے کا دعوا کرتی تھی۔

ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ گھر لوٹے اور اس کا ایسا استقبال ہو۔ وہ دیوانہ وار آتی تھی اور اس کی کھلی بانہوں میں سما جاتی تھی۔

ہاں......موسیٰ نے چونک کر خود کو دیکھا۔ ہاں اس بار اس کے بازو بھی تو وا نہ ہوئے۔

اور کیسے ہوتے، وہ جانے سے پہلے اسے روش بدل دینے کی ہدایت بصورت حکم بصورت فیصلہ دے گیا تھا۔ اور اس کی مسلسل جاری رہنے والی سرگرمیوں سے انجان نہیں رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہنی کی زندگی کے میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑا تھا۔ ایک طرف اس کی حکم عدولی......دوسری طرف ماہ رو سے ملاقات۔

وہ حسنل کے پاس سے گزرتا اندر چلا گیا تھا۔

حسنل نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور سیڑھیوں کی سمت دیکھا۔ جہاں وہ غائب ہو گیا تھا اس نے نیل کٹر پھینک دیا اور اپنا دامن جھاڑا۔

شہزاد اور دیگر دوستوں نے کہا تھا کہ وہ اتنے

www.urdugem.com

دنوں بعد گھر لوٹے گا تو لازماً اس کے دل میں ہنی کے لیے نرم و لطافت ہوگی۔ وہ اس کی سمت متوجہ ہوگا۔ تب ہنی اسے اگنور کر کے اپنی اہمیت جتا سکے گی۔

لیکن یہ تو نہیں ہوا..... تو ایسا کیوں..... وہ غصہ میں بھرا ہوا لگ رہا تھا۔ کیوں.....؟

ایک پل کو اس کے اندر کی عورت بیدار ہوئی۔ موسیٰ کا اس طرح نظر انداز کر کے اندر چلے جانے اس کی نسوانی انا کو سخت ٹھیس پہنچی۔ ناراضی کے اظہار کا سارا سامان کرنے کے باوجود اس کے لاشعور میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ وہ یوں ہتک کر جائے گا۔

طمانیت پر طیش غالب آنے لگا۔ منصوبہ یہ تھا، وہ نظر انداز کرے گی، لپکے گا۔ مگر یہاں تو..... وہ پہلو بدلنے لگی۔

ایک بار تو دل چاہا۔ اٹھ کر جائے اور گریبان پکڑ کر پوچھے کہ وہ اسے اس طرح نظر انداز کیسے کر سکتا ہے۔

بات یہ تھی کہ لڑنے جھگڑنے کا سارا منصوبہ بنانے کے ساتھ ساتھ اس نے خود کو بھی ہر اس کیل کانٹے سے لیس کر رکھا تھا۔ جس سے موسیٰ بچ سکتا ہی نہیں تھا۔ مگر وہ تو شعلہ بار نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر پاس سے گزر گیا۔

اس نے طے کیا تھا۔ وہ اپنی ناراضی کا بھرپور اظہار کرے گی۔ اس سے بات نہیں کرے گی۔ اس کی طرف دیکھے گی بھی نہیں..... مگر شاید وہ بھی یہ طے کر آیا تھا۔ وہ دونوں کھانے کی میز پر تھے۔

ایک ہی میز پر آمنے سامنے بیٹھے دو اجنبی.....

"تو بات کون شروع کرے۔ کیا وہ؟ نہیں وہ نہیں کرے گی۔

وہ جو اس نے سب کے سامنے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا۔ اور پھر جس لہجے میں اس سے بات کی۔ "وہ میں بھول تو نہیں موسیٰ۔" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔

اور دوسری طرف موسیٰ..... "کتنی عجیب بات ہے۔ میں وہاں نہیں تھا جب تم ماہ رو کو ذلیل و خوار کر رہی تھیں ہنی..... مگر مجھے کیوں لگتا ہے کہ جیسے میں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ماہ رو کی بے بسی اور آنسو اور بے یقینی اور دکھ..... جو تم نے دیا۔

اور تمہارا زعم..... خود پسندی..... غرور..... میں اس کی اذیت کو محسوس کر سکتا ہوں۔ اگر میں اس موضوع پر اس عورت سے بات کروں تو.....؟"

موسیٰ نے چور نظروں سے اسے دیکھا جو اسے نظر انداز کیے لقمے منہ میں رکھ رہی تھی۔

تقریباً سوا مہینے کے بعد بھی ان دونوں کے درمیان موجود فاصلہ اور وجہ اختلاف ہنوز برقرار تھا۔

یہ سچ تھا کہ اس نے ہنی کے فون سننے بند کر دیے تھے۔ وہ فون جو نمبر ملا کر ایمانے کے کان سے جوڑ دیے جاتے تھے۔ مگر وہ ہنی کی سرگرمیوں سے لاعلم نہیں تھا۔

وہ جانے سے پہلے اسے بدل جانے کا حکم دے کر گیا تھا۔ اس میں یہ تبدیلی آئی کہ جتنے روز موسیٰ باہر تھا' سوشل میڈیا سے ذرا بھی دلچسپی نہ رکھنے والی ہنی نے اپنی ہر روز کی سرگرمی کو اپنے پیج پر لگایا۔ اس کا پیج کبھی بھی اتنا ایکٹو نہیں تھا۔

سو یہ اثر ہوا تھا اس پر موسیٰ کی تادیب کا..... حکم کا..... تھپڑ کا (جس کے لیے اس نے موسیٰ کو کبھی بھی معاف نہ کرنے کی قسم کھائی تھی)

"تو کیا میں اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کروں؟"

موسیٰ کی چائے ختم ہوگئی اس نے کپ رکھ دیا اور کہنیاں میز پر ٹکا کر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے وہ اب اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اور وہ ایسے مگن انداز سے لقمے لے رہی تھی جیسے کمرے میں تنہا ہو۔ یہاں تک کہ موسیٰ کی سرد نگاہوں کی حیرت، ملامت اور پھر طیش میں بدلنے لگی۔ موسیٰ کے دل میں عجیب سی خواہش ابھری۔

وہ اپنی طرف سے میز پر بچھی پلاسٹک شیٹ کو اس طرح سے ہوا میں اڑائے کہ میز پر رکھی ہر چیز ہنی کے منہ پر الٹ جائے۔ اور چند پل جاتے تھے کہ وہ اپنی اس سوچ کو عملی جامہ پہنا دیتا۔ ایمانے کی سریلی

چیخ نے متوجہ کر لیا۔

"پاپا..... میرے پاپا!" وہ اسکول سے لوٹی تھی۔ اس نے دونوں بازو پھیلائے موسیٰ کی جانب دوڑ لگا دی۔ موسیٰ نے تیزی سے کرسی چھوڑی اور جست بھر کے ایمانے کو گود میں بھر لیا۔ "میری بٹی....." وہ اس کے چہرے کو بے تابانہ چوم رہا تھا۔ وہ گردن پیچھے گرا کے بچنے کی کوشش میں قہقہے لگا رہی تھی۔

"مجھے بھی تو کرنے دیں۔" وہ بمشکل بول سکی۔

"کیا؟" وہ ہنس رہا تھا۔

"پیار....." وہ اس کے چہرے پر جھک آئی۔

"بیگ اتارو ایمانے.....!" ہاتھ پونچھتی حسنل ان دونوں کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

ایمانے خوشی سے بے حال تھی۔ اس نے موسیٰ کی گود میں رہتے ہوئے ہی ہاتھ بڑھا کر حسنل کو خود سے قریب کر لیا۔ اس نے اس کے گال کو چوما تھا۔ وہ تیز تیز لہجے میں دونوں سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اور دونوں سے اثبات چاہتی تھی۔ دونوں نے سر ہلائے۔

"نہیں وعدہ کریں۔"

اس نے اپنی ننھی سی ہتھیلی پھیلا دی۔ حسنل نے تیزی سے ہاتھ رکھ دیا۔

تب ہی موسیٰ نے بھی بیٹی کی خوشنودی کے لیے ہاتھ رکھ دیا۔ ٹوٹا تکون جڑ گیا تھا۔

ہاں تو ایمانے وہ ہتھیار تھی جس سے وہ موسیٰ کو زیر کر سکتی ہے۔ اس نے ایمانے کو دیکھا جو چہکتے لہجے میں سب کچھ موسیٰ کو سنا ہی دینا چاہتی تھی مگر موسیٰ ہاں میں سر ہلا ہلا کر سننے کے باوجود حاضر نہیں تھا۔

ماہ رو سے ملاقات کے بعد اس کے اندر یہ سوال اٹھا تھا کہ کیا وہ حسنل کے ساتھ رہ سکے گا۔ وہ اسے خود غرض لگی تھی۔ خود پرست..... اور ظالم۔

اور رات جس طرح اس نے موسیٰ کا استقبال کیا وہ بتانا تھا' وہ اسے جہاں چھوڑ گیا تھا' وہ وہیں کھڑی تھی۔

جبکہ وہ کتنا آگے جا چکا تھا۔

تو اسے ہنی سے ایک بار پھر بات کرنی تھی۔

ایمانے کے لیے..... اپنے لیے..... اور خود ہنی کے لیے۔

اسے سمجھائے جانے کی زیادہ ضرورت تھی۔

ایمانے حسنل کا چہرہ تھام رکھا تھا اور اس سے کوئی عہد لے رہی تھی۔

حسنل کو اس کے جملوں پر ہنسی آ گئی۔ اس کی ہنسی بے پناہ دلکش تھی۔ مگر.....

موسیٰ نے نظر سے اتری ہوئی عورت کو بغور دیکھا ہاں حسن المآب موسیٰ بی کی نظروں سے اتر گئی تھی۔ دھیرے دھیرے جیسے کوئی انجانے میں ڈھلوان کی راہ پکڑے۔

لیکن نہیں..... وہ دین سیکھنے اور سکھانے کا عہد باندھ کر آیا تھا۔ اسے ابتدا اپنے گھر سے کرنی چاہیے۔ مانا کہ یہ بہت مشکل ٹاسک ہوگا۔

☆☆☆

حسنل کی متحیر نظریں موسیٰ کے چہرے کی سمت اٹھیں تو اٹھی کی اٹھی رہ گئیں۔ دوسری نظر اس نے اپنے ہاتھ پر ڈالی۔ جو موسیٰ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے اٹھ کر اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نرمی تھی اور کسی خفگی کا شائبہ نہیں تھا۔

حسنل کسمسائی۔ موسیٰ نے اسے کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ حسنل کو لامحالہ اس کے پیچھے چلنا پڑا۔

موسیٰ کا رخ اسٹوڈیو کی طرف تھا۔ موسیٰ کیا کرنے والا تھا۔ ایسا تو پہلے ہوتا تھا۔ جب وہ راتوں کو جاگ کر دھنیں بنایا کرتا تھا اور اسے سوتے سے جگا کر لے جاتا کہ سب سے پہلے وہ سنے..... تو کیا موسیٰ کوئی نئی دھن بنا لایا تھا۔

"نہیں، یہ تو ممکن نہیں۔" حسنل کے اندر سے تردید ابھری۔ "تو پھر کیوں بھلا؟"

اور انداز اتنا نارمل..... جیسے کچھ ہوا ہی نہیں..... "ہاں، یہ اس سے زیادہ مجھے نظر انداز کر ہی نہیں سکتا تھا..... میں جانتی تھی۔" ایک سرشاری کونپل کی طرح اندر پھوٹی اور پلک جھپکتے ہی تناور درخت کی

www.urdugem.com

طرح پھیل گئی۔

حسنل کی ہاتھ چھڑانے کی کسمساہٹ میں اب "ناز" کا رنگ ابھرنے لگا۔

اس نے منٹ کے اندر لائحہ عمل طے کر لیا۔ وہ ایسے کہے گا تو میں ویسے......اور ویسے کہے گا تو میں ایسے کہوں گی۔ ادھیڑ بن میں پتا ہی نہ لگا۔ وہ کب اسٹوڈیو کے اندر لا کر اسے شانوں سے تھام کرسی پر بٹھا رہا تھا پھر خود بھی بیٹھ گیا۔

حسنل نے دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹ لیے۔ وہ قصداً زمین پر نظریں جمائے بیٹھ گئی۔ اسے اپنے سراپے سے الجھتی موسیٰ کی نظروں کا پورا پورا احساس تھا۔

"میں اتنا آگے آچکا ہوں ہنی! کہ اب واپس نہیں لوٹ سکتا۔" حسنل نے چونک کر سر اٹھایا۔

"اور تم اب تک مجھ سے اتنی دور پیچھے کھڑی ہو کہ کچھ وقت بعد مجھے نظر آنا بھی بند ہو جاؤ گی۔ کیا تم یہ چاہتی ہو؟"

موسیٰ نے لہجہ بدل لیا تھا۔ اس کے انداز میں غصہ نہیں تھا۔ جارحیت نہیں تھی وہ بہت متحمل نظر آ رہا تھا۔ اس موسیٰ سے......جس نے مفتی عبدالرحمٰن کے گھر میں اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا تھا۔

اور وہ موسیٰ جو اسے لندن جانے سے پہلے سدھر جانے کی دھمکی دے رہا تھا۔ جس نے اسے بری عورت کہہ دیا تھا۔ اس نے اسے بہروپیا بھی کہا تھا۔

وہی موسیٰ جس نے اتنے دنوں کی واپسی کے بعد صاف کہیں تو منہ نہیں لگایا تھا۔ اتنے پیار سے کھینچتا یہاں اس لیے لایا تھا کہ وہ پھر سے اسے درس دینے لگے؟۔

"نہیں......مجھے کچھ نہیں سننا۔" اس نے ہاتھ کو پنجہ بنا کر ہلایا اور کھڑی ہو گئی۔

"لیکن میں تمہیں سننا چاہتا ہوں ہنی۔"

"مجھے لگتا ہے ہمیں ایک دوسرے سے بات کرنی چاہیے۔ ہم نے واقعی ایک دوسرے کو نہیں سنا۔ تم مجھے کنوینس کر لو ہنی......کہ تم کیا چاہتی ہو اور کیوں؟"

"میں ہزار بار یہ کوشش کر چکی موسیٰ......! میں ڈھکے چھپے الفاظ میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے یہ سب پسند نہیں۔" اس نے سیدھے ہاتھ کی سب سے لمبی والی انگلی سے موسیٰ کے سراپے کو دکھایا۔

"ڈھکے چھپے الفاظ کو چھوڑ دو......یہاں بس ہم دونوں ہیں۔ تم صاف الفاظ میں کہو تمہیں کیا پسند نہیں۔ تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں......!" اس نے سانس کھینچی۔ "میں وہ سب چاہتی ہوں جو آپ نہیں چاہتے۔"

"کیا سب......کھل کر کہو۔" وہ آگے کو جھکا۔

حسنل کی نظریں اس کی داڑھی سے ٹکرا کر پلٹ گئیں۔ موسیٰ پیچھے ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اذیت بھری مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"میں نہیں جانتا ہنی! کہ تم اندر سے کتنی نیک ہو یا کتنی بد......تمہارا دل کتنا سفید ہے یا کتنا سیاہ۔ تم اسے پوائنٹ آؤٹ کر رہی ہو ناں......؟" موسیٰ نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔

حسنل نے پیروں کا وزن بدلا۔

"کہ میں اسے کٹوا دوں۔ دل کی شدید خواہش کے باوجود تمہارے لیے زبان سے یہ جملہ ادا کرنا کتنا مشکل ہے نا......اور مجھ سے تم یہ چاہتی ہو کہ میں یہ گناہ کر ڈالوں۔ یہ نہیں ہو سکتا اب حسنل، کبھی نہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا ہنی......!" وہ الجھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ جو ہونٹ کچل رہی تھی۔

"داڑھی اتنا بڑا مسئلہ کیوں ہے۔ اسپیشلی مسلمز کی داڑھی۔

تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی میری بیوی ہوتی اور ایسی ناپسندیدگی ظاہر کرتی تو مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی۔ اتنا دکھ نہ ہوتا۔ حیرت اس لیے کہ تم جس فیملی سے بی لونگ کرتی ہو۔ وہاں تو سارے مرد ہی......"

بے نیازی کا چولا اوڑھے بیٹھی حسنل نے موسیٰ کا چہرہ دیکھا۔

"اور دکھ اس چیز کا کہ تم تو دین کی پوری معلومات رکھتی ہو۔ احکام سے واقفیت ہے پھر بھی؟"

وہ منتظر نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"مجھے......پسند۔" اس نے زبان دانتوں تلے داب لی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ "مجھے پسند نہیں" مگر اسے فوراً خوف خدا لاحق ہو گیا۔ اور اب بولی تو جملہ میں بے چارگی کی مصنوعی آمیزش تھی۔

"مجھے آپ اس طرح اچھے نہیں لگتے۔" (ہاں یہ ایک محفوظ جملہ ہے حسنل!)

"تمہیں پتا ہے اللہ کو میرا وہ چہرہ پسند نہیں تھا۔" موسیٰ کے لہجے میں ملال تھا۔

"اگر میں یہ بات پہلے سے جانتا تو میں کبھی شیو نہ کرتا ہنی......اور تم یہ بات جان لو کہ میں اب ایسے ہی رہوں گا۔"

"میں منع نہیں کرتی موسیٰ......! میرا وہ مطلب نہیں ہے خدانخواستہ......دیکھیں۔"

موسیٰ کو متوجہ کرکے وہ خود لڑکھڑا گئی۔

یعنی جو وہ چاہتی تھی۔ اسے کھل کر نہیں کہہ سکتی تھی، سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ پھر بھی ایک کوشش کے طور......

"میں داڑھی کے لیے منع نہیں کر رہی موسیٰ......" اس نے حلاوت سے موسیٰ کے زانو پر ہاتھ رکھا۔ "آپ بعد میں رکھ سکتے ہیں۔"

"بعد میں......بعد میں کب......؟"

"بعد میں مطلب......یعنی جب میرا مطلب ہے ابھی تو جوانی ہے موسیٰ داڑھی تو آپ بڑھاپے میں رکھیے گا۔ سب ہی رکھ لیتے ہیں۔" کچھ ہکلا کر بالآخر اس نے جواب موزوں کر ہی لیا۔

"تم دراصل چاہتی کیا ہو ہنی......میرے لیے تم ایک معمہ بن گئی ہو۔ تم کیسی مسلمان ہو ہنی! مسلمان یا تو مسلمان ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اور جو مسلمان ہوتا ہے اسے ہر چیز کو ماننا پڑتا ہے۔ ہر چیز کو اون کرنا پڑتا ہے۔ مسلمان تو......"

"بس......!" اس نے ہاتھ اٹھا کر موسیٰ کو روکا تھا۔

"آپ کا علم بہت محدود ہے ابھی......تفصیل میں جانے سے گریز کیا کریں۔"

موسیٰ نے چونک کر سر اٹھایا۔ اسے حسنل کے لہجے کے استہزا نے چونکایا تھا۔ (ہاں وہ ماہ رو کے آگے بھی ایسے ہی بولی ہو گی)

"ہاں اس میں کیا شک......" اسے تسلیم میں کوئی عار نہ تھی۔ "تو تم بتا دو، مسلمان کیا ہوتا ہے؟"

"مسلمان مسلمان ہی ہوتا ہے۔ لیکن آج کے دور کو ویسے مسلمان کی ضرورت نہیں موسیٰ! جیسا آپ بن رہے ہیں یا مجھے بنانا چاہتے ہیں۔ آپ خود کو اور اپنی فیملی کو اور سب کو مشکل میں ڈال رہے ہیں موسیٰ......" وہ ایک بار پھر سب سے بڑی ہمدرد بن کر اس کے نزدیک سرک آئی۔

"ہاں تو آج کے دور میں مسلمان کو کیسا ہونا چاہیے؟" موسیٰ کے دماغ سے سب لکھا پڑھا معدوم ہو گیا۔ اسے بہت شدت سے خواہش ہوئی۔ وہ جان لے۔ حسنل کیا کہتی ہے۔ اس میں تو شک نہیں تھا وہ اس سے زیادہ معلومات رکھتی ہے۔

"ہاں موسیٰ......میں آپ کے کنفیوژن دور کر سکتی ہوں۔"

وہ اس کے اور نزدیک ہو گئی۔ اس نے الفاظ ترتیب دینے کا وقفہ بھی نہیں لیا۔ وہ کسی رٹو طوطے کی طرح شروع ہو گئی۔ وہ اسے اس اسلام کے بارے میں بتانے لگی۔ جس کے اصول وضوابط نئے زمانے کے لبرلز نے اپنی منشاء کے حساب سے ترتیب دے دیے تھے۔ لبرلز......یعنی منافق، مفاد پرست۔

اور موسیٰ بغور سن رہا تھا۔

"میں نماز روزے و دیگر اعمال سے منع نہیں کرتی......اللہ توبہ۔" اس نے جھرجھری لی۔ اسے کیا اللہ کو منہ نہیں دکھانا تھا۔ "نماز تو فرض ہے موسیٰ! ہر حال میں......میں یہ نہیں کہہ رہی۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ عبادت کو اپنی ذات تک محدود رکھیں۔ ایسے کہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر اس کا اثر نہ پڑے۔ عبادت کی تشہیر

www.urdu...

کوتو لوگ دکھاوا کہتے ہیں۔ عبادت تو انسان کا اور اس کے اللہ کے بیچ کا معاملہ ہے۔"

"تمہید چھوڑو حسنل ...... تم مجھے دین کو جدیدیت سے ہم آہنگ کرنے کے بارے میں بتا رہی تھیں۔" وہ اسے الجھا رہی تھی۔ اس چیز کو بھانپتے ہی اس نے ٹوک دیا۔

ٹوکے جانے پر حسنل گڑبڑا گئی۔ بات وہیں آ کر رکتی تھی۔ وہ جو بھی چاہتی تھی اسے بیان کرنا مشکل تھا۔

"نئے دور کا من پسند اسلام ......؟" موسیٰ کی نظریں اس پر گڑی تھیں۔

"ہاں جیسے ......" وہ اچھلی۔ "جیسے عامر خان ......"

"عامر خان ...... کون عامر خان ......؟"

"عامر خان ...... آپ کا فیورٹ فلم اسٹار ......"

"اس کا یہاں کیا ذکر۔" وہ بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"اسی کا تو ذکر ہے موسیٰ ......!" وہ جوشیلے انداز سے یوں مسکرائی جیسے موسیٰ کی لاعلمی سے حظ اٹھا رہی ہو۔

"دیکھیے ......" وہ شروع ہوئی۔ وہ اسے عامر خان کے اسلام کے بارے میں بتانے لگی جس نے ایک طرف اپنی ماں کو حج کروایا۔ خود بھی کیا۔ علمائے دین سے ملاقاتیں اور دوسری طرف واپس لوٹ کر اپنی روٹین کی زندگی میں جت گیا۔ وہی فلمیں وہ سب جو وہ کرتا آیا تھا اور اب تک کر رہا ہے۔

حسنل نے اگلا نام شاہ رخ خان کا لیا۔ جو بہت جذب و عقیدت سے "کفار کے بیچ کھڑا ہو کر نصر من اللہ و فتح قریب پڑھ لیتا ہے۔ اسے دین کی سب خبر ہے۔

ان دو مثالوں کے بعد جیسے حسنل کی زبان پر لگا بند ٹوٹ گیا۔ اس کا ذہن اب تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے ابتدائیہ سوچ سمجھ کر کہا تھا۔ لیکن آگے کا بہاؤ فطری تھا۔

وہ اسے فیلڈ کے ان لوگوں کے نام فرداً فرداً گنوانے لگی۔ جو مذہب کو بہت طریقے سے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ وہ سب بھی تو مسلمان ہیں ناں۔

اور وہ لوگ جو رمضان کے مہینے میں ساری سرگرمیاں ترک کر کے مکہ مدینہ چلے جاتے ہیں (اور سال بھر کی عبادت کر آتے ہیں)

اور وہ لوگ بھی جو اپنے گھر میں عبادت کے لیے سبز روشنی والا عطر وغیرہ سے مہکتا پرے روم (عبادت کرنے کا مخصوص کمرہ) سیٹ کرواتے ہیں۔

جہاں غلاف کعبہ کا ٹکڑا شیشے کے ڈبے میں سب کی زیارت کے لیے رکھا گیا ہوتا ہے اور ...... خاک مدینہ ...... اور عجوہ کھجور کی گٹھلیوں کی تسبیح۔

اور وہ لوگ جو اپنے اپنے شعبوں میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ دین کی بھرپور معلومات بھی رکھتے ہیں۔ وہ آیات و احادیث کو نمبر و ثبوت کے ساتھ اپنی گفتگو میں اس مہارت سے شامل کرتے ہیں جیسے آٹے میں نمک گھلا ہوا ہوتا ہے۔

موسیٰ آج کے ماڈرن دور میں کنوئیں کا مینڈک کیوں بن رہا ہے۔ وہ بھی دوسروں کی طرح چلے۔

موسیٰ کو بھی ایسا مسلمان ہونا چاہیے ...... ہر فن مولا ......

اس نے ایک بار کہنا شروع کیا تو ساری ہچکچاہٹ جاتی رہی۔

اس نے موسیٰ کو انتہا پسندی سے باز رکھنے اور اپنے من پسند نئے ماڈرن اسلام کی تعلیم دینے کی بھرپور کوشش کی۔

اور موسیٰ تحیّر سے گنگ تھا۔ اور وہ دل کھول کر رکھ دینے کے بعد منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ ابھی آگے بڑھے گا اور اس کے ہاتھوں پر بیعت کرے گا۔

"آج کے زمانے میں جب ہم نے اپنی زندگی کو آج کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر لیا ہے تو دین

کو بھی جدیدیت کی ضرورت ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں ناں میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

"تم غلط ہو حسنل ......!" وہ بے تابانہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ حسنل غیر محسوس طور پر پیچھے کو سرکی۔

"کچھ عرصے پہلے تک تم یہ سب کہتیں تو میں آنکھ بند کر کے تمہارے پیچھے چل پڑتا۔ مگر آج ...... ابھی ...... اس وقت ...... نہیں۔"

"کیا مطلب ......؟" وہ چہرہ اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔

"تم دین کی غلط تشریح کر رہی ہو۔ دین یہ نہیں ہے۔ جسے تم عبادت کا نیا چلن کہہ رہی ہو۔ وہ دراصل ایک دھوکا ہے جو ہم دنیا کو دے رہے ہیں۔ اللہ کو دینا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ضمیر کو سلا کر خود دے رہے ہیں۔ جیسے اپنے غلط اعمال کو مجبوریوں کا نام دے دیتے ہیں۔ دین یہ نہیں ہے جو تم بتا رہی ہو۔ دین کی راہ پر چلنا ہے تو ناک کی سیدھ میں چلنا ہے۔ میں ابھی زیادہ نہیں جانتا مگر ......" موسیٰ کی آواز بھر آنے لگی۔

"مسلمان یا تو ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے۔ یہ وہ دین ہے جسے پورا کا پورا اپنانا پڑتا ہے۔ میں نے ابھی تک یہی ایک چیز تو سمجھی ہے۔

اسلام اللہ اور اس کے نبی کو اپنا لینے کا نام ہے۔ یعنی ان کے بتائے راستے پر آنکھ بند کر کے اتنا چلنا کہ منزل خود بخود سامنے آ جائے۔

اور جو تم کہہ رہی ہو ...... وہ اسلام نہیں ہے۔

ایک بات بتاؤ ......" اس نے اسے بازو سے تھام کر بزور کھڑا کر لیا۔

"تم ہمیشہ سے ایسی تھیں ...... یا بعد میں ...... ایسی ہو گئیں۔" ساتھ ہی اس نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا کر کھڑی ہوئی۔

"نہیں ...... تم ہمیشہ سے ایسی ہی ہو گی۔ مجھے پتا لگ گیا۔" وہ زور زور سے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔ "تم ایسی ہی تھیں ہنی ...... ورنہ تم جس خاندان سے تھیں۔ تمہیں مجھ سے عشق ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔

اور چلو عشق کو مان بھی لوں ...... تو تمہیں اتنا نہیں بدلنا چاہیے تھا جتنا کہ تم نے خود کو بدل لیا۔ تمہاری جگہ میری بیوی ایک بے دین عورت ہوتی تو اسے سمجھانا آسان ہوتا۔ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ تم تو جانتے بوجھتے ہوئے حسنل ...... اپنی مرضی کے مطالب نکالے بیٹھی ہو۔ تم اڑی ہوئی ہو حسنل۔

میں نے ابھی قرآن پڑھنا شروع کیا ہے۔ ہر جملے پر اٹک جاتا ہوں۔ وہاں کچھ دلوں کا ذکر ہے۔ جن پر مہر لگا دی گئی ہے۔ حسنل! وہ تمہارا ذکر ہے۔ اب میری سمجھ میں آ گیا اس آیت کا مطلب ...... لیکن میں تمہیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا ہنی ...... میں تمہاری اصلاح کی کوشش کروں گا۔ بہت کچھ ہونے کے باوجود میرے دل میں تمہارے لیے محبت موجود ہے ہنی!"

بہت عجیب سے تیز تیز وحشت زدہ لہجے میں اپنے ارادے ظاہر کرتے کرتے اس نے وہ سچ کہہ دیا۔ جس سے شاید وہ واقف نہیں تھا۔ پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

وہ کتنا بے کس و مجبور دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے ہزاروں بار اس سے اظہار محبت کیا تھا۔ ایسے ایسے دل موہ لینے والے دلفریب طریقے ...... جلوت میں بھی ...... اور خلوت میں بھی۔

مگر یہ جو ابھی کہا۔ اس سے بڑھ کر شاید ہی کبھی کہا ہو۔ اس نے بھی حسنل کو اتنے جذب سے سوچا ہو۔

اب تک اس نے صرف جملے کہے تھے۔ جو مٹائے بھی جا سکتے تھے۔ اور بھلائے بھی ...... مگر اب جو یہ درد تھا لہجے میں ...... چونکہ ...... جو غم لاحق ہوا تھا اسے حسنل کے انجام کا ...... تو یہ جو اظہار محبت تھا۔ یہ سب سے بڑھ کر تھا۔ سب سے سچا جو غم میں کہا گیا جو فکر میں پڑ کر کہا گیا تھا۔ اس میں جو بے ساختگی تھی۔

☆☆☆

اس صبح دونوں نے ایک دوسرے کو حیران کر دینے کی قسم کھالی تھی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ کہ زیادہ حیرت کسے ہوئی یا زیادہ دکھ ......

www.urdugem.com

موسیٰ نے اسے نک سک سے درست کہیں جانے کے لیے تیار دیکھا۔ وہ میڈ کو ہدایات دے رہی تھی کہ ایملنے کے لیے آج کیا کیا کرنا ہے۔ اسے شام ہو جائے گی بہت ضروری کام ہے۔ کام کا پتا بھی چل گیا۔ وہ کھانے کی میز پر بیٹھ کر اپنے فون پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ یک طرفہ گفتگو موسیٰ کے کانوں میں پڑی۔ اس نے بری طرح چونک کر حسنل کی شکل دیکھی۔ کیا وہ واقعی یہ سب کہہ رہی تھی۔ حسنل چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے جیسے بے دھیانی میں موسیٰ کو دیکھ رہی تھی۔ (اس نے جان بوجھ کر یہ انداز اختیار کیا تھا)

''یہ پاکستان کی سب سے میگا بجٹ فلم ہوگی زہیر صاحب.....! آپ اس کے لیے فکر مند نہ ہوں' مجھے ہر چیز بیسٹ چاہیے کسی بھی قیمت پر.....''

موسیٰ نے اپنی حیرت نہیں چھپائی۔ تو یہ اثر لیا تھا اس نے رات دیے گئے سبق کا۔ موسیٰ نے اپنے چہرے پر آنے والے شدید دکھ اور صدمے کو بھی چھپانا فضول سمجھا۔

وہ ناشتے سے ہاتھ روک کر حسنل کا حرف حرف بغور سن رہا تھا۔ کال ختم ہونے پر حسنل اسے دیکھ کر بہت نارمل انداز میں مسکرائی اور بھنویں اچکا کر اسے ناشتہ کرنے کا اشارہ بھی کیا تھا۔ موسیٰ نے آنکھ کے حزن کو پلکیں جھپک کر مدہم کرنا چاہا۔ اور ناشتے پر جھک گیا۔

حسنل نے بے چینی سے اسے دیکھا۔ وہ موسیٰ کے کیوں کے لیے بہت زبردست جواب تیار کر کے لائی تھی۔ رات تو وہ اسے راہ راست پر لانے کے لیے محنت کرنے پر تیار تھا۔ اور ابھی ایسی ٹھس مسکراہٹ..... چل کیا رہا ہے اس کے دماغ میں..... حسنل کو اندازہ نہیں تھا وہ سلائس کو بہت جارحانہ انداز میں چبا رہی تھی۔ دونوں کے بیچ خاموشی کو فون کی بیل نے توڑا۔ موسیٰ کا فون بج رہا تھا۔ موسیٰ نے فون کو کچھ دیر تک گھورنے کے بعد اٹھایا۔ مگر نمبر دیکھتے ہی وہ الرٹ ہوا تھا۔ اس کے لہجے میں بشاشت اور مضبوطی تھی۔ کوئی نہیں مان سکتا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے کیسی ذہنی اذیت سے دوچار ہوا تھا۔ بلکہ اب بھی تھا۔

''ہاں آپ نے سچ سنا ہے۔ میں سب کچھ ختم کر رہا ہوں۔''

حسنل چونکی..... ''سب کچھ..... کیا کچھ؟؟؟ وہ کس بارے میں بات کر رہا تھا؟؟''

''ہاں میں نے پارٹنر شپ ختم کر دی ہے۔ پروڈکشن ہاؤس اور اس سے متعلق ساری چیزیں..... سب آپ لے سکتے ہیں۔ کسی لکھا پڑھی کی ضرورت ہو تو آپ کاغذات تیار کرا لیں۔ میں سائن کر دوں گا۔''

حسنل بوکھلا کر کھڑی ہوئی تو ہاتھ لگنے سے گلاس اوندھا ہو گیا۔ اور کپ پر گرا۔ چیخ کی آواز سے پرچ دو ٹکڑے ہوئی تھی۔ پیندے میں پڑی چائے کے چھینٹے حسنل کے لباس پر گرے اور میز کی سطح پر بہہ گئے۔ مگر اسے ہوش نہیں تھا۔

''کیا کر رہے ہیں آپ موسیٰ؟'' وہ آواز دبا کر چلائی تھی۔

موسیٰ نے اسے گھور کر دیکھا اور اشارہ دیا کہ وہ چپ رہے۔ نظر نہیں آ رہا کہ وہ بات کر رہا ہے۔ ساتھ ہی وہ کرسی کھسکا تا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اب کامن کی طرف جاتا محو گفتگو تھا۔ حسنل جہاں کی تہاں کھڑی تھی۔ موسیٰ کی باتوں سے پتا چل رہا تھا۔ یہ بات یہ فیصلہ کوئی اچانک نہیں ہوا۔ یہ کہانی تو بہت دن سے چل رہی تھی۔ اب تو جیسے فائنل تھا۔

''میں سمجھ رہا ہوں زیدی صاحب..... ہر چیز کا مطلب ہر چیز ہوتا ہے۔ ہاں جو پروجیکٹ جاری ہیں وہ بھی ..... جو پائپ لائن میں ہیں۔ سب کچھ..... میں ہر چیز سے دستبردار ہوں گا۔

میرا یا میری فیملی کا ان سب سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔'' موسیٰ کے لبوں پر مسکراہٹ اور لہجے میں خوش دلی کا رنگ نمایاں تھا۔

''آپ کھل کر کہیے..... جو بھی خدشات ہیں۔''

درمیان میں میز تھی اور موسیٰ کے عین سامنے

حسنل..... موسیٰ دوسری طرف کی بات بہت غور سے سن رہا تھا۔ بے خیالی میں اس کی نظریں ششدر کھڑی حسنل پر جم سی گئیں۔ مگر دھیان اس کا فون کال پر ہی تھا۔

''ارے نہیں.....'' اس نے بشاشت سے قہقہہ لگایا۔ ''میری ملکیت ہے ہر چیز..... ہر فیصلہ لینے کا اختیار بھی میرا ہے۔''

''اچھا ہنی.....'' اس کی بے خیال نگاہوں میں پہچان ابھری۔ وہ اب مسکرا کر ہنی کو دیکھ رہا تھا۔ ''آپ نے اسے مجھ سے الگ کیسے سوچ لیا۔ بیوی ہے وہ میری..... ہماری سوچیں بھی ایک ہیں۔ جو میں کہوں گا وہ بھی یہی کہیں گی۔ وہ کچھ الگ سوچیں گی یا چاہیں گی۔ ہاہاہا.....''

حسنل پر قصداً جمائی نظروں کو اس نے پھیر لیا تھا۔ وہ اب ایک گھٹنے پر رکھے دوسرے پاؤں کو ہاتھ سے سہلا رہا تھا۔

اس نے چار جملوں میں اس کی اوقات دنیا کو دکھا دی تھی۔ حسنل کے پرفیکٹ کرنے کا اس سے کارگر طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں ابلی پڑی تھیں۔ اور رنگ سفید ہو گیا تھا۔

ایسا تو حسنل نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا وہ ایسے پیروں سے زمین کھینچ سکتا ہے۔ من ہی من وہ پُریقین تھی کہ شوق اترے گا تو وہ لوٹ آئے گا۔ اپنے اصل روپ میں..... مگر موسیٰ نے تو فساد کی جڑ ہی کو اکھیڑ ڈالا۔

آج کے دن کی ضروری کالز کا سلسلہ تمام ہوا۔ وہ حسنل کے پاس سے مسکراتا ہوا گزرا تھا

★★★

شہزاد اکیلی نہیں تھی۔ جب افتاں و خیزاں حسنل اس سے ملنے پہنچی۔ سردی کی مناسبت سے کافی اور ڈرائی فروٹس کی پلیٹ درمیان میں رکھے وہ ڈائریکٹر سومرو کے ساتھ موسم انجوائے کر رہی تھی۔

''تم کہو ہنی..... تمہیں جو کہنا ہے۔ یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔'' شہزاد نے نشیلے لہجے میں اسے اپنے برابر بیٹھنے کا شرف بخشا بلکہ اپنی ٹانگوں پر رکھی شال بھی اس کی ٹانگوں پر پھیلاتے ہوئے ملازم لڑکے سے کافی لانے کا کہا۔

حسنل نے وزدیدہ نگاہوں سے سومرو کو دیکھا۔ شہزاد اور وہ آج کل افواہوں کی زد میں تھے۔ ورکنگ ریلیشن شپ' دوستی..... میں بدل چکا تھا اور دوستی اس مقام تک آ گئی کہ وہ شہزاد کے گھر میں اس استحقاق سے براجمان تھا جیسے اس کا گھر ہو۔ حسنل نے سر جھٹکا سومرو اس سے مخاطب تھا۔

''آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں ہنی..... کیا ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں؟''

''میری مدد کوئی نہیں کر سکتا۔''

''اب کیا ہوا ہنی.....؟ موسیٰ تو ٹھیک ہے ناں.....!'' شہزاد کے لہجے میں فکر عود کر آئی۔ حسنل کا تو دھیان نہیں تھا۔ مگر سومرو نے بغور دیکھا تھا اسے۔

''وہ کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہو چکے ہیں.....'' حسنل نے بمشکل جملہ مکمل کر کے سر پکڑ لیا اللہ..... چھت کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے گردن جھکا لی

''شہر..... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔'' اگلے ہی پل اس نے شہزاد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''وہ سب کچھ چھوڑ رہے ہیں۔'' شہزاد کی نظریں سومرو کی سمت اٹھیں۔

دونوں کو ایک منٹ لگا حسنل کے جملے کا مطلب سمجھنے میں۔

''میرے پروجیکٹس شہر..... میں کتنا کام کر رہی ہوں ..... کتنی محنت..... اف! آپ کو پتا ہے ناں..... جب یہ سب ہو گا ہی نہیں تو میں کیا کروں گی۔ کیسے کروں گی۔ اس طرح تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اوگاڈ۔ آج شام تک اگر سب ختم ہو جاتا ہے۔ تو میں گھر پر بیٹھی ہوں۔ پروڈکشن ہاؤس تو میری طاقت ہے۔ میری پہچان ہے۔ جب وہ نہیں ہو گا تو میری کیا اوقات ہو گی۔''

''تمہیں یہ سب اپنے نام لگوانا چاہیے تھا۔''

www.urdugem.com

"مجھے کیا پتا تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"ہاں......!" سومرو کی سرد آہ جیسی ہاں پر دونوں متوجہ ہوئیں۔

"ہمارے معاشرے کا المیہ ہے یہ......عورتیں گھر کی دیوار پر کندہ اپنے نام سے خوش ہو جاتی ہیں قصر جہاں آرا......قصر ناز......کاغذوں میں وہ میاں کے نام ہی ہوتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرے ساتھ یہی ہو گیا۔"

"اسے ڈس ہارٹ مت کرو سومرو۔" شہزاد نے ناز بھرے انداز سے ٹوکا۔

"تم موسیٰ کو سمجھا تیں ہنی......"

"کیا اس بات کی گنجائش ہے؟ میں نے ساری کوششیں کر لیں۔" اس نے اپنی کوششوں کی بابت بتانا شروع کیا۔ وہی جو اس نے اسے انتہا پسندی سے باز رکھنے اور نئے ماڈرن اسلام کی تعلیم دینے کی کوشش کی تھی۔

"ویری ٹرو ہنی......تم نے بالکل ٹھیک کیا۔" شہزاد نے عقیدت بھرے انداز میں اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"دیکھو......دین انسان کی زندگی کا لازمی حصہ ہے اور ماشاءاللہ ہم مسلمان ہیں الحمدللہ......" اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور جذب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"مگر میں بھی یہ سمجھتی ہوں کہ آج کے زمانے میں سروائیو کرنے کے لیے دین کو بہت طریقے سے اپنانا پڑے گا۔"

اس نے وہی بات کہی جو رات حسنل نے موسیٰ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ شہزاد نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ مگر وہ بھی اسی مکتبہ فکر کی ماننے والی تھی۔ جو یہ سمجھتا تھا۔ جس کو اسلام کی جتنی ضرورت ہے وہ لے لے۔

سومرو نے چونک کر دیکھا۔ یہ سچ تھا۔ وہ عید کی نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ مگر اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر تھا۔ وہ اس کے علاوہ اور کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی آرزو تھی کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔ اسے بھولے بھٹکے یہ خیال بھی آتا تھا کہ وہ جیسی زندگی گزار رہا ہے وہ ایک مسلمان کی زندگی نہیں ہے۔

اسے موسیٰ پر حیرت تھی۔ مگر لاشعور میں اس کے لیے ایسی عقیدت موجود تھی جس سے وہ شعور میں آ کر واقف نہیں تھا۔

اور صرف وہی ایک نہیں......موسیٰ پر حیران ہونے والے......موسیٰ پر تنقید کرنے والے بھی لاشعوری طور پر اس پر رشک کرتے تھے۔ کاش وہ بھی ایسے بدل سکتے۔ مگر اگلے ہی لمحے جھرجھری لیتے اللہ نہ کرے جو وہ بدل جائیں۔ بہت مشکل ہوتی ہے ایسی زندگی ہاں جسے اللہ توفیق دے۔ دل سے سچ جاننے کے بعد بھی خود کے لیے اس توفیق کی دعا نہیں کرتے۔

تو سومرو ان دونوں عورتوں کے خیالات پر چونکا تھا۔ اسے فوراً خیال آیا۔ اگر یہ باتیں عام ہو جائیں تو دونوں پر حد لگے گی۔

یا یہ کہ ایسے خیالات رکھنے سے اسلام سے خارج بھی تو ہو سکتے ہیں۔

"موسیٰ اسی پر بس نہیں کرے گا ہنی......وہ اتنا ریلیکس اسی لیے تھا کہ وہ طے کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح تم کچھ بھی نہیں کر پاؤ گی۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر کھیلا ہے ڈیر۔"

"میں اپنے خواب ایسے نہیں چھوڑ سکتی شہر......!" وہ کرلائی۔ "کچھ کریں کچھ سوچیے......میں آپ کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں جا سکتی۔ آپ سمجھائیں اسے......وہ یہ سب نہ کرے۔"

"وہ سمجھنے کی حد سے تو کب کا گزر چکا ہنی......!" شہر کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

(وہ بہت ایمان دار ہے۔ جو طے کر لیتا ہے۔ پھر اس سے ایک انچ نہیں سرکتا۔ یہ مجھ سے بہتر اور کون سمجھ سکتا ہے جب اس نے ایک بار طے کر لیا کہ تم ہو......تو وہ تم تک ہی رہا۔ اس نے میرے بارے میں نہیں طے کیا اور ہمیشہ اس انکار پر قائم رہا۔ وہ

لٹ کر دیکھنے والا نہیں ہے......)

"تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ میں ایسے ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہوں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ میں اپنے خوابوں سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔"

"تو کیا کرو گی......موسیٰ کے مخالف کھڑی ہو گی؟"

"ہاں......" وہ ڈٹ کر بولی۔

"کیسے۔" شہزاد کا لہجہ پرسکون تھا۔

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ بے بس ہو گئی۔

"ایک آئیڈیا ہے۔" شہزاد کی بھنویں سکڑیں ہنی نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا؟" وہ بے تاب نظر آنے لگی۔

"دینے دو......جو موسیٰ دان کر رہا ہے، اسے تم خرید لو۔"

"میں خرید لوں، میں کیسے......؟"

"ہاں تم......" شہر کی آواز جیسے کہیں دور سے آ رہی تھی۔ جیسے وہ حاضر ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر ہو۔

بہت سال پہلے اس نے ان دونوں کو جدا کر دینے کا عہد کیا تھا۔ مگر بہت چاہ کے باوجود وہ یہ کر نہ سکی۔ تو اس بار تو موقع خود حاضر ہو گیا تھا۔

اس نے طے کیا تھا۔ وہ دوست بن کر وار کرے گی۔ سو اس نے کر دیا۔

☆☆☆

"اس طرح تو ان دونوں کے درمیان فاصلے بڑھ جائیں گے شہزاد......اختلافات کسی بھیانک انجام سے دوچار کر دیں گے۔" سومرو حیران تھا۔

"میں نے تو اس بے چاری کو ایک حل دیا ہے۔"

"تم نے اسے خریدار بننے کے تمام طریقے بھی سمجھائے۔ اس نے کہا کہ......" "اس کے پاس اتنا بڑا اماؤنٹ نہیں ہے۔"

"ہاں تو میں نے قرض دینے کی ہامی بھری ناں۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"ہر ممکن مدد......میں جھوٹا وعدہ نہیں کرتی۔ تم سے بڑھ کر کون گواہ ہو گا۔ تم سے کہا تھا ناں......میں تمہارے ڈرامے میں کام کروں گی۔ تو پوری بیسٹ ٹیم بھاگی آئے گی اور تم کامیاب ہو گے۔ ہو گئے ناں......آج تمہارے پاس وقت نہیں ہے کام کرنے کے لیے۔ ہم تو دوستوں کے دوست ہیں بھئی......" وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"تم موسیٰ کو پسند کرتی تھیں ناں......؟"

"تھی......؟" وہ سیدھی ہوئی۔ "اب بھی کرتی ہوں......پتا ہے سومرو......! اگر وہ اس طرح سے مجھے بدل جانے کو کہتا ناں تو میں یکسر بدل جاتی۔ وہ جو کہتا آنکھ بند کر کے مان جاتی......مگر......آہ۔"

"مگر اس نے تمہیں کہا نہیں......ہے ناں؟" سومرو نے اس کا ادھورا جملہ مکمل کر دیا۔

"آہ سومرو......تم اتنے صاف گو تو نہیں تھے کبھی......" اس نے گردن صوفے پر ڈال دی۔

"تم اس امید میں تو نہیں ہو کہ حسنل راستے سے ہٹے گی تو تمہارا راستہ صاف ہو گا۔"

"میں اب کسی امید میں نہیں ہوں سومرو ڈیر......پچاس سال کی عمر کے بعد میں امید سے ہو بھی کیسے سکتی ہوں......ہاہاہا۔" وہ ہنسنے لگی۔

"تو پھر اس سب سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟"

سومرو کو لگا وہ پاگل ہونے لگا ہے۔

"کچھ نہیں......"

وہ بے پناہ سنجیدہ ہو گئی۔ پھر دونوں کے بیچ خاموشی کا طویل وقفہ در آیا۔ جس میں سومرو منتظر نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا جبکہ وہ گہری سوچ میں غرق ہو گئی تھی۔

"تمہیں نمرود کی دہکائی آگ کا قصہ یاد ہے، وہ اتنی بلند آگ تھی کہ شعلے آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اتنے دن اور اتنی راتوں تک آگ کو تیار کیا گیا۔ ایک چھپکلی کو پتا لگا تو وہ بھاگی گئی۔ کسی نے پوچھا کہ تو کیوں جاتی ہے تو کہنے لگی آگ میں پھونکیں ماروں گی۔ تاکہ شعلے اور بھڑکیں بتاؤ بھلا اس کی پھونکوں کی ضرورت تھی بھلا......بس مجھے لگتا ہے میں

www.urdugem.com

وہی چھپکلی ہوں۔ پھونک مارنا چاہتی ہوں۔ آگ تو کب کی بھڑک چکی ہے۔ میری پھونکوں کی ضرورت رہتی نہیں ہے۔ مگر ایسا کر کے میرا دل ضرور ٹھنڈا ہو گا۔ زندگی میں کوئی خوشی نہیں ملی...... میں خوش ہونا چاہتی ہوں سومرو۔"

"تم اپنے لیے اتنی عجیب مثال کیسے دے سکتی ہو ڈیئر......" سومرو نے خود کو بہت بے آرام محسوس کیا۔ اس نے خود کو کس کر یہ مخلوق سے تشبیہہ دے دی تھی۔

"ہاہا...... ہاہا۔" شہرزاد پہلے چونکی پھر فلک شگاف قہقہے لگانے لگی۔

"اف...... تم...... ارے بابا...... تم نے کبھی میرا دھلا ہوا منہ نہیں دیکھا...... ہاہا جب ہی ایسے کہہ رہے ہو۔

کچھ نہیں بچا سومرو...... عمارت جتنی بھی خوب صورت ہو، سمے کا چکر اسے کھنڈر میں تبدیل کر دیتا ہے۔" اس کی ہنسی میں نمی کا عنصر غالب آ گیا۔ آنکھ بھی چھلک اٹھی۔

"تمہیں پتا ہے، میں زندگی کے کس مقام پر کھڑی ہوں؟" کبھی ڈوبتے سورج کو دیکھا ہے۔ وہ غروب ہونے سے پہلے سرخ ہو جاتا ہے۔ اور بے پناہ خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ مجھ پر ایسا ہی سرخ [illegible] پانی میں بدلنے والی [illegible] وہ رونا شروع ہو گئی۔ سومرو گھبرا کر اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"حسن المآب ناشکری عورت ہے۔ وہ مجھے بدلنے کو کہتا ایک بار...... صرف ایک بار۔ پتا ہے پھر میں کیسی بدلتی......"

جیسے دریا رخ بدلتے ہیں۔
جیسے موجیں پلٹتی ہیں۔
جیسے کسی کو نیا جنم مل جائے
مگر...... مجھے کسی نے کہا ہی نہیں......"

وہ اب با آواز بلند رو رہی تھی۔ اور سومرو ہکا بکا بیٹھا تھا۔ گرگٹ نے بلا جواز بدنامی بٹوری۔ رنگ بدلنے ہیں انسان سے بڑھ کر اور دوسری کوئی مخلوق نہیں۔

☆☆☆

موسیٰ زیدی صاحب کی ناراض کال کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ وہ اتنے خفا تھے کہ موسیٰ کا ایک بھی لفظ سنے بغیر اپنی سنا کر فون بند کر دیا۔ دوسری کال جے کے کی تھی۔ وہ پروڈکشن ہاؤس کے حوالے سے کچھ کہہ رہا تھا۔ موسیٰ اسے کہنا چاہتا تھا کہ اس سے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔

کچھ مسئلہ تھا مگر کیا......؟ اس نے پیشانی مسلی۔ اس کا دل چاہا وہ ہنی سے بات کرے، مگر کیا بات...... اس دن سے اب تک ان کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس دن سے وہ گھر میں تھی۔ چلو اتنا تو اس کا حق ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی وہ چند دن گزرتے اٹس اوکے...... ہاں وہ اندر سے تھوڑا گلٹی تھا۔ اس نے واقعی حسنل کو دھکا پہنچایا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کچھ سوجھ بھی تو نہیں رہا تھا ناں...... لیکن کچھ وقت گزرتا۔ وہ اسے پیار سے سمجھا سکتا تھا یا وہ خود ریلائز کر لیتی۔

یا دونوں کام نہ ہوتے تب بھی وہ اور کیا کر سکتی تھی۔ موسیٰ ایسے جبر کا قائل نہیں تھا لیکن اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

اور یہ جو پروڈکشن ہاؤس کے حوالے سے کالز آ رہی تھیں۔ یہ کیوں...... اب اس کا کوئی تعلق نہیں تھا ان سب سے...... تو پھر۔

آج جمعہ تھا اس دن حسنل ایمانے کو اسکول سے پک کرتی تھی۔ اس نے حسنل کی گاڑی کو نکلتے اور دوسری طرف سے شہرزاد کی گاڑی کو آتے دیکھا۔ اسے یاد آیا...... مذہب میں اس دوستی کی کہیں گنجائش نہیں تھی۔ جو وہ اتنے سال سے نباہ رہا تھا۔ سو آج وہ شہرزاد سے اس بارے میں بات کرے گا۔ اور اسے یقین تھا وہ بہت تکلیف محسوس کرنے کے باوجود اس کی بات مان لے گی۔ موسیٰ دفعتاً چونکا ہاں وہ حسنل کے بارے میں ایسا یقین نہیں رکھ سکا۔ کتنی عجیب بات تھی جو اسے ابھی ابھی پتا لگی۔ اور جی بھر کے دکھی کر گئی تھی۔ ساتھ ہی اس پر ایک اور متوقع دکھ کا ادراک ہوا۔ تو آج کے بعد "یہ دوستی" بھی نہیں رہے گی۔ اور یہ کہنا مشکل ہو گا۔ لیکن کہنا تو ہے موسیٰ۔ وہ ایک اچھے میزبان کی طرح بیٹھ گیا۔ مگر اس کے انداز میں بے تکلفی نہیں تھی۔ وہ بہت سنبھل کر سمٹ کر بیٹھا تھا۔ مگر یہ کیا شہرزاد تو پہلے ہی خفا لگتی تھی۔ وہ باقاعدہ منہ پھیرے ہمکلام تھی۔

"تم نے یہ سب اپنے نام ہی رکھنا تھا موسیٰ...... تو اتنا شور کس لیے...... گھر کی بات گھر ہی میں طے ہو جاتی۔ ساری دنیا میں شور مچا ہے کہ موسیٰ سب کچھ چھوڑ رہا ہے اور موسیٰ...... تم نے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا اس سب کا کیا مقصد تھا...... کم از کم مجھے تو سمجھاؤ۔"

"کون سی بات...... میں نے کیا کیا شہر......؟"

وہ الجھ کر پوچھنے لگا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو۔ جیسے جانتے ہی نہیں۔" اس نے گال پھلایا۔

"میں واقعی نہیں جانتا۔ تم کھل کر بات کرو گی؟"

"میں نے تم سے کہا تھا موسیٰ کہ میں خریدنا چاہتی ہوں۔ مگر میرے پاس فی الوقت اتنا اماؤنٹ نہیں......"

"ہاں اور میں نے تم سے کہا تھا تم ایسے بھی لے سکتی ہو۔" موسیٰ نے کہا۔

"لفاظی مت کرو موسیٰ۔" وہ ناگواری سے بولی۔ "میں اس سارے گیم کو سمجھ ہی نہیں پا رہی۔ تمہیں یہ سب ہنی کے نام کرنا تھا۔ تو سائن ہی کرنے تھے۔ اور سب ہنی کا ہو جاتا...... اور تمہارا تو رہتا ہی...... اس میں یہ بیچنے خریدنے کا سین ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تم پر کوئی پریشر تھا۔ یا پھر تم ان چیزوں سے دست بردار بھی نہیں ہونا چاہتے تھے اور یہ بھی شو کرنا تھا کہ تم ان سب سے پیچھا چھڑا چکے ہو۔"

پچھلے تین سال سے شہرزاد بیسٹ ایکٹریس کا ایوارڈ ایسے ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ واقعی تھی۔ کیا خفا انداز اور انداز تفتیش تھا۔ خوب۔

"ہنی کا بیچ میں کیا ذکر...... میں نے کچھ نہیں کیا اس کے نام......" وہ کڑے انداز سے بولا۔

"ہاں...... میں غلط بول گئی۔ تم نے اس کے نام کچھ نہیں کیا۔ تم نے تو بیچا ہے اسے۔" وہ طنز و دکھ کی آمیزش سے بولی۔

"میں نے۔" موسیٰ نے شہادت کی انگلی اپنے سینے پر جما کر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"میں نے...... کیا بیچا ہے۔ نہیں...... میں نے ہنی کو کچھ نہیں بیچا ہے۔"

"کیا تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔ تمہاری سیل کی گئی ہر چیز کی خریدار ہنی نہیں ہے؟"

"نہیں ہے۔" اسے اب جا کر سارا قصہ سمجھ میں آیا تو ساتھ ہی یقین سے تردید کر دی۔

"ہاہ......" شہرزاد نے استہزائیہ انداز سے گردن کو جھٹکا۔ جیسے اب وہ نہیں کرنے کی یقین...... "میں سمجھ سکتی ہوں موسیٰ...... تم بہت اچھی راہ پر چل پڑے ہو۔ مگر اس طرح سب چیزوں سے دست بردار ہونا بہت مشکل ہے۔ وہ چیزیں جو تمہارے دل سے اتنی قریب ہیں۔ جن سے تمہیں اتنی محبت تھی۔ اور جوا تناپے فل ہے۔" وہ بہت دردمند لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"یہ سچ نہیں ہے شہر......!" موسیٰ کی آواز بلند ہو گئی۔

"میں جھوٹ نہیں بولتی موسیٰ......!" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "تم تصدیق کر سکتے ہو۔ سب ہنس رہے ہیں۔ تمہارا مذاق بن رہا ہے موسیٰ...... سب کہہ رہے ہیں۔ کہنا آسان ہوتا ہے مگر پریکٹیکلی یہ سب کرنا۔ نو نو نو...... موسیٰ کا نام نہیں ہو گا۔ گناہ ہنی کے رجسٹر میں...... اور اماؤنٹ موسیٰ کے بینک میں۔ خفا مت ہو جب ہر چیز کی خریدار تمہاری خود کی بیوی ہو گی۔ تو تبصرے اور کیا ہوں گے۔"

☆☆☆

آرام دہ کرسی پر بہت پرسکون حالت میں نیم

UrduGem.com
Urdu Novels, Books and Much More
www.urdugem.com

دراز یہ موسیٰ تھا۔ اس کے بائیں جانب شیشے کی چھت تک جڑی دیوار تھی۔ دیوار کے اس پار گیلری..... اور سامنے جھاگ اڑاتا سمندر۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گیلری میں آ گیا۔ اور سنہری ریلنگ پر ہاتھ ٹکا کر سمندر کے دوسرے کنارے کو ڈھونڈنے لگا۔ چڑھے دن میں یہ بھی ممکن نہیں ہوتا تھا۔ آسمان کا سرا اور سمندر کی حد آپس میں ایسے مدغم ہو جاتیں کہ نظر کے لیے طے کرنا مشکل ہو جاتا۔ کون سی چیز کہاں ختم ہو رہی ہے۔

کھٹکے کی آواز پر وہ گھوما..... یہ عبدالمبین تھا۔ مسکراتا چہرہ..... وہ اس سے بغل گیر ہو گیا۔ اب وہ دونوں ریلنگ پر ہاتھ جمائے سمندر کے کنارے کو کھوج رہے تھے۔ دور بہت دور شائبہ لگتی چند لانچیں..... اور آسمان پر اُڑتے پرندے..... اور نم آلود ہوا کے ساتھ کائی کی مہک..... موسیٰ کا یہ فلیٹ جس سائڈ پر تھا وہاں عام طور پر آمد و رفت نہیں تھی۔ خاموشی، ہوا اور جھاگ کی نمکین خوشبو..... کبھی کبھار تو ہونٹوں پر زبان پھیرنے سے نمک حلق کے اندر تک محسوس ہونے لگتا ہے۔

موسیٰ نے اس وقت بھی اپنے حلق میں ابھرتے نمک کو سمندر کا نمک سمجھا۔ جبکہ وہ نہیں تھا۔ یہ آنسو تھے جو دل میں گرتے تھے کڑوے کڑوے سے.....

"دو سال کم مدت نہیں ہے موسیٰ.....!" عبدالمبین نے اس کی سمت دیکھے بغیر کہا۔

"ہاں دو سال آتے ہوں تو بہت دور لگتے ہیں۔ اور گزر جائیں تو کل کی بات....."

"مجھے نہیں لگتا کہ یہ مثال آپ پر صادق آتی ہے کہ آپ کے لیے یہ گزرے دو سال واقعی چٹکی بجا کر گزر گئے۔" عبدالمبین نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ ذرا توقف سے بولا۔ "یہ دو سال مجھے چٹکی کی طرح مسل گئے۔" وہ اضمحلال سے بولا۔

"تو ایسا کب تک چلے گا؟"

"پتا نہیں....." وہ پرندوں کے غول کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔" عبدالمبین نے دس بار کی کہی بات کو دہرایا۔

موسیٰ گھوم گیا۔ اب اس کی کمر ریلنگ سے لگی تھی۔ اور نگاہیں عبدالمبین کے چہرے پر.....

"تو کیا انہیں گھر سے نکال دیتا۔ اس نے اپنی زبان ایمانے کے منہ میں دے دی تھی۔

"آپ ہمیں گھر سے نکال رہے ہیں پاپا!" اس نے من و عن اسی لہجے و انداز میں دہرایا۔ یہ "تو میرا گھر ہے، یہ ناں پاپا..... میرا 'ماما کا آپ کا۔ اس لیے میں گھر سے نکل آیا۔"

"اور دو سال سے یہاں پڑے ہیں۔ آپ کو وہیں رہ کر اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔"

"میں نے کی تھی ..... مگر۔" وہ جز بز ہوا۔ کیوں چھیڑ دیا تھا عبدالمبین نے یہ موضوع۔

"آپ کی بیٹی کو آپ کی ضرورت ہے۔ وہ چاہتی ہے آپ اس کے ساتھ رہیں۔"

"میری اس سے ملنے کی روٹین میں ذرا فرق نہیں آیا۔"

"وہ آپ دونوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔"

"جو جو وہ کر رہی ہے۔ یا جس نہج پر وہ چل رہی ہے۔ میں اس راستے پر اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"آپ بھی تو ایک دم بھڑکے موسیٰ ورنہ بات اتنی نہ بگڑتی۔"

"کیا اس نے گنجائش رہنے دی تھی۔ اس نے ایمانے کو ہتھیار بنایا عبدالمبین!"

اس کے لہجے میں وہی دو سال پہلے کی بے یقینی اور دکھ اُمڈ آیا اور سمجھانے بجھانے کی ہر کوشش میں یہی جملہ عبدالمبین کی بولتی بند کر دیتا تھا۔

"کیا ہوا تھا دو سال پہلے..... ایسا کیا..... جس نے ان دونوں کے راستے الگ کر دیے تھے۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر ..... اسے چھوڑ کر..... اپنی بیٹی تک سے جدا ہو کر اس فلیٹ میں تن تنہا پڑا تھا۔

☆☆☆

شہزاد کا کہا حرف حرف سچ تھا۔ صرف ایک کال کر کے اس نے تصدیق کر لی۔ اصل خریدار من المآب ہی تھی۔ وہ غم و غصہ کی اس کیفیت میں تھا جس میں یا تو خود پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا لی جاتی ہے۔ یا پھر دوسرے کو.....

وہ زخمی خوں خوار شیر کی طرح ٹہل رہا تھا۔ جب حسنل، ایمانے کو لے کر گھر پہنچی۔ وہ یوں آگے بڑھا جیسے اس کی شہ رگ دبوچ لے گا۔ مگر تب ہی ایمانے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"پاپا.....!" وہ اس کے ہاتھ کو اپنے گال سے لگا کر چوم رہی تھی۔

جیسے کوئی جلتے چولہے کا بٹن بند کر دے۔ اس کی تپش ہنوز رہتی ہے مگر شعلے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس نے ایمانے کو گود میں بھر لیا۔ وہ تیز تیز لہجے میں اسے بہت ضروری بات بتا رہی تھی۔ وہ غائب دماغی سے سن رہا تھا۔ اس کی شرر بار نظریں حسنل پر جمی تھیں۔ جو ان دونوں کو نظر انداز کیے اپنے پیر کو صوفے پر رکھے۔ سب سے آخری انگلی کو تسل رہی تھی۔ نیا جوتا اسے کاٹ گیا تھا۔

"آپ میری بات غور سے نہیں سن رہے پاپا!" ایمانے نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کے پیالے میں بھر کے اس کا چہرہ اپنی سمت گھمایا۔

"آں..... ہاں..... نہیں، میں سن رہا ہوں۔" وہ اسے کمرے میں بھیج دینا چاہتا تھا۔ اس نے پُرشفقت انداز سے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر باری باری گال چومے۔

"باقی باتیں بعد میں..... رات کو..... ابھی آپ چینج کرو..... فریش کرو۔ ہاں۔" وہ اسے گود سے اتارنے لگا۔ اس نے اس کی پیشانی ایک بار پھر چومی۔

"یہ بال بہت بڑے ہو گئے ہیں پاپا.....!" ایمانے نے اس کی داڑھی مٹھی میں بھر لی۔ وہ چونکا پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"یہ بال نہیں ہیں۔ اسے داڑھی کہتے ہیں بیٹا.....!"

"آئی نو..... بٹ۔" وہ کچھ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔ "آپ اسے ری موو کر دیں پاپا!"

"ری موو .....!" دھڑام..... موسیٰ کے حواس مختل ہوئے۔

وہ بدقت بولا۔ "پاپا..... آپ اسے ہٹا دیں۔ مجھے آپ کا فیس (چہرہ) پورا نظر نہیں آتا۔ جیسے پہلے آتا تھا۔ آئی مین یور چک اینڈ چن....." (آپ کے گال اور ٹھوڑی)

"اس نے ایک بار پھر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کی پیالی میں بھر کر تنقیدی انداز سے دیکھا۔ موسیٰ کی انکی سانس ایسے نکلی جیسے پھانس۔

اس نے ایمانے کے دونوں ہاتھ اپنے ایک ہاتھ میں بند کر لیے۔ اسے جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس دوران حسنل کی ساری توجہ انگلی کی طرف تھی۔ وہ اسے سہلاتے ہوئے جیسے باپ بیٹی کی گفتگو سے نا آشنا تھی۔

"اسے اب ری موو نہیں کیا جا سکتا بے بی!" اس کا لہجہ مٹھاس لیے ہوئے تھا۔

ایمانے نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "تو آپ ایسے ہی رہیں گے ہمیشہ؟"

"ان شا اللہ بولو بیٹا.....!" موسیٰ نے پیر کا وزن بدلا۔ ایمانے بیگ سمیت اس کی گود میں تھی۔

"تو.....!" ایمانے کی الجھی نگاہیں ماں سے ٹکرا کر باپ سے ملیں۔

"میں کہہ رہی تھی پاپا.....!" اس نے شہادت کی انگلی ہونٹ پر جمائی۔ جیسے جو کہنا ہو وہ یاد نہیں آ رہا یا جملہ موزوں نہیں کر پا رہی۔

"ہاں.....!" ساتھ ہی وہ مچلی کہ اسے نیچے اتار دیا جائے۔ موسیٰ نے تعمیل کی۔ وہ اب سر جھکا کر ننھی پری کو دیکھ رہا تھا۔

"بس ..... آپ ایسے اچھے نہیں لگتا پاپا..... آپ۔" وہ پھر اٹک گئی۔

"آپ پہلے زیادہ اچھے لگتے تھے۔" ایمانے نے یوں کہا جیسے بم کی پن کھینچی ہو۔

www.urdugem.com

"ہے ناں ماما!" پھر بم پھٹ گیا۔ "آپ نے ایسے ہی بولنے کے لیے کہا تھا ناں۔"

موسیٰ کے پرخچے اُڑ گئے۔ حسنل کے چہرے کا رنگ بھی اُڑا۔ سب کچھ ویسے ہی ہوا تھا۔ جیسے اس نے سکھایا تھا۔ مگر.....!" اف اس نے دانت کچکچائے۔ اس نے سب کچھ ٹھیک کہنے کے بعد ماں سے اپنی بہترین کارکردگی کی تصدیق کیوں چاہی یہ کیا کیا اس نے..... حسنل کی عقل خبط تھی۔ مگر اتنے چھوٹے بچے تو ایسے ہی کرتے ہیں۔

حسنل سر پیٹ لینا چاہتی تھی۔ مگر اس سے پہلے موسیٰ نے اسے پیٹ ڈالا۔

"چٹاخ..... ایک..... چٹاخ..... دو اور چٹاخ تین..... یکے بعد دیگرے پڑنے والے تھپڑ تھے۔ حسنل کو سسکاری بھرنے کا موقع بھی نہ ملا۔ ایمانے نے چیخ ماری تھی اور وہ پہلے باپ کی ٹانگوں سے لپٹی اور پھر بھاگ کر حسنل کی ٹانگوں سے۔ اور اب وہ پھٹی آنکھوں سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں مگر وہاں منظر زندہ تھا۔ دوسری طرف وہ دونوں۔

"تم نے بچی کو....." وہ جملہ بھی مکمل نہ کر سکا۔

"ہاں....." وہ بے خوف تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس طرح اتنی معصوم بچی کو استعمال کرو گی۔" موسیٰ کا دل لی ٹانگوں سے گوند کی طرح چپکی ایمانے کی طرف ذرا بھی دھیان نہ تھا۔

"کوئی استعمال نہیں..... میری تو آپ نے ایک نہیں سنی۔ میں نے سوچا۔ شاید بچی کی بات کا اثر ہو جائے۔"

"میری گردن تو کٹ سکتی ہے حسن المآب مگر" اس سے جملہ بھی پورا نہ کیا گیا۔

"تو میرا کیا قصور ہے؟" وہ حلق کے بل چلائی۔ "مجھ سے نہیں ہضم ہو رہا یہ روپ، یہ حلیہ مجھے لگتا ہے میں نے دوسرا نکاح کر لیا ہے۔ اور یہ نیا رشتہ میرے اعصاب کا بوجھ ہے۔ میں اس قربت کو برداشت نہیں کر پا رہی موسیٰ..... میں....."

وہ نجانے کیا کہنا چاہتی تھی۔ وہی مشکل..... جو چاہتی تھی۔ اسے کہنا تو دور سوچنے ہی سے چونک چونک جاتی تھی۔ کہیں کوئی سن تو نہیں رہا۔ کیا بے بسی تھی اللہ اللہ.....

"میں ایسے ہی رہوں گا۔ ہمیشہ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے تو رہو..... ورنہ وہ رہا دروازہ..... آؤٹ۔ ابھی اسی وقت....." وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

اس نے قدم بڑھائے۔ کیا وہ اسے دھکے دے کر نکالے گا۔

"موسیٰ....." حسنل کے لبوں سے نکلا۔

اس نے تو اپنے تئیں دھمکی سوچ رکھی تھی۔ "میں نہیں رہوں گی آپ کے ساتھ۔" اور یہاں یہ لفظ موسیٰ نے کہہ دیے۔

"تم نے میری بچی کو ہتھیار بنایا۔" اور ساتھ ہی بچی کی طرف دھیان گیا۔ جو آنکھیں میچے لرز رہی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار تھپڑ پڑتے دیکھا تھا۔ وہ بھی ماں کو باپ کے ہاتھوں۔

موسیٰ کے بڑھتے قدم رک گئے۔ اور حسنل نے بڑی تیزی سے اس کے کمزور پہلو کو بھانپا..... واہ کیا خواب۔

"پاپا ہمیں گھر سے نکال رہے ہیں ایمانے.....!" وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے گلے لگائے بتانے لگی۔

☆☆☆

بہت بڑی خبر تھی۔ دھماکہ خیز..... موسیٰ نے گھر چھوڑ دیا۔ وہ ساحل پر بنے اپنے اس فلیٹ میں شفٹ ہو گیا۔ جو سترہ برس پہلے پاکستان آمد پر اس کی رہائش تھا۔

دونوں میاں بیوی کے اختلافات اس نہج پر پہنچ گئے کہ علیحدگی ہو گئی۔ لیکن نہیں موسیٰ نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔ وہ ہنوز اس کی بیوی تھی۔

"یار! یہ کیا ڈراما لگا رکھا ہے دونوں نے

عوام کو پاگل سمجھتے ہیں کیا یہ لوگ۔" ہر جگہ تبصرے ہونے لگے۔

"کہانی میں بہت جھول ہیں مگر ایک چیز واضح ہے۔ جن چیزوں کو حرام کہہ کر چھوڑنے کا اعلان کر چکا ہے وہ اب تک ہیں اس کی ملکیت..... بیوی کے نام ہو گئیں تو کیا..... یا تو بیوی چھوڑ دی ہوتی۔ اونہہ! بے وقوف کسی اور کو بنائیں یہ لوگ بھئی....."

"نہیں، میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔" وہ لرز گیا تھا۔

یہ تو اس کے گمان سے پرے کی چیز تھی۔ نہیں سوچا تھا اس نے اس بارے میں..... یا شاید دل کے کسی کونے میں خوش گمانی تھی یہ دوری دونوں پر ایک دوسرے کی اہمیت واضح کر دے گی۔ دونوں کھلے ذہن و دل سے سوچ سکیں گے دونوں خود کو ایک دوسرے کی جگہ پر رکھ کر دیکھیں گے پھر کچھ وقت گزرے گا۔ تو راستہ پیدا ہو جائے گا۔ لاشعور میں شاید یہ تھا۔

مذہب بھی اسی چیز کی تعلیم کرتا ہے۔ میاں بیوی کے رشتے کو بالن والی لکڑی کی طرح گھٹنے پر رکھ کر جھٹکے سے نہیں توڑا جا سکتا۔

پھر بھی اگر توڑنا ہی آخری حل لگے تو زنگ خوردہ آرے کا استعمال کرنا چاہیے کہ مشکل جان کر جب سانس ٹوٹے تو بندہ سوچے..... کیوں.....

"کیا کوئی اور حل نہیں.....؟" تو موسیٰ ہی سوچے بیٹھا تھا مگر کیا حسنل بھی.....

☆☆☆

"مجھے ڈرانے کی کوشش میں چہرے پر جو سنسنی تم پیدا کرتی ہو"..... وہ ہنسی "یقین کرو میں اپنے مستقبل سے تو نہیں البتہ تمہاری شکل سے ضرور ڈر جاتی ہوں، نہ کیا کروایا..... وہ نہیں کرے گا کوئی شادی وادی....." وہ متبسم لہجے میں گویا ہوئی۔

"اور اسے چھوڑو..... کون پاگل ہو گی جو اسے اس حلیے اور ایسے تنگ نظر خیالات کو جانتے ہوئے خود

ماہنامہ حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور
جنوری کا شمارہ شائع ہو گیا ہے
جنوری 2018 کے شمارہ کی ایک جھلک
☆ "ہم مل کر بنے خواب بنیں" نئے سال کا سروے،
☆ "اے وقت گواہی دے" ثنا کنول کا مکمل ناول،
☆ "میری زندگی ہے نغمہ" سباس گل کا مکمل ناولٹ،
☆ "وہ جو محبتوں کا قرار تھا" خدیجہ اسحاق کا ناولٹ،
☆ "می رقصم" بشریٰ سیال کا ناولٹ،
☆ "شہر دل کے راستے" تحسین اختر کا ناولٹ،
☆ "سراب محبت" شگفتہ شاہ کا ناولٹ،
☆ "دل گزیدہ" ام مریم کا سلسلے وار ناول،
☆ "پربت کے اس پار کھیں" نایاب جیلانی
کا سلسلے وار ناول،
☆ وجیہہ بخاری، فوزیہ سرور، حیا بخاری، کنول ریاض اور رمشا احمد کے افسانے،
اس کے علاوہ
پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں، انشاء نامہ، اور مستقل سلسلوں کے علاوہ وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں
کا شمارہ آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں
جنوری 2018

www.urdugem.com

کو مصیبت میں پھنسائے گی، وہ بڑا بدنام ہو چکا ہے، لوگ اسے طالبان، پکارتے ہیں، جو عورتوں کو بند کر کے رکھنے ہی میں دین و دنیا کی فلاح سمجھتے تھے۔''

''تو پھر کیا ایسے ہی گزارو گی زندگی۔۔۔'' حلیمہ کی حیرت برقرار تھی۔

''گزر رہی ہے۔۔۔ مزے میں۔'' حسنل نے مردانہ انداز میں بانہیں اوپر اٹھا کر انگڑائی لی تھی۔

اس نے حلیمہ کے پاس کچھ کہنے کو نہ چھوڑا۔

بہت بے خوف تھی حسن المآب۔۔۔ اس نے جو چاہا تھا وہ کر دکھایا تھا، وہ جو چاہتی تھی کر لینا جانتی تھی، جائز ذریعہ یا ناجائز۔۔۔ لیکن اب وہ ان سب کی جائز مالک تھی۔

وہ جانتی تھی کہ یہ بات مخفی رہنے والی نہیں ہے، اور اس کے عیاں ہونے پر وبال اٹھ کھڑا ہوگا، اس نے ہر اعتراض کا جواب سوچ رکھا تھا۔ چاہے کچھ بھی ہو، وہ کسی بھی چیز سے دست بردار نہیں ہوگی۔ اس نے انکار، سوچ لیا تھا اور یہ بھی کہ انکار پر قائم کیسے رہنا ہے، مگر اس سے پہلے ایمانے والا واقعہ ہو گیا، بات بڑھی اور اتنی اور ایسے کہ موسیٰ نے گھر چھوڑ دیا۔ یہ اس کی سوچی سوباتوں میں سے ایک بھی بات نہیں تھی۔ وہ واقعی ہکا بکا رہ گئی۔

اس نے جاتے سے اسے روکنے کی کوشش تو درکنار دیکھنا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''میں تو اب ایسے ہی رہوں گا۔ اس چیز کو تسلیم کر لو تو بات کرنا۔

مگر اس سے پہلے تم اس دھوکے کے لیے بھی جواب دہ ہوگی جو تم نے مجھے دیا، پس پشت خریدار بننے کا۔۔۔ تمہیں ان سب سے دست بردار ہونا پڑے گا۔''

''دست بردار ہونا ہوتا موسیٰ تو اتنی محنت کرتی ہی کیوں؟۔۔۔ وہ بہت نرم لہجے میں بولی۔''

''تم نے دھوکا دیا مجھے۔۔۔''

''میں اسے دھوکا نہیں سمجھتی۔۔۔ یہ جیتنے والی بات ہے ہی نہیں۔۔۔ آج یا کل آپ کو پتا لگ ہی جانا تھا۔ میں بس یہ چاہتی تھی کہ جب آپ اپنا پورا کر کے لوٹیں۔ تو پیچھے صفا چٹ نہ ہو، میں نے آپ کا، ہم سب کا بھلا ہی چاہا ہے، یہ اور بات ہے کہ آپ ابھی اس چیز کو سمجھ نہیں رہے۔''

''سمجھ تم نہیں رہیں حسنل۔۔۔!'' وہ دل گرفتی سے بولا تھا، حسنل نے منہ پھیر لیا۔

دنیا کے لیے دونوں کا رشتہ خوب تماشا تھا، فیس بک پر پکچرز لگتیں، موسیٰ اپنے ہی گھر کے دروازے پر گاڑی لے کر آتا۔ ایمانے گھر سے نکلتی، وہ اسے لیتا، دونوں کھانا کھاتے، سیر۔۔۔ کرتے ..... شاپنگ۔۔۔ اور پھر وہ اسے واپس گھر چھوڑ دیتا۔

حسنل کے نئے دوستوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے پیچھا چھڑا لینے کا مشورہ دیا۔ پر حسنل تو یہ سن کر بھڑک اٹھی۔

وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہے، اور کوئی اسے ایسا مشورہ کیسے دے سکتا ہے۔ ہاں ان دونوں کے بیچ اختلافات ہیں، تو وہ جلد یا بدیر دور ہو جائیں گے اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا، موسیٰ اس کے سوا بیوی کے روپ میں کسی اور کو سوچ ہی نہیں سکتا۔

پتا نہیں اس خوش گمانی کی وجہ کیا تھی، اسے یقین تھا وہ لوٹ آئے گا۔

فیس بک پر ملک کے نامور سنگلز (اکیلے) مردوں کا ذکر تھا، جو یا تو اب تک کنوارے تھے یا فی الحال ان کی زندگی میں کوئی پارٹنر نہیں تھا۔ حیران کن طور پر ان میں موسیٰ کا نام سب سے اوپر تھا۔

''کون احمق کرواتا ہے ایسے سروے۔۔۔

لوگ پاگل تو نہیں۔ وہ ہے نا اس کی بیوی۔۔۔ لیکن بیوی کے فرائض۔۔۔

اور وہ لوگ جو حسنل کو صحیح سمجھتے تھے۔ وہ اس کی مدح سرائی کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے، کتنی مہمان تھی، ایسے شوہر کے نام کو عزت سے سنبھالے بیٹھی تھی۔

دنیا تو حصوں میں بٹ گئی تھی، جو حسنل کی حامی تھے، وہ موسیٰ کی سمت استہزاء اور ترحم کی نظر کرتے اور جو موسیٰ کو درست سمجھتے تھے، انہیں حسنل سے نفرت محسوس ہوتی۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس پر کھل کر بات کرنا بہت مشکل محسوس ہوتا تھا۔

مگر دل چاہتا وہ اس پر حد لگا دیں، اسے دہریہ کہہ دیں۔

مگر یہ بھی نہ ہو سکا۔۔۔ وہ اسی خشوع خضوع سے پنجگانہ نماز کی ادائی کرتی تھی، جیسے کہ نماز ادا کرنے کا حق تھا، اس کا عقیدہ بہت مضبوط تھا۔

حسنل کو لعن طعن کرنے والا فعال گروپ بھی ششدر رہ گیا جب ایک چینل کی رمضان ٹرانسمیشن میں مہمان بلائی گئی۔ حسن المآب نے سورۃ رحمٰن کی قرأت کی۔

اس نے رمضان کی اہمیت اور رحمت ہونے پر بھی مدلل گفتگو کی تھی۔

اس کے ساتھ والے صوفے پر دوسرے فرقے اور حسنل کو لعنتی عورت سمجھنے پر دل و جان سے ایمان رکھنے والے عالم بھی منہ کھول کر اس کی صورت دیکھتے رہ گئے۔

کیا تھی وہ۔۔۔؟

عبدالمبین اور حلیمہ سچے خیر خواہ تھے، اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

عبدالمبین نے جتنا موسیٰ کو جانا تھا، وہ قسم کھا کر کہہ سکتا تھا۔ وہ بے حد خوب صورت عادات کا مالک تھا، نجانے پہلے سے یا اب۔۔۔ وہ بہت صابر نظر آتا تھا، وہ موسیٰ جس کی وارڈ روب کو ون آف دی بیسٹ وارڈ روب کا ٹائٹل دیا گیا تھا، اس نے اپنے پاس اتنے لباس رکھے تھے کہ جو آسانی سے ایک دستی بیگ میں سما جائیں۔ وہ موسیٰ جس کی کھانے پینے کی عادتیں و نزاکتیں بعض دفعہ رزق کی بے حرمتی کے زمرے میں درج ہو جاتی تھیں، وہ کھانا کھاتے وقت گم صم ہو جاتا، اکثر اسے چونکایا جاتا کہ وہ سالن سے روٹی کھائے، موسیٰ بری طرح چونکتا، وہ مٹھی میں بند گرم روٹی کو ایسے ہی ختم کر چکا ہوتا تھا۔

وہ بہت تحمل مزاج بھی تھا، ایک بار تبلیغ کے دوران ہوش و حواس سے بے گانہ لڑکوں کے گروپ نے ان سب کا مذاق اڑانا شروع کر دیا، وہ سارے دائرے کی صورت ان کے گرد ناچنے اور تالیاں پیٹنے لگے، ان میں سے ایک نے موسیٰ کو پہچان لیا، وہ موسیٰ کا مذاق اڑانے لگا اس کے جملے اور حقارت آمیز انداز۔۔۔ سب حیران رہ گئے موسیٰ گریبان میں ٹھوڑی گھسائے سن رہا تھا، عبدالمبین و دیگر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، پیشتر اس کے یہ کچھ کرتے موسیٰ نے بولنے والے کی آنکھوں میں جھانکا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں اتنا ہی برا ہوں۔ آپ نے جو کہا وہ سچ ہے، لیکن میں چاہتا ہوں، ہم دونوں اتنے برے نہ رہیں۔ ٹھیک ہو جائیں، تھوڑا میں۔۔۔ اور تھوڑا سا آپ۔۔۔''

سب گنگ رہ گئے، اس لڑکے نے موسیٰ پر الزام لگایا تھا۔

''خود سارے مزے کر لیے لائف میں۔۔۔ اور ہماری باری آئی تو کہتا ہے یہ صحیح نہیں۔ بھاگ سالے۔۔۔ آیا بڑا مولوی بن کے۔۔۔!'' آگے کے جملے سوچنے سے بھی پسینہ پھوٹ نکلتا تھا اور موسیٰ کا اتنا دھیما ردعمل۔۔۔

لیکن وہی موسیٰ، حسنل سے صلح کی بات پر ایسے تن جاتا جیسے پشت میں تیر آ گڑا ہو۔ اس کے ابرو تن جاتے۔۔۔ آنکھوں سے درشتی جھلکنے لگتی۔

اس نے ایک بار بہت بے ساختگی اور بہت بدتمیزی سے عبدالمبین کو ٹوک بھی دیا۔

''مگر وجہ۔۔۔ آپ وجہ بتا دیں، میں دوبارہ نہیں کہوں گا پھر۔۔۔'' عبدالمبین نے الجھ کر دیکھا۔

موسیٰ چونکا، وہ عبدالمبین کی بہت عزت کرتا تھا، اس نے کس لہجے میں مخاطب کیا اسے۔

''اوہ۔۔۔!'' وہ خود پر متاسف ہوا۔

www.urdugem.com

تب اس نے یکدم بھڑک کر وجہ بتادی۔
اور وہ سب بھی جو حسنل نے اس روز اور پہلے وقتاً فوقتاً کہا تھا۔
"جب وہ میری شخصیت کی تبدیلی کو دوسرے نکاح سے تشبیہہ دے رہی ہے تو کیا آپ کو لگتا ہے، صلح کی گنجائش رہ جاتی ہے، میرے لیے یہ بہت بڑی بات ہے۔"
"اگر وہ سب کچھ چھوڑ دے تو؟"
"وہ کبھی نہیں چھوڑے گی۔ وہ غلط کو صحیح سمجھتی ہے، اسے اپنا نظریہ درست لگتا ہے، اس کا دل اللہ موڑے تو موڑے۔۔۔ بندہ بے اختیار ہے۔"
موسیٰ کا انداز گفتگو اب اس کے حلیے اور چال ڈھال سے مطابقت کرنے لگا تھا۔ اس کی شخصیت سے موسیٰ بی کا رنگ کب کا اتر گیا۔۔۔ اس کی پرانی تصویر اب اس سے ذرا نہیں ملتی تھی۔
حلیمہ اور عبدالمبین و دیگر چند سچے خیر خواہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اگر حسنل پروڈکشن ہاؤس وغیرہ والے معاملے سے پیچھے ہٹ کر اپنی سرگرمیاں چھوڑ دے، تو صلح ہو سکتی ہے۔ حسنل نے صاف انکار کیا۔
"یہ کبھی نہیں ہوگا، اور دوبارہ صلح کے خواب دیکھنے چھوڑ دیے جائیں تو بہتر ہے۔"
"تو تم دونوں کا رشتہ۔۔۔ وہ کیا ایسے ہی لٹکا رہے گا؟" حلیمہ کو پھر یری آ گئی۔
"ہاں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ حقیقتاً بے پروا نظر آئی۔
"تم کھائی کھود رہی ہو حسنل۔۔۔ تمہیں پتا ہے سب انہیں دوسرے نکاح کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ مرد ہیں، کب تک اس طرح تنہا فلیٹ میں رہ سکتے ہیں۔ تم سمجھنے کی کوشش تو کرو۔" حلیمہ زچ ہو گئی تھی۔
"مرد۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ وہ مرد نہیں رہا اب۔۔۔ چولا پہن کر جوگی ہو چکا ہے۔ جو دنیا تیاگ کر دھمال ڈالتے ہیں، اس نے اپنی زندگی دین کی راہ میں وقف کر دی ہے، وہ نہیں کرے گا دوسرا نکاح۔"
وہ ہنسی تھی۔۔۔ مگر اس کے جملے زہر میں بجھے تھے، وہ سخت حقارت آمیز انداز میں طنز کر رہی تھی۔
"تم کس طرح کہہ رہی ہو حسنل۔۔۔ اللہ ڈرو۔۔۔ تم کو خوف نہیں آتا۔"
"تم بحیثیت بیوی میرے احساسات، جذبات کیوں نہیں سمجھتیں حلیمہ۔۔۔!" حسنل مٹھیاں بھینچ کر دھیمے لہجے میں بہت مشکل سے ایک ایسا جملہ ڈھونڈ لیا جو اس کی دلی کیفیت کی ترجمانی کر سکتا تھا، اور حلیمہ واقعی گنگ ہو گئی، اس نے دوبارہ منہ کھولا اور بند کر لیا۔
اس کے پاس کچھ کہنے کو نہ بچا، ادھر حسنل نے اس کے لاجواب ہو جانے کو محسوس کر لیا، وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔۔۔ حلیمہ نے دیکھا، اس کے چہرے پر بیک وقت فتح و شکست کی ملی جلی تصویر ابھری تھی۔ فتح۔۔۔ حلیمہ کو لاجواب کر دینے کی۔۔۔ مگر شکست کیسی؟ اس نے پوچھنے کے لیے لب وا کیے، مگر حسنل اپنی ہی کہہ رہی تھی، اس کا چند لمحے پہلے کا بے خود انداز غائب ہو گیا تھا۔
اب وہاں ایک تمسخرانہ تاثر ابھر آیا تھا۔
"اور دوسری شادی۔۔۔ ہاں۔۔۔ اس حلیے اور چال ڈھال کے ساتھ میں دیکھتی ہوں، وہ کیسے بیاہ رچائے گا، کوئی لڑکی پاگل نہیں ہے، یار آج کل کے دور میں نہیں ہوتے ایسے آئیڈیل۔۔۔" وہ فقرہ ادھورا چھوڑ کر حلیمہ کو دیکھنے لگی جو دم بخود تھی۔
"ہاں کوئی حلیمہ جیسی خبطی نہ مل جائے جس کا آئیڈیل عبدالمبین تھا، ہے ناں۔۔۔ ہی ہی ہی۔"
"وہ اب بھی میرے آئیڈیل ہیں حسن المآب۔۔۔!" حلیمہ نے تند لہجے میں کہا۔
"ہاں ہاں بالکل۔۔۔" وہ فوراً ایمان لے آئی۔ یہ بھی انداز تمسخر تھا۔

☆☆☆

موسیٰ کے دوسرے نکاح کی خبر سرد ہوا کی طرح ہر کواڑ کو کھٹکھٹاتی گھروں کے کونوں میں گھس کر بیٹھ

وہ نکاح جس پر موسیٰ راضی ہی نہ تھا، وہ نکاح کے بارے میں موسیٰ لاعلم تھا جو ہونا تھا یا نہیں ہوا، وہ سب سے ہاٹ نیوز بن گیا۔
کس سے؟؟
خبر کا اگلا حصہ رگ و پے میں سنسنی دوڑانے لگا، ہوگی وہ۔۔۔ موسیٰ کے ساتھ تو حسنل کے سوا اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بنے تھے۔
اچانک اٹھنے والی یہ افواہیں موسیٰ کے لیے سخت کا باعث تھیں۔ وہ تردید کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی لوگ فضول قیاس آرائیوں سے پرہیز کریں مگر سے پہلے۔۔۔
ایمانے کی سالگرہ آ گئی۔ پانچ سال تک وہ اس کو شاندار طریقے سے منایا کرتا تھا، اسے اب بھی ناغہ کاٹ کر بچی کو خوش کر دینے پر اعتراض نہیں تھا مگر وہ جس راہ پر چل نکلا تھا، وہاں اس کی جنبش ابرو پر ہی دنیا کی نگاہیں ٹکی تھیں، دوسرے سالگرہ کی قریب میں حسنل بھی موجود ہوتی۔
حسنل کے ساتھ کھڑا رہنا' اس کے پورے جسم میں عجیب سی بے چینی گردش کرنے لگتی تھی، مگر بیٹی کی خاطر۔۔۔ دوسری طرف حلیمہ اور عبدالمبین کی سالگرہ کی تقریب میں موجود تھے۔ بہت غصہ آنے کے باوجود عبدالمبین و حلیمہ دونوں کے لاشعور میں یہ توقع موجود تھی کہ اس طرح کی ملاقات سے دونوں کے درمیان مصالحت کا راستہ بن سکتا تھا۔
وہیل چیئر پر بمشکل چہروں کو شناخت کرنے والے نجی الدین سہگل، حلیمہ اور عبدالمبین۔۔۔ سب ایک ہو گیا، ایمانے ج جو کہتی رہی وہ کرتا رہا۔
صاف دکھائی دیتا تھا، دونوں بیٹی کی خاطر بہترین پرفارمنس دے رہے ہیں۔ موسیٰ کے چہرے پر سارا وقت حلیمی متانت اور ضبط کا پہرہ رہا، اور حسنل کا چہرہ۔۔۔ اس کی ہر نظر استہزاء سے بھرپور تھی، اک تمسخر، اک تلخی۔۔۔ اس نے چہرے کے تاثرات سے موسیٰ پر یہ باور کروا دیا کہ وہ اس کی موجودگی کو کس وقت سے برداشت کیے ہوئے ہے۔
بیٹی کو دکھانے کے لیے اس کا لہجہ اس گلاب جامن کی طرح کا تھا جس کے درمیان میں کونین کی گولی چھپائی گئی ہو۔
"ماما کہہ رہی تھیں' آپ برتھ ڈے سلیبریٹ کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے پاپا۔۔۔! بٹ میں اسے بہت پسند کرتی ہوں، کل میرے فرینڈز کے ساتھ بگ پارٹی ہوگی، ماما نے سب کچھ بہت اسپیشل کیا ہے' پہلے تو آپ کرتے تھے پسند پاپا۔۔۔ اب کیا ہوا؟" معصوم انداز میں سنجیدگی سے پوچھی ایمانے۔۔۔
"میں تمہیں وارن کرتا رہتا ہوں، تم بچی کا ذہن مت خراب کرو، میں برتھ ڈے کو کیا سمجھتا ہوں' میں اسے خود سمجھا دوں گا۔" وہ اس کے سر پر جا کھڑا ہوا، حسنل نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا دی۔
"ایمانے۔۔۔ بیٹا! آپ نے پاپا کو سورۃ الرحمٰن نہیں سنائی' میں نے کتنی محنت سے یاد کروائی ہے آپ کو۔۔۔ میں اپنی بچی کو بہت بیلنس طریقے سے پال رہی ہوں سمیع الدین صاحب! آپ کی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔"
موسیٰ نجانے کیا جواب دینے والا تھا، مگر تب تک ایمانے سینے پر ہاتھ باندھ کر قرأت کرنا شروع ہو چکی تھی۔
"ماشاء اللہ۔۔۔" حلیمہ و عبدالمبین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ حلیمہ نے ایمانے کی پیشانی چوم لی اس نے ابتدائی سترہ آیات کی تلاوت کمال خوب صورتی سے کی تھی۔
"میں اپنی بچی کی بہت اچھی تربیت کر رہی ہوں' مجھے کسی کی بھی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سب کو باری باری دیکھنے لگی۔
"تمہیں ضرورت ہے، ورنہ میں اپنی بچی لے جاؤں گا۔"
"نہیں لے جا سکتے' دنیا کی کوئی عدالت نہیں

www.urdugem.com

دے گی۔" وہ طمانیت سے مسکرائی تھی، موسیٰ کے لب باہم پیوست ہوگئے۔ "ویسے بھی آپ تو بیاہ رچانے جارہے ہیں۔ سگی ماں کے ہوتے سوتیلی کو بچہ کون دے گا۔ ویسے بائی داوے۔۔۔ آپ اپنے بارے میں کس خوش فہمی کا شکار ہیں؟ وہ اور زمانہ تھا جب لڑکیاں آپ پر مرتی تھیں، اس حلیے اور حالت۔۔۔" اس نے اشارے سے اسے سرتاپا ماپا۔۔۔ "اونہہ۔۔۔"

وہ نفی میں سر ہلارہی تھی، اور جو انداز میں تحقیر تھی، جو مذاق اڑاتا تاثر تھا، موسیٰ نے ہاتھ میں تھامی کیک کی پلیٹ کو میز پر رکھ دیا، اس نے پیروں کا وزن بدلا تھا، اس کی پتلیاں سکڑ گئیں، اچھنبے کی جگہ ملامت ابھری۔۔۔ ملامت کب طیش میں بدلی، حسنل کا انداز چڑاتا ہوا تھا۔ اس کا دائیں بائیں ہلتا سر طنزیہ مسکراہٹ حلیمہ کو صاف پتا چل رہا تھا، وہ جو کررہی تھی بہ قائمی ہوش وحواس کررہی تھی۔

سیکنڈ کے سوویں حصے میں عبدالمبین نے بھانپا تھا، اس نے بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر موسیٰ کو جکڑ لیا، حسنل اپنے چہرے کے تاثرات سے ہی موسیٰ کو بھڑکانے میں کامیاب ہوگئی تھی، کمرے میں یک دم شور سا مچ گیا، حلیمہ نے ایمانے کو اپنے پیچھے کرلیا حسنل اب بہت پیارا سا مسکرا رہی تھی۔

وہ بالکل بھی گھبرائی نہیں تھی، پانی کا گلاس لبوں سے لگا کر وہ کرسی پر تشریف فرما ہوگئی۔ عبدالمبین موسیٰ کو سنبھالنے کی کوشش میں تھا، جس کے جسم میں خون کی جگہ آتش فشاں کا لاوا گردش کرنے لگا تھا۔

"آپ نے دیکھیں اس عورت کی حرکتیں۔۔"

حلیمہ کو یہی جملہ سمجھ میں آسکا۔

"تمہیں جلد جواب ملے گا۔" اس نے خود کو جھٹکے سے عبدالمبین کے ہاتھوں سے چھڑایا، حسنل کے سامنے آکر رکا۔۔۔ اور پھر کمرے سے نکل گیا۔

حلیمہ نے حسنل کے چہرے کو فق ہوتے دیکھا، لیکن اگلے ہی پل اس نے شانے اچکائے تھے۔۔۔

وہ بے حد پرسکون نظر آنے لگی، جیسے موسیٰ کو اس طرح بھڑکانا ہی مقصد تھا، وہ موسیٰ کو چڑانا چاہتی تھی، اس کا مذاق اڑانا چاہتی تھی، اس نے [illegible] کو پاس بلا کر چمکارا تھا، اس کے [illegible] سنوارے تھے، اس نے کیک کی پلیٹ پکڑ لی [illegible] نزاکت سے اپنے منہ میں رکھا، ایک ایمانے [illegible] بڑھایا۔

"پاپا چلے گئے۔۔۔" وہ بدقت کہہ سکی۔

"ارے۔۔۔!" حسنل ہنسی "کہیں نہیں [illegible] انہوں نے کہاں جانا ہے بھلا۔۔۔ آجائیں [illegible] کیک کھاؤ۔"

اس کے انداز کے تیقن و بے پروائی نے [illegible] نے کے دل کو سہارا دیا وہ بہت دلار سے ایمانے [illegible] کل کی گرینڈ پارٹی کے حوالے سے بات کرنے لگی تھی۔ اس نے بے مروتی اور بداخلاقی کی حد کردی تھی بے حس وحرکت کھڑے حلیمہ اور عبدالمبین کو قطعاً نظر انداز کرکے۔۔۔ جیسے وہاں ان ماں بیٹی کے علاوہ اور کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ واقعی انہیں فراموش کرچکی تھی، یا بے دھیانی میں۔۔۔ نہیں۔۔۔ حلیمہ نے کھلکھلا کر ہنستی حسنل کو دیکھا، یہاں ہونے والی ہر چیز پہلے سے طے شدہ لگتی تھی۔

اس کے انداز کی طمانیت اور متبسم چہرہ تصدیق کرتا تھا، وہ یہی چاہتی تھی۔ کمرے میں اس کی ہنسی گونج رہی تھی۔ اس کی ہنسی کتنی خوبصورت تھی۔

☆☆☆

"یہ۔۔۔ یہ جھوٹ ہے ناں۔۔۔ ایسے ہی کسی کی اڑائی افواہ۔۔۔ ہے۔۔۔ ہے ناں۔۔۔؟"

بے ترتیب حلیہ۔۔۔ ہکلایا لہجہ۔۔۔ آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ کھوکھلی ہنسی۔۔۔ جیسے اسے یقین ہو کہ وہ بولے گی، ہاں بالکل نری بکواس کرتے ہیں یہ میڈیا والے۔۔۔ یہ افواہ ہی ہے۔"

"تم بیٹھ جاؤ یہاں۔۔۔" اسے شانوں سے تھام کر بٹھانا پڑا۔

"ہاں۔۔۔" وہ تابعداری سے بیٹھ بھی گئی۔

آخری ملاقات میں حلیمہ نے اس کی بے فکری دیکھی۔۔۔ طمانیت۔ فتح کی سرشاری۔۔۔

[illegible]وہ جو دوسروں کو مٹی چٹا دینے کے بعد فاتح [illegible]کو دیکھتے ہیں اس کیفیت میں تھی وہ۔۔۔ کیسا [illegible]تھا، حقارت آمیز۔۔۔ چیلنج کرتا ہوا۔۔۔

[illegible]اور آج۔۔۔ اتنے دن تو نہیں گزرے تھے پھر [illegible]تھا جس نے حسن المآب کو ردی کردیا تھا۔

"[illegible]یہ غلط خبر چل رہی ہے ناں ٹی وی پر۔۔۔ اور یہ [illegible]موبائل پر۔۔۔" اس نے اپنا جدید موبائل عجلت [illegible]انداز میں کھول کر حلیمہ کے آگے رکھ دیا۔

[illegible]تین تصاویر تھیں۔۔۔ سینے پر ہاتھ باندھ کر [illegible]موسیٰ۔۔۔ دوسری تصویر میں وہ جھکا کسی کاغذ پر [illegible]کررہا تھا، اور تیسری تصویر۔۔۔

[illegible]کسی لڑکی کی تھی سیاہ سادہ چادر نے اس کے [illegible]ے کو چھپا رکھا تھا۔ وہ ذرا سا آگے کو جھکی دستخط کر [illegible]تھی۔

دونوں ہاتھوں کی پشت پر گول ٹکیہ بنی ہوئی تھی [illegible] کے کناروں پر ٹکے تھے انگلیوں کی پوریں سرخ [illegible] سے گویا دہک رہی تھیں۔ ایسی رنگیلی [illegible]ندی۔۔۔ چہرے کے نام پر صرف ناک کی نوک [illegible]ائی دے رہی تھی، ہاں بغور دیکھیں تو کالی چادر [illegible]ے ماتھے کی طرف کچھ جھلمل سی تھی، یقیناً یہ ٹیکہ ہوگا [illegible] کے دو۔۔۔ نہیں تین سرخ موتی دکھائی دے [illegible] تھے۔

"کسی نے پکچرز کو ایڈٹ کیا ہے ناں۔۔۔ [illegible]یسے ہی خبر بنانے کو۔۔۔ ہے ناں؟"

اس کا روم روم جواب میں اثبات چاہتا تھا۔

حلیمہ نے ایک نظر اسے دیکھا، ہاں بدگمان کیا [illegible]سکتا تھا، سوشل میڈیا پر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا، یہ دلہن ہی تھی اس [illegible]نے پور پور سجی سولہ سنگھار کیے دلہنیں دیکھ رکھی تھیں۔ مگر [illegible] سرخ ہاتھ دلہن کی ایسی وضاحت کرسکتے ہیں۔ [illegible]اس نے کبھی سوچا نہیں تھا، صرف ہاتھ اور ناک کی [illegible]ک۔۔۔ اور تین سرخ موتی۔

"بولو ناں حلیمہ۔۔۔؟" حسنل نے اس کا ہاتھ [illegible]ہوڑ دیا تھا۔

"میں نہیں جانتی مگر۔۔۔ مگر مجھے یہ جھوٹ نہیں لگ رہا، دیکھو یہ صوفہ سیٹ۔۔۔ اور ہاں یہ دیوار پر لگی پینٹنگ، یہ دونوں ایک ساتھ ہی بیٹھے ہیں۔"

"یہ کسی اور کے نکاح کی تصویریں تو ہوسکتی ہیں، جس میں موسیٰ نے شرکت کی ہو۔"

"مگر پھر یہ سائن۔۔۔؟" حلیمہ نے کہا۔

"ہاں سائن۔۔۔ وہ۔۔۔ گواہ بھی تو سائن کرتے ہیں ناں۔" اس نے من پسند کہانی ترتیب دے کر تصدیق چاہی۔

"ہاں مگر۔۔۔" حلیمہ نے موبائل رکھ دیا۔

"یہ گواہ کے سائن نہیں ہیں حسن المآب۔۔۔" موسیٰ نے دوسرا نکاح کرلیا ہے۔ یہ دیکھو۔۔۔ یہ عبدالمبین کی آواز تھی۔ اس نے موبائل حلیمہ کے آگے کردیا۔

پچھلی تینوں تصاویر نجانے کس نے اپ لوڈ کی تھیں، مگر یہ والی موسیٰ نے ذاتی طور پر عبدالمبین کو بھیجی تھی۔

شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی، یہ گروپ فوٹو تھا، بہت سے لوگوں کے ہنستے مسکراتے چہروں کے بیچ موسیٰ اور وہ سیاہ پوش کھڑی تھی۔ سیاہ چادر کے نیچے سرخ عروسی لباس تھا، مگر چادر نے اب بھی اسے مخفی کر رکھا تھا، ہاں وہ سرخ ٹکیہ سے سجے ہاتھ اور سرخ پوریں۔۔۔ وہ نمایاں تھیں، ایسے جیسے آسمان کے ماتھے پر چودھویں کا چاند نمایاں ہوتا ہے۔

اس بار چہرہ کافی حد تک نمایاں تھا مگر جھکا سر ہونے کے باعث نقوش کی وضاحت نہیں تھی، ہاں ماتھے پر لٹکتے موتی اب تین نہیں پانچ تھے جیسے پانچ ستارے۔ موبائل حلیمہ کے ہاتھ ہی میں تھا، جب دوسری پکچر بھی پہنچ گئی۔

اس میں موسیٰ تھا اور دلہن۔۔۔ ہاں اب شک کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

یہ موسیٰ کی دلہن ہی تھی، حسنل کے لبوں سے چیخ سی نکلی۔

دونوں کے سائیڈ پوز تھے، موسیٰ نے دلہن کو

www.urdugem.com

انگوٹھی پہنائی تھی، سرخ یاقوت کے کناروں پر سفید ہیرے جڑے تھے۔

حسنل بہت تیزی سے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے ہونٹوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ اس کا رنگ لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا تھا۔ موبائل کی اسکرین بلیک ہو چکی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت یوں دیکھتی تھی، جیسے اپنے بستر میں سانپ دیکھ لیا جائے۔

"میرا اس سب میں کوئی کردار نہیں۔" عبدالمبین نے کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" وہ چلائی تھی۔

عبدالمبین نے زبان دانتوں میں موڑ کر نفی میں سر ہلایا، اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔ وہ متاسف تھا، حلیمہ فیصلہ نہ کر سکی۔ موسیٰ کے اس طرح نکاح کر لینے پر ...... یا حسن المآب کی بدگمانی پر......

☆☆☆

"اب کیوں حسنل ...... اب کیوں روتی ہو؟"

حلیمہ نے زچ ہوتے بے بس لہجے میں تھک کر پوچھا۔ تصاویر خبر بن کر سارے عالم میں پھیل چکی تھیں۔ موسیٰ نے خود بھی اعلان کر دیا تھا۔ اب کوئی گنجائش نہیں تھی ...... کہ یہ افواہ ہے۔

صوفے پر پیر اوپر رکھ کر سینے کے گرد بازو لپیٹے حسنل ...... وہ اتنا رو چکی تھی کہ اس کے سوجے چہرے اور آنکھوں نے اس کے نقوش کو تبدیل کر دیا تھا۔

"عبدالمبین سے کہو، موسیٰ سے کہے۔ میں سب ماننے کو تیار ہوں۔ وہ جیسے کہے گا، میں کسی چیز پر اعتراض نہیں کروں گی۔"

"اعتراض نہیں کرو گی؟ میں کیسے مان لوں تم نے ہی تو مجھ سے کہا تھا، میں سمجھنے کی کوشش کروں، بحیثیت بیوی تمہیں اس کی قربت سے وحشت ہوتی ہے۔ تم برداشت کر ہی نہیں سکتیں۔"

"ہاں......" وہ پھڑ پھڑائی۔ "میں نے کہا تھا، لیکن اب میں ہی کہہ رہی ہوں کہ......"

"اب کیا فائدہ حسنل ...... وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ جس چیز سے ہم ڈرتے تھے۔ تمہیں ڈراتے تھے، وہ ہو گئی۔" حلیمہ کے لہجے میں حقیقی دکھ تھا۔

"نہیں ...... اب بھی کچھ نہیں بگڑا ......

فون نہیں اٹھا رہا۔ ورنہ میں اس سے کہتی نا ......

لیتا۔ بس کسی طرح اسے میرا پیغام پہنچا دو ......

گا، میں مان رہی ہوں۔ جب اسے یہ پتا ......

نا ...... وہ سب چھوڑ چھاڑ کر آ جائے گا۔ تم دیکھنا!" اس کا دعویٰ یقین سے بھرپور تھا۔

"کس دنیا میں ہو حسنل ...... گاڑی نکل چکی، پٹڑی چمک رہی ہے۔"

"نہیں ...... نہیں ...... وہ چھوڑ دے گا اسے ...... وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ......"

"محبت......؟"

"محبت تو تم بھی اس سے کرتی تھیں بہت۔" حلیمہ نے سارے جسم کا زور لگا کر "بہت" ادا کیا۔ "تم سے تو کچھ نہ چھوڑا گیا۔ اریبہ ٹھیک کہتی ہے۔ محبت کبھی تھی ہی نہیں، راستہ تھا۔ ایسا راستہ جو گڑھے میں جا رکے۔ تم منہ کے بل گری ہو۔" حلیمہ کی آواز بوجھل ہو گئی۔

"تم......" اس نے انداز نشست بدلا۔ وہ بے تاب سی دکھائی دینے لگی۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں نے غلطی کی۔ میرا خیال تھا، میں ایسے سخت بولوں گی تو وہ باز آ جائے گا۔ میرا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ یقین کرو۔"

"باز آ جائے گا؟ تمہیں یاد ہے کہ تم اسے کس چیز سے باز رکھنا چاہ رہی تھیں۔" حلیمہ کے لیے اپنی تلملاہٹ پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"تم سب لوگوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی۔" وہ بھڑک گئی۔ "تم سب مجھے کافر ثابت کرنا چاہتے ہو۔ جب کہ میں نے صرف یہ چاہا تھا کہ وہ دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلے۔ جیسے اور دنیا کرتی ہے۔ جیسے۔" وہ نام گنوانے لگی۔

"بس......" حلیمہ نے ہاتھ اٹھایا۔ "بعض چیزیں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں حسنل۔ تم سمجھ کیوں نہیں؟" وہ زچ ہو کر چلائی تھی۔ "آگ اور پانی نہیں ہو سکتا۔ دنیا آگ ہے حسنل۔ تم پر نقش ...... گیا۔ دنیا تلوے کے نیچے دبا کر رکھنے کی چیز ...... تم نے اسے دل میں چھپا کر رکھ لیا اور اب روتی ......" حلیمہ نے شکستہ لہجے میں کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں شرمندہ ہوں نا۔"

"لیکن اب اس شرمندگی سے کیا حاصل؟"

"حاصل کیوں نہیں۔" وہ مستعد ہو گئی۔ "بس ...... کو میرا پیغام دے دو۔"

وہ اسی پر یقین انداز میں بولی جو اس کا خاصہ ...... جب وہ اپنے دماغ میں کسی چیز کو سوچ لیا کرتی ...... اور حلیمہ نے ان چیزوں کو اسی طرح ہوتے دیکھا ...... مگر کیا اب بھی......؟

"تم جانتی ہو، تم کیا کہہ رہی ہو۔ اسی موسیٰ کو بلا ...... رہی ہو۔ جس کی موجودگی سے تمہیں ......" حلیمہ نے ...... جملے کہے جو اس کا نقطہ اعتراض تھے۔ جنہیں اس ...... نے بہت کھلے پن اور ہٹ دھرمی سے کہا تھا۔

"ہاں ...... میں کر لوں گی برداشت ...... لیکن ...... میں اسے کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ میرا پورا وجود ...... کانٹوں میں الجھ گیا ہے حلیمہ ...... کہ اس کا نام کسی اور ...... کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ وہ......"

"ایکسکیوزمی۔" حلیمہ نے عجیب سے لہجے میں ...... کہا۔ "نکاح کو چار دن گزر چکے ہیں۔ بات نام سے ...... آگے جا چکی۔ وہ کسی اور کو اپنی بیوی کا درجہ دے چکا ہے حسنل۔"

"نہیں......" حسنل نے ایک پل کو رک کر اس ...... کے جملے کی گہرائی کو ماپا۔ اگلے ہی پل وہ اپنا منہ، سر پیٹنا شروع ہو چکی تھی۔

حلیمہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی۔ حسنل کو خود کو پیٹ ڈالنے سے روکنے میں اس کی حالت غیر ہو گئی۔

"عبدالمبین سے کہو ایک بار ...... بس ایک بار میری بات کروا دے۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ میں اسے منا لوں گی، یقین کرو ...... بس ایک بار میری اس سے بات ہو جائے۔ ایک موقع حلیمہ...... بس ایک......"

وہ ہاتھ پکڑ کر منت کر رہی تھی۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا حلیمہ ...... وہ شادی کر چکا ہے۔"

"وہ چھوڑ دے گا اسے ...... میں کہوں گی تو چھوڑ دے گا قسم سے......"

"وہ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔" حلیمہ نے ایک ایک لفظ چبایا۔ "وہ تمہیں معاف کر بھی دیں بقول تمہارے ...... تم ہر چیز ان کی مرضی کے مطابق کر دو گی۔ وہ پھر بھی نہیں چھوڑیں گے۔ وہ کمٹمنٹ کے پکے آدمی ہیں حسنل ...... چھوڑ دینے والے ہوتے تو تم کو نہ چھوڑ چکے ہوتے۔ اتنا سب ہونے کے بعد بھی تم ان کی بیوی ہو۔ وہ اسے نہیں چھوڑیں گے۔"

حلیمہ نے دکھی انداز سے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"اسے چھوڑنا پڑے گا۔ میں بھی تو اتنا سب چھوڑوں گی اس کے لیے......" ساری بکھری اجڑی کیفیت اڑن چھو ہو گئی۔ وہ بیوپاری لگنے لگی۔ جو اپنا سرمایہ داؤ پر لگا دیکھ کر آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتا ہے۔

حلیمہ بھونچکی رہ گئی تو یہ آنسو، یہ تڑپ اداکاری تھی، دکھاوا۔ اس پر وحی کی طرح یہ ادراک اترا۔

حسنل کی نیت میں کھوٹ تھا۔ اس کے لاشعور میں کہیں یہ بات تھی کہ وہ موسیٰ کو منا لے گی اور جب موسیٰ لوٹ آئے گا، تو پھر سے اسی راہ پر......

حلیمہ یک دم اس سے پرے ہو کر بیٹھ گئی۔

وہ بے بسی کی تصویر بنی آنسو پونچھ رہی تھی۔

اس کی ژولیدہ حالی دل پگھلانے والی تھی۔ مگر حلیمہ کے دل کے کواڑ ٹھاک کی آواز سے بند ہوئے تھے۔ جیسے غار کے دہانے پر پتھر جا گرتا ہے۔

"یاد ہے حسنل! اریبہ نے اپنی ہیکل کا ذکر کیا تھا۔ معارف اسلامیہ کی طالبات کو بنی اسرائیل کی فطرت سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔ اس نے کہا تھا اگر وہ مثال کو مجسم جیتا جاگتا دکھانا چاہے تو حسن المآب کو دکھایا جا سکتا ہے۔"

مجھے اس کے بے حد سخت تجزیے پر اعتراض ہوا تھا۔ مگر ابھی ابھی مجھ پر انکشاف ہوا، وہ ٹھیک کہہ رہی

www.urdugem.com

تھی۔ اپنی ہٹ دھرمی...... اپنی حجت، اپنی جمع تفریق اور حساب کتاب میں تم بالکل ان جیسی ہو۔ وہ بھی دوسرے راستے ڈھونڈ لیا کرتے تھے۔

تم بھی ان جیسی حیلہ ساز ہو۔ ان جیسی حسابی کتابی......

من و سلویٰ کو چھوڑ کر پیاز، لہسن مانگنے والے...... ہاہ! یہ وہی کرسکتے تھے۔ ہفتے کے روز مچھلیاں پکڑنے کی بات پر کس مہارت سے چور رستہ ڈھونڈا انہوں نے اور جب شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا تھا، تو وہ قلابازیاں کھاتے داخل ہوئے۔ جنہیں ہر بار معافی ملتی تھی۔ جو ہر بار گناہ کرتے تھے۔ جنہیں سزائیں دی گئیں۔

اللہ نے ان کے جسموں کو نابود کردیا۔ مگر ان سی فطرت رکھنے والے لوگ آج بھی ہم میں موجود ہیں۔ جانتے بوجھتے پہلوتہی کرتے ہیں۔

اللہ کے کلام کو سن کر کچھ کا کچھ کر ڈالتے ہیں۔ نافرمانی کرتے ہیں۔ اس یقین سے کہ معافی مانگ لیں گے۔ وہ تو مل ہی جاتی ہے۔ اللہ کی رحمت کا ناجائز فائدہ اٹھانے والے لوگ حسنل کہ پہاڑ جیسے گناہ بھی کرکے اگر صدق دل سے معافی مانگی تو وہ معاف کردے گا۔ تم جیسے لوگ زندگی بھر صدق دل سے حکم عدولی کرتے ہیں اور آخری عمر میں مصلیٰ تھام کر سارے پاپ دھو ڈالتے ہیں، لیکن بعض کو معافی نہیں بھی ملتی۔ مہلت ختم ہوجاتی ہے۔ وہ غرقاب ہوجاتے ہیں۔ فرعون کی طرح......" اس نے سر تھام لیا تھا۔

حسنل کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہ کیا اور دیکھتی بھی تو کیا۔ وہ بل کھائی ناگن کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ کینہ توز نظریں۔

"میں تمہارے آنسوؤں سے پگھل گئی تھی حسنل!" حلیمہ کی آواز بہت مدھم تھی۔

"مگر اب...... انہوں نے ٹھیک کیا۔ وہ بھی اریبہ کی طرح تمہارا "اندر" بھانپ گئے تھے، تمہاری فطرت...... میں نہیں جانتی وہ کون ہے...... مگر مجھے اتنا یقین ضرور ہے وہ بہت اچھی لڑکی ہوگی بہت خاص، بہت مصفا، بہت اچھوتی...... اس کے خاص الخاص ہونے کے لیے یہ نشانی کیا کم ہے کہ اسے موسیٰ نے خود چنا۔

جارہی ہوں میں، تم رہو اس گھر میں اکیلی...... نئے دھوکے سوچو بیٹھ کر...... نئے تانے بانے...... موسیٰ تو گیا...... حسنل...... تم نے کھو دیا موسیٰ...... وہ موسیٰ جس کو تم نے دعاؤں میں مانگا تھا۔ دعائیں اللہ پوری کرتا ہے۔ تم نے اللہ کی دی ہوئی چیز کو ضائع کردیا۔ اف......" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

کسی نصیحت نے، کسی آیت نے، کسی حکایت نے حسنل کے سیاہ پڑے دل پر اثر نہ کیا۔ وہ حلیمہ کے رونے سے نگاہیں ہٹا کر سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی۔

اسے آگے کیا کرنا تھا۔ اس کا تنا چہرا...... پھیری نظریں...... اور بے حد خاموشی بتا رہی تھی وہ وہی دل رکھتی تھی، جس پر مہر لگادی گئی تھی۔

اس کی ہٹ دھرمی برقرار تھی۔ وہ زندگی بھر اس پر قائم رہنے والی تھی۔

اس پر کسی چیز کا اثر نہ ہوتا تھا۔

☆☆☆

فلائٹ صرف پچیس منٹ لیٹ تھی۔ حلیمہ نے عبدالمبین کی صورت دیکھی۔ سفید کھدر کے سوٹ پر سیاہ جیکٹ پہنے وہ پشت پر ہاتھ باندھے بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ گزرتے وقت نے بہت دبلے پتلے عبدالمبین کا جسم بھر دیا تھا۔ اس کے عام نقوش پر پاکیزگی نے نور کا ہالہ کھینچ رکھا تھا۔ اس پر اس کا علمی قد...... کتنے ہی لوگ انگلی کے اشارے سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ دیکھو مولانا عبدالمبین...... بعض بہت عقیدت سے ہاتھ ملا کر بھی گزر جاتے، اگر آج ماہ رو، عبدالمبین کو دیکھتی تو کہتی...... اس نے حسنل سے کہا تھا۔

"اتنے دبلے پتلے...... جیسے سوکھی سلائیاں...... یا تمہاری مامی نے بھائیوں کی [illegible]

[illegible] ہونے کے لیے ایک کو چیر کے دو کردیا ہے۔ ہی ہی ہی......"

حلیمہ کا حلق کڑوا ہوگیا، اس نے سر جھٹکا۔ اس وقت کیوں یاد آگئی ماہ رو اس کے چہرے کا زاویہ بھی اس کے دل کی طرح بگڑ گیا۔ اونہہ...... پہلے ہی دماغ سن سا تھا۔ حسنل کا درست تجزیہ پیش کرنے، سخت متاسف ہونے کے باوجود...... اسے آئینہ دکھانے کے بعد بھی اس کے دل کا ایک انتہائی مخفی گوشہ...... اس کے انجام سے دکھی ہوا تھا۔

پتا نہیں عبدالمبین کی دلی کیفیت کیا تھی۔ وہ دونوں موسیٰ اور نوبیاہتا کے استقبال کو ایرپورٹ آئے ہوئے تھے۔ کیسی ہوگی وہ عورت، جسے موسیٰ نے شریک حیات بنایا ہوگا۔ دلہن دیکھنے کا اشتیاق ہر ایک کو ہوتا ہے۔ مگر وہ کیسی ہوگی۔ جسے حسنل کو چھوڑ کر اپنایا گیا۔ اور یہ صرف حلیمہ کے دل کا سوال نہیں تھا۔ ہر اس شخص کا تھا جو موسیٰ کو جانتا تھا۔ جو اس کے ساتھ ہونے والی ہر بات سے واقف تھا۔

عبدالمبین، حلیمہ کے برابر آن بیٹھا۔ وہ اسے دیکھ کر یوں ہی مسکرادیا۔

"میں سوچ رہی ہوں، وہ کیسی ہوگی؟"

"تم یہ بات دس بار بتا چکی ہو۔ ابھی آتی ہوں گی، دیکھ لینا۔"

تب فلائٹ کی آمد کا اعلان ہوگیا۔ وہ دونوں بہت بے تابی سے اٹھے تھے۔ گلاس وال کے پرے...... تکان زدہ مسکراتے چہرے...... سفر تمام ہوا۔ نئی منزل، نئے راستے۔

"اوہ موسیٰ!" عبدالمبین کی جوشیلی آواز ابھری۔ حلیمہ کے پورے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے عبدالمبین کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ وہ موسیٰ کی سمت ہاتھ ہلا رہا تھا۔

حلیمہ پنجوں کے بل اونچی ہوئی۔ اوہ موسیٰ...... اسے دکھائی دے گیا، مگر وہ......

ہاں، وہ ہی ہوسکتی تھی، موسیٰ کی شریک حیات...... چند قدم پیچھے تھی۔ لوگوں میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ موسیٰ رک گیا، اس نے اس کا پیچھے رہ جانا محسوس کیا تھا۔ وہ پلٹا۔ وہ گھبرا کر رک سی گئی تھی۔ اس نے بے بسی سے موسیٰ کو دیکھا تھا۔

ایک بچے کی پرام بیچ میں حائل تھی۔ موسیٰ نے ہاتھ سے پرام کو پرے کیا اور دوسرا ہاتھ اس کی سمت بڑھا کر اسے اپنے ہم قدم کرلیا۔ حلیمہ کا اشتیاق حد سے سوا ہوگیا۔ اس کا سارا وزن پیر کے انگوٹھوں پر آگیا تھا۔ اتنی دور سے نقوش واضح نہیں ہورہے تھے۔ مگر یہ صاف پتا لگتا تھا کہ دلہن آئی ہے۔ اشتیاق کی ماری صرف حلیمہ نہیں تھی۔ ہر ایک کو پتا لگ گیا۔ موسیٰ دلہن لے آیا ہے۔ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

اور دلہن...... حلیمہ نے قدم زمین پر جمائے۔ اس نے الجھی نگاہ سے عبدالمبین کو دیکھا تھا۔ موسیٰ ایسی روایتی سرخ شلوار قمیص والی دلہن کہاں سے لے آیا تھا۔

فاصلہ مزید کم ہوگیا۔ اکثر لوگ موسیٰ سے ہاتھ ملانا چاہتے تھے۔ کچھ نے گلے لگا کر مبارک باد بھی دے ڈالی۔ لوگوں نے ان کے گرد گھیرا سا ڈال رکھا تھا۔ سو ان کے قدم بہت سست تھے۔ دلہن کا ایک ہاتھ موسیٰ کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے سے اس نے دوپٹے کو ٹھوڑی کے پاس سے کس رکھا تھا۔ حلیمہ نے ہاتھ کی پشت پر بنی ٹکیہ کو دیکھا۔ وہ اول روز کی طرح دہک رہی تھی۔ عبدالمبین جست بھر کے موسیٰ کے گلے لگا تھا۔

حلیمہ دونوں بازو پھیلائے آگے بڑھی تھی۔ مگر اس نے دلہن کو ایک قدم پیچھے ہٹتا دیکھا۔ پھر دوسرا بھی...... حلیمہ نے چونک کر نظر اٹھائی۔ دلہن کا دوپٹا جو چہرے کو مقدور بھر چھپائے ہوئے تھا۔ اب پیچھے کو سرک گیا تھا۔ اس کا چہرا نمایاں ہوگیا۔

اس بار حلیمہ کا پیر پیچھے کو اٹھا تھا۔ نہیں...... اس نے پلکیں زور سے جھپکیں...... ہاں...... یہ...... یہ ماہ رو کا چہرا تھا۔ کچھ پتلا...... کچھ لمبا...... مگر یہ ماہ رو ہی تھی، موسیٰ نے تعارف بھی کروادیا۔

www.urdugem.com

عبدالمبین، خمیدہ ہو کر بہت احترام سے سلام کر رہا تھا۔ حلیمہ کے قدم جکڑے گئے تھے۔

"آپ کے لیے تو یہ اجنبی نہیں ہیں بھابی جان!" موسیٰ، حلیمہ سے مخاطب تھا۔

حلیمہ کی طاقت جواب دے گئی۔ جب عبدالمبین نے اسے موسیٰ کے نکاح کی خواہش کا بتایا تو اس نے بہت عجیب سی بات بھی بتائی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ایک سے ایک اچھی لڑکی موجود ہے۔ آپ جس سے کہیں گے اس سے نکاح ہو جائے گا۔"

"نہیں..... مجھے اچھی لڑکی نہیں چاہیے۔ میں ایک بری لڑکی کو جانتا ہوں۔ مجھے اس سے نکاح کرنا ہے۔ تاکہ وہ اچھی ہو جائے۔"

تو یہ تھی وہ بری نہیں، اچھی لڑکی..... اس کی اچھائی کے لیے یہ مثال کیا کم تھی کہ اسے موسیٰ نے چنا..... اور خود حلیمہ نے حنل سے کیا کہا تھا۔ "میں نہیں جانتی وہ کون ہے۔ مگر مجھے اتنا یقین ضرور ہے، وہ بہت اچھی لڑکی ہوگی، بہت خاص، بہت مصفا، بہت اچھوتی۔"

موسیٰ کے اشارے پر ماہ رو نے سہمے انداز سے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔ وہ اسے حلیمہ کی طرف بڑھتے ہی کا اشارہ کر رہا ہے نا..... موسیٰ نے سر ہلایا۔ ہاں وہ یہ ہی کہہ رہا ہے، لیکن ماہ رو کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

عبدالمبین کے لیے حلیمہ کا ردعمل حیران کن تھا۔ اس نے اسے ٹھوکا دیا کہ اسے آگے بڑھ کر دلہن کو گلے لگانا چاہیے اور جیسے دلہنوں کو سہارا دے کر چلاتے ہیں ویسے اسے باہر گاڑی تک بھی لے جائے۔ ان تینوں کی نگاہیں حلیمہ پر گڑی تھیں۔ عبدالمبین کے لیے حیرت تھی۔

ماہ رو کے انداز میں وہی سترہ برس پہلے کا سہم تھا۔

اور موسیٰ یہ دیکھنے کا شائق تھا کہ حلیمہ، ماہ رو کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ اس نے زندگی بھر اپنی اچھائیوں اور نیکیوں کے زعم میں مبتلا لوگ دیکھے تھے۔ ماہ رو نے اپنی زندگی کے تمام منفی کرداروں اور مجرموں کو معاف کر دیا تھا۔ ماریہ کو..... منے کو..... خدیجہ بانو کو، مگر حلیمہ کو..... وہ کر نہ سکی۔

زمانہ بدل گیا ہے۔ اب صحیح ہونے کی گواہی کے لیے نہ تو فرشتے اترتے ہیں، نہ آیات۔

مگر اللہ کا بندے سے پیار اور ظرف ہر چیز سے بڑا ہے۔ وہ گھما پھرا کر حالات موافق کر دیتا ہے۔ واقعات ثبوت بن جاتے ہیں۔ حق مجسم ہو جاتا ہے۔

وہ کس انسان کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔ اس نے ماہ رو کو کس نظر سے دیکھا۔ یہ اب بتانے کی بات نہیں رہی تھی۔

لیکن کیا حلیمہ نے اس چیز کو سمجھا؟

نہیں.....

موسیٰ نے منہ پھیر لیا۔ حلیمہ نے آگے بڑھ کر ماہ رو کو گلے سے نہیں لگایا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔ مصافحہ کرنے کے لیے۔ مگر ایسے اور اتنا کہ بس انگلیاں چھو جائیں۔

بعض لوگ کبھی نہیں مانتے۔

☆☆☆

حسن المآب کبھی بھی حنل کی کہانی نہیں تھی۔ یہ اس نیک انجام (اچھا ٹھکانہ) کی کہانی تھی۔ جس سے ہر ایک دوچار نہیں ہوتا۔

ماہ رو کو زندگی بھر یہ دکھ رہا کہ وہ اچھے گھر میں پیدا نہیں ہوئی۔ اسے ایک مضبوط پس منظر والا خاندان نہیں ملا۔

موسیٰ خود سے نظر ملانے سے کتراتا تھا۔ اسے اسکارلٹ اور بدر جیسے والدین نہیں ملنے چاہیے تھے۔

دونوں یہ سوچتے تھے کہ اگر وہ ایک اچھے گھر میں نیک والدین کے ہاں پیدا ہوتے، اچھے ماحول میں پرورش پاتے تو بہت اچھے ہوتے۔

پیدائش، ماحول، تربیت کی اہمیت سے انکار نہیں۔ مگر جب انسان دیکھنا سیکھنا اور سمجھنا شروع کرتا ہے تو اسے اچھے برے کی تمیز کرنے کا پتا چل

جاتا ہے۔

صحیح اور غلط کی تمیز تو جانور بھی کر لیتے ہیں، بھڑکتی آگ کے اندر پڑے گوشت کے لوتھڑے کو اٹھانے کے لیے کتا کبھی منہ نہیں ڈالتا، وہ گوشت کو اپنی دنیا کو جلتے دیکھتا رہتا ہے۔

مگر انسان سے اپنی دنیا جلتی دیکھی نہیں جاتی۔

وہ آگ میں ہاتھ ڈال لیتا ہے، جل جانے، خاک ہو جانے کا خدشہ فراموش کر کے۔

حلیمہ بھی تو کتنے اچھے مکمل خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔

اور حنل۔۔۔؟؟؟

کیا کوئی سوچ سکتا تھا کہ مفتی عبدالرحمٰن جیسے خاندان میں پیدا ہونے والی بچی۔۔۔ ایسی نکلے گی۔

فطرت ہر چیز پر حاوی ہو جاتی ہے۔

کوئی مثال۔۔۔ کوئی حکایت۔۔۔ کوئی آیت اثر نہیں کرتی۔

زندگی کی خوب صورتی اور دوام اعتدال پسندی میں ہے۔

مفتی عبدالرحمٰن جیسے انسان کے گھر کے ماحول میں کب کچھ معاملات انتہا پسندی کا روپ دھار گئے، کسی کو پتا نہ چلا۔

ذرا سی ٹیڑھی بچی کو موڑ کر سیدھا کیا جا سکتا تھا۔ دھیرے دھیرے۔۔۔ جیسے موم کو شکل دیتے ہیں۔

مفتی صاحب منکسر المزاج تھے، معتدل مزاج، متحمل۔۔۔ لیکن ان ہی کی ناک کے نیچے ان کے بیٹے بہوئیں اپنے کیے کو حرف آخر۔۔۔ اور اپنی ہی بات کو آمنا صدقنا سمجھ کر لاگو کرتے کرتے یہ بھول گئے کہ ذرا سی لچک دکھا کر جانتے بوجھتے پہلو تہی کر کے وہ اس بچی کو متنفر کر رہے ہیں، ورنہ ایک گڑیا۔۔۔ چند تہیں اور تھوڑی ضد پوری کر کے وہ اس کا قبلہ درست کر سکتے تھے۔

مگر وہی غیر لچک دار رویہ۔۔۔ بے حد سختی و قطعیت اور اس پر حنل کی فطرت..... پھر یہی ہونا تھا۔

☆☆☆

حسن المآب اور۔۔۔۔۔

اور کے آگے کی خالی جگہ ماہ رو کے نام سے بھرے گی اس پر ماہ رو کی حیرت نہیں جاتی، وہ داستان کے اس اختتام پر مکمل ہو جانے والے عنوان پر انگلی پھیرتی ہے۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس نیک انجام سے ہم کنار ہوگی۔

یا ایسا اچھا ٹھکانہ، (موسیٰ کی ہمراہی) اسے ملے گا۔ اس نے مان لیا تھا کہ آگے بھی ایسا ہی ہوگا، مگر اس کا کیا کیجیے کہ اللہ کو اپنا ہر بندہ بہت پیارا ہے، وہ جو اس پر ایمان رکھے اور وہ بدبخت جو نہ رکھے اس کی عنایتوں اور رحمتوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کس پر برس رہی ہیں۔

ورنہ بارش صرف مومن پر پڑتی، پھولوں سے خوشبو بھی اسی کو آتی۔ وہی خوب صورت ہوتا، اسی کو شرف ملتے اور باقی سب ذلیل و خوار ہوتے۔ اللہ نے کبھی تفرق نہیں کی۔

ہاں مگر اس کے بندے؟؟؟

☆☆☆

اور موسیٰ، وہ قرآن پاک ترجمے اور تفسیر سے پڑھ رہا ہے، دین سیکھنا بعض اوقات بہت مشکل لگتا ہے، لیکن وہ ہر روز ایک نئے عزم سے اٹھتا ہے، کاش ایک جادو کی چھڑی ہو اور اسے سب سمجھ میں آ جائے، اسکا علم گود سے شروع نہیں ہوا لیکن وہ گور تک اسے حاصل کرتے رہنا چاہتا ہے۔ اسے حسن المآب یاد نہیں آتی، باوجود اس کے کہ وہ آج بھی اس کے نکاح میں ہے، مگر آج ابھی۔۔۔

سورۃ الرعد میں حسن المآب (نیک انجام) پڑھ کر اسے لگا جیسے اسے اس کے آگے اپنا نام جوڑ دینا چاہیے۔ حسن المآب اور۔۔۔ اور موسیٰ۔۔۔

اور حسن المآب یعنی حنل۔۔۔

اس کا نام بہت خوب صورت تھا، اچھا نام۔۔۔ اچھا مرتبہ اچھی زندگی۔۔۔ من پسند مگر کیا اللہ کو بھی۔۔۔؟؟

حنل اس پہلو پر اب نہیں سوچتی۔ جس موسیٰ سے

www.urdugem.com

اس نے کبھی عشق کیا تھا، اسے اب اس کی پرواہ نہیں، وہ بہت مگن ہے اس خودمختاری میں، آزادی میں۔

ماہ رو کو موسیٰ کی بیوی کے روپ میں دیکھ لینے کے بعد کی حیرت، بے یقینی، شدید صدمہ اور حسد سے وہ کب کا ابھر چکی۔

ہاں یہ سوال ضرور چبھتا ہے کہ کیوں؟؟ ماہ رو کیوں۔۔۔ اور کیسے؟

حلیمہ اور وہ جب بھی ملتی ہیں، ماہ رو کا ذکر ضرور آتا ہے، وہ ماہ رو کی نئی شخصیت پر بات کرتی ہیں، وہ جو مبلغہ ہے جو نومسلموں کے لیے بہت مددگار رہے، دائرہ اسلام میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے، دل سے تسلیم اور زبان سے کلمہ پڑھ کر آپ مسلمان ہو جاتے ہیں مگر پھر اس بدلاؤ کے بعد جس جذباتی نفسیاتی اور معاشرتی دباؤ۔۔۔ اور رویّوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کا سامنا کیسے کرنا ہے، ان مشکلات کو کیسے ہنس کر برداشت کرنا ہے۔

دین کی باریکیوں کو سمجھانا، ہمت دلانا، آسانی پیدا کرنا یہ اس کی زندگی کا مشن ہے، لوگ موسیٰ کے ہاتھوں اسلام قبول کرتے ہیں، پھر وہ انہیں ماہ رو کے پاس بھیج دیتا ہے اور ماہ رو ان کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔

جیسے ماں نے پہلی بار قدم اٹھانے والے بچے کے ہاتھ تھام رکھے ہوتے ہیں۔

جیسے کسی جوان نے سو سال کی ماں کو کندھے پر اٹھا رکھا ہو۔

جیسے زمین نے انسانوں کو تھام رکھا ہے۔

اور موسیٰ کا ماہ رو کو مل جانا۔۔۔ حیرت، بے یقینی کے بعد کیوں اور کیسے؟؟ جیسا ہی سوال ہے۔

"حسنل جیسی بیوی کے ہوتے ہوئے تم مجھے پرپوز کر رہے ہو۔۔۔ اچھا مذاق کر لیتے ہو۔"

"وہ میری بیوی نہیں رہی۔"

"کیا تم نے اسے چھوڑ دیا۔۔؟" اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"نہیں۔۔۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔" وہ اتنے سکون سے بولا۔ جیسے یہ اس کی اولین خواہش ہو، جیسے عمر قید کے مجرم کو عام معافی مل گئی ہو، اچانک۔۔۔ غیر متوقع طور پر۔۔۔

"میں نہیں مانتی۔۔۔" اس کا لہجہ ٹھوس تھا۔

اور موسیٰ نے اسے شروع سے بتانا شروع کیا۔ اور وہ سب بھی کہہ دیا۔ جو میاں بیوی کے بیچ کا راز تھا۔

ماہ رو نظریں چرانے لگی۔

"تمہیں، میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تمہارے پاس انکار کا جواز نہ رہے اور اس لیے بھی کہ مجھے لگتا ہے میری زندگی کی اچھی عورت تم ہی ہو سکتی ہو۔"

اور اس لیے کہ تمہارے پاس انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

"مان جائیں آپی۔" موحد واحد نے اپنی بیویوں سمیت اس کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔

"مان جاؤ ڈیئر۔" جیک بھی کود پڑا۔ "مان جاؤ کہ تم آج تک اسی کے انتظار میں تھیں، مائیکل صحیح کہتا ہے، مشرق کی لڑکیاں۔۔۔ محبت ایسی ہی کرتی ہیں۔ ورنہ تم رونے والی ہو بھی۔۔۔ تم تو خون کے آنسو رلا دو، میری مثال سامنے ہے۔" وہ دوست بن کر سمجھا رہا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی آخر میں ٹوٹ گیا۔

"تم بہت اچھے ہو جیک۔۔۔"

"موسیٰ سے کم۔۔۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ یہ سب ایسے ہی لکھا تھا، کیا تم نے خواب میں بھی سوچا تھا کہ قسمت دوبارہ موقع دے گی۔"

"تم مجھے ایک بار انکار کر چکی ہو۔۔۔ میں اس بار تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" موسیٰ کے انداز میں تکان تھی۔

"میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔" اسے بیک وقت خدیجہ بانو، حلیمہ، ذیشان یاد آئے۔

"اتنی بڑی دنیا چھوڑ کر اللہ نے تمہارا نام میرے دل میں ڈالا اور تم کہتی ہو قابل نہیں ہو۔"

"وہ میری دوست ہے۔" وہ عاجز آ کر بولی پڑی۔

"وہ کیا سوچے گی، لوگ کیا کہیں گے۔"

"لوگوں کو سننا چھوڑ کر بولنا سیکھ لو میری۔۔۔

اس کی جگہ چھین نہیں رہیں، اس کی چھوڑی جگہ کو پر کر رہی ہو۔ تم نہیں ہو گی تو کوئی اور آ جائے گی، میں تھک چکا ہوں، میں تنہا ہوں پلیز۔۔۔" وہ نڈھال نظر آنے لگا۔

اس درخواست کے بعد وہ ایک لفظ نہیں بولا تھا۔ دونوں کمرے میں اکیلے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

ماہ رو کے پاس ہاں کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

حلیمہ آج بھی ماہ رو کی سرگرمیوں کو بے یقینی آمیز استعجاب سے دیکھتی ہے اور حسنل کو اپنی صاف گوئی کا زعم ہے، وہ ایک مرد کے پیچھے خود کو اتنا نہیں بدل سکتی جیسا ڈھکوسلہ ماہ رو نے کیا۔

اسے ماہ رو سے نفرت نہیں ہے، اسے اس پر رحم آتا ہے، بے وقوف نہ ہو تو۔۔۔

وہ خود کو ثابت قدم کہتی ہے اور خود کو صحیح سمجھتی ہے۔

اور وہ جواب صرف "نہ" ہی ہے۔

☆☆☆

"اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، تو ان کو کبھی اف بھی مت کہنا، اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے نرمی اور انکساری سے جھکے رہنا۔"

لندن میں گذشتہ کئی سالوں کی سردی کا ریکارڈ ٹوٹ گیا تھا، جس طرف دیکھو برف کی سفید چادر تنی تھی۔ لوگ گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ زندگی جیسے تھم سی گئی تھی، مگر بدر اور اسکار کے گھر میں ایسا نہیں تھا۔ اسکار کی ناسازی طبع کے باعث کرسمس بھی گھر میں منائی گئی، بدر نے اسکار کو خوش کرنے کے لیے سارا گھر سجایا تھا۔ اور نئے سال کے اتنے دن گزرنے کے باوجود بھی گھر ویسے کا ویسا سجا تھا۔

کرسمس کا درخت۔۔۔ غبارے۔۔۔ آرائشی روشنیاں۔۔۔ آتش دان میں لکڑیاں چیخ رہی تھیں، باہر کی سردی کا اندر گمان تک نہ تھا۔ اسکار سرخ اونی گرم سوٹ میں آتش دان کے پاس بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں چٹختے شعلوں پر جمی تھیں۔

"دوا لے لو۔" بدر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میں نہیں کھاؤں گی۔ میں ٹھیک ہوں اب۔" وہ نظریں ملائے بنا قطعیت سے بولی تھی۔

"ٹھیک ہونے کے باوجود دوا کا ناغہ نہیں کر سکتے ڈیئر۔۔۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"یہ کس نے کہا۔۔۔ اس ڈاکٹر نے ناں؟؟؟ وہ تو ہے ہی جھوٹا۔" وہ ضدی پن سے شروع ہوا چاہتی تھی۔ بدر ٹھنڈا سانس بھر کے دوا ہاتھ میں لیے لیے بیٹھ گیا۔

"اس نے کہا تھا ناں کہ میں سکس منتھ سے زیادہ زندہ نہیں رہوں گی، کہا تھا ناں اس نے۔" بدر کو سر اثبات میں ہلانا پڑا۔

"لیکن دیکھو، میں تین سال سے زندہ ہوں، ہوں ناں۔۔۔"

"ہاں تم ہو۔" بدر مسکرا دیا۔

"تو پھر دوا کیوں کھاؤں؟؟؟"

"اسکار۔۔۔" وہ زچ ہو کر سر گرائے بیٹھ گیا، وہ آج پھر ہر ضد پر مائل تھی۔

"دیکھو اگر موسیٰ کو پتا چلا کہ تم نے دوا نہیں لی تو وہ خفا ہو گا۔"

"موسیٰ؟" اسکار بڑی طرح چونکی، "اسے کون بتائے گا، تم؟"

"ہاں میں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔ اسکار کو جیسے یقین نہیں آیا، لیکن بدر یہ کر سکتا تھا، اس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر بدر کے ہاتھ میں موجود گولیاں منہ میں رکھیں اور پانی اتنی تیزی سے پیا کہ کچھ چھلک گیا۔

"اب ٹھیک ہے ناں۔۔۔ اب تم کیا کہو گے موسیٰ سے؟" وہ بچوں کی طرح اسے چڑانے لگی۔

"کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا، جو ایک بار پھر کونپلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں۔ بدر کو

www.urdugem.com

بخوبی اندازہ تھا وہ اب کون سا قصہ شروع کرے گی۔ اور وہی ہوا۔

"تم مان لو بدر۔۔۔! پہلے میں نے دیکھا تھا اسے۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ پہلے میری نظر پڑی تھی۔" وہ کبھی نہیں مانتا تھا۔

"تم مجھ سے بحث نہیں کر سکتے۔ تم میرے آنسو پونچھ رہے تھے، میں پیچھے مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔"

بدر اس بار زبان سے کچھ نہیں بولا مگر وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا، اسکار کا چہرہ تپنے لگا۔ "تم آخر مان کیوں نہیں لیتے؟" وہ ایسے بولی جیسے رو دے گی۔ "آج ہم ایک بات طے کر لیتے ہیں۔" وہ یک بیک بہت مجبور نظر آنے لگی۔

"میں مان لیتی ہوں کہ تم نے پہلے دیکھا ہوگا۔۔۔ حالانکہ یہ بالکل درست نہیں ہے مگر تم مجھ سے کہو بدر! کہ میں نے ہی اسے پہلے دیکھا تھا۔"

"اور اس سے کیا ہوگا؟ وہ اس عجیب فرمائش پر حیران رہ گیا۔

"مجھے خوشی ہوگی بدر۔۔۔! وہ میری زندگی کا سب سے خوب صورت پل تھا، میری زندگی کا حاصل۔"

میں گھر سے سوچ کر گئی تھی کہ اسے منا لوں گی، مگر وہ نہیں مانا جب ہم دونوں ایک دوسرے کو سہارا دے کر بمشکل چلتے لوٹ رہے تھے، میری ہر دھڑکن کہتی تھی وہ پکارے گا، مگر اس نے نہیں پکارا..... ہمارا اور اس کا فاصلہ بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ ہم گاڑی میں بیٹھ گئے، گاڑی چل پڑی بدر۔۔۔

میرے سینے میں یہاں درد ہونے لگا۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھا۔ "میں مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی، وہ پتھریلے تاثرات لیے کسی مجسمے کی طرح کھڑا تھا۔ ہاں وہ صحیح تھا وہ اتنا اچھا تھا کہ ہم جیسے برے پیرنٹس کے لیے اس کے پاس انکار کے سوا کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔"

اسکار کو پتا بھی نہ چلا۔ اس وقت کو یاد کر کے وہ آج بھی روئی تھی۔ اسے اس تکلیف دہ یاد کو منانا اچھا لگتا تھا۔

دو برس سے وہ یہ کام بلاناغہ کرتی تھی۔

وہ اس وقت رخصت کو اتنی بار دہرا چکی تھی کہ اس کی اصل ختم ہو چکی تھی اور اب فقط رنگ آمیزی تھی۔

بدر اسے منع کرنا چاہتا تھا، وہ خود کو اذیت نہ دے۔

مگر پھر اسے پتا لگا اس اذیت کے اختتام پر جو خوشی ملی تھی، وہ ذکر تو بدر کا دل بھی کرتا تھا، چلتا رہے کبھی ختم نہ ہو۔

بدر کو پتا بھی نہ چلتا تھا وہ روزانہ لاشعوری طور پر منتظر رہتا ہے اسکار قصہ شروع کرے، یہیں سے کہ پہلی نظر اس کی پڑی تھی، یہ بحث آخری سانس تک جاری رہے۔

"ہاں، گاڑی چل پڑی تھی ہم اس سے۔۔۔ اور وہ ہم سے دور ہوتا جا رہا تھا مجھے اس کی شکل دھندلی نظر آنے لگی تھی، میں نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔"

اسکار اس یاد میں کھو کر بولنا فراموش کر گئی تھی، سو جہاں سے اس نے بات چھوڑی۔ بدر نے کہنی شروع کر دی۔

"پھر میں نے دیکھا۔۔۔" بدر کے لہجے میں سنسنی پیدا ہو گئی۔

"نہیں۔۔۔!" اسکار اپنی کھوئی کیفیت سے ابھری۔ اس نے شتابی سے بدر کو ٹوکا تھا۔ ہاتھ ایسے بڑھایا جیسے بدر کے منہ پر رکھ دے گی، "نہیں۔۔۔ پھر میں نے دیکھا۔ اس نے ہماری گاڑی کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی بدر۔۔۔ وہ بھاگ رہا تھا گاڑی کے شیشے بند تھے، مگر وہ ممی۔۔۔ ممی۔۔۔ کہہ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھے ہوئے تھے، وہ بھاگتا آ رہا تھا، ہماری گاڑی کے پیچھے، وہ مجھے پکار رہا تھا۔ ممی! ممی۔۔۔! رک جاؤ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ اس نے ڈیڈ بھی کہا تھا۔" بدر کی آنکھوں سے روز کی طرح آنسو گر رہے تھے پر ساتھ ہی وہ ہنس رہا تھا، اس نے بروقت ٹوکا۔ اسکار نجانے کیوں ثابت کرنا چاہتی کہ موسیٰ نے اس وقت ماں ہی کو پکارا تھا، بدر قسم کھانے کو تیار تھا، اس نے ڈیڈ بھی کہا

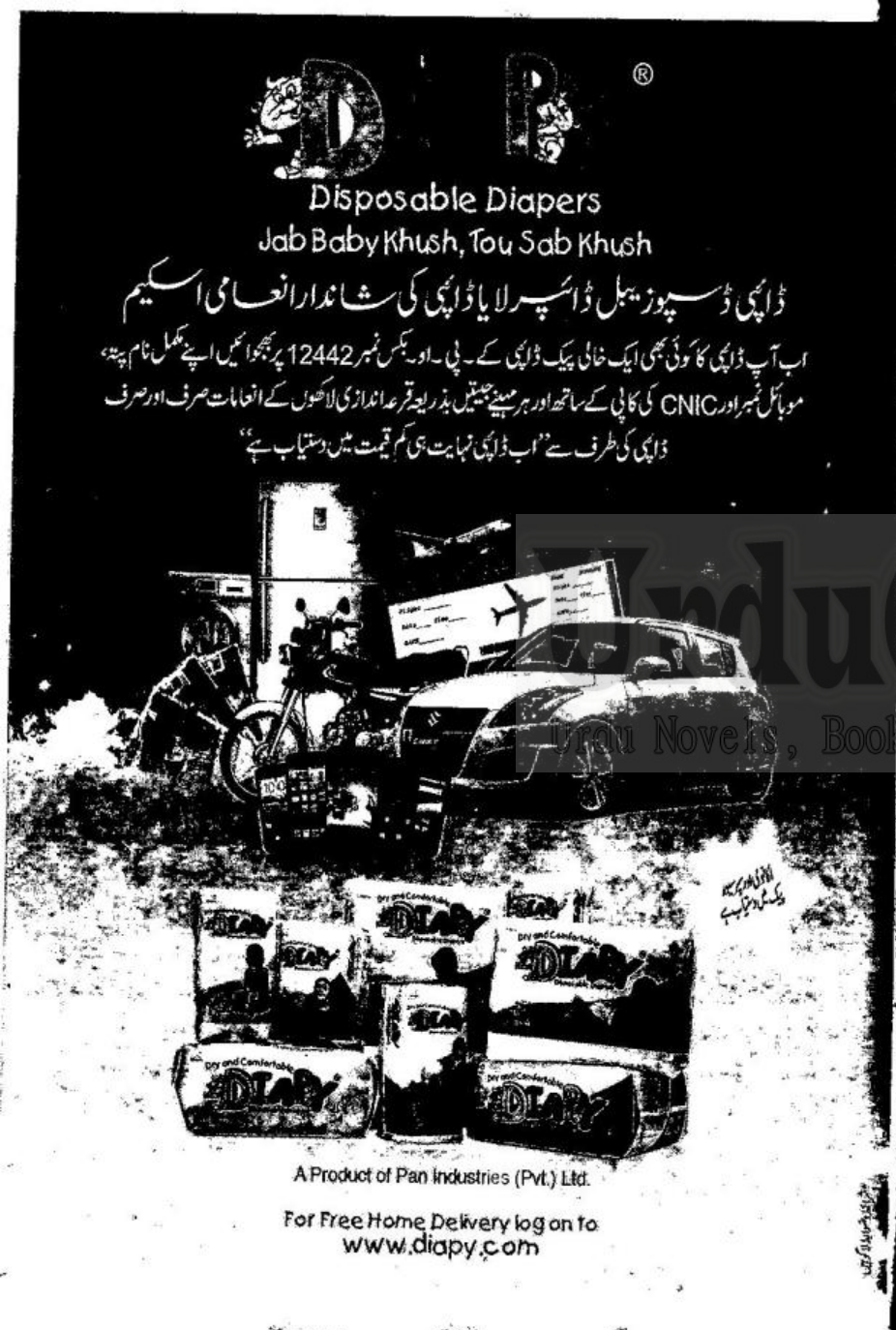

www.urdugem.com

تھا، مگر یہ اسکار۔۔۔ مان کر ہی نہیں دیتی۔
لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔
"روکو روکو۔۔۔" اس بات پر دونوں متفق ہوجاتے تھے کہ اپنے ڈرائیور کی گردن پیچھے سے دونوں نے ہی دبوچی تھی، کہ وہ گاڑی روکتا کیوں نہیں۔۔۔ دکھائی نہیں دیتا اسے کہ ان کا بیٹا موسیٰ کیسے ان کے پیچھے بھاگتا آرہا تھا۔
اصول، قواعد۔۔۔ صحیح غلط۔۔۔ شکوے شکایت سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہ صحیح تھا۔۔۔ وہ غلط تھے، وہ بے قصور تھا، وہ قصوروار تھے، اس نے انہیں معاف نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، اس نے انہیں چلے جانے کو کہا تھا اور پھر جانے بھی دیا۔ پتھر بن کر کھڑا رہا، مگر پھر نجانے کیا ہوا۔
کون سی طغیانی تھی۔۔۔ کیسا تلاطم۔۔۔ خون اور دودھ جو رگوں میں دوڑ رہا تھا، اس نے جوش مارا ہوگا، یہ تو موسیٰ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ بہت زور دینے پر بھی کہ اسے ہوا کیا تھا۔
وہ کیوں بھاگ پڑا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ گاڑی کے اندر آواز نہیں جاتی۔ وہ کیوں گلا پھاڑ پھاڑ کر ماں ماں پکار رہا تھا۔
گاڑی رک گئی تھی، موسیٰ نے بے تابانہ دروازہ کھولا تھا۔ اس نے کسی بچے کی طرح اسکار کو بانہوں میں بھر لیا وہ اسے چوم رہا تھا۔
"آئی ایم سوری ممی۔۔۔!" وہ بس یہی کہتا تھا۔
"سوری فار واٹ۔۔۔؟" اسکار پوچھتے پوچھتے تھک گئی۔ موسیٰ کے پاس جواب نہ تھا، بعض دفعہ جواز نہیں ہوتے، ان کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔
"میں نے پوچھا تھا موسیٰ سے کہ تم کیوں بھاگے۔" اس نے کہا "اسے خود نہیں معلوم، خدا نے ہمیں اتنا اچھا بیٹا کیوں دیا بدر؟"
"یہ تو میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔" بدر کا سر جھک گیا۔
"ہم بہت غلط لوگ ہیں ناں بدر۔۔۔!"
"ہاں۔۔۔"
"گناہ گار لوگ؟"
"ہاں۔۔۔"
"موسیٰ کے گناہ گار؟"
"اللہ کے بھی۔۔۔"
"زیادہ بڑا گناہ کون سا ہوتا ہے؟"
"یہ تو مجھے نہیں پتا۔۔۔" بدر نے شرم ساری سے لاعلمی کا اظہار کیا۔
"موسیٰ کو پتا ہوگا۔" اسکار نے پر یقین انداز سے کہا۔
"ہاں، وہ سب کچھ جانتا ہے۔" بدر نے کہا
"ہمیں اس کے ساتھ جا کر رہنا چاہیے۔" بدر نے موقع دیکھ کر کہا، موسیٰ کئی بار کہہ چکا تھا کہ وہ اس طرح تنہا نہ رہیں، مگر اسکار نہیں مانتی تھی۔
"جب تک تمہارا باپ وہ موئی دین زندہ ہے، میں نہیں جاؤں گی۔"
"وہ اب تک کیوں زندہ ہے بدر۔۔۔؟"
وہ سخت عاجز انداز سے پوچھ رہی تھی۔
"تم انہیں معاف کردو۔"
"بعض لوگوں کو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔" وہ ڈٹی ہوئی تھی۔
بدر نے سر جھکا لیا۔ "ہاں بعض جرم کبھی معاف نہیں کیے جاسکتے مگر بعض۔۔۔؟؟؟"

☆☆☆

اپنے سامنے پھڑ پھڑاتے کاغذ پر رام ناتھ کی نگاہیں جمی ہوئی تھیں۔ وہ اتنی بار متن کو پڑھ چکا تھا کہ اسے ازبر ہوگیا تھا۔
اسی خط کے ساتھ منسلک ٹرانسفر لیٹر بھی تھا۔ وہ ٹرانسفر جسے حاصل کرنے کے لیے اس نے ہر جائز ناجائز کوشش کی تھی، اسی ٹرانسفر کے لیے تو اس نے موسیٰ کو دہشت گرد ثابت کرنے کا شان دار منصوبہ بنایا تھا۔
اور اس منصوبے کی ناکامی پر جب وہ پاگل ہوگیا اور پھر اس پاگل پن میں پڑ کے اس نے جو کچھ کیا۔۔۔
اس نے سوچا تھا۔ موسیٰ کو دہشت گرد بتائے گا

اور انعام میں ٹرانسفر۔۔۔
وہ ٹرانسفر گلے کی ہڈی بن گیا۔ ایک امید کی کرن یہ جاگی کہ نئی سرکار آئے گی تو نئے احکام ہوں گے۔
مگر چھوٹی قسمت، نئی سرکار میں باجپائی زیادہ طاقت ور ہو کر ابھرا۔ شروع میں صحرا کی یہ نوکری اس کی اپنی عیاشیوں کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ کہاں ممبئی اور کہاں یہ زندگی۔۔۔
مگر گزرتے وقت نے زندگی کے دوسرے اور اصل مسائل کو اجاگر کر دیا تھا۔ اس کا خاندان ممبئی میں تھا، تین بیٹیاں اور ایک بیٹا۔۔۔ وہ یہاں نہیں رہ سکتے تھے، اگر انہیں اپنے آبائی گاؤں میں رکھتا تو تعلیم کا حرج ہوتا۔ رام ناتھ کو اپنے بچوں سے بہت محبت تھی، اسے ان کے مستقبل کی بہت فکر تھی۔ وہ پڑھ لکھ کر کچھ بن جاتے، چاروں بچے پڑھنے لکھنے میں تھے بھی بہت اچھے۔۔۔ مگر اس کا کیا کرتا کہ بغل میں گھس جانے والی بیٹیاں کندھے سے بھی اوپر نکل گئیں۔ ایک ساتھ ہی ایسے اچانک۔۔۔ وہ انہیں دیکھ دیکھ کر ہولتا۔
تیکھے نقش کی خوب صورت لڑکیاں۔۔۔ چھوٹا بیٹا۔۔۔ وہ جتنا لاپرواہ انسان تھا، بحیثیت باپ اس کی تو جان سولی پر لٹک گئی۔
جب کالج کی تقسیم اسناد میں باجپائی، شلپا سے متعارف ہوا۔
شلپا رام ناتھ۔۔۔ اس کی بڑی بیٹی۔۔۔ پھر امرتا اور ستیا۔
ایک عذاب ناک صورت حال۔۔۔ کاش وہ اپنے گھر میں ہوتا۔
اس کی پتنی اور بیٹیاں، باجپائی کی خوشنودی کے لیے کوشاں رہتی تھیں کہ کچھ بھی ہوجائے، کسی طرح رام ناتھ کے ٹرانسفر آرڈر پاس کروا دے وہ۔۔۔
رام ناتھ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ ان سب کو کیسے سمجھائے کہ اس خبیث انسان سے دُور رہیں۔
سخت ماحول اور حالات نے اس کے اعصاب کمزور کر دیے تھے، اسکی صحت پہلے سی نہیں رہی، شوق بھی جاتے رہے، پتا نہیں کس کی بددعا لگ گئی تھی۔
رام ناتھ۔۔۔ رام ناتھ لگتا ہی نہ تھا۔
اس نے باجپائی کے آگے ناک تک رگڑ لی۔
"میں بینا کو بھول گیا رام ناتھ۔۔۔ وہ تو کچھ بھی نہیں ہے شلپا کے آگے۔۔۔" "تم نوکری کرو، میں ہوں ناں خیال رکھنے کو تمہارے پریوار کا..... ہاہاہا۔"
رام ناتھ نے خود کو دنیا کا سب سے بے بس انسان محسوس کیا۔
اس سا نہ کوئی ہے نہ ہوگا اور نہ تھا کبھی کوئی۔۔۔
اور جب وہ ہر در سے مایوس ہوگیا، کوئی کوشش بارآور نہ ہوئی، تب ہی ٹرانسفر آرڈر اور یہ خط۔۔۔
رام ناتھ کو خط کا متن زبانی یاد ہوگیا تھا۔
"موسیٰ بی نامی کلاکار نے بھارت سرکار سے درخواست کی تھی۔ اس نے چند سال پہلے اپنے ساتھ ہونے والے واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے رام ناتھ کی خصوصی توجہ اور مہربان سلوک کا شکریہ ادا کیا تھا اور اس کے لیے وہ چاہتا تھا کہ رام ناتھ کو اعزاز سے نوازا جائے۔"
تفصیل بہت زیادہ تھی، مگر حاصل یہ تھا کہ رام ناتھ کے ہاتھ میں ٹرانسفر آرڈر تھے۔ نئی دہلی۔۔۔ بہترین پوسٹ۔۔۔
رام ناتھ نے اس خط کو بار بار پڑھا۔۔۔
"کون سا بہترین سلوک؟" (وہ۔۔۔ وہ جسے معاف کیا ہی نہیں جاسکتا) اس نے تو کوئی مہربان رویہ نہیں رکھا تھا!!
اس نے تو۔۔۔ اور اب زندگی بھر رام ناتھ نے بہترین سلوک، کو یاد کرنا تھا، کون سا بہترین سلوک۔ جس کے لیے وہ شخص ممنون تھا۔
کون سی نیکی۔۔۔ کب کی اس نے۔۔۔ اس نے تو۔۔۔ اس سے آگے رام ناتھ کا دماغ خالی ہوجاتا ہے۔

☆

www.urdugem.com

سُرور فاطمہ ہنی

ناولٹ

یہ گرمیوں کے دن شیطان کی آنت کی مانند لمبے ہوتے ہیں۔ بندہ کھاپی کر لم لیٹ ہو جائے۔ مگر اٹھنے کے بعد یہ جو سستی طاری ہوتی ہے ناں تو دل کرتا ہے کبھی نہ سوؤں مگر کھانے کا جو نشہ طاری ہوتا ہے تو بندہ نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔"

رات کھانے کے لیے سبزی بناتی اماں جی کی زبان بھی ہاتھ میں پکڑی چھری کی طرح چل رہی تھی۔

لرر لرر لرر۔

"ٹھیک کہتی ہے اماں! اسی لیے میں دوپہر میں نہیں سوتی۔" قریب بیٹھی مولی کے ٹکڑوں پر نمک مرچ لگا کر کتر کتر چباتی شمع نے جیسے ماں کی بات کی تائید کی۔ اماں نے گھور کر اپنی نمونہ بیٹی کو دیکھا تھا۔

"ویسے اماں میری مان تو تو بھی دوپہر شمع کے ساتھ کھیتوں میں جا کر گزارا کر۔ کیونکہ جتنی تو دوپہر کی نیند سے نالاں ہے۔ اس کا بس یہ ایک ہی حل ہے۔" کچن سے نکلتی بھابی نے مفت مشورہ دیا تھا۔

اماں جی نے بیٹی کے بعد اکلوتی بہو پلس بھانجی کو بھی تیکھی نظروں سے گھورا......

"ہاں ناں اماں! بھابی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آئندہ تو بھی ہمارے ساتھ جایا کر۔ قسم سے اتنا مزہ آتا ہے کہ کیا بتاؤں آپ کو۔" شمع نے مزہ لیتے ہوئے مولی کو دانتوں تلے دبایا تھا۔ جس پر اماں کا پارہ گھوم گیا تھا' سبزیوں کی ٹوکری سے بڑی مولی اٹھا کر اس کے ہاتھ پہ اتنے زور سے دے ماری کہ وہ اوئی اماں کہتی ہی رہ گئی۔ مولی کا نمک مرچ لگا ٹکڑا بھی نیچے گرا تھا۔

"اوفوہ اماں تو بھی۔" اس نے ہاتھ مسلے۔

"ہمیشہ ہاتھوں سے ہی سمجھاتی ہے کبھی زبان کو بھی زحمت دیا کر۔"

اس نے ناراض نظروں سے اپنی اکلوتی ماں کو دیکھا اور نیچے جھک کر مولی اٹھانا چاہی۔ مگر وائے قسمت اس کے اٹھانے سے پہلے ہی اماں کی موٹی تازی لنگڑی مانو (مرغی) نے اپنی چونچ سے پھرتی سے ٹکڑا اٹھالیا۔ اور چلتی بنی۔ اس کا دل چاہا اس

UrduGem.com
Novels, Books and Much More
www.urdugem.com

ندیدی مرغی کی یخنی بنا کر پی جائے۔ مگر صبر کر گئی کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لیکن دل میں پکا ارادہ کر لیا تھا کہ آج ہی اس نا ہنجار مرغی کا خون کرنا ہے۔

☆☆☆

اور پھر جیسے ہی اماں سبزی بنا کے کچن میں رکھ کر وضو کرنے غسل خانے گئی اس نے جلدی سے ساتھ والی سیما کو آواز دے کر بلایا۔ کیونکہ اسے پتا تھا اماں بیس منٹ سے پہلے باہر نہیں آنے والی اور یہ بیس منٹ اس کے لیے کافی تھے۔

"کیا ہے شمع پھر کیوں بلا لیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو گئی ہوں یہاں سے۔" سیما آ تو گئی مگر منہ بنا کر ایسے کہا جیسے احسان کر رہی ہو۔ شمع کا دل چاہا اس کے تھوبڑے پہ دو تھپڑ جڑ دے مگر یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا تھا۔

"ارے سیما رانی! منہ ٹھیک کر، آج ہماری طرف بریانی پک رہی ہے۔ تیرا حصہ پکا۔" شمع نے اپنی دوست پلس پڑوسن کو لالچ دیا تھا۔ سیما کے منہ میں ابھی سے پانی آنے لگا۔

"مگر ابھی تو نے کیوں بلایا جبکہ بریانی شام کو بن رہی ہے؟"

"وہ اس لیے میری پیاری دوست کہ تم نے بریانی کا سامان کرنا ہے۔" شمع نے ایک ہاتھ اس کے کندھے پہ پھیلایا اور جلدی جلدی اپنا ارادہ اس کے گوش گزار کر دیا۔

"اور اگر خالہ نے دیکھ لیا تو مرغی کے بجائے میری بریانی بنا دیں گی۔" اسے خدشہ ہوا۔ مگر انداز رضامندی والا تھا۔

"تمہیں پتا ہے اماں جان کا وضو، غسل سے زیادہ ٹائم میں ہوتا ہے۔ بھابھی بھی عبداللہ کو سلانے گئی ہے سمجھو، سنہری موقع دے دیا ہمیں قدرت نے' بس تم درخت پر چڑھنے کی کرو۔ جلدی سے پانچ چھ پتھر اس کے پلو میں ڈال کر اس نے اس کے خدشے چٹکیوں میں اڑا دیے۔

"مگر دھیان رکھنا۔ نشانہ خطا نہیں جانا چاہیے۔" تاکید کرتے ہوئے اس نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑی روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے شہتوت کے درخت کے نیچے ڈال دیے اور اماں کی رانو کو آوازیں دینے لگی۔ سیما بندر کی طرح شہتوت پہ چڑھ کر مزے سے تاک میں بیٹھ گئی۔

کچھ لمحوں بعد ہی رانو کٹ کٹ کرتی آ پہنچی اور مزے سے ٹھونگنے لگی۔

"کھا لے کھا لے بچو! اس کے بعد تجھے کھانے کی باری ہے۔" شمع نے دل ہی دل میں جیسے مزہ لیا تھا۔ جبکہ تیز دھار چھری وہ پہلے ہی نکال کر کچن کی کھڑکی میں رکھ چکی تھی۔ اب اگر ایمرجنسی میں پھر چھری نہ ملتی تو حلال مال حرام ہو جاتا۔

اور پھر جیسے ہی غسل خانے کی کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ تو شمع نے چٹکی سے سیما کو اشارہ دیا اور ادھر اماں نے غسل خانے سے پیر نکالا اور ادھر سیما نے تاک کر مرغی کا نشانہ لے کر پتھر مارا جو قسمت سے سیدھا اس کے دائیں پہلو میں لگا اور کیا ہی زور سے لگا کہ رانو دانہ چگنا چھوڑ پورے صحن میں پر پھڑ پھڑانے لگی۔

"ہائے اللہ' یہ میری رانو کو کیا ہوا۔" دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی اماں نے ایک طرف کو جھک کر بھاگتی مرغی کو دیکھا اور دل پہ ہاتھ رکھا کہ وہ اسے بہت عزیز تھی۔

"ہائے اماں! مجھے تو لگتا ہے بیچاری کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ دیکھ کس طرح زمین پر سینہ لگا رہی ہے۔" شمع کے لہجے میں اماں سے زیادہ تشویش تھی۔

"یہ مرغیوں کو ہارٹ اٹیک ہونا کب شروع ہوا۔" اماں اگر اس وقت پریشانی میں نہ ہوتی تو ضرور غور کرتی۔

"اے شمع! پکڑ جلدی سے۔" اماں کے منہ سے نکلنا تھا اور شمع کا بھاگنا تھا۔ بکری کی ماں کب تک خیر منائے کے مصداق مرغی اگلے لمحوں میں اس کی گرفت میں تھی اور مسلسل پھڑ پھڑا رہی تھی۔

"شاباش سیما! بڑا صحیح نشانہ لیا ہے اس منحوس ماری کا۔" اس نے دل میں سوچا اور مرغی اماں کے ہاتھ میں دے دی۔ اور وہ بے تابی سے اسے الٹ پلٹ کرنے لگی۔ (پتا نہیں ہارٹ اٹیک کہاں ہوا تھا۔ سر میں یا ران میں یا پھر بازو میں اماں کا معائنہ جاری تھا)

"اماں میری مانو تو اسے ذبح کر دو۔ نہیں تو یہ مردار ہو جائے گی۔ دل کے دورے سے انسان بڑی مشکل سے بچتا ہے۔ جبکہ یہ تو نازک رانو ہے اور آپ کو پتا ہے حلال جانور اگر ایک مردار ہو جائے تو پھر سارے ہی ایک ایک کر کے مرتے ہیں۔" شمع نے سیانی بن کر کچھ ایسا خوف ناک نقشہ اماں کے سامنے پیش کیا کہ وہ رانو کو چھوڑ کر اپنے درجن بھر چوزوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

"تو سوچ کیا رہی ہے' جلدی سے اسے لے کر جا یا ہر ارشد (دکاندار) سے ذبح کروا لا' جلدی کر کہیں واقعی مردار نہ ہو جائے۔" اماں نے جلدی سے کچن کی کھڑکی سے چھری اٹھا کر۔ مرغی اور چھری دونوں شمع کو تھما دیں۔ اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔ شمع کی تو باچھیں خوشی سے پھیل گئیں۔

"ارے اماں! ارشد بھائی تو اس وقت مسجد میں ہوں گے۔ لا میں خود ذبح کر لیتی ہوں اسے۔ ایسا نہ ہو واقعی مر جائے۔"

اس نے کہتے ہی مرغی زمین پر اپنے پیر کے نیچے دبا کر اس کی گردن پہ چھری رکھی اور اللہ اکبر کہتے ہوئے اچھی بھلی سالم مرغی کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سمجھو قلم کیا اور اماں کو تو ایسا صدمہ ہوا تھا اپنی رانو کا کہ کچھ کہنا ہی بھول گئی (ویسے اماں کے ساتھ یہ مسئلہ تھا صدمے سے وہ خاموش ہو جاتی) ورنہ مرغی ذبح کرنے پر وہ تو اپنی بیٹی کو پورا لیکچر دیتی اور ساتھ دو تھپڑ بھی جڑ دیتی مگر اس وقت معاملہ خاصہ دل گیر سا تھا۔ سو اس لیے وہ سکتے میں چلی گئی تھی۔

اور یہی موقع تھا اماں کی شہتوت کی طرف پشت تھی جب ہی سیما پھسلتی ہوئی نیچے آئی اور کھلا دروازہ پار کر گئی۔ اسے اب شدت سے بریانی کا انتظار تھا۔

اور اللہ خوش رکھے بھابھی کو، عبداللہ کو سلاتے وہ خود بھی سو گئی تھی جب ہی اس طرف سے چین تھا ورنہ وہ شمع کی چالاکی کو پوری نہیں تو تھوڑی بہت تو سمجھ ہی جاتی۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت تھا۔ اماں شاہ توت کے نیچے اپنے تخت پر براجمان اس وقت اپنے ساتھ بیٹھی گاؤں کی نائن زیتون سے رازونیاز میں مصروف تھی۔ جبکہ بھابھی مشین لگا کر کپڑے دھونے اور کچن میں چولہے پر رکھی ہانڈی کے درمیان گھن چکر بنی ہوئی تھی۔

اس لیے موقع اچھا تھا۔ اس نے جلدی سے بھابھی کے کمرے سے ان کا موبائل لیا اور اپنے کمرے میں آتے آتے ہی آصف کو مسڈ کال دے دی۔

آصف اس کا پھوپھی زاد تھا۔ پھوپھی نے کئی بار اس کا رشتہ دیا تھا۔ کیا کیا جائے اس ظالم سماج کا کہ اماں کو اپنی اس منجھلی نند سے شروع سے ہی خدا واسطے کا بیر تھا۔ کجا اسے سمدھن بناتی۔ پھوپھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ مگر اماں تو سنتے ہی ایسے ہتھے سے اکھڑ جاتی جیسے اس کی بیٹی حور پری ہو اور کسی لنگور سے رشتہ لے رہی ہو۔ سلمٰی اور بیچارے آصف میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی خوبی نہ تھی جسے بڑھا چڑھا کر کام چلا لیا جاتا۔

مختنی سے وجود، لمبے قد، چپٹی ناک اور سانولی رنگت والے آصف میں ظاہری خوبی بے شک نہ تھی پر اس کا دل بہت اچھا تھا۔ لاکھوں میں ایک پڑھا لکھا ذہین، شریف اور سب سے بڑھ کر خوب صورت پیار کرنے والا دل' اس کی ساری خامیوں پر بھاری تھا۔

"کہاں بزی تھے جو اتنی دیر بعد کال کی؟"

قریباً پانچ منٹ بعد آصف کی کال آئی تو سلام دعا کیے بغیر اس نے منہ پھاڑ کر پوچھا۔

"کہیں نہیں۔ تم سناؤ کیسی ہو؟ گھر میں سب

www.urdugem.com

ٹھیک ہیں؟'' جواباً اس کی ہمیشہ والی پرسکون آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ مگر شمع اس وقت خاصی تپی تھی جب ہی اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

''بھاڑ میں ڈالو سب کو! یہ بتاؤ نوکری کا کچھ بنایا ابھی تک ویلے نکمے ہی پھر رہے ہو۔''

''ہاں یار! کل ایک جگہ انٹرویو دیا ہے۔ وہاں سے کافی امید ہے' بات بن جائے گی۔'' اس نے حوصلہ افزا بات کی تو اس کا مزاج بھی کچھ ٹھیک ہوا۔

''اللہ کرے اس بار نوکری مل جائے۔ اور ہاں پھوپھو جانی کیسی ہیں اور وہ تمہاری سڑی ہوئی بھنڈی جیسی بھابھی۔'' اس نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

''ایک دم فٹ فاٹ۔ مزے میں۔'' آصف نے کہا تو وہ اور چڑ گئی۔

''آصف! میں کہے دے رہی ہوں تمہیں' جب تک تمہاری یہ دھوبن بھابھی زندہ ہے ناں تب تک ہمارا رشتہ نہیں ہونے والا۔'' جہاں اماں کو رشتہ منظور نہ تھا۔ وہاں آصف کی بڑی بھابھی نے بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ جب بھی آتی اماں جی کے کان آصف کے خلاف ایسے بھرتی پھر اماں ہفتے بھر اپنی نند کو برا بھلا کہتی رہتی' جو اس کی شہزادی کے نصیب اپنے للو سے بیٹے سے پھوڑنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

''ہاں یار' ہو تو تم ٹھیک ہو مگر کیا کیا جائے۔'' آصف بے چارے نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''اس بار تو انہوں نے خود کہا ہے کہ ممانی سے رشتے کی بات کریں گی۔''

''کیا؟'' اس کی اگلی بات پہ تو وہ اچھل ہی پڑی۔

''ہاں ناں ...... ویسے بھی ہم لوگ کچھ دنوں میں حتمی فیصلہ لینے آرہے ہیں تم دعا کرو۔

''ہم سے تمہارا مطلب ہے واقعی وہ فسادی خاتون بھی ساتھ آرہی ہیں؟'' اس نے منہ بنا کر کہا۔ تو آصف کا بے ساختہ قہقہہ اس کے کانوں سے ٹکرا کر اس کے غصے کو اور ہوا دے گیا۔

''ہاں یار! وہ بھی آرہی ہیں اور اتفاق سے اس بار جانے پر زور بھی بھابھی ہی لگا رہی ہیں۔''

''پتا لگا لینا تھا۔ کہیں ماموں نہ بنا ڈالیں تم لوگوں کو۔'' اس نے طنز سے کہا کہ پھوپھو کی طرح آصف بھی زیادہ چالاک و ہوشیار نہ تھا جبکہ بھابھی کو چالاکی تو جیسے گھٹی میں پلائی گئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا۔ بس تم دعا کرو۔ اوکے پھر بات کریں گے۔ اب رکھتا ہوں اللہ حافظ۔''

آصف نے الوداعی کلمات ادا کیے تو اس نے دھیرے سے جواب دے کر فون بند کر دیا۔ فون بھابھی کے کمرے میں رکھ کر وہ باہر آئی۔ جہاں معاملات زندگی اسی طرح رواں دواں تھے۔

بھابھی ٹب میں پڑے کپڑے نتھار کر بالٹی میں بھرتی جا رہی تھی۔ اس نے کپڑوں سے بھری بالٹی اٹھائی اور صحن میں بندھی الگنی پر جھٹک جھٹک کر ڈالنے لگی۔

ایک نظر تخت پر براجمان مجلس شوریٰ کا اختتام کرتی اماں اور مائی زیتون پہ بھی ڈال لیتی۔

مائی زیتون اپنا شٹل کاک سر پہ جمائی اسے عقابی نظروں سے جانچ رہی تھی۔ دہلیز پار کرتے ہوئے بھی ایک بھرپور نظر ڈالنی نہ بھولی تھی۔

''بوڑھی چڑیل نہ ہو تو۔'' اس نے دانت کچکچائے تھے۔

☆☆☆

شمع رانی دس بجے کے قریب اٹھ کر باہر آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ بھابھی نے نہ صرف ساری صفائی کر ڈالی تھی۔ بلکہ اب کچن سے اٹھتی خوشبوئیں بتا رہی تھیں کہ خصوصی پکوان تیار ہو رہے ہیں۔ یہ سب واقعی حیران کن تھا۔ بھابھی سست تو نہ تھی۔ مگر چھوٹے کے ساتھ ساتھ گھر کا کام کرتے کرتے بھی وہ قریباً گیارہ بجا دیتی تھی۔

''ہائے بھابھی! یہ آپ اتنی تیاریاں کس لیے کر رہی ہیں۔ اتنی صبح صبح کوئی مہمان آنے والے ہیں

کیا؟'' حلوے کے ڈونگے میں جھانکتے ہوئے پوچھا پھر ہاٹ پاٹ سے مزے دار شکر پارہ اٹھا کر منہ میں رکھا۔ بھابھی نے مسکرا کر کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

''ہاں جی' بہت ہی خاص مہمان آنے والے ہیں۔'' لہجہ خاصا مبہم اور شک میں مبتلا کرنے والا تھا۔ شمع کے کان کھڑے ہو گئے۔

''کیا مطلب کون سے خاص مہمان؟'' لہجہ سرسری بنا کر اس نے تفتیش کی ...... جبکہ ایک نظر کچن کی کھڑکی سے باہر صحن میں بھی ڈالی۔ جہاں اماں پان کی ڈبیا کھولے آپ ہی آپ مسکرا رہی تھی۔

''پگلی! تمہارے رشتے کے لیے آرہے ہیں لوگ۔ وہ جو زبیر (پڑوسی) کی شادی میں موٹی عورت تم سے لپٹ لپٹ کر مل رہی تھی ناں۔'' بھابھی نے اس کو یاد دلایا۔ وہ دوسرا شکر پارہ منہ میں رکھنا بھول گئی تھی۔

''انہوں نے تمہیں پسند کیا ہے اپنے بیٹے کے لیے۔ کل مائی زیتون اسی سلسلے میں آئی تھی۔ آج وہ لوگ آرہے ہیں رشتہ پکا کرنے۔'' ان انکشافات پر اس کی گول گول آنکھیں باہر آنے لگی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے وہ منوں وزنی عورت گھومنے لگی تھی جو زبیر کی شادی میں اسے لپٹا لپٹا کر پیار کر رہی تھی۔

''یا اللہ بچا کر رکھنا۔ اس کا بیٹا بھی اسی کے جیسا تو ہوگا۔'' اسے سوچ کر ہی جھرجھری آنے لگی تھی۔

اور اسی لمحے اس کے شیطانی ذہن نے منصوبہ بنایا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد جب بھابھی اپنے کمرے میں چلی گئی تو اس نے چپکے سے شکر پاروں کا ہاٹ پاٹ لیا اور کمرے سے تازہ خواتین کا شمارہ اٹھایا جو کل ہی ہاکر دے گیا تھا اور اماں سے نظر بچا کر سیما کے ہاں آگئی۔

''سیما رانی کہاں ہو آؤ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں۔'' اس نے صحن سے ہی سیما کو آواز لگائی (لالچ بھری پکار)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	1000/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	500/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج صحن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	تنزیلہ ریاض	300/-
تیری راہ میں رل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ =/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

www.urdugem.com

"کیا لائی ہو؟" سیما رانی کے بجائے بالوں کی جٹائیں کھولتی سیما چڑیل باہر آئی تھی۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے اگر شمع اسے جانتی نہ تو اسے سچ مچ چڑیل سمجھ کر سر پر پیر رکھ کر بھاگ جاتی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے تجھے اس منہ متھے کے ساتھ کسی کے سامنے مت آیا کر' بندے کا دل بند ہونے لگتا ہے۔" اس نے دل پہ ہاتھ رکھ کر اس کی بکھری زلفوں کو دیکھ کر چوٹ کی تھی۔ سیما چڑیل بلبلا کر رہ گئی۔

"اور تمہیں بھی کتنی دفعہ کہا ہے' اپنے گھر ٹک کر بیٹھا کرو جب دیکھو منہ اٹھائے آجاتی ہو۔" اس نے بھی حساب برابر کیا۔

"ارے جا بی بی! میں کون سا تیرا یہ تھوبڑا دیکھنے آئی ہوں۔ میں تو بس تجھے جلانے آئی ہوں۔" اس بار دوپٹے کی اوٹ سے خواتین کی ذرا سی جھلک دکھائی گئی اور مکاری سے دیدے گھمانے لگی۔

سیما کے دل کو تو پنکھے لگ گئے جب ہی دوسرے پل سب بھول بھال اس کے سر ہوگئی کہ وہ جلد از جلد اسے ٹارچر دے۔

"غلطی نہیں' پہلے اپنے ان بالوں کو لپیٹ اور باغ میں چلنے کی کر وہاں دوں گی ہاں....."

"تیرے جیسی کمینی آج تک نہیں دیکھی۔" سیما نے دانت کچکچائے اور بال سمیٹنے لگی۔

"باغ میں کیا سلیمانی ٹوپی پہن کر جائیں گے۔ وہ جہنم کا دارو غہ تو یہیں سے نظر آرہا ہے اپنے مولا جٹ کے ساتھ۔" وہ دونوں باغ والے راستے پہ آئیں تو باغ کو جانے والے دروازے کے سامنے ہی اس کا رکھوالا پہرے داری کرنے کے لیے موجود تھا۔ پہلے تو وہ دونوں جب جٹ پہلوان اپنے سوٹے سمیت ادھر ادھر ہوتا تو وہ چپکے سے چلی جاتیں اور پھر گھنٹوں بیٹھی رسالے پہ تبصرہ کرتیں اور کھٹے میٹھے لوکاٹ کا مزہ بھی لیتیں۔ مگر چونکہ آج اچانک آمد ہوئی تھی۔ اس لیے جٹ پہلوان سے ٹاکرا لازمی تھا۔

"فکر نہ کر۔ اس کا بندوبست کر کے ہی آئی ہوں۔" شمع نے آنکھیں مٹکائیں اور بغل سے ہاٹ پاٹ نکالا۔ ڈھکن کھول کر اس پر شکر پاروں کا ڈھیر لگایا۔ جو باقی بچے وہ سیما کو تھما دیے۔ کیونکہ اسے پتا تھا۔ جٹ پہلوان پیٹ کا نہایت کچا تھا اور کھانے کی کسی بھی چیز سے اسے لالچ دیا جا سکتا تھا۔ پھر یہ تو مزے دار خستہ میٹھے شکر پارے تھے۔

اور وہی ہوا۔ جٹ پہلوان مزے دار شکر پارے دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا اور پھر شکر پارے لے کر ان دونوں کو جانے دیا تھا اور تو اور حاتم طائی کی قبر پر لات مار کر یہ بھی کہا کہ اگر چاہو تو دو چار لوکاٹ بھی توڑ کر کھا لینا۔

حالانکہ اگر وہ نہ بھی کہتا تب بھی دونوں نے لوکاٹ کھاتے تھے۔ کیونکہ کھٹے میٹھے رسیلے پکے لوکاٹ دیکھ کر تو جٹ کی طرح ان دونوں کے منہ میں بھی پانی آجاتا تھا۔

☆☆☆

اور پھر بھری دوپہر میں جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ وزن دار لوگ آکر نامراد لوٹ بھی گئے ہوں گے۔ تو واپس آئی۔ مگر جیسے ہی گھر کے اندر قدم رکھا۔ اماں کو جلے پیر کی بلی کی طرح پورے صحن میں چکراتے پایا۔ اس نے کان دبا کر بھاگنا چاہا مگر۔ اماں کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہاتھ میں پکڑی تنکوں والی چھوٹی جھاڑو (جو شاید نہیں یقیناً اسی کی خاطر پکڑی تھی) زور سے کھینچ ماری..... مگر فاصلہ ہونے کے باعث اور شمع کی خوش قسمتی کے باعث اس سے خاصے فاصلے پر لہرا کر زمین بوس ہوئی اور پھر اس سے پہلے کہ اماں اپنے زنانہ ہتھیار (جوتے) کی طرف متوجہ ہوتی وہ چیخ پڑی۔

"کیا ہوا ہے اماں جو یوں جوان اولاد کو مارنے کے درپے ہوئی ہے بھی صبح تو اچھی بھلی تھی۔ بھلا جوان جہان بیٹی کو کوئی جھاڑو سے مارتا ہے۔"

"رک..... جوان اولاد! تجھے میں ابھی بتاتی ہوں۔" اماں نے پاؤں سے نکال کر ربڑ کی جوتی سے اس کی کمر پر مہر ثبت کی۔

"اوئی اماں! کیا کر رہی ہے۔ کچھ بتا بھی تو مجھ معصوم نے کیا کیا ہے جو تو یہ خاطر تواضع کرنے پہ تلی ہے۔" معصومیت کی انتہا تھی کمر سہلاتے اس نے بھولے پن سے پوچھا تھا۔ اس کے معصومیت سے پوچھنے پہ اماں تو تپ ہی گئی۔

"نی مرن جوگی! تجھے جب اس نمانی (بھابھی) نے بتا دیا کہ تیرا قلع قمع کرنے وہ بھینسوں کی سردارنی آرہی ہے تو تو اپنا یہ تھوبڑا اٹھا کر کہاں دفعان ہوگئی منحوس ماری۔ ہاں بتا مجھے؟" مارے غصے کے اماں کا رنگ جیسے سرخ کے بجائے زرد پڑ گیا تھا۔

"بس اماں! میں نے شادی نہیں کرنی اس لیے رفو چکر ہوگئی تھی۔ اور ان پہلوانوں میں تو مر کر بھی نہیں۔" دور سے ہی کہنے کی ہمت کی تھی۔ منہ بنا کر ایسے کہا جیسے کسی ریاست کی شہزادی ہو۔

"شادی تو تیرا باوا بھی کرے گا۔ تو کس کھیت کی مولی ہے۔ میں دیکھتی ہوں اگلی دفعہ تو کیسے دفعان ہوتی ہے۔" اماں نے اپنے آئندہ کے عزائم سے بھی اسے آگاہ کیا اور بکتے جھکتے کمرے کی راہ لی۔

جبکہ شمع سوچ رہی تھی کہ آئندہ کیا کرنا ہے ایسے موقع پر۔ اس نے پلان سوچا اور مطمئن ہوگئی مگر اماں بھی اسی کی اماں تھی۔

پورے چار دن بعد مائی زیتون اپنا شٹل کاک سنبھالتی تین خواتین کے ساتھ ایسے اچانک آئی کہ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہ چل سکا۔ اور جب پتا چلا اور آنے والوں کا مقصد سمجھ میں آیا تو فوراً باہر کو ہولی مگر یہ کیا؟ اتنے بڑے لکڑی کے پرانے مگر مضبوط دروازے پہ اماں کے صندوقچے کا چھوٹا تالا جھولتا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"پتا تھا مجھے' خوب پتا تھا مجھے نا نہجار کہ تو پھر بھاگ نکلے گی جب ہی یہ تالا لگایا ہے۔" اماں اس کے پیچھے ہی آئی تھی۔

"اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہے۔ چل جا کر یہ صورت کچھ سدھار آ جا میرے کمرے میں۔" آخر میں ڈپٹ کر کہا گیا۔

اب وہ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق پاؤں گھسیٹتی غسل خانے جانے لگی تھی کہ سامنے کچن میں بھابھی کو پھر مسکرا مسکرا کر پکوان پکاتے دیکھا تو دانت کچکچا کر رہ گئی اور عین اسی لمحے اس کے شیطانی ذہن میں ایک ترکیب آئی کہ وہ خود بھی سوچ کر اش اش کر اٹھی۔

"بھابھی! تم چائے لے جاؤ۔ میں پانچ منٹ میں تیار ہو کر آئی ہوں۔" کچن میں جھانک کر اس نے کہا اور چھپاک سے غائب.....

بھابھی کو سکتہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا کہ کیا ان کے کانوں نے وہی سنا جو ابھی شمع کہہ گئی ہے۔ کیونکہ وہ خوب جانتی تھی کہ شمع آصف سے محبت کی وجہ سے آنے والوں کو چلتا کرتی ہے۔ وہ خود بھی نند کی طرف تھی مگر کیا کرتی اپنی خالہ پلس ساس کا۔

"یا اللہ خیر کر، کہیں بچی کا دماغ تو نہیں چل گیا۔" بھابھی نے ہول کے سوچا تھا کہ شمع کا انداز ہی اسے کچھ ایسا لگتا تھا۔ اور پھر ٹھیک دس منٹ بعد وہ اماں کی مہمانوں سے ملنے کے لیے تیار تھی۔ خود کو آئینے میں آخری بار دیکھ کر وہ مطمئن سی ہو کر باہر آئی۔

"السلام علیکم جی....." نارنجی رنگ کا ستاروں بھرا آنچل دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں لپیٹتی وہ شرم سے جیسے دہری ہوئی اندر داخل ہوئی اور سلام جھاڑا۔

تو سامنے بیٹھی مہمان خواتین میں قدرے زیادہ عمر والی جوسکٹ چائے میں ڈبو کر کھانے والی تھی۔ صدمے سے گنگ ہوئی اور سکٹ نے تو باقاعدہ ان کے ہاتھ سے نکل کر چائے میں خودکشی ہی کر لی۔ جبکہ باقی دونوں خواتین کے ساتھ ساتھ مائی زیتون اور خود اس کی اماں کے منہ کھلے اور آنکھیں جیسے باہر کودنے کو تھیں۔

اماں تو بھونچکا رہ گئی کہ یہ لمحوں میں ان کی اچھی خاصی معقول بیٹی سے بل بتوڑی کیونکر بن گئی۔ جبکہ بھابھی کے منہ سے ہنسی کا فوارہ نکل گیا تھا اور اسے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا کچھ دیر پہلے والا انداز یاد آیا تھا۔

www.urdugem.com

اور وہ ہنوز کھڑی معصومیت و شرم سے آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔ کالے کپڑے پہنے' نارنجی دوپٹا لیے۔ بالوں کی ٹیڑھی مانگ نکالے یوں کہ بالوں میں ماتھے کے ساتھ ساتھ ایک آنکھ بھی چھپ گئی تھی۔ جبکہ تیل ملے چہرے کے ساتھ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں بھر بھر کر سرمہ ڈالے' ہونٹوں پر تیز نارنجی لپ اسٹک لگائے۔ وہ اس وقت۔۔۔ بل بتوڑی ناسا چوڑی کی خاندان کی ہی لگ رہی تھی۔

اور پھر لمحوں میں وہی ہوا تھا جو وہ چاہ رہی تھی۔ تینوں خواتین مائی زیتون پہ لعنت بھیجتی وہاں سے رفو چکر ہوگئی تھیں۔ جبکہ مائی زیتون کا تو دل چاہ رہا تھا اس چڑیل کو دھنک کر رکھ دے جس کی وجہ سے اس دوسری پارٹی کے ہاتھوں بھی ذلت نصیب ہوئی تھی۔

"بہن! میں تو کہتی ہوں۔ اس چنڈال کے رشتے کے خواب چھوڑ دیں۔ ارے میں تو باز آئی دوبارہ کسی کو بھی ساتھ لانے سے ہاں۔" مائی زیتون نے شٹل کاک سنبھالا اور ہاتھ سے چنڈال پر لعنت بھیج کر چلتی بنی۔

جبکہ چنڈال بیٹھی اب مزے سے مہمانوں سے بچنے والے لوازمات سے ایسے انصاف کرنے میں مگن تھی۔ جیسے یہ اسی کے لیے تو بنائے گئے ہوں اور اماں کو تو ایسا صدمہ ہوا تھا کہ صم بکم ہی ہوگئی تھی۔

☆☆☆

گرما کی سنہری دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ گرمی کی شدت سے ہر ذی روح جیسے بلبلا رہی تھی۔ شاہ توت کے اس پرانے درخت پر اس وقت چڑیوں کے غول کے غول بیٹھے گرمی سے جیسے بے حال ہو رہے تھے اور شاہ توت کے نیچے تخت پر براجمان اماں۔ ہاتھ کا پنکھا جھلاتی ماتھے پہ سلوٹیں سجائے صحن میں ادھر ادھر پھرتی شمع کو یوں دیکھے جا رہی تھی جیسے کچا چبا جائے گی لگتا تھا گرمی نے ان کے دماغ پر اثر کر ڈالا تھا۔

اس واقعے کو ہوئے دو ہفتے ہو گئے تھے مگر اماں کا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے گھر کا ماحول جون کی گرمی سے بھی زیادہ گرم تھا۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پر شمع کو ایسے لتاڑنے لگتی کہ اللہ کی پناہ ..... مگر وہ بھی خالص دیسی ڈھیٹ تھی۔ اماں جی کے فرمودات بس ایک کان سے سن کر دوسرے سے روانہ کرنے کی زحمت ہی کرتی۔

ویسے بھی اب وہ کافی مطمئن ہوگئی تھی کہ اماں اس شاندار معرکے کے بعد کوئی رشتہ نہیں بلوائے گی۔ اور پھر کچھ دنوں تک پھوپھو لوگوں کی آمد بھی متوقع تھی۔ سو اس لیے یہ خوشی انجوائے کر رہی تھی۔

آج بھی خاصی فرصت سے بیٹھی چہرے پر بلیچ کریم لگائے ہاتھ کا پنکھا جھل رہی تھی۔ جب اماں اس کے دیدار کو آئی۔

"اے شاباش' بس ایک اس چونے کی کمی رہ گئی تھی وہ بھی تھوبڑے پر سجالی..... ناں تو مجھے بتا تیرے لیے کوئی شہزادہ آئے گا جو تو خود پر محنت کرتی ہے' ہاں؟" کمر پر ہاتھ ماتھے پہ آنکھیں رکھے وہ خاصی خونخوار لگ رہی تھی۔

"اماں۔۔۔ تو بھی ناں ہر وقت میرے پیچھے لگی رہتی ہے۔" شمع جی نے اپنا بنا ہوا منہ اور بنایا۔

"مجھ سے کس نے کہا میں شہزادے کے انتظار میں ہوں۔ یہ تو بس یوں ہی چہرے کی شادابی کے لیے لگاتی ہوں میں۔"

"تیرے اس منحوس چہرے پر شادابی تو کیا مرغابی بھی نہیں آنے والی' یہ تو لکھ لے۔" اماں نے ایک ہاتھ نچایا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اس پر ہاتھ چھوڑتی باہر سے بھابھی کی پکار آئی تھی۔

"اماں! دیکھیں دروازے پہ کوئی ہے۔"

اور اماں تن فن کرتی دروازہ دیکھنے چلی گئی۔ تو اس نے چہرے سے جلدی جلدی ماسک صاف کیا۔ برف کا ٹکور کیا اور پھر اسکن کیئر لوشن لگا کر آئینے کے سامنے جم کر اپنی آنکھوں پر محنت کرنے لگی۔ مسکارے کے ہلکے ہلکے تین کوٹ لگا کر اس نے آئی لائنر کا مہارت سے استعمال کیا اور اپنی عام سی آنکھوں کو خاصا پرکشش بنایا۔ آنکھوں کی سیوا سے

فارغ ہوئی تو ہونٹوں پہ بھی نیچرل کلر کی لپ سٹک لگا لی۔ بالوں کی سائیڈ مانگ نکال کر اور ڈھیلی ڈھالی چوٹی بنا کر بائیں کندھے پر ڈال دی تھی۔

پیلے ہرے رنگ کے لان کے سوٹ اور شیفون دوپٹے میں اس کا متناسب سراپا خاصا اچھا لگ رہا تھا جبکہ رہی سہی کسر ہلکے ہلکے میک اپ نے پوری کر دی۔

"اے شمع!" اسے آواز دیتی اماں ایک بار پھر آئی۔ سنگھار میز کے آئینے میں اپنا جائزہ لیتی وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔ اور گڑبڑا تو اماں بھی گئی اپنی بیٹی کو اتنے اچھے سے تیار دیکھ کر۔

"جی اماں کوئی کام تھا کیا؟" شرافت کی پوٹلی نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں' ذرا میرے کمرے میں چل' بات کرنی ہے کچھ۔" اس کا سر سے پیر تک جائزہ لیتی اماں نے کہا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے لگی۔

وہ دل ہی دل میں اماں کے رویے پر خوش ہو رہی تھی مگر یہ خوشی بہت ہی کم اور وقتی ثابت ہوئی تھی کہ اماں کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر حیرتوں کے پہاڑ نہیں آسمان ٹوٹے تھے۔

سامنے ہی مائی زیتون اپنے مکار ڈیلوں کو گھماتی نئی پارٹی کے ساتھ موجود تھی۔ اس کے تن بدن میں انہیں دیکھ کر آگ ہی تو لگ گئی.....

"اے بہن لے' یہ ہے میری بیٹی۔ پوری دس جماعتیں پاس ہے اور گھر کے سب کاموں میں طاق اور تو اور سلائی کڑھائی میں بھی میری دھی کا کوئی ثانی نہیں۔"

اماں نے آتے ہی اس کا تعارف کرایا تھا اور اسے ہاتھ سے پکڑے پکڑے ہی اپنے پاس بٹھایا جیسے ڈر ہو کہ اگر چھوڑ دیا تو وہ بھاگ جائے گی۔ شمع کو چھری اپنی گردن پر پھرتی محسوس ہوئی۔

"ارے واہ' ماشاء اللہ ماشاء اللہ تیری بیٹی تو بڑی پیاری ہے خالہ! میرے بھائی کے ساتھ تو اس کی چاند سورج کی جوڑی بن جائے گی۔"

زیتون مائی کے ساتھ بیٹھی بڑی بہن کی پہلو سے جڑی یہ شاید لڑکے کی بہن تھی جو اپنی ہونے والی بھابھی کے واری صدقے ہوئی تھی۔ مائی زیتون نے اکڑ سے گردن اٹھائی۔

"دیکھا' میں نے کہا تھا ناں کڑی لاکھوں میں ایک ہے۔" اپنے دو چار رہتے دانتوں سے کتر کتر نمک پارہ کھاتی مائی زیتون کو دیکھتے ہی شمع کے دل نے بے اختیار خواہش کی تھی کہ کاش وہ مکھی بن جائے اور اس شیطانی مائی کی لمبی ناک پر کاٹ لے۔

"ہاں، بہن تو ٹھیک کہتی ہے۔ لڑکی واقعی لاکھوں میں ایک ہے۔" اس بار بڑی بہن نے لب کشائی کی تھی۔

"ہمیں اپنے بیٹے کے لیے ایسی ہی لڑکی چاہیے تھی جو بہن تیرے در پہ مل گئی۔ اب تو نے مڑ کر انکار نہیں کرنا۔ اپنی بیٹی کو ہماری جھولی میں ڈالنا ہے۔" بڑی بی نے اپنی مٹھاس بھری نظر شمع پہ ڈال کر اماں سے کہا۔

اور شمع کا دل کیا واقعی اس عورت کی جھولی میں لیٹ کر وہ ایسے بھولے بس کہ وہ خود ہی اسے اتار پھینک دیں۔

"ارے بہن! اتنے اچھے رشتے کے لیے کاہے کو انکار۔ میری شمع سمجھو آج سے ہی تیری امانت ہے۔ جب جی چاہے آ کر لے جا۔"

"ہاں آپ کا سب کچھ میرا دیکھا بھالا ہے۔ میرے بیٹے کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی اسے ہاتھ سے پکڑ کر آنے والی کے ساتھ روانہ کر دے۔

شمع کے لیے اب کوئی جائے پناہ نہیں تھی کہ خواتین نے ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا کر مبارک باد دے کر بات پکی کر لی۔ اسے اپنی بے بسی پہ رونا آنے لگا تھا۔

"یا اللہ! تو یہ بنی بات اسی وقت بگاڑ دے مالک! جیسے بھی ہو۔" اس کے دل سے آہ کی صورت

www.urdugem.com

دعا نکلی تھی اور سیدھی عرش پہ پہنچی تھی۔ کیونکہ عین اسی وقت سیما آندھی طوفان کی طرح نازل ہوئی تھی۔

"شمع! اے شمع' جلدی چل وہ مرجائے گی۔" آتے ہی بنا ادھر ادھر دیکھے اس نے شمع کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"اے لڑکی! کیا کہہ رہی ہو۔ کون مر رہا ہے۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔" اماں نے دیدے پھیلا کر دل پہ ہاتھ رکھا تھا۔ جب کہ باقی خواتین بھی مرنے والے کے بارے میں جاننے کے لیے بے تاب ہوئی تھیں۔

"خالہ! وہ ہماری کالی والی بکری کے گلے میں پھندا لگ گیا تھا۔ اماں نے پھندا تو نکال دیا مگر لگتا وہیں مرجائے گی کیونکہ زمین پر پڑی لوٹنیاں لگا رہی ہیں۔ شمع کو لینے آئی ہوں کہ یہ اسے ذبح کردے۔" ایک ہی سانس میں سیما نے جتنی جلدی میں ہو سکا تفصیلاً بات سمیٹی۔

"اے لڑکی! کیا بول رہی ہے۔ یہ لڑکی ہو کر بکری کیسے ذبح کرے گی۔ تیرا کوئی باپ بھائی نہیں کیا۔" مائی زیتون نے ہاتھ نچایا۔

"اے مائی تو نہیں جانتی ہماری شمع مردوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ زبح حلال کرنا کسی بھی جانور کو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' جلدی چل شمع! ایسا نہ ہو ہمارے جانے سے پہلے ہی وہ اللہ کو پیاری ہوجائے۔" مائی زیتون کو جواب دیتے اس نے ایک بار پھر شمع کو گھسیٹا اور شمع کے شیطانی دماغ نے جیسے کام کیا تھا۔

"اماں! میں جا رہی ہوں مگر مہمانوں کو جانے مت دینا۔ خالہ سے پکی سالم لاؤں گی مہمانوں کے لیے تکے کریں گے۔" جاتے جاتے اس نے پیچھے ہانک لگائی تھی۔ جبکہ اماں کو تو چپ نے ڈھانپ لیا تھا۔

"اے بہن ہمیں تو معاف کر' ہمیں نہیں چاہیے ایسی مرد مار قسم کی لڑکی' اسے بہو بنا کر تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔" بڑی بی نخوت سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"ہاں اب ہم نے قصائی کی دکان تھوڑی کھولنی ہے کہ اسے بھابھی بنائیں ارے ہمارے بھائی نے تو آج تک مکھی مچھر نہ ذبح کیا ہوگا اس کے لیے ایسی بیوی لیں توبہ توبہ....." بہن بھی بھائی سے محبت کا حق جتاتی کانوں کو ہاتھ لگاتی اماں کے پیچھے نکل گئی تھی۔

اور مائی زیتون کا تو غصے سے برا حال تھا۔ اس ہارا اسے پکی والی قسم کھالی تھی اس لڑکی کے لیے اگر جو بھی کوئی رشتہ لائی تو.....

☆☆☆

گھر کی بوجھل فضا اور حد درجہ رنجیدہ' سنجیدہ بلکہ الم ناک ماحول' پھوپھو سلمٰی اور ان کی بہو اور آصف کی مشترکہ آمد سے کچھ خوشگوار ہوا تھا۔

شمع کے لیے دو دو خوشیاں تھیں ایک تو یہ کہ اماں کی نظر کرم اس پر ہٹ سے گئی تھی۔ جو ہر لحہ اس کا اندر تک ایکسرے کرتی رہتی۔ جبکہ دوسرا پھوپھی لوگوں کے آنے کا مقصد جان کر۔ اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ تتلی بنی ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ بلکہ گھر کے کاموں کے پیچھے جیسے دوڑ رہی تھی (کیونکہ پلان جو بنایا تھا سیما کے ساتھ مل کر۔ اسے پتا تھا سمیرا بھابھی نے وہاں تو آصف اور پھوپھو سے کہہ رکھا تھا کہ وہ بات کرے گی اماں سے مگر اسے یقین تھا وہ کبھی ایسا نہ کرے گی۔ اس لیے اس نے سیما کے ساتھ مل کر ایک شاندار منصوبہ بنایا تھا اور اب اس کے پہلے مراحل کو طے کر رہی تھی جبکہ انتظار میں تھی کہ کب سیما آئے اور اگلا مرحلہ سر ہو جائے جو بہت ہی لازمی تھا) اور پھر وہ وقت آ گیا۔

دوسری صبح جب اماں، پھوپھو اور سمیرا بھابھی کے ساتھ اپنے تخت پر براجمان گاؤں کے قصے سنا رہی تھی۔ شمع ان کے لیے لوازمات کے ساتھ گرم گرم چائے لے آئی (ایک تو گرمی اوپر سے گرم چائے کیا اچھا کامبینیشن) اس نے چائے نہایت ادب و احترام کے ساتھ تخت پر ان کے درمیان رکھی اور بھابھی کا گود کا بچہ جو کہ اللہ جھوٹ نہ بلوائے خاصا بھاری تھا' ان کی گود سے لے کر سامنے چارپائی پہ بیٹھ گئی۔

"بھابھی! آپ آرام سے چائے پی لیں۔ اس کو میں کھلا رہی ہوں۔ کل سے آپ نے اس چھوٹے سے بچے کی وجہ سے نہ تو کھانا ٹھیک طرح سے کھایا نہیں نہ ہی چائے صحیح طرح پی۔" گڈو کو گود میں لے کر اس نے چاپلوسی کی انتہا کر دی تھی اور بھابھی کو تو اس کے اتنے خیال پہ جیسے خود پہ جی بھر کر پیار آیا تھا۔

رہی اماں تو اس نے اس سفید جھوٹ پر اپنی نور نظر' لخت جگر کو خاصے اچنبھے سے گھورا تھا۔ کہ سمیرا تو ایک وقت میں تین بندوں کا کھانا ہڑپ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور اپنے اس جنونی مشغلے میں بچے تو بچے بڑے بھی اس کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکتے تھے۔

اس لمحے کھلے دروازے سے سیما اندر داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم.....ارے یہ تو پھوپھی آئی ہوئی ہیں اور بھابھی پیاری بھی ساتھ ہیں خوش آمدید..... کب آئے ہیں آپ لوگ؟ مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔" سیما نے چہکتے ہوئے سلام کیا اور بھابھی کو پیاری، بول کر ان کا دل خوش کر دیا۔

"ارے سیما آؤ آؤ' کیسی ہو' ماں کیسی ہے تمہاری۔ باقی گھر میں سب خیریت ہے۔" پھوپھی نے بھی خوش دلی سے جواب دیا تھا۔ جبکہ بھابھی اپنی تعریف پر خوش ہونے کے بعد اب دوبارہ انہماک سے چائے دل و جان سے نوش کرنے میں مشغول تھی۔

"ٹھیک ٹھاک ہیں پھوپھی جی۔" سیما نے کہتے سے ہاتھ میں پکڑا شاپر شمع کی گود میں رکھا تھا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ بان کی چارپائی نے اس کے بیٹھنے پر لمبی چرچر کے ساتھ فریاد کی تھی۔

"اچھا۔ تم دونوں اپنی بھابھی سے باتیں کرو میں ذرا اپنی بھاوج کے ساتھ مولوی صاحب کی طرف چلتی ہوں۔ ان کی بیوی کی عیادت کرنے۔" پھوپھو کہہ کر تخت سے اتر گئیں اور پھر جیسے ہی وہ دونوں خواتین چادریں سنبھالتی نکلیں۔۔۔ سیما رانی دوبارہ چہکی۔

"شمع تو نے جو قمیص دی تھی اس کے ساتھ بالکل میچنگ دوپٹا لائی ہوں دیکھ ذرا۔" اس نے تھیلا کھول کر اس میں سے کالے جارجٹ کی قمیص جس پر سلور کلر کی نہایت خوب صورت کڑھائی ہوئی تھی نکالی۔ تو بھابھی پیاری جو کم و بیش چوتھی پیالی بھر کر پی رہی تھی' پینا بھول گئی۔

"ارے شمع کس کی ہے یہ قمیص؟ ہائے اللہ' کتنی پیاری ہے۔" ایک دم قمیص اپنے پکوڑوں کے میلے ہاتھوں میں لے کر ان کی رال ٹپکی تھی۔ شمع نے سیما کو ہلکی سی کہنی ماری۔

"یہ کسی کی بھی نہیں ہے بلکہ یہ میں نے آپ کے لیے بنائی ہے اپنے ہاتھوں سے۔" شمع شروع ہوئی۔ "آپ جب بھی ہماری طرف آتی ہیں خالی ہاتھ ہی جاتی ہیں۔ اس بار میں نے سوچا آپ کو یہ چھوٹا سا تحفہ دے دوں۔" مکھن کا گولہ بھابھی پیاری کے تھوپا گیا تھا۔ ان کی تو آنکھیں جیسے حیرانی و خوشی سے پھیل گئی تھیں۔

"ہیں سچ شمع!! کیا واقعی تم نے یہ میرے لیے بنائی ہے۔" انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"بالکل سچ۔ اب اگر آپ لینا نہ چاہیں تو اور بات ہے۔" سیما نے بھی لقمہ دیا۔

"ارے میں کیوں نہ لوں گی۔ شمع نے اتنے پیار سے بنائی ہے میرے لیے۔" بھابھی پیاری نے ندیدے پن سے قمیص خود سے لگائی تھی۔

"اچھا سیما تم بھابھی سے باتیں کرو۔ میں ذرا کچن میں دیکھ آؤں بھابھی کیا کر رہی ہیں۔ کچھ مدد ہی کردوں۔" چھوٹے کو سیما کی گود میں ڈال کر اس نے جیسے سیما کو اگلے پوائنٹ پر کام کرنے کا اشارہ دیا تھا۔

"ویسے بھابھی! آپ پر یہ کالا رنگ جچے کا بہت۔ ماشاءاللہ اتنا گورا تو رنگ ہے آپ کا۔" شمع کے جاتے ہی سیما' بھابھی پیاری کے قریب کھسک آئی اور رنگت کی تعریف پر اسی وقت بھابھی پیاری کا

www.urdugem.com

رنگ گلنار ہو گیا تھا۔

"ارے میرا رنگ تو شادی کے بعد سے کملا کر رہ گیا۔ سیما! تم پہلے دیکھتیں تو دیکھتی رہ جاتیں۔ میری تو اتنی صاف رنگت ہوا کرتی تھی کہ کیچنے سے بھی میلی ہو جائے۔" جھوٹ کی انتہا تھی اس وقت اگر شمع کی شادی کا سیریس معاملہ نہ ہوتا تو سیما انہیں آئینہ ضرور دکھاتی۔

"کیا واقعی؟" سیما نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "ویسے اب تو آپ کے ہاتھ کام کی وجہ سے کافی کھردرے ہو گئے ہیں اور چہرے کی شادابی بھی ان موئی جھریوں نے ختم کر دی ہے۔ آخر کو آپ کام بھی تو اتنا کرتی ہیں ناں۔" ہمدردی میں ہی وہ ان کا اچھا خاصا کچا چٹھا کھول گئی تھی۔

"کیا بتاؤں سیما! کتنا کام کرنا پڑتا ہے مجھے' گھر میں نہ تو نند ہے نہ دیورانی، سمجھو پورے گھر کی ذمہ داری مجھ غریب پر ہے۔" بھابھی پیاری نے دکھڑا رویا تھا۔ سیما نے سر ہلا کر شد و مد سے ان کی تائید کی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ اور دیورانی کی بھی کیا خوب کہی' آج کل کی لڑکیاں کام تھوڑی کرتی ہیں گھر کا۔ کام سے تو جیسے ان کی شان میں کمی آتی ہے۔ بس حکم چلانا جانتی ہیں ہاں ..... اللہ آپ کو اچھی سی دیورانی دے کہ مل کر ہنسی خوشی رہیں ورنہ تو گھر کا سکون الگ برباد ہو گا اور دل الگ خراب ہوں گے۔" دیورانی کے حوالے سے اس نے تو ایسا بھیانک نقشہ کھینچا کہ بھابھی پیاری قیص کی خوشی بھول کر دیورانی کی غم پر ہو لی گئی۔

"ہاں کہتی تو تم ٹھیک ہو۔ آج کل کی پٹاخہ لڑکیوں سے واقعی کوئی اچھی امید لگانا بے کار ہے۔ یہ بس بننا سنورنا جانتی ہیں' کام ان کے بس کا نہیں ہوتا۔"

"ہاں مگر آج بھی کہیں کہیں مخلص دل والی لڑکیاں موجود ہیں۔ اب آپ اپنی شمع کو دیکھ لیں۔" کہتے ہوئے اس نے کچن کی طرف اشارہ کیا جہاں کھڑکی سے وہ برتن دھوتی صاف نظر آ رہی تھی۔

"آج کل کی لڑکیوں والی ایک بھی فضول عادت اس میں نہیں ملے گی آپ کو' ہر وقت اپنی بھابھی کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ گھر کے کام کاج میں بلکہ اس چھوٹے کی وجہ سے تو اب اس نے بھابھی کی جگہ صبح ناشتہ بنانا بھی اپنے ذمے لے لیا ہے۔" جھوٹ کا فوارا تھا جو سیما کے منہ سے ابل پڑا تھا۔ بھابھی پیاری آنکھیں حیرت سے نکالے اسے سن رہی تھیں۔

"برتن دھونا' کپڑے دھونا' آٹا گوندھنا۔ غرض ہر وہ کام جس کے پاس آج کل کی لڑکیاں خواب میں بھی نہیں پھٹکتیں' یہ شمع ہر وقت۔ کرتی رہتی ہے۔ قسم سے جس گھر جائے گی چراغاں کرے گی اپنی شمع تو۔" محبت سے شمع کو دیکھتی سیما اس وقت اس کی ماں ہی لگ رہی تھی جو کسی کے سامنے اپنی بیٹیوں کی خوبیاں بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے۔

"کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو میں خالہ کے پاؤں پڑ کر اسے اپنے بھائی کے لیے مانگتی۔ مگر وائے ری قسمت یہ ہیرا ہمارے کھوٹے مقدر میں نہیں ہے۔" حسرت' افسوس کیا کچھ نہ تھا اس کے لہجے میں.....

سیما نے بڑی شاندار' جاندار ایکٹنگ کی تھی۔ بھابھی پر حتی المقدور اثر ہوا تھا۔ کچھ بھی بولے بغیر وہ اپنا بیس کلو وزنی سر ہلا رہی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رات کھانے کے بعد پھوپھو نے اپنی بھاوج سے شاید آخری بار پھر اپنے دل کی خواہش کا اظہار کیا تو بھابھی پیاری میدان میں اتر آئی۔

"ممانی جان! آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ شمع میرے بھائیوں جیسے دیور کی دلہن ضرور بنے گی۔ لاکھوں نہ سہی ہزاروں میں ایک ہے اپنا آصف۔ شریف' نیک پارسا' اچھا کماتا ہے۔ غیر لڑکیوں کی طرف تو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ میری تو اتنی عزت کرتا ہے کہ سگا بھائی بھی نہ کرے۔" وہ کسی ٹیپ ریکارڈ کی طرح شروع ہوئیں۔

"کیا ہوا جو شکل سے درفنے منہ لگتا ہے تو۔ مردوں کی شکل کہاں دیکھی جاتی ہے۔ بس جیب بھاری ہونی چاہیے اور ویسے بھی حسن کو آپ نے

شربت میں گھول کر پینا تھوڑی ہے۔ میں کہتی ہوں ممانی ہاں کہہ دیں۔ ایسا رشتہ آپ کو زندگی بھر۔ کبھی نہ ملے گا اپنی بیٹی کے لیے۔ ہاں لکھ لیں آپ میری یہ بات۔" ہاتھ نچا نچا کر انہوں نے ایسی زبردست تقریر جھاڑی کہ اماں تو اماں پھوپھی بھی سکتے میں چلی گئی تھیں۔ یہ ان کی بہو تو آج کسی اور ہی جون میں لگ رہی تھی۔

چائے پیش کرتی شمع آپ ہی آپ مسکرا رہی تھی۔ آصف کے ہاتھ پہ گرم چائے چھلکی تھی مگر بھابھی کی باتیں پا اثر ثابت ہو رہی تھیں اس کے علاوہ بھی بھابھی نے آصف میاں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ایک کر دیے تھے۔ جوش میں آ کر اماں کو ہاں کرنی ہی پڑی۔ ویسے بھی وہ باہر رشتہ کرنے کے خطرناک نتائج بھگت چکی تھی۔

"ایسی مرد مار لڑکی کو کون بیاہتا جبکہ پھوپھو کو تو اپنی بھتیجی کی اتنی جی داری پہ پیار آیا تھا۔

شمع اسی وقت دوڑ کر سیما کا منہ میٹھا کرا آئی تھی۔ کہ یہ پلان اس کی ہی بدولت تو کامیاب ہوا تھا۔ سیما کی اماں بھی اسی وقت آ کر سب کو مبارک باد دینے لگی تھی۔

"بہت اچھا کیا تو نے جو اپنی بیٹی اپنوں ہی میں دے دی۔ جو بھی ہیں جیسے بھی ہیں اپنے تو ہیں ناں۔ اپنی پھوپھی ہے' شمع کو ایک آدھ چماٹ بھی دے مارے گی تو بھلے کے لیے۔ جبکہ پرائے تو اوروں کی بیٹیوں پر ذرا بھی نہیں ترس کھاتے۔ اتنے سارے جہیز کے باوجود غیروں کے سامنے ہمیشہ بیٹی والے ہی دبے رہتے ہیں۔ کچھ کہہ لو تو پھر بیٹی کو بھگتنا پڑتا ہے۔"

بات کرتے کرتے ماسی زبیدہ یکدم منہ پہ دوپٹہ رکھ کر پھپک پھپک کر رو دی تھی۔ اماں جی اور پھوپھو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئیں' باقی سب بھی حیران ہوئے تھے اس وقت اس بات پہ کیا رونا.....

"کیا ہوا زبیدہ! بہن تو رو کیوں رہی ہے۔" اماں کو پریشانی نے آ گھیرا تھا۔ کہ ابھی تو اچھی بھلی تھی خوش ہو کر مبارک باد دیتی ہوئی۔

"کچھ نہ پوچھ بہن! میرا دل کانٹوں پہ لوٹ رہا ہے۔ کس طرح میری نازو وہاں سسرال میں جل رہی ہے۔ دیکھتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کیسے ارمانوں سے نہ بیاہا تھا اپنی سب سے لاڈلی فرمانبردار بیٹی کو۔ کتنا کہا تھا میری جٹھانی نے کہ نازو کو اس کی بہو بناؤں مگر ناں مجھے تو پیسے والے لوگ چاہیے تھے۔ جہاں جا کر میری بیٹی عیش کرتی ان ٹٹ پونجیوں میں کیوں بیاہتی۔ اب افسوس ہوتا ہے مگر ہاتھ تو کچھ بھی نہیں بچا۔

کس طرح چھاؤں پیار لاڈ سے مانگنے آئی تھیں نازو کی ساس نندیں مگر سب دھوکا نکلا..... تایا کے ہاں بیاہ دیتی تو سکھی تو رہتی ناں' امیر بھلے نہ ہوتی۔" دونوں ہاتھ پھیلا کر اس نے افسوس سے ملے تھے۔

پھوپھو کا غم سے، جبکہ اماں کا حیرانی و پریشانی سے منہ کھل گیا تھا۔ زبیدہ نے تو وہی بتایا تھا جو اماں کرنے جا رہی تھی۔ انہیں واقعی آصف کی کم صورت پہ اعتراض نہ تھا۔ اعتراض ان کی مالی حالت پر تھا۔ ان کی خواہش تھی اکلوتی بیٹی امیروں میں جائے اور خوب عیش کرے مگر یہ زبیدہ کیا کہہ رہی تھی۔

"اپنا مارتا بھی ہے تو سائے میں ڈال دیتا ہے کسی نے کچھ غلط نہیں کہا۔ اپنوں میں واقعی کہیں نہ کہیں کچھ اپنا پن ضرور موجود ہوتا ہے۔ اپنی روکھی سوکھی پہ دونوں طرف والے خبردار رہتے ہیں جبکہ غیروں کے سامنے تو واقعی جھکنا پڑے گا اور پھر بیٹی والے کو تو ہر حال میں دبنا پڑتا ہے۔"

زبیدہ نے اپنے دل کا غم ان سے بانٹا تھا اور اماں کے لیے سوچ کا ایک نیا در وا کیا تھا۔ بھلا اگر وہ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا کر دیتی تو.....؟

اور بیٹی کا دل تو پہلے ہی پھوپھی کے گھر کی طرف مائل تھا۔ ایسے میں بیٹی کی بربادی کی ذمہ دار صرف قسمت نہیں وہ بھی ہوتی۔

www.urdugem.com

فاطمہ زیدی

سوہنے پروہنے

فاطمہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو دور دور تک سبز چنے کے کھیت نظر آئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ننھی ننھی بچیاں سبز اوڑھنیاں اوڑھے قطار در قطار کھڑی ہوں۔ مگر فاطمہ اس وقت ایسی سچویشن میں ہرگز نہ تھی کہ وہ قدرت کا حسن انجوائے کرتی۔ اس نے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''برے پھنسے'' پیچھے مڑ کر دیکھا تو مین سڑک کافی دور رہ گئی تھی۔ اور آگے پتلی سی پگڈنڈی۔ اللہ جانے کہاں اختتام ہو۔ تاحد نگاہ تو کھیت ہی تھے اور چٹیل میدان، جس میں ریت کے اونچے اونچے ٹیلے۔

''اب کیا کروں؟ آگے جاؤں یا واپس جا کر لاری پکڑلوں؟'' فاطمہ نے خود سے سوال جواب کیے۔ ''تھوڑا اور آگے جاتی ہوں، اگر کچھ نہ ملا تو واپس چلی جاؤں گی۔'' اس نے خود کو مطمئن کیا اور آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

یہ اور بات کہ ہر قدم پر یہ خیال ذہن میں آتا کہ ''ایسی نوکری پر دو حرف بھیجو اور چلو واپس گھر۔'' مگر طوعاً و کرہاً قدم بڑھاتی رہی۔ اب تو قدموں نے چلنے سے انکار کر دیا کہ یک لخت کسی کچے راستے سے ایک بیل گاڑی دھول اڑاتی نظر آئی۔ وہ جیسے ہی قریب آ کر رکی۔ اس پر سوار ادھیڑ عمر آدمی نے اسے مخاطب کیا۔

''دھیے، کدھر جانا ہے؟''

''وہ جی میں......'' فاطمہ گھبرا گئی۔ یا تو ویرانے سے خوف زدہ تھی یا اب بندہ دیکھ کر بھی اس کا سانس بند ہونے لگا۔

''گھبرا نہ دھیے، تو میری دھیاں ورگی آں۔'' فاطمہ کو کچھ حوصلہ ہوا تو اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل جھٹ آگے کر دی۔ وہ آدمی ہنس پڑا۔

''اودھیے، یہ تو انگریزی میں ہے، میں اتنا پڑھا لکھا نہیں۔''

''وہ کے چک 322 جانا ہے۔'' فاطمہ نے جواب دیا۔

''اچھا، اچھا...... وہ تو اپنا ہی چک ہے، آجا بیٹھ جا۔'' ادھیڑ عمر آدمی نے سر ہلایا اور اسے گاڑی میں بیٹھنے کی پیش کش کی۔

فاطمہ کبھی بیل گاڑی میں بیٹھی تو نہ تھی، مگر اسے اس وقت یہ پیش کش غنیمت لگی۔ وہ چارے سے بھری گاڑی پر پیچھے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ سفر شروع ہوا تو فاطمہ کو ارد گرد بکھرا حسن نظر آیا۔ تھوڑی دیر گزری تو آبادی کے آثار شروع ہو گئے۔ کہیں عورتیں کھیتوں میں کام کر رہی ہیں، تو کہیں ننگ دھڑنگ بچے ٹیوب ویل کے پانی میں گھسے نہا رہے ہیں۔ ساتھ ہی جب بیل چلتے چلتے اپنا سر ہلاتا تو اس کے گلے میں پڑی گھنٹی مدھر تان کے ساتھ بجتی اور فاطمہ کو اپنے بچپن میں پڑھی نظم یاد آ جاتی، بیل چلتا رہا گھنٹی بجتی رہی، بیل چلتا رہا گھنٹی بجتی رہی دادی سنو ناں۔ ''ہاں بولو'' بیل چلتا رہا گھنٹی بجتی رہی۔

☆☆☆

''اری بس کر ان کتابوں کے شوق کو، کچھ نہیں ملنے والا تجھے یہاں سے، رکھ سمیٹ کے اور آ کے ہاتھ بٹا'' اماں نے اس کے ہاتھ سے کتابیں چھینیں اور مٹی اور توڑی سے گندھا تسلہ اسے پکڑا دیا۔ وہ با دل نخواستہ چولہے کے پاس آئی اور اسے مٹی لگانے لگی۔

''اماں میرے ہاتھ مٹی لیپنے کے لیے تو نہیں ہیں، یہ تو قلم تھامنے کے لیے بنے ہیں'' اس نے مٹی سے لتھڑے ہاتھوں کو دیکھ کر سوچا مگر اماں سے یہ سب کہنا بے کار تھا۔ وہ ایک روایتی ماں تھیں جو دیہات کی سخت جفاکش زندگی میں پلی بڑھی تھیں اور اپنی بیٹی کو بھی ویسا ہی مضبوط دیکھنا چاہتی تھیں۔

''ہاں اگر ابا زندہ ہوتا تو۔۔'' اس کے ذہن میں اپنا محنتی کسان ابا آ گیا جس کے ہاتھ اتنے مضبوط تھے کہ زمین کا سینہ چیر کر نئی زندگی کو باہر آنے کی دعوت دیتے مگر اپنی دھی (بیٹی) کے لیے وہ اتنا ہی نرم تھا جتنا زمین بوائی کے لیے تیار کیے جانے پر ہوتی ہے۔ اس کے دل سے اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے محبت کی نرم نرم کونپلیں اٹھتیں۔ اس کا شوق دیکھ کر ابا نے اسے لکھنے پڑھنے کی ساری چیزیں لا دیں۔ جو گاؤں میں کسی کے پاس نہ تھیں۔

جب ابا شام کو واپس آتا تو وہ ابا کے ہاتھ سے جھٹ تھیلی لے لیتی جس میں کبھی پنسل، کبھی پین کبھی کلرز اور کبھی ڈرائنگ بک ہوتی۔ وہ ابا کی پائنتی پر جا بیٹھتی اور اسے یہ نظم سنانے لگتی جو نجانے کہاں سے میں سن لی تھی اور یاد بھی کر لی۔

شام ہو گئی ابھی تو گھومنے چلو ناں پاپا
چلتے چلتے تھک گئی گودی میں اٹھا لو ناں پاپا
اندھیرے سے ڈر لگتا ہے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔
سینے پہ سلا لو ناں پاپا
اسکول تو پورا ہو گیا اسکول تو پورا ہو گیا
اب کالج جانے دو ناں پاپا
آپ کی مسکان اچھی ہے۔ آپ کی مسکان اچھی ہے
ایک بار اور مسکرا دو ناں پاپا
ڈولی میں بٹھا دیا ڈولی میں بٹھا دیا
اب آنسو تو مت بہاؤ ناں پاپا
اس دھرتی پہ بوجھ نہیں ہیں بیٹیاں
اس دھرتی پہ بوجھ نہیں ہیں بیٹیاں
دنیا کو۔۔۔ سمجھاؤ ناں پاپا
دنیا کو۔۔۔ سمجھاؤ ناں پاپا
دنیا کو۔۔۔ سمجھاؤ ناں پاپا

آخری فقرہ وہ لہک لہک کر پڑھتی ہی چلی جاتی اور نہ جانے کب اس کے ابا کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی رانی کا ہاتھ چوم لیتا، ایسے لگتا جیسے دھوپ میں بارش یا صبح کو نرم نرم پھولوں پہ گرتے اوس کے قطرے۔ وہ کبھی نہ سمجھ پائی کہ ابا کی آنکھوں میں آنسو کیوں آتے تھے اور وہ یہ بھی نہ سمجھ پائی کہ اب یہ سب یاد کرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو کیوں تھے؟ اس نے مٹی سے لتھڑے ہاتھوں سے آنسو پونچھ ڈالے۔

☆☆☆

بیل گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو فاطمہ خیالوں کی دنیا سے نکل آئی۔

''لے بھئی دھیے، تیری منزل آ گئی'' بیل گاڑی والے نے دو ساتھ ساتھ بنے مکانوں کے سامنے گاڑی روک دی۔

''آ گیا چک ۳۲۲، ہن دس، کیدے گھر جانا ہے؟'' اس آدمی نے پوچھا۔ ''گھر کا تو پتہ نہیں چک ۳۲۲ جانا ہے، سب ہی گھروں میں۔'' فاطمہ نے جواب دیا۔

''اوپر چک ۳۲۲ میں یہ دو ہی گھر آتے ہیں ایک میں اور ایک میرا بھائی، ہم دو جی ہی رہتے ہیں۔'' اس آدمی نے تفصیل بتائی۔

''صرف دو ہی گھر؟'' فاطمہ حیران ہوئی۔ ''تو یہ مزید آبادی؟''

www.urdugem.com

"یہ پتر ۳۲۳ چک ہے' ادھر ہماری زمینوں سے پرے، اس کی حد شروع ہوتی ہے' تو ایسا کر پہلے بھر جائی کے گھر چلی جا' میں اپنی زنانی نوں وی ادھر بھیجتا ہوں' یہ کہہ کر وہ ساتھ والے گھر کی طرف چل دیا۔ فاطمہ نے دروازے پر دستک دی تو سامنے ہی ایک چودہ سالہ صحت مند سی لڑکی نظر آئی جو نجانے کن سوچوں میں گم تھی اور ایک ہی جگہ مٹی پھیرتی جا رہی تھی۔

"بات سنیں" فاطمہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

"اے بیٹا میننوں تیری گل دی سمجھ نہیں آئی تو ادھر کیا کرنے آئی ہے؟" ماسی منظوراں نے پوچھا۔

"اماں جی آپ ایسا سمجھ لو کہ میں مردم شماری کی طرف سے آئی ہوں۔ آپ کے بارے میں معلومات لینے۔" فاطمہ اب مطمئن ہو کر بیٹھی تھی۔ پنکھے کی ہوا سکون بخش تھی یا پھر شاید اس پنے کمرے کا کمال تھا۔ جس میں تازہ لپی ہوئی مٹی کی خوشبو ہر سو پھیلی تھی۔ اس دوران وہ لڑکی اندر داخل ہوئی اب وہ قدرے بہتر حلیے میں تھی۔

"ایک گلاس پانی ملے گا؟" فاطمہ کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور اماں جی بات سننے کو تیار نہ تھیں۔ وہ لڑکی پانی لے آئی' فاطمہ نے ایک ہی گھونٹ بھرا اور گلاس رکھ دیا۔

"اتنا کھارا پانی؟ کیسے پیتے ہوں گے یہ لوگ"۔ فاطمہ نے صرف سوچا مگر ظاہر نہ کیا مبادا وہ برا مان جائیں۔

"بیٹا ادھر آؤ۔" فاطمہ نے اسے مخاطب کیا۔ وہ لڑکی فاطمہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"بیٹا کیا نام ہے آپ کا؟"

"جی میرا نام نائلہ ہے"

"نائلہ آپ پڑھتی ہو؟" فاطمہ نے پوچھا گو کہ اسے توقع تھی کہ جواب انکار میں ہی ہوگا بھلا اتنے دور دراز گاؤں میں اسکول کہاں ــــ جہاں پہنچنا ہی دشوار ہے۔

"جی میں نائنتھ کلاس میں پڑھتی ہوں' پچھلے سال بورڈ میں پوزیشن لی تھی میں نے" نائلہ تو اپنی خوش خوش تھی بتانے لگی گویا اس کا مقصد حیات ہی ہو۔ فاطمہ نے سکون کا سانس لیا کہ کم از کم اب وہ اپنے Census (مردم شماری) کے فارم درست طریقے سے پُر کر سکے گی۔ فاطمہ اس سے سوال کرنے لگی اور ساتھ ساتھ فارم بھی پر کرتی جاتی۔

"اچھا بیٹا اب آپ اپنی چاچی کو بھی بلا لاؤ' ان کا فارم بھی پُر کر دوں۔" فاطمہ نے کہا تو نائلہ حیران رہ گئی۔

"پر آپ کو کیسے پتہ کہ وہ میری چاچی ہیں؟" نائلہ نے پوچھا

"اس لیے کہ میں آپ کے چاچا کے ساتھ ان کی بیل گاڑی پر ہی آئی ہوں" فاطمہ نے کہا تو نائلہ کھلکھلا کر ہنس دی "اچھا؟ ہم بھی چاچا کے ساتھ ہی بیل گاڑی پر اسکول جاتے ہیں' میں اور چاچے کے دو بیٹے۔" نائلہ نے کہا اور چاچی کو بلانے چل دی۔ چاچی' چاچے اور اپنے دو بیٹوں کے ساتھ گھر میں داخل ہو رہی تھی۔

"بیٹا میں ذرا کریانے تک جا رہا ہوں کچھ منگوانا تو نہیں؟" چاچے نے نائلہ سے پوچھا۔

"ہاں چاچا! ایک بوتل سیون اپ کی لے آنا"

نائلہ نے اپنے پلّو سے بندھے سو روپے کا نوٹ کھول کر چاچے کو پکڑایا۔

"اور ہنے دے میں لے اؤں گا۔" چاچے نے ہاتھ پیچھے کیے۔

"مجھے پتہ ہے چاچا تیرے حالات ٹھیک نہیں' جب ضرورت ہوتی ہے تو مانگ نہیں لیتی تجھ سے۔" یہ کہہ کر نائلہ نے چاچے کی جیب میں روپے ڈال دیئے۔

"اور سن چاچے دو پیکٹ باریک سویاں بھی لیتے آنا" چھوٹی سی نائلہ بہت حساس تھی۔ خدا جانے

کہاں سے آئی ہے۔ بھوکی بھی ہوگی۔ نائلہ اس لیے کھانے کی تیاری کرنے چل دی۔

گرما گرم چنے کی دال' ساتھ میں تندور کی ٹکیاں اور سیون اپ کا گلاس۔ فاطمہ کی تو بھوک چمک اٹھی۔ صبح کھائے دو توس خدا جانے کب کے ہضم ہو گئے۔ فاطمہ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ سویّوں نے بھی انصاف کیا اور اس چھوٹی سی لڑکی کی ممنون ہوئی۔ جہاں اس کا اندازہ تھا وہ شام ڈھلے سے پہلے فارغ نہ ہوگی اس کا کام تو ایک گھنٹے میں ہی نمٹ گیا۔ چاچی کا نام، شوہر، بچوں کی تعداد پوچھی' ان کے سائل' ذریعہ آمدن نوٹ کیے واپسی پر چاچی اور نائلہ سے خدا حافظ کرتی رہیں۔ جب تک کہ بیل گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ چاچی کے جاتے ہی اماں نے نائلہ کے بال پکڑ لیے۔

"کم بخت کیا ضرورت تھی اتنا خرچا کرنے کی؟ کہاں سے آئے پیسے؟" اماں نے اس کے بال مضبوطی سے جکڑ رکھے تھے۔

"اماں وہ چاچے نے۔۔۔"

نائلہ نے بمشکل کہا۔

"جھوٹ بولتی ہے' چاچے سے میں نے خود پوچھا ہے' وہ کہتا ہے پیسے نائلہ نے دیے ہیں۔" اماں نے غصے سے اسے دھکا دیا۔

"اماں! وہ باجی سے پانی نہیں پیا جا رہا تھا تو میں نے سیون اپ منگوا دی" نائلہ نے روتے ہوئے وضاحت دی۔

"ارے باجی تیری ماں لگتی تھی جو تُو اس کی آؤ بھگت کرنے چلی تھی" اماں نے غصے سے کہا۔

"اماں وہ کہہ کر گئی ہے ہمارے مسائل کے حل کے لیے کوشش کرے گی۔"

"ہونہہ کوشش کرے گی' فیس کا سو روپیہ پھونک دیا' اتنے تنگ حالات چل رہے ہیں۔"

اماں کی بڑبڑاہٹ شام تک جاری رہنی تھی بلکہ شاید رات تک اور نائلہ کے سر میں درد بھی' مگر اسے ابھی ٹیسٹ کی تیاری کرنی تھی۔

☆☆☆

"اُف بہت تھک گئی!" فاطمہ چائے کا مگ لے کر حسین کے پاس آ بیٹھی۔

"کام بھی تو بہت کرتی ہو۔" حسن نے چائے کا مگ پکڑتے ہوئے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہوں! بس آج فیلڈ کا آخری دن تھا کل سے آفس جاب شروع ہو جائے گی۔"

فاطمہ اور حسن یونیورسٹی فیلو تھے۔ پھر جب اچانک حسن کا رشتہ آیا تو فاطمہ کے گھر والوں نے معمولی چھان بین کے بعد رشتہ او کے کر دیا۔ فاطمہ بھی حسن کی طبیعت سے آگاہ تھی۔ شادی کے بعد فاطمہ بیاہ کر جس گھر میں آئی وہ کرائے کا تھا۔ چھوٹا سا صاف ستھرا۔ حسن کی تنخواہ اگرچہ کم تھی مگر فاطمہ کی سلیقہ مندی اور محبت کی وجہ سے گھر میں سکون تھا۔ پھر دو بچوں کی آمد کے بعد وہ گھر چھوٹا پڑنے لگا تو حسن نے آفس کے قریب ہی ایک فلیٹ قسطوں پر بک کروالیا۔ فاطمہ کچھ پریشان تھی۔ کیونکہ بچے اب اسکول جانے لگے تھے اس لیے خرچ بڑھ گیا تھا گو کہ ان پانچ سالوں میں حسن کی دو مرتبہ پروموشن بھی ہو چکی تھی مگر گزارا مشکل تھا۔ ایسے میں فاطمہ نے اپنی تعلیم کو کام میں لانے کا سوچا۔ اس کے پاس ماسٹرز ڈگری تو تھی مگر کوئی تجربہ نہ تھا۔ تین چار ماہ کی خواری کے بعد بالآخر اسے ایک پرائیویٹ این جی او میں جاب مل گئی جو دیہاتوں کی ترقی اور مسائل کی رپورٹ گورنمنٹ کو پیش کرتی تھی۔ تین ماہ کا پروبیشن پریڈ گزارنا فاطمہ کے لیے از حد مشکل تھا۔ مگر حسن کے تعاون کی وجہ سے وہ یہ پہاڑ سر کرنے میں کامیاب رہی۔

"او کے بیٹا بائے" فاطمہ اور حسن نے اسکول کے گیٹ کے پاس بچوں کو اتارا اور خدا حافظ کہہ کر گاڑی بڑھا لی۔

"اف" فاطمہ نے ایک گہرا سانس لیا اور گردن سیٹ سے ٹکا لی۔ وہ آج قدرے مطمئن تھی۔ کہاں تو چھ' سوا بجے نکلنا پرائیویٹ بسوں میں دھکے کھانا اور

www.urdugem.com

پھر آگے گاؤں میں جانا۔ اور کہاں آج وہ پونے آٹھ بجے جا رہی تھی۔ اس نے سہولت سے بچوں کا اپنا اور حسن کا ٹفن پیک کیا۔

''حسن آپ کو پتا ہے' وہ بچی جس کا آپ کو بتایا تھا۔'' فاطمہ نے حسن کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں بابا اب تو ان کے گھر کا نقشہ بھی یاد ہو گیا ہے کل سے تو سن کر رہا ہوں نائلہ نامہ۔'' حسن شرارت سے مسکرایا۔

''آپ بھی ناں'' فاطمہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی۔

''حسن آپ کو پتا ہے ناکافی سہولیات کے باوجود وہ پڑھ رہی ہے بورڈ میں پوزیشن لی ہے اس نے۔'' فاطمہ کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

''ہاں یار جب کرنے کو کچھ نہ ہوگا تو پڑھنا ہی ہے۔'' حسن کا لہجہ ہنوز شرارتی تھا۔

''حسن!'' فاطمہ نے اسے گھورا۔ ''کرنے کو بہت کچھ ہے کھیت ہیں' کچا گھر ہے' جہاں وہ اور اس کی ماں خود ہی کام کرتی ہیں۔'' فاطمہ نے مزید بتایا۔

''ارے تو تم کچھ کرو ناں اس کے لیے۔'' حسن اب کے سنجیدہ ہوا۔ ''جیسا تم بتا رہی ہو کہ وہ یتیم ہے۔ تو میرا نہیں خیال کہ وہ آگے پڑھ پائے گی' خصوصاً میٹرک کے بعد۔'' حسن نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''حسن میں کیا کرسکتی ہوں سوائے دعا کے۔'' فاطمہ دکھی ہوئی۔

''اور وہ جو فارم وغیرہ جمع کروائے ہیں تم نے آفس میں۔'' حسن نے پوچھا۔

''ارے ابھی تو وہ آفس میں پڑے ہیں پتا نہیں کب اپروو ہوں اور کب گورنمنٹ کی نظر ان پر پڑے۔'' فاطمہ نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

☆☆☆

''اری کم بخت آج تیری تیسری چھٹی ہے اسکول کیوں نہیں جا رہی۔'' اماں نے نائلہ کو لتاڑا۔

''اماں وہ طبیعت ٹھیک نہیں۔'' نائلہ نے پست آواز میں کہا۔ اب وہ اماں کو کیا بتاتی کہ ٹیچر نے فیس کے لیے ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔

''سب جانتی ہوں میں' بہانے ہیں پہلے تو پڑھائی کا بخار چڑھا تھا' اب اچانک اچھا چل باہر سے اپلے لے کر آ میں آگ جلا...'' اماں اسے ٹوکری پکڑا کر دیگر کام نپٹانے لگیں۔ نائلہ آہستہ آہستہ باہر کی طرف چل دی۔ سامنے چاچے کی بیل گاڑی نمودار ہوئی۔ چاچا جلدی ... کر نائلہ کے پاس آیا۔

''لے بیٹا یہ کچھ آیا ہے پڑھ تو ذرا۔'' چاچا نے ایک خاکی رنگ کا لفافہ نائلہ کو پکڑایا۔ نائلہ نے نا سمجھی سے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھاڑا تو اندر سے ایک کاغذ نکلا۔ نائلہ نے ایک چیخ ماری اور گھر کے اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

''اماں! اماں جلدی باہر آؤ۔'' خوشی سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اماں ہانپتی ہوئی باہر آئیں۔

''اے کیا ہو گیا؟'' اماں کچھ نہ سمجھیں تو پوچھا۔

''اماں گورنمنٹ کی طرف سے خط آیا ہے اماں میرا وظیفہ لگ گیا اماں۔'' فاطمہ خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔ اسی دوران چاچا بھی گھر میں آ گیا تھا اور اپنی جھلی بھتیجی کو خوش دیکھ کر خوش تھا۔

''اور اماں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میرے میٹرک میں 80% نمبر آئے تو آگے جہاں تک بھی تعلیم حاصل کروں مفت ہوگی۔'' اماں کو خاک سمجھ نہ آئی ہاں مگر اتنا سمجھ گئیں کہ ان کی بیٹی کی تعلیم کا انتظام ہو گیا ہے۔ خوشی سے ان کی آنکھ بھی بھر آئی۔ مجبوریاں اور حالات ایک طرف مگر دل میں وہ بھی اپنے شوہر کا خواب پورا کرنے کی خواہش مند تھیں۔

''اماں! دیکھا اماں! میں کہتی تھی ناں کہ باجی ضرور جا کر ہماری مدد کرے گی۔'' فاطمہ بار بار کاغذ کو چوم رہی تھی۔

''ہاں بیٹا! بے شک اللہ مدد کرنے والا ہے اسی نے وسیلہ بنایا ہے۔'' انہوں نے فاطمہ کو اپنے ساتھ لگایا۔ انہیں اپنے مرحوم شوہر کی کہی بات یاد آئی کہ ''پروہنے سوہنے ہوتے ہیں۔''

☆

بہنوں کا اپنا ماہنامہ شعاع

جنوری 2018 کے شمارے کی ایک جھلک

جنوری 2018 کا شمارہ شائع ہو گیا

- ''محبت کا راج'' راشدہ رفعت کا مکمل ناول،
- ''عشق برہنہ پا'' فرح بخاری کا مکمل ناول،
- ''سنہری دھوپ'' سلوی بٹ کا مکمل ناول،
- ''تیری مہربانی'' نازیہ جمال کا ناولٹ،
- ''شہزاد'' صائمہ اکرم کا ناول،
- ''خواب شیشے کا'' عفت سحر طاہر کا ناول،
- ''کتاب کہانی'' سمیرا حمید کا سلسلہ،
- بندھن میں معروف مصنفہ ''اقبال بانو'' سے ملاقات
- ''دستک'' معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' قارئین کا سلسلہ،
- ''پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں'' اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،
- صدوف آصف، بی سحر ملک، ہاجرہ ریحان، قرۃ العین سکندر اور نیر فہیم خان کے افسانے،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع جنوری 2018 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

www.urdugem.com

یار جانی بڑا تماشا ہے
یہ جو تیرا مرا تماشا ہے

رازِ عشّاق جاننے والے
یہ کوئی دوسرا تماشا ہے

تیسری سمت سے کھُلی تصویر
چار جانب نِرا تماشا ہے

عمر گزری تماشا بینی میں
پر نہ سمجھے یہ کیا تماشا ہے

کچھ نہ سمجھو تو کچھ نہیں دُنیا
بس سمجھ لو بُرا تماشا ہے

آسمانوں سے اک ندا آئی
اب زمیں پر نیا تماشا ہے

آپ تو آدمی سے واقف ہیں
کچھ تو کہیے یہ کیا تماشا ہے

سیّد کامی شاہ

کوئی تاریخ بنے اور نہ زمانہ ہوئے لوگ
ہائے کیا لوگ تھے اور کیسے فسانہ ہوئے لوگ

تاک میں گردشِ دوراں تھی نہ جانے کب سے
تیری محفل سے نکلتے ہی نشانہ ہوئے لوگ

تیرے عُشّاق سے خالی ہوا گلیوں کا ہجوم
دیکھتے دیکھتے مصروفِ زمانہ ہوئے لوگ

خود کو بھولے ہوئے لوگوں نے تجھے یاد رکھا
بے ٹھکانا تھے مگر تیرا ٹھکانا ہوئے لوگ

سنگِ میل ایسے کہاں تھے کہ پتا بتلاتے
تجھ سے ملنے کا تو بس ایک بہانہ ہوئے لوگ

یہ تو اس شخص کی آنکھوں ہی میں جادو ہے سلیم
اک نظر دیکھ لیا اور خزانہ ہوئے لوگ

سلیم کوثر

سالِ نو کے لیے ایک نظم

دُعائیں اور دُعاؤں سے بھری
بے انت تحریریں
مجھے ہر سال کے ان آخری
لمحوں میں ملتی ہیں
میرے احباب کے ناموں میں
اکثر درج ہوتا ہے
خدا محفوظ رکھے
سال بھر مجھ کو بلاؤں سے
مجھے زہراب میں لپٹی ہوائیں
چھُو کے نہ گزریں
مجھے موجود اور آنے والے
سال کے لمحے
مبارک در مبارک ہوں
یہی تحریر میں احباب کو
واپس لوٹاتا ہوں
یہی جذبات میرے دوستوں
کے نام ہوتے ہیں
مگر پھر وقت کے ہاتھوں
نہ جانے کیا گزرتی ہے
کہ جو بھی تیر آتا ہے
اسی جانب سے آتا ہے
جہاں سے عطر میں ڈوبا ہوا
پیغام آیا تھا
جہاں سے سال بھر
محفوظ رہنے کا
حسیں ملفوف
میرے نام آیا تھا

اقبال ناظر

ہزار گردشِ شام و سحر سے گزرے ہیں
وہ قافلے جو تری رہگزر سے گزرے ہیں

نہ جانے کون سی منزل پہ جا کے رُک جائیں
نظر کے قافلے دیوار و در سے گزرے ہیں

کچھ اور پھیل گئیں درد کی کٹھن راہیں
غمِ فراق کے مارے جدھر سے گزرے ہیں

جہاں سرور میسّر تھا جام و مے کے بغیر
وہ میکدے بھی ہماری نظر سے گزرے ہیں

صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم

www.urdugem.com

شگفتہ جاہ

رنگارنگ پھول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ تم غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاؤ اور ہر شخص خواہ وہ شناسا نہ ہو اسے سلام کرو۔

(بخاری۔ 2۔ 6)

شریک گناہ،

جھوٹی دنیا میں ووٹ مانگنے والا سچا آدمی ناکام ہو جائے گا اور برے آدمی کو ووٹ دینے والا بھی برائی میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

(واصف علی واصف)

خوف اور خواہش،

خوف دراصل خواہش سے جنم لینے والی کیفیت ہے جو لوگ دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ خوف زدہ رہتے ہیں۔

(بانو قدسیہ)

گمان،

سکندر اعظم اپنے آپ کو انسان نہیں سمجھتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ کسی قسم کا دیوتا ہے۔ جنگ میں پہلی مرتبہ اسے زخم لگا تو اسے تعجب ہوا کہ معمولی آدمیوں کی طرح اس کے زخم سے خون کیوں بہہ رہا ہے۔

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران۔ گجرات

مدد،

ایک صحافی رات کو اخبار کا کالم مکمل کر کے گھر واپس جا رہا تھا کہ اچانک کسی کے دریا میں گرنے کی آواز آئی۔ وہ بھاگا بھاگا دریا کے پاس پہنچا اور پکار کر پوچھا۔

"کوئی دریا میں ڈوب رہا ہے؟"

ایک کمزور سی آواز آئی "ہاں میں ڈوب رہا ہوں۔ میری مدد کرو۔"

صحافی نے کہا "تم غلط وقت پر ڈوب رہے ہو۔ اب میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں اخبار کی آخری کاپی بھیج کر واپس جا رہا ہوں۔ اب تمہارے ڈوبنے کی خبر کل کے اخبار میں ہی چھپ سکے گی۔"

رابعہ شبیر۔ مورگاہ راولپنڈی

ہے سچ یہ بھی کہ،

- انسان پھول کی مانند ہے جسے توڑا جا سکتا ہے سونگھا جا سکتا ہے مسلا جا سکتا ہے مگر سمجھا نہیں جا سکتا۔
- زندگی کے سفر میں کہیں بھی جانے سے پہلے دس دفعہ سوچو کہ بیچ راستے سے پلٹنا کٹھن ہے۔
- انسان محو گفتگو اس لیے بھی رہنا چاہتا ہے تاکہ سناٹے جیسے عذاب کو دور کر سکے۔
- انسان کے سارے غم اور ساری مصیبتیں صرف خواہشوں کے باعث ظہور میں آتی ہیں۔
- آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اقصیٰ ناصر۔ گلستان جوہر

دونوں کے صنم خاکی،

صابر کرایہ دار کرایہ ادا نہ کرتا تھا۔ مالک مکان مرزا اسد نے بہت زور مارا مگر صابر ٹس سے مس نہ ہوا۔ مالک مکان مرزا اسد صاحب نے عاجز آ کر ایک ترکیب سوچی۔ بند لفافے میں اپنی چھوٹی بچی کی ایک تصویر بھیجی جس پر لکھا تھا۔

"رقم کیوں چاہیے۔ اس کی وجہ"

تیسرے دن مرزا اسد کو ایک خط کرایہ دار صابر کا ملا۔ جس میں ایک حسین اداکارہ کی تصویر تھی نیچے لکھا تھا۔

"رقم کیوں نہیں ملتی۔ اس کی وجہ"

ثمرہ اقراء۔ کراچی

دلچسپی،

برطانیہ کے ایک مشہور و معروف وزیر اعظم کا قول ہے

"کسی شخص سے اس کی ذات کے متعلق بات چیت کیجیے۔ وہ مسلسل گھنٹوں آپ کی بات سنتا جائے گا۔"

صدف عمران۔ کے ڈی اے سوسائٹی

ابن رشد کا قول،

جاہلوں پر حکمرانی چاہتے ہو تو "مذہب" کا غلاف اوڑھ لو۔

تساہل،

پروفیسر صاحب نہایت خوش اخلاق، متحمل مزاج اور شائستہ تھے مگر ایک محفل میں ویٹر نے غلطی سے گرم گرم سالن کا ڈونگا ان کی گود میں الٹ دیا۔ انہوں نے تکلیف ضبط کرتے ہوئے صبر و تحمل سے اِدھر اُدھر دیکھا اور گھٹی گھٹی سی آواز میں بولے۔

"محفل میں اگر کوئی بد اخلاق اور بد زبان آدمی موجود ہے تو براہ مہربانی اس ویٹر کو کھری کھری سنا دے۔"

کرن رحمٰن۔ فیصل آباد

تعارف،

ایک عالمہ نے مرد کی ایک سے زیادہ شادیوں کے فضائل اور محاسن پر بلیغ و مدلل خطبہ دیا۔ خطبے کے اختتام پر حاضر خواتین میں سے ایک خوبرو خاتون نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

"بی بی محترمہ! کیا آپ بذات خود بھی مردوں کی ایک سے زیادہ شادی کی حوصلہ افزائی فرماتی ہیں؟"

عالمہ بی بی نے کہا "الحمدللہ"

سوال کرنے والی بی بی نے تھوڑا سا الجھاتے ہوئے کہا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ورنہ میں تو اپنا تعارف کراتے ہوئے بھی ڈرا کرتی تھی۔ دراصل میں آپ کے شوہر کی دوسری بیوی ہوں۔"

عالمہ یہ سنتے ہی غش کھا کر دھڑام سے گر پڑی۔

ثمرہ عاقب۔ گرین سٹی کراچی

عقل مندی،

طلحہ پیٹرول پمپ پہ گیا وہاں لکھا تھا کہ یہاں موبائل استعمال نہ کریں۔

"پھر....."

"پھر کیا۔ طلحہ نے سب کو فون کر دیا اور کہا کہ مجھے ابھی فون مت کرنا۔ میں ابھی پیٹرول پمپ پہ ہوں۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

بدتمیزی،

احمر اپنے دوست کو کھانا کھلانے شہر کے سب سے بہتر ریستوران میں لے گیا۔ ویٹر آیا تو احمر نے کئی اچھی ڈشز کا آرڈر دے دیا۔

ویٹر نے ڈانٹتے ہوئے کہا "تمہیں شرم نہیں آتی۔ اتنے مہنگے کھانے کھاتے ہوئے"

احمر کا دوست اس بدتمیزی پر حیران رہ گیا۔ وہ اسے تنبیہہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ احمر لاپروائی سے ویٹر سے مخاطب ہوا۔

"ابا جان! آپ بحث چھوڑیں اور جو میں کہہ رہا ہوں وہ لے آئیں۔"

ندا۔ فضہ یوسف۔ فیصل آباد

میکے گئی بیوی کا خط شوہر کے نام،

سلام دل و جان!

کیسے ہیں آپ؟

جو لکھا ہے دھیان سے اور دو بار پڑھنا۔

کام والی کو تنخواہ دے دی ہے، زیادہ مہربان مت ہونا۔ آپ کو کتنی بار بتایا ہے کہ پڑوسی کا

www.urdugem.com

اخبار والا ہم سے مختلف ہے۔ ہر روز صبح یہ پوچھنے مت پہنچ جانا کہ اخبار آیا کہ نہیں۔ الماری میں بائیں طرف آپ کے بنیان رکھے ہیں۔ دائیں طرف مفلر کے ہیں۔ پچھلی بار کی طرح اس کو مت پہن لینا۔ نہیں تو سارا دن آفس میں اوپر نیچے کھینچتے رہیں گے۔ عینک صحیح جگہ رکھنا۔ پچھلی بار پانچ دن بعد آئی تو فریج کے اندر سے ملی تھی۔ اپنا موبائل بھی سنبھال کر رکھنا۔ باتھ روم میں لے جانے کی کوشش بالکل مت کرنا۔ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو زیادہ جمع نہ کرنا۔ گھر کو گھر ہی رہنے دینا، جوا خانہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ اور ہاں زیادہ اچھلنے کی ضرورت نہیں۔ میں کبھی بھی آسکتی ہوں۔

نگر نگر کی کہاوتیں

- عمدہ دوا اکثر کڑوی ہوتی ہے۔

(جاپانی کہاوت)

- جہاں صدق و خلوص نظر آئے، وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ، ورنہ تنہائی ہی تمہاری بہترین رفیق ہے۔

(ایرانی کہاوت)

- گھر میں حقیقی معنوں میں صرف ایک نوکر کام کرتا ہے وہ ہے گھر کا مالک۔

(جرمن کہاوت)

- جو بات عقل چھپاتی ہے، نشہ اسے ظاہر کرتا ہے۔

(لاطینی کہاوت)

- بزدل مریض کو کوئی ڈاکٹر اچھا نہیں کرسکتا۔

(افغانی کہاوت)

- دولت جب بولتی ہے تو سچائی بھی بعض دفعہ خاموش ہوجاتی ہے۔

(مصری کہاوت)

- نیند آدمی غذا کا کام کرتی ہے۔

(سوڈانی کہاوت)

- پیٹ کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے کیونکہ اس کے کان نہیں ہوتے۔

(اردنی کہاوت)

نمرہ، اقرأ۔ کراچی

باپ کی ناراضی

فضل بن یحییٰ برمکی کے سینے پر ایک مرتبہ برص کا نشان پیدا ہوگیا۔ حکیم جاثق نے اس کا بہت علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ایک روز اس نے فضل سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کے والد آپ سے ناراض ہیں۔ اس لیے پہلے آپ ان کو خوش کریں اور معافی مانگیں کہ ان کی ناراضی آپ کی شفایابی میں رکاوٹ کا باعث ہے۔"

چنانچہ فضل نے اپنے والد یحییٰ برمکی سے معافی مانگی اور ان کو راضی کرلیا پھر اس نے حکیم جاثق کے پہلے والے علاج کو دوبارہ شروع کیا۔ اس مرتبہ اس کو شفا نصیب ہوگئی اور برص کا داغ غائب ہوگیا۔

والدین کو خوش رکھیں۔ صحت مند رہیں گے۔

عزت علم سے ہے

ہشیم بن بشیر اصل میں بخارا کے تھے۔ لیکن بغداد میں آکر آباد ہوگئے۔ ان کے والد باورچی تھے۔ کھانا پکانا ان کا پیشہ تھا۔ ہشیم کو بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا۔ انہیں اپنے آبائی پیشے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جب کہ ان کے گھر والوں کو ان کا پڑھنا پسند نہیں تھا۔ وہ گھر والوں کے نہ چاہنے کے باوجود مسلسل پڑھتے رہے۔

بغداد میں قاضی ابوشیبہ کا درس مشہور تھا۔ یہ اس میں پابندی سے جانے لگے۔ پابندی سے پڑھنے والا طالب علم استاد کی نظروں میں آجاتا ہے۔

ایک مرتبہ ہشیم بیمار ہوئے اور درس میں نہیں آئے۔ قاضی ابوشیبہ نے ان کا پوچھا۔ کسی نے کہا۔

"بیمار ہے۔"

فرمایا۔ "چلیے ہم ان کی عیادت کرتے ہیں۔"

عیادت کے لیے جانے لگے تو اہل مجلس اور شاگرد بھی ساتھ ہولیے۔ سب نے بشیر باورچی کے گھر جاکر ان کے بیٹے ہشیم کی عیادت کی۔ قاضی کے واپس جانے کے بعد بشیر باورچی ان سے کہنے لگے۔

"بیٹا! میں تمہیں علم حاصل کرنے سے روکتا تھا۔ لیکن اب نہیں روکوں گا۔ یہ علم ہی کی برکت ہے کہ قاضی آج میرے دروازے پر آیا ورنہ مجھے اس کی امید کب تھی۔"

میری بیاض سے

خالدہ جیلانی

نوال افضل گھمن ———— کراچی

وہ خنک رت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کہ موسم اب کوئی یاد کرئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں یاروں کے سبب یاد آگئے

ریحانہ چوہدری ———— مدوکے

وقت گزرا تو ملال ہوا
ختم اک زندگی کا سال ہوا
کتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا

فوزیہ ثمر بٹ ———— گجرات

یہ سال تیرے واسطے خوشیوں کا نگر ہو
کیا خوب ہو ہر روز تیری عید اگر ہو
ہر رات مسرت کے نئے گیت سنائے
لمحات کے پیڑوں پہ بھی شبنم کا ثمر ہو

نمرہ عاقب ———— کراچی

کچھ خوشیاں کچھ آنسو دے کر ٹال گیا
جیون کا اک اور سنہرا سال گیا

گیلانی سسٹرز ———— کہروڑ پکا

اک خوشبو کی طرح کوچۂ روز و شب سے
جو دبے پاؤں گزر جائے وہ سال اچھا ہے

سونیا ربانی ———— موڑہ دھمیاں

نہ شکایتیں نہ سوال ہے، کوئی آسرا نہ ملال ہے
تیری بے رخی بھی کمال تھی، میرا ضبط بھی کمال ہے

مدیحہ نورین مہک ———— گجرات

کیا نقش ابھی دیکھیے ہوتے ہیں نمایاں
حالات کے چہرے سے ذرا گرد جھڑی ہے

ندا طارق، فضہ یوسف ———— کراچی

ہمیشہ ایک ہی تصویر رہ جاتی ہے آنکھوں میں
یہ پہلا ہجر ہے اور ایسا منظر کب بدلتا ہے
کسی کو سال نو کی کیا مبارک باد دی جائے
کیلنڈر کے بدلنے سے مقدر کب بدلتا ہے

اقرأ امین ———— کراچی

منظر بدل گئے، پس منظر بدل گئے
حالات اپنے شہر کے یکسر بدل گئے
پہلے سے خد و خال نہ پہلے سے ہیں خیال
ہم کتنا ایک سال کے اندر بدل گئے

حفظہ وقاص ———— فیصل آباد

بات کردار کی ہوتی ہے وگرنہ عارف
قد میں تو سایا بھی انسان سے بڑا ہوتا ہے

صائمہ سلیم سندھو ———— گوجرہ

ہونے کی گواہی کے لیے خاک بہت ہے
یا کچھ بھی نہ ہونے کا ادراک بہت ہے
اک بھولی ہوئی بات، اک ٹوٹا ہوا خواب
ہم اہل محبت کو یہ املاک بہت ہے

شائستہ اکبر ———— گڈز کالونی

ایسا نہیں کہ غم نے بڑھا لی ہو اپنی عمر
موسم خوشی کا وقت سے پہلے گزر گیا
لکھنا مرے مزار کے کتبے پہ یہ حروف
مرحوم زندگی کی حراست میں مر گیا

ریحا چوہدری ———— مدوکے

نادان دل نے بہت آرزوئیں پیدا کیں
مگر نصیب کا لکھا کہ سب کا خون ہوا

www.urdugem.com

خواتین کی ڈائری

امت الصبوح

ادم کمال کی ڈائری سے

پوری کائنات جس محور کے گرد گھوم رہی ہے اس کا نام محبت ہے۔ محبت کے ہزار روپ ہیں۔ مگر وہ محبت جو دل کی دنیا بدل دے، حوصلوں کو چٹان بنا دے، آدمی کو انسان بنا دے، محبت کے ہر روپ پہ بھاری ہے۔ اسی محبت کا احوال اختر شیرانی بیان کر رہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں، خوش رہیں، مسکرا دیں

غرور اور ہمارا غرور محبت
مہ و مہر کو ان کے در پر جھکا دیں

جوانی ہو گر جاودانی تو یارب!
تری سادہ دنیا کو جنت بنا دیں

تم افسانۂ قیس کیا پوچھتے ہو
ادھر آؤ، ہم تم کو لیلیٰ بنا دیں

ترے وصل کی بے خودی کہہ رہی ہے
خدائی تو کیا ہم خدا کو بھلا دیں

انہیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا
مرے عشق رسوا کو اختر دعا دیں

دانیہ عقیل کی ڈائری سے

ابتدا اور انتہا کے درمیان گمان و یقین کی پناہیں تراشتے عمر بیت جاتی ہے۔ خود شناسی کے راستوں سے گزر کر ہی انسان خدا شناسی تک پہنچتا ہے۔ انسان وہی ہے جو خود آگاہ بھی ہو اور خدا آگاہ بھی۔ سلیم کوثر کی اس غزل میں کچھ ان ہی کیفیات کا اظہار ہے۔

کبھی چھپایا نہیں جو گناہ مجھ سے ہوا
بتا دیا جو سفید و سیاہ مجھ سے ہوا

یہ بار ہجر بھی تیرے سپرد کر دیتا
بس اک یہی نہ مرے کج کلاہ مجھ سے ہوا

حضورِ صبح اجالوں نے مجھ کو پیش کیا
عبورِ منزلِ شب گرد راہ مجھ سے ہوا

مرے خلاف گئی آخری شہادت بھی
کہ منحرف بھی ہوا تو گواہ مجھ سے ہوا

بس ایک تو تھا جسے رائیگاں کیا میں نے
اور ایک عشق تھا جو بے پناہ مجھ سے ہوا

سلیم جیت بھی میری تھی ہار بھی میری
عجب مقابلہ عز و جاہ مجھ سے ہوا

صائمہ عبدالحمید کی ڈائری سے

راستوں پر پھیلی مایوسی، جب دلوں پر چھا جائے تو امیدیں معدوم ہونے لگتی ہیں۔ آنکھوں میں خواب چبھنے لگتے ہیں، حوصلے دم توڑنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی جذبات کی ترجمانی کرتی امجد اسلام امجد کی غزل۔

جو کچھ دیکھا جو سوچا ہے وہی تحریر کر جائیں
جو کاغذ اپنے حصے کا ہے وہ کاغذ تو بھر جائیں

نشے میں نیند کے تارے بھی اک دوجے پہ گرتے ہیں
تھکن رستوں کی کہتی ہے چلو اب اپنے گھر جائیں

کچھ ایسی بے حسی کی دھند پھیلی ہے آنکھوں میں
ہماری صورتیں دیکھیں تو آئینے بھی ڈر جائیں

نہ ہمت ہے غنیمِ وقت سے آنکھیں ملانے کی
نہ دل میں حوصلہ اتنا کہ مٹی میں اتر جائیں

گل امید کی صورت ترے باغوں میں رہتے ہیں
کوئی موسم ہمیں بھی دے کہ اپنی بات کر جائیں

دیارِ دشت میں ریگِ رواں جن کو بناتی ہے
بتا اے منزلِ ہستی کہ وہ رستے کدھر جائیں

تو کیا اے قاسمِ اشیاء یہی آنکھوں کی قسمت ہے
اگر خوابوں سے خالی ہوں تو پچھتاووں سے بھر جائیں

جو بخشش میں ملے امجد تو اس خوشبو سے بہتر ہے
کہ اس بے فیض گلشن سے بندھی مٹھی گزر جائیں

نمرہ، اقراء کی ڈائری سے

یوں تو پوری زندگی ہی کوشش و جدوجہد سے عبارت ہے مگر زندگی کے نشیب و فراز میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں انسان جی چھوڑ دیتا ہے۔ حوصلہ اپنی جگہ مگر انسانی فطرت بھی اپنی جگہ۔ ٹوٹے دل کا احوال سناتی احمد فراز کی یہ غزل آپ کے ذوق کی نذر۔

یہ بے دلی ہے تو کشتی سے پار کیا اتریں
ادھر بھی کون ہے، دریا کے پار کیا اتریں

تمام دولتِ جاں ہار دی محبت میں
جو زندگی سے لیے تھے ادھار کیا اتریں

ہزار جام سے ٹکرا کے جام خالی ہوں
جو آ گئے ہیں دلوں میں غبار کیا اتریں

نہ عطر و عود نہ جام و سبو نہ رقص و سرود
سو مجھ فقیر کے گھر شہریار کیا اتریں

ہمیں یہ تاب نہیں ہے کہ بام تک پہنچیں
انہیں یہ عار، سرِ رہگزار کیا اتریں

جو زخم داغ بنے ہیں وہ بھر گئے تھے فراز
جو داغ زخم بنے ہیں، وہ یار کیا اتریں

فائکہ سہیل کی ڈائری سے

انسان ساری زندگی خواہشوں کے جلو میں اپنی حیات گزارتا ہے۔ کامیابی، خوشی، خواہشات کا حصول زمانے کو تسخیر کرنے کی لگن، محبت۔ سب کچھ جو وہ پانا چاہتا ہے، پا لیتا ہے۔ مگر انجام کار اس پر کھلتا ہے کہ دنیا تو دھوکے کا سامان ہے۔ وہ اکیلا تھا، وہ اکیلا ہے۔

یہ شہر سحر زدہ ہے صدا کسی کی نہیں
یہاں خود اپنے لیے بھی دعا کسی کی نہیں

خزاں میں چاک گریباں تھا میں، بہار میں تو
مگر یہ فصلِ ستم آشنا کسی کی نہیں

سب اپنے اپنے فسانے سناتے جاتے ہیں
نگاہِ یار مگر ہم نوا کسی کی نہیں

میں آج زد پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

اعتذار

دسمبر کے شمارے میں سلسلہ ''شادی مبارک ہو'' اقراء امین نے لکھا تھا۔ اس پر شاہین رشید کا نام لگ گیا۔ ہم اس پر معذرت خواہ ہیں۔

نادرہ خاتون

حنا

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

رابعہ افریں امانت......ٹھوکر نیاز بیگ

پیپرز نزدیک آنے کی وجہ سے گھر والوں نے ہر چیز پر پابندی لگا دی ہے۔ سب کا یہی کہنا ہے کہ ''میٹرک کرلو پھر پڑھ لینا۔''

''دشت جنوں'' میں تمام کردار کافی انٹرسٹنگ موڑ پر ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتی یہ کہانی خدا جانے کس موڑ پر رکے گی۔ رسائل اور ناولز خریدنے کے لیے مجھے پورا مہینہ پیسے جمع کرنے پڑتے ہیں۔ آپ نے کہا تھا کہ میں آپ کو دو تین غزلیں بھیج دوں، غزلیں حاضر ہیں۔ اب مجھے بتا ضرور دیجیے گا کہ تین سرکاری ٹیچرز اور دو افسروں نے میرا دل رکھا تھا یا مجھ میں واقعی شاعری کی صلاحیت ہے؟

ج: پیاری رابعہ! آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ ہمیں آپ کی محبت کا احساس ہے اور دل سے قدر بھی کرتے ہیں۔ ہم اتنی محنت اپنی پیاری قارئین کے لیے ہی کرتے ہیں۔ شاعری کے لیے ہمارا مشورہ وہی ہے جو آپ کے گھر والوں نے رسالے پڑھنے کے لیے دیا ہے۔ ''پہلے بی اے کرلو، پھر شاعری کر لینا۔''

شازیہ ارم......کراچی

آپ کے تینوں پرچے ہم کچھ فرینڈز مل کے لیتی ہیں اور پھر آپس میں بدل کر پڑھ لیتے ہیں تو رسالہ تھوڑا لیٹ ملتا ہے تو تبصرہ مشکل ہے لیکن سارے ہی سلسلے بہت پسند ہیں۔ قسط وار ناول اور ناولٹ بہت اچھے ہیں۔ سائرہ رضا، سمیرا احمید، نمرہ احمد اور آمنہ ریاض بہت ہی زبردست لکھ رہی ہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ اور ثمینہ اکرم آپ دونوں کے تو خط پڑھ پڑھ کر ہی لگتا ہے کہ آپ سے کوئی رشتہ ہے۔

ج: پیاری شازیہ! خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کی پسندیدہ مصنفین تک آپ کی رائے پہنچا رہے ہیں۔ اپنی فرینڈز کو ہمارا سلام پہنچا دیں۔ آپ کی کہانیوں کے لیے معذرت۔ فی الحال مطالعے پر توجہ دیں۔ کہانیوں کے بارے میں جاننے کے لیے اس نمبر پر فون کر سکتی ہیں۔
021-32731666

عائشہ اکمل، نازی اور صالحہ......شکر گڑھ نارووال

ہم 2000ء سے آپ کے پرچہ سے وابستہ ہیں تب ہم ففتھ کلاس کے اسٹوڈنٹ ہوا کرتے تھے۔ اب تو ہم بیگم بھی بن چکے بس ماں نہیں بن سکے، ہمارے لیے تمام قارئین دعا کریں کہ اللہ عزوجل ہم بے اولادوں کو اپنے خزانے میں سے نوازے۔
چھپ چھپ کر پڑھتے ہم اتنے بڑے ہوگئے کب پتا بھی نہیں چلا گھر میں ابو جان اور بھائی ہمیں پڑھنے جو نہ دیتے تھے پر ہم بھی اپنے نام کے ایک تھے۔ بھائی جب بھی دیکھتا تو کہتا آگ میں جلا دوں گا۔ دوبارہ مجھے گھر میں نظر نہ آئے۔ اور مزے کی بات آج تک ایک بھی پرچا جلایا نہیں ہاہاہا! مجھے عمیرہ احمد، نمرہ احمد، سائرہ رضا، عنیزہ سید، سمیرا احمید یہ سب رائٹرز بہت بہت پسند ہیں۔ کیا خوب لکھتی ہیں واہ، کمال کر دیتی ہیں۔ میں نے ان پرچوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ہم چھوٹے تھے تو ہماری امی جان اللہ کو پیاری ہوگئیں تو ہمارے پاس کوئی بڑی عورت بھی نہ تھی جو ہمیں اچھا برا سمجھاتی ہمیں گھرداری سکھاتی۔ نہ پھوپھو یا ماسی تھی نہ دادی نانی، بس جو بھی سیکھا ان ہی پرچوں سے سیکھا۔ روایتی اور گھریلو سی کہانیاں شادی سے پہلے تو اچھی نہیں لگتی تھیں۔ مگر اب بہت سے مسائل کا حل مجھے ان ہی سے مل جاتا ہے۔ خط لکھنے کا سبب ہے سائرہ رضا جی کا ناول حسن المآب تو کیا خوب لکھ رہی سائرہ رضا جی، موسیٰ کو ہدایت ملنا بہت اچھا لگا۔ حسن المآب تو سراسر بے وقوف ہے۔ ایسے شوہر تو ہر عورت کی آرزو ہوتی ہے اسے کیا چاہیے، وہ تو خوش ہو۔

ج: پیاری عائشہ! ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند، خوش قسمت، صالح اور خوب صورت اولاد سے نوازے آمین۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ اولاد نہ ہونے پر پریشان کیوں ہیں۔ ابھی تو آپ بہت کم عمر ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد کی نعمت سے ضرور نوازے گا۔ ان شاءاللہ۔ پرچے کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ اتنا طویل خط لکھا اور تبصرہ کسی کہانی پر نہیں۔ بہت ادھورا اور نامکمل لگا آپ کا خط۔

زرغونہ خان......ملتان

خط لکھنے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن اکثر رسالہ دیر سے ملتا ہے۔ پہلے تو بھائی کی منتیں کرتی ہوں، بہت مشکل سے اسے بھیجتی ہوں پھر دکاندار کے پاس رسالہ نہیں ہوتا۔ ابو اور بڑے بھائیوں سے چھپا کے پڑھتی ہوں۔ بہت مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ خط لکھنے کا ارادہ کرتی ہوں تو تاریخ تبصرہ گزر چکی ہوتی ہے۔ پچھلے مہینے کا پورب پچھم اتنا اچھا تھا کہ میرے دل نے چاہا میں اسے بار بار پڑھوں اور نازیہ رزاق آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ پلیز جلدی سے ایک اور اچھی کہانی لکھیں اور نازیہ رزاق کیا آپ پٹھان ہیں؟ اور باقی کہانیوں میں ادھوری بھی اچھا لگا اور حسن المآب سائرہ رضا کا بہت اچھا ہے۔ افسانے بھی اچھے تھے اور نادرہ باجی میں نے آپ کو پچھلے سال ''ادھوری کہانی'' کے نام کا ناول بھیجا تھا۔

ج: پیاری زرغونہ! ہماری بہت سی قارئین کے ساتھ یہ مسئلہ ہے۔ پرچا ان تک اتنی تاخیر سے پہنچتا ہے کہ وہ کوشش کے باوجود ہمیں خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار نہیں کر پاتی ہیں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ پرچا جلد آپ تک پہنچا سکیں تاکہ آپ ہمیں خط لکھ سکیں۔ ہمارے لیے یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ ہماری قارئین خواتین سے اتنی محبت کرتی ہیں۔ آپ نے کہانی کب بھجوائی تھی۔ ہمیں موصول نہیں ہوئی۔

جویریہ مریم......نامعلوم شہر

کبھی کبھی گزرے وقت کو سوچ کے ہنسی آتی ہے۔ مثلاً جیسے گرمیوں میں رضائی اوڑھ کر رسالے پڑھنا ٹارچ کی روشنی میں اور آہٹ سن کر کپکپی طاری ہو جانا۔ پھر رسالہ امی کے ہاتھ میں اور ہم اسے نظر آتش ہوتا دیکھیں۔ بھری دوپہروں میں آپی کے تکیے کے نیچے سے آہستہ سے رسالہ نکالنا اور ہوم ورک کرنے کے بہانے کتاب میں چھپا کے پڑھنا۔ مریم ساجد کے سات چاندوں کے کارنامے پڑھ کر پیٹ میں بل پڑ جانا۔ گرمیوں کی دوپہر میں آرام کے وقت کونے کھدروں سے قہقہوں کی آوازیں۔ یہ وہ یادیں ہیں جب زمانہ تھوڑا سا معصوم ہوا کرتا تھا۔ گلیوں میں امن چین ہوا کرتا تھا۔ ہم کچی آنکھوں سے پکے سپنے دیکھا کرتے تھے۔ اب تو جیسے سب کچھ بدل گیا۔

ج: پیاری جویریہ! زمانہ کوئی بھی برا نہیں ہوتا، ہر دور کی، ہر عمر کی اپنی خوب صورتی ہوتی ہے۔ ہاں یہ

www.urdugem.com

ضرور ہے کہ گزرا وقت انسان کو زیادہ اچھا لگتا ہے۔ آپ کی تحریریں ابھی پڑھی نہیں۔ پڑھ کر ضرور بتائیں گے۔ قابل اشاعت ہیں یا نہیں۔

افشاں خان.....نامعلوم شہر

میرا تیسرا خط ہے جو اپنے تیسرے افسانے ''تم سے ہیں رنگ زندگی کے'' کے ساتھ ارسال کر رہی ہوں۔ میرے بھائی نے ایک بار مجھ سے ڈائجسٹ چھین لیا اور بہت ڈانٹا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کی باتیں سننے کو ملیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے ان ہی رسالوں سے بہت کچھ سیکھا اور جو کچھ سیکھا وہی اس افسانے کی نذر کیا۔

ج: پیاری افشاں! آپ کی تحریر ''بل کھاتی رہ گزر'' ناقابل اشاعت ہے۔ باقی دو افسانے ابھی پڑھے نہیں گئے۔

ہنیہ نور.....راولپنڈی

آپی میں اور میرا بھائی، ہم دونوں ہی کافی عرصے سے خواتین پڑھ رہے ہیں۔ جب ہم نے خواتین پڑھنا شروع کیا تو میں ساتویں جماعت میں تھی اور میرا بھائی چھٹی جماعت میں.....اب میں بی ایس سی سائیکالوجی کے پہلے سال میں ہوں اور بھائی ایف ایس سی پری میڈیکل پارٹ ٹو (بارھویں) میں ہے۔ اس ماہ سرورق بہت پسند آیا۔ سب سے پہلے حالم پڑھا۔ نمرہ جی، یو آر دی گریٹ۔ الفاظ نہیں مل رہے آپ کی تعریف کے لیے۔ قدم قدم پر چونکا دینے والی کہانی، تالیہ میری فیورٹ ہے۔ جب تالیہ، داتن کو ''موتی، کالی، بدصورت برا سکر مرغی'' بلاتی ہے تو بڑا مزا آتا ہے۔ اب آتے ہیں دشت جنوں کی طرف۔ آمنہ جی دیری گڈ.....میرے پسندیدہ کردار معاویہ اردشیرازی اور منفرا ہیں۔ مکمل ناول ''حسن المآب'' سائرہ جی بہت اچھا جا رہا ہے۔ ''تھم گیا شور جنوں'' فرزانہ جی الفاظ نہیں ہیں۔ بہت بہت اعلا ناول، پروفیسر برہان، یسریٰ، اور انیب کے کردار بہت اچھے لگے۔ افسانے سارے لاجواب تھے مگر کھوٹے سکے (تہمینہ چوہدری) بہت اچھا لگا۔ رطابہ نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔ بیٹوں کی ماں (ایمل رضا) بیسٹ تھا۔ آج کے زمانے کے لوگوں کی سوچ کی عکاسی کرتا ایک منفرد افسانہ۔

ناولٹ اعتبار و بے اعتباری (راشدہ رفعت) راشدہ جی چھا گئیں۔ تمین پہ بہت ترس آیا۔ ترس تو عرشیہ پہ بھی آیا، وہ بے چاری بے اعتباری کا شکار تھی۔ عزتی کا رویہ تمین کے ساتھ بہت بُرا تھا۔ کہہ ڈالو جو کہنا ہے (افشین نعیم) مزاح سے بھرپور بہت انٹرسٹنگ ناولٹ تھا۔

''خاموش رہو'' انشاجی کی غزل کمال تھی۔ ''مجھ سے ملیے'' میں ''حبہ عزیز'' سے باتیں کر کے بہت اچھا لگا۔

''میری ڈائری سے'' سب کے انتخاب کمال تھے۔ ای این ٹی اسپیشلسٹ ڈاکٹر عمر فاروق سے باتیں کر کے معلومات میں اضافہ ہوا۔

ج: پیاری ہنیہ! آپ اور آپ کے بھائی طویل عرصہ سے خواتین سے منسلک ہیں اور باوجود پڑھائی کی مصروفیات کے آپ نے خواتین کا ساتھ نہیں چھوڑا، یہ بات ہمارے لیے بہت قابل قدر ہے۔ یہ آپ کی محبتوں کا ہی کمال ہے کہ خواتین آج بھی اپنا معیار برقرار رکھے ہوئے ہے۔

آپ نے تمام کہانیوں پر تفصیلی تبصرہ کیا، بہت اچھا لگا۔ اب آئندہ بھی اس محفل میں شرکت کیجیے گا جن ناولوں کے بارے میں دریافت کیا ہے ان کی قیمت اور دیگر تفصیلات جاننے کے لیے اس نمبر پر بارہ سے چھ بجے کے درمیان فون کر لیں۔ 021-32735021

فرزانہ انصاری عرف گڑیا.....کراچی

میں خواتین ڈائجسٹ کی تقریباً 20 سال پرانی قاری ہوں، جب آٹھویں کلاس میں پہنچے تو میری

بہت اچھی دوست نورین خواتین ڈائجسٹ لے کر آ گئی، ہماری بڑی بہنیں پڑھتی تھیں مگر ہمیں تو ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں تھی تو سب دوستوں نے چھپ چھپا کر خواتین ڈائجسٹ کتابوں، جرنلوں میں چھپا کر پڑھا پھر تو ایسی چاٹ لگی جو آج بیس اکیس سال گزرنے کے باوجود طلب کم نہیں ہوتی۔ کھانا پینا نہ ہو، آندھی ہو طوفان ہو، لائٹ ہو نہ ہو بس خواتین اور شعاع آ گئے تو سب بھول گئے۔ جب ہم نے پڑھنا شروع کیا اس وقت رفعت سراج کا ''طائرِ لاہوتی'' نگہت عبداللہ کا ''دل پھولوں کی بستی'' چل رہا تھا۔ لمبی لمبی دوپہروں میں ناول پڑھنے میں بہت مزہ آتا تھا نہ ڈر نہ خوف کہ سب سوئے ہوئے ہوتے تھے اب تو دوپہر میں سونا بھی خواب ہو گیا۔ (لوڈشیڈنگ کی وجہ سے)

فرحت اشتیاق سے ہمارا تعارف 'بن روئے' سے ہوا۔ ماہا ملک کا جو چلے تو جان سے گزر گئے کا عالم شاہ آج تک ہمارے دل میں ہے۔

خواتین کے ساتھ ساتھ شعاع بھی پڑھتے رہے شعاع میں مجھے ریگ زار تمنا بہت پسند آیا اور زرد موسم بھی۔ ''امر بیل'' ''پیر کامل'' کی تو کیا ہی بات ہے۔

آپ یقین نہیں کریں گی نگہت سیما کا ''جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا'' اس ناول کا درد ابھی تک محسوس ہوتا ہے۔

عمیرہ احمد سے ہمارا تعارف ''ایمان، امید اور محبت'' سے ہوا۔ اس چیز کی مضبوطی آئی نامحرم، نامحرم ہی رہتا ہے نکاح سے پہلے جیسے امید کے ساتھ ہوا وہی میرے ساتھ ہوا مگر افسوس ہمیں کوئی ایمان علی جیسا نہیں ملا۔ اس ناول کے ڈائیلاگ آج تک یاد ہیں ایک شیئر کرنا چاہوں گی۔

''اللہ اپنے بندوں کا احسان نہیں رکھتا، اگر کوئی اس کی خاطر کچھ چھوڑے تو وہ اس سے بہتر نوازتا ہے۔''

اور یہ بات سو فیصد صحیح ہے۔ شعاع اور خواتین کا صفحہ صفحہ لاجواب ہے ہر ناول، ناولٹ، فسانہ بے مثال ہے اور مستقل سلسلوں کی تو کیا ہی بات ہے۔

پلیز یہ ضرور بتایئے گا۔ میں اگر آپ سے ملنے آنا چاہوں تو آپ ملیں گی۔

ج: پیاری فرزانہ! آپ کا خط پڑھ کر کتنی ہی باتیں یاد آ گئیں۔ بیس سال پہلے کا زمانہ نظروں کے سامنے آ گیا۔ جب یہ ساری مصنفین ہمارے ساتھ تھیں۔ اور محمود ریاض صاحب بھی ہوتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ آمین) وقت بہت ظالم چیز ہے۔ بہت کچھ دیتا تو ہے تو بہت کچھ چھین کر بھی لے جاتا ہے۔ خواتین ڈائجسٹ سے آپ کی محبت کا احوال جان کر خوشی کے ساتھ ساتھ ایک فخر کا احساس بھی دے گیا۔ ایسی لازوال اور پائیدار محبتیں ہمیں حاصل ہیں، یہ صرف اللہ کا کرم ہے، سچ تو یہ ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کی کامیابی میں ہماری محنت تو شامل ہے لیکن اس کی کامیابی کی اصل وجہ اللہ کا کرم اور آپ کی قدر دانی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ قائم رکھے۔ اس بار تو آپ نے دسمبر کے شمارے پر تبصرہ نہیں کیا۔ آئندہ شمارے پر تفصیلی تبصرہ بھی کیجیے گا۔

آپ کراچی آئیں تو ہم سے ضرور ملیں، دیدہ و دل فرش راہ ہمیں آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔

ماہوا ہیر.....نامعلوم شہر

نومبر کا ڈائجسٹ بہت اچھا رہا۔ صبا فیصل کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ افسانوں میں ''اس در کا جوگی'' جو کہ سمیرا حمید کا افسانہ تھا، ہمیشہ کی طرح منفرد تھا۔ ''میکے کا مان'' کچھ اداس کر گیا لیکن یہ ساری اداسی ہوا ہو گئی جب نمرہ احمد کا ناول ''حالم'' پڑھا۔ نمرہ کی تحاریر کو پڑھ کر عجب اطمینان اور انرجی ملتی ہے جس کا نعم البدل میرے لیے کوئی بھی نہیں ہے۔ مکمل ناول میں ''ادھوری'' اچھا تھا اور ''پورب پچھم'' آؤٹ اسٹینڈنگ رہا۔ ''ہمارے نام میں''

www.urdugem.com

گڑیا راجپوت کا تبصرہ پڑھ کر کافی حیرت ہوئی۔ نمرہ احمد کی تحریریں پڑھ کر ان کے پیغام کو سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں سو کول ڈاؤن رہیں۔

ج: پیاری ماہو! ''ہمارے نام'' قارئین کی آراء کا سلسلہ ہے۔ اس میں ہر قاری بہن آزادی سے اپنی پسند، ناپسند کا اظہار کر سکتی ہے۔ گڑیا راجپوت نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو اس میں برا ماننے والی کوئی بات نہیں ہے۔ گڑیا اصل میں یہ سمجھ نہیں پائیں کہ نمرہ کا بنیادی مقصد کسی ایک کردار کو آئیڈیل بنا کر پیش کرنا نہیں کہ اس کردار کی تقلید کی جائے بلکہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے قارئین کو اسلام کی بنیادی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہیں۔ آپ کا نمبر کے شمارے کے لیے لکھا خط تاخیر سے ملا اس لیے اس ماہ شامل کیا جا رہا ہے۔

ثمینہ اکرم..... بہار کا لونی لیاری

آج علی الصباح ہونے والی تیز بارش اور ژالہ باری سے موسم یخ بستہ ہو گیا ہے۔ اور میری دونوں سے نہیں بنتی، چاہے وہ سرد موسم ہو یا لہجہ..... فریش فریش گڈ لکنگ ماڈل اچھی لگی۔ ''کرن کرن روشنی'' سب سے پہلے میری توجہ کا مرکز بنا۔ حکمران اور رعایا کے اوصاف حدیث میں واضح کیے گئے۔

نومبر کا مہینہ بہت مصروفیت والا ہنگامہ خیز رہا۔ 02 دسمبر کو میرا بیٹا عبدالمقیت (مومن) حافظ قرآن بن گیا ہے اور اس کے قرآن پاک (حفظ) مکمل کرنے پر آمین کی تقریب بہت یادگار، شاندار اور پروقار رہی۔ اب میرا چھوٹا بیٹا اسود بھی حافظ بننے کی تکمیل میں ہے۔ آپ سب دعا کیجیے۔ ہر بار میں انٹرویو وغیرہ نہیں پڑھتی مگر اس بار ای این ٹی اسپیشلسٹ ڈاکٹر عمر فاروق سے مل کر حقیقت میں بہت اچھا لگا۔ ''دشت جنوں'' میں اب میری دلچسپی کا عنصر صفر ہو کر رہ گیا ہے۔ ''حالم'' کی اس دفعہ کی قسط تو کوئی دیومالائی کہانی لگی۔ حقیقت سے دور کوئی جادوئی کہانی..... حقیقت میں اس طرح کب ہوتا ہے، مجھے تو تالیہ کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی.....؟ افسانہ ''کھوٹے سکے'' رطابہ نے بروقت ایک اچھا فیصلہ کیا۔

راشدہ رفعت کا ناولٹ ''بے اعتباری'' میں عرشیہ نے بھی اپنی بھابھی ثمین کی زندگی کو جہنم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ افسانہ ''فریب زندگی'' عندلیب زہرا کا اچھا تھا۔ ایک بہترین ناول، بہترین کہانی، جاندار، شاندار، جی ہاں میں بات کر رہی ہوں فرزانہ کھل کے ناول ''تھم گیا شور جنوں'' کی..... جو مجھے ازحد پسند آئی۔ شروع میں تو کہانی کو سمجھنا تھوڑا مشکل لگا۔ کرداروں کی بہتات اور رشتہ کے بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے۔ کون کس کا کیا ہے؟ بالآخر جب یہ سمجھ آ گیا تو پھر کہانی کو پڑھنے میں بہت مزہ آیا۔ اشفین نعیم کا ناولٹ ''کہہ ڈالو جو کہنا ہے'' اچھی تحریر تھی۔ ''ہمارے نام'' میں ناہید اسماعیل کراچی کا تبصرہ پڑھ کر مزہ آیا۔ ایک بہترین کہانی کا ذکر کرنا بھول ہی گئی۔ جی ہاں ایمل رضا کا افسانہ ''بیٹوں کی ماں'' بہت اعلا، بہترین تحریر تھی۔

''شادی مبارک ہو'' میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ شادی کا احوال کس نے لکھا ہے۔ نفسیاتی الجھنیں میں عدنان صاحب کے مشورے ہمیشہ ہی بہترین ہوتے ہیں۔

ج: پیاری ثمینہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹے کو بہت بڑی سعادت عطا فرمائی ہے۔ ہماری طرف سے مبارک قبول کیجیے۔ اللہ تعالیٰ اسے عمل کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین

شادی کا احوال اقرا امین نے لکھا تھا۔

تبصرہ حسب روایت ہمیشہ کی طرح مکمل اور جامع ہے بہت شکریہ۔

مریم بی بی..... تلہ گنگ

میں نے ابھی حال ہی میں ایف اے مکمل کیا ہے۔ شاید میرا اور تعلیم کا رشتہ یہاں تک ہی تھا۔ اب میری تنہائی کا ساتھی ڈائجسٹ ہی ہے۔

میرے دل کے جذبات آپ تک پہنچانا شاید اس قلم کی بس کی بات نہیں۔

ج: پیاری مریم! آپ کے جذبات ہم تک پہنچ گئے۔ اظہار محبت کے لیے بھاری بھرکم الفاظ ضروری نہیں۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی خواتین ڈائجسٹ نہ صرف آپ کی تنہائی کا ساتھی ہے بلکہ آپ اس سے بہت کچھ سیکھتی بھی ہیں۔

شائستہ سجاد بٹ..... لاہور سے

دسمبر کا شمارہ اس مرتبہ ذرا لیٹ ملا۔ میاں صاحب کو بک اسٹال کے دس چکر لگوائے تب کہیں جا کر ڈائجسٹ ہاتھ لگا۔ ٹائٹل گرل کی معصومیت اور اس کے اسٹائل نے دل موہ لیا۔

''کرن کرن روشنی'' نے دل کو منور کر دیا۔ انشا جی کی ''خاموش رہو'' بے حد پسند آئی۔ ای این ٹی اسپیشلسٹ ڈاکٹر عمر فاروق کا انٹرویو پسند آیا۔ ہمارے نام میں سب قاری بہنوں کے خط پڑھ کر مزہ آتا ہے۔ تعریف اور تنقید کے جملے بہت اچھے لگتے ہیں۔ ٹیورٹ ناول دشت جنوں، آمنہ جی، کیا کہنے ہیں آپ کے۔ روشن امی کے گزر جانے کا بہت دکھ ہوا۔ کم از کم ان پر اپنی بیٹی کی سچائی کا راز تو کھل جاتا۔ افسوس خوش نصیب اپنی ماں کی موت کا سبب بنی۔ ماہ نور اور شاہ میر کے بارے میں ضرور لکھیں۔ تہمینہ چودھری کی ''کھوٹے سکے'' ایک سبق آموز افسانہ تھا۔ راشدہ رفعت کا ناولٹ ''اعتبار و بے اعتباری'' ایک اچھی کاوش تھی۔ جو اکثر ہمارے معاشرے کے ارد گرد گھومتی نظر آئی۔

''بیٹوں کی ماں'' افسانہ ایمل رضا کا حقیقت کے قریب تر کے لگا۔ ایمل جی آپ نے ہمیشہ بہت اچھا لکھا۔

اشفین نعیم کا ناولٹ ''کہہ ڈالو جو کہنا ہے'' کوئی خاص تاثر نہ دے سکا۔ شازیہ الطاف ہاشمی کا افسانہ بازی، گاؤں پہ مبنی ایک ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ پسند آئی۔ ''تھم گیا شور جنوں'' فرزانہ کھرل کا یہ ناولٹ بازی لے گیا۔ رشتوں کے بیچ اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہتے ہیں پر انہوں نے بہت خوب صورتی سے لفظوں کا بہترین انتخاب کر کے ایک مکمل ناول کا روپ دیا۔ ویل ڈن۔ حسرت ان غنچوں پہ عنبرین اعجاز کا افسانہ ایک خشک تحریر تھی۔ اب باری ہے حسن المآب کی۔ سائرہ جی کیا کہوں، اس کہانی کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں میرے پاس۔ میگی کی موت نے دل اداس کر دیا اور یہ کیا سائرہ جی، جب کہانی میں ٹوئسٹ آنے لگا ہے تو آپ نے اینڈ کرنے کا عندیہ دے دیا، یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ نمرہ احمد کی ''حالم'' نمرہ جی سی تے گریٹ ہو۔ حبہ عزیز سے باتیں۔ موسم کے پکوان اور نفسیاتی الجھنیں بے حد پسند آئیں۔ جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ تب میں نے ردی والے سے خواتین ڈائجسٹ شاید پانچ روپے میں خریدا تھا۔ پھر ایسا جنون سوار ہوا کہ ہر ماہ باقاعدگی سے خریدنے لگی۔ میٹرک کے بعد جلد ہی شادی ہو گئی۔ آج میری شادی کو پورے بیس سال ہو چکے ہیں۔ لیکن میرے پڑھنے میں کمی نہیں آئی۔

ج: پیاری شائستہ! ایک طویل رفاقت نبھانے کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ جن کتب کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ ان کے لیے اس نمبر پر فون کر لیں۔ 021-2735021 آپ کے افسانوں کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ آپ میں صلاحیت ہے۔ اچھے موضوع منتخب کر کے لکھیں۔

شاہ جہاں وحید..... کراچی

بڑا شوق تھا آپ کی اس بزم میں آنے کا، آج سے نہیں، یہ تو بہت پرانی بات ہے۔ میں کوئی بارہ، تیرہ سال کی ہوں گی جبکہ ہمارے گھر کا ماحول کچھ ایسا تھا کہ رسالے پڑھنا، ٹی وی دیکھنا اور ریڈیو پر گانے سننا، کوئی اور پروگرام وغیرہ غرض کہ ہر چیز پر پابندی، لیکن شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا، جیسے پھول سے خوشبو آنے سے نہیں رکتی ایسے ہی مجھے بھی ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق تھا۔ یہ شوق مجھے ورثے میں ملا۔ کیونکہ

www.urdugem.com

میرے بڑے بھائی کو بھی رسالے، اخبار وغیرہ پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ والد صاحب اور بھائی صاحب پڑھے لکھے تھے، مگر ہمارے یہاں لڑکیوں کو بس واجبی سا پڑھایا جاتا تھا۔ میرے والد صاحب ڈاکٹر اور کونسلر بھی تھے، لیکن پیچھے سے چودھری وغیرہ۔ دادا پردادا بس اسی وجہ سے یہ سب پابندیاں تھیں، مگر میں کیا کروں، مجھے تو جنون تھا پڑھنے کا، لیکن وقت کا کچھ پتا نہیں، کب کیا ہوجائے۔ وقت نے میرے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ میری ہنستی کھیلتی زندگی میں بھونچال آ گیا۔ میری ماں دنیا سے رخصت ہوگئیں اور میں سب کچھ بھول گئی۔ بس بہن، بھائیوں کی ذمے داریاں اور میں نے اپنی چھوٹی عمر میں گھر کو سنبھال لیا۔ پھر میری شادی ہوگئی۔ قسمت سے سسرال بھی ایسی ملی جن کو میرے ڈائجسٹ پڑھنے پر اعتراض رہتا تھا، مگر میرے شوہر پڑھے لکھے تھے۔ انہوں نے کبھی میرے شوق کو نہیں روکا۔ وقت گزرتا رہا۔ بچے ہوئے، پھر خیر سے بڑے بھی ہوگئے۔ لکھنے کا شوق مجھے اپنے بھائی مبارک علی ناز کی وجہ سے ہوا، وہ نگار اخبار اور نور جہاں میں لکھتے تھے۔ ڈرامے بھی لکھے اور ان کا ایک ڈرامائی وی پر بھی چلا۔ ''تیری الفت میں'' کے نام سے۔ میں ہر ماہ خواتین کا بے صبری سے انتظار کرتی ہوں، تو میں پوتا پوتی، نواسا نواسی والی ہوں، میری بے صبری پر میری بہو، بیٹیاں بھی ہنستی ہیں کہ امی کو اس عمر میں بھی کتنا شوق ہے۔ ارے بھئی شوق کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔

جواب :۔ بہن شاہ جہاں! محفل میں خوش آمدید..... یہ تو آپ نے صحیح کہا کہ واقعی شوق نہ عمر دیکھتا ہے، نہ حالات۔ مگر بات یہ ہے کہ ہر شخص، ہر کام نہیں کرسکتا۔ ہر شخص وہ ہی کام بہتر طریقے پر انجام دے سکتا ہے جس کی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہیں اور یقین جانیں ہر شخص اپنی جگہ، اپنے مقام پر اہم ہے۔ جتنا اہم ڈاکٹر ہے، اتنا ہی اہم کسان بھی ہے۔ ہر شخص پڑھ تو سکتا ہے، مگر ہر شخص لکھ نہیں سکتا۔ ہاں کوشش اور مسلسل کوشش کی جاسکتی ہے۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں پڑھنے کی توفیق دے رکھی ہے، ورنہ دنیا میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو خواہش رکھنے کے باوجود پڑھ بھی نہیں سکتے، کہیں حالات، کہیں رسم ورواج اور کہیں پابندیاں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہیے۔

سیدہ فہمی رضا..... منڈی بہاؤالدین

''کرن کرن روشنی'' سے دل وروح کو معطر کیا، شاندار۔ آصف رضا میر کے صاحبزادے کچھ خاص پسند نہیں آئے، والد صاحب ابھی بھی بیٹے سے شاندار ہیں۔ مبارک ہو ناظمہ زیدی آپ جیت گئیں، آخرکار آپ کا افسانہ چھپ گیا۔ اب تو لگتا ہے مجھے بھی ناظمہ جیسی دھونس جمانی پڑے گی۔ دشت جنوں خاص متاثر نہیں کرسکا۔ راشدہ رفعت کی کہانی لسٹ میں ہو تو سب سے پہلے پڑھتی ہوں، کچھ کچھ اپنی اپنی سی لگتی ہیں موصوفہ۔ نعیمہ ناز کی ہر کہانی شان دار ہوتی ہے _____ سمیرا یار اتنا مشکل کیوں لکھتی ہو۔ ہر بات میں فلسفہ۔ سائرہ رضا پلیز اب اس ناول کو ختم کردیں۔ قرۃ العین ہاشمی متاثر نہ کرسکیں۔ نازیہ رزاق کہانی میں بے پناہ جھول لیکن انداز بیاں متاثر کن۔ نمرہ احمد تو کسی اور ہی دنیا کی باتیں لکھتی ہیں جو اس دنیا میں تو ممکن نہیں۔ آہ ناظمہ زیدی، ہر دوسرے گھر کی کہانی۔ حقیقت سے قریب تر سرور فاطمہ لکھا تو کیا خوب لکھا۔ کم وبیش ہر عورت کے ساتھ یہ ہوتا ہے۔

ج: پیاری فہمی! ہم کسی کے خط سے متاثر ہوکر اس کی تحریر شائع نہیں کرتے۔ ہم وہی کہانیاں شائع کرتے ہیں جو پرچے کے معیار کے مطابق ہوتی ہیں۔ خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ آپ کی کہانیوں کے لیے معذرت۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔

فریحہ عزیز شیخ..... کنڈیارو

سوچا تو یہ تھا کہ اب ادھر کا رخ نہیں کرنا۔ اور اس کی وجہ کوئی غصہ یا ناراضی نہیں تھی۔ بلکہ وہ جواب تھا جو مجھے ملا تھا۔ آپ جانی مانی رائٹرز کی کہانیاں پڑھے بغیر صرف نام دیکھ کر شائع کرتے ہیں۔ وہ نام بنانے میں مجھے پتا نہیں کتنا وقت لگے۔ میری کہانی آپ کے معیار کی نہیں تھی شاید۔ اب مجھے کیا پتا آپ لوگوں کا کیا معیار ہے۔ میں نے خواتین میں بہت سی ایسی کہانیاں پڑھی ہیں جو بالکل بکواس ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ قابل اشاعت ہوتی ہیں۔

ج: پیاری فریحہ! کہانی میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی ہے تو ہم اصلاح کر کے شامل کر لیتے ہیں دوسری بات یہ کہ اگر ہم نام دیکھ کر کہانی شائع کرتے تو بہت سے نئے نام سامنے نہ آتے۔ جبکہ آپ دیکھتی ہیں کہ ہر ماہ ایک دو نئے نام ضرور شامل ہوتے ہیں۔

آپ ناول لکھ رہی ہیں۔ بہت اچھی بات ہے۔ کوشش جاری رکھیں۔ ضرور کامیاب ہوں گی۔

مالا عزیز شیخ..... کنڈیارو

یہ میرا دوسرا خط ہے۔ جب ڈائجسٹ آیا اور دیکھا کہ میرا تو میرا، میری بہن کا بھی نہیں چھپا تھا اور پھر مجھے بہت افسوس ہوا لیکن خوشی کی یہ بات تھی کہ احمد رضا میر کا انٹرویو تھا جو میں نے لکھا تھا۔

ج: پیاری مالا! آپ کا پچھلا خط شائع نہ ہو سکا۔ اس کے لیے معذرت، آپ کا خط شامل اشاعت ہے۔ اگرچہ آپ نے خط میں کوئی تبصرہ یا قابل ذکر بات نہیں لکھی۔

شبانہ پروین، رضوانہ پروین،

کشور پروین..... عبدالحکیم

آداب! اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اتنا پیارا خواتین، کرن اور شعاع ڈائجسٹ شائع کرنے پر اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ اب آتے ہیں سرورق کی طرف، ماڈل شیزا خان بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ آپی میں نے اس دفعہ جن دو کہانیوں کو پڑھ کر خط لکھا ہے وہ ہے ''ایمل رضا'' ''بیٹوں کی ماں'' اور ''سائرہ رضا'' کا ''حسن المآب'' اس دفعہ سائرہ رضا آپ نے کتنے اچھے طریقے سے دین کے بارے میں بتایا۔ ایمل رضا آپ کا نام پڑھ کر ہی میں اندازہ لگا لیتی ہوں کہ کہانی کیسی ہوگی۔

ج: شبانہ، رضوانہ اور کشور! آپ کی تعریف ہم سائرہ اور ایمل تک پہنچا رہے ہیں۔ بہت شکریہ کہ آپ نے خط لکھا۔ آئندہ آپ کے تفصیلی تبصرے کے منتظر رہیں گے۔

ثوبیہ..... شین باغ خورد ائٹک

ہمیں بھی عرض تمنا کا ڈھب نہیں آتا
مزاج یار بھی سادہ ہے کیا کیا جائے

شعاع میں اپنا خط دیکھا۔ اس میں اپنے نام کے ساتھ جگہ کا غلط نام دیکھ کر جب کر گئی کہ چلیں خواتین میں ٹھیک نام پتا لکھا ہوگا لیکن خواتین ہاتھ میں آیا تو اس میں بھی نام پتا وہی نکلا۔ اب سوچا باقی رسالہ بعد میں پڑھوں گی۔ پہلے یہ غلطی تو ٹھیک کروالوں آپ سے۔

ج: پیاری ثوبیہ! ''عرض تمنا'' کے مخاطب ہم ہیں تو ہم نے آپ کے گاؤں کا نام صحیح لکھ دیا ہے۔ معذرت خواہ ہیں کہ نام غلط شائع ہوا لیکن جب خط لکھنے اور اسے پوسٹ کرنے کی زحمت کی تھی تو کتنا اچھا ہوتا تھا کہ پرچے کے بارے میں بھی چار سطریں لکھ دیتیں۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

www.urdugem.com

باصلاحیت فنکار

عجب گل سے ملاقات

شاہین رشید

عجب گل صاحب کو کون نہیں جانتا، فلم اور ٹی وی کا ایک معتبر نام جن کے کریڈٹ پہ کئی مشہور ڈرامے اور فلمیں ہیں اور جنہوں نے پشتو، پنجابی اور اردو زبان کی فلموں میں کام کر کے ثابت کیا کہ وہ ایک سچے محبِ وطن پاکستانی ہیں اور پاکستان کی سب زبانیں ان کی اپنی ہیں..... گزشتہ دنوں ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ آپ بھی پڑھیے۔ آج کل آپ انہیں "غریب زادی" سیریل میں دیکھ رہے ہیں۔

"جی کیا حال ہے آپ کا؟"

"جی اللہ کا کرم ہے۔"

"کیا مصروفیات ہیں آپ کی آج کل؟"

"بس جی..... ڈرامے بھی چل رہے ہیں اور فلم کے لیے تو آپ کو بتاؤں کہ مارچ 2018ء سے ہم پشتو فلم کا آغاز کر رہے ہیں۔"

"ڈراموں میں مصروفیات زیادہ ہیں یا فلموں میں؟"

"بس ملا جلا ہی رجحان ہے۔"

"یہ بتائیں کہ آج کل جو فلمیں آپ کر رہے ہیں ان میں پشتو فلموں کی تعداد زیادہ ہے۔ پنجابی یا اردو کی؟"

"پنجابی فلمیں بننا تو بالکل ہی ختم ہو گئی ہیں۔ اردو فلمیں کراچی میں بن رہی ہیں اور پشتو کے لیے میں نے آپ کو بتایا کہ مارچ سے شوٹ کا آغاز کریں گے۔"

"آج کل جو فلمیں بن رہی ہیں، ان کے بارے میں کچھ کہیں گے آپ؟"

"آج کل جو فلمیں بن رہی ہیں ان میں سے ایک فلم بھی میں نے نہیں دیکھی اور آپ یقین کریں جو میری اپنی فلمیں ہیں، جن میں میں نے کام کیا ہے، وہ بھی میں نے نہیں دیکھیں، میرے پاس ٹائم ہی نہیں ہے۔"

"فلموں میں معاشرے کا عکس نظر آتا ہے تو کیا ڈراموں میں بھی نظر آتا ہے؟"

"نہیں یہ تو خیر کسی اور ہی لائن پہ چل رہے ہیں۔ انہوں نے تو پیسے کمانے کی دوڑ لگائی ہوئی ہے۔ ڈرامے تو پی ٹی وی کے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ ریٹنگ اور پیسے کے چکر میں سب کچھ ہو رہا ہے۔"

"عورت کو بہت مظلوم دکھایا جا رہا ہے اور ہے بھی، تیزاب پھینک دیا۔ ونی ہو گئی یا....."

"حالانکہ بنیادی طور پر وہ مظلوم نہیں اور اس ٹاپک پہ پھر کبھی بات کریں گے۔"

"اس فیلڈ میں کتنے سال ہو گئے آپ کو؟"

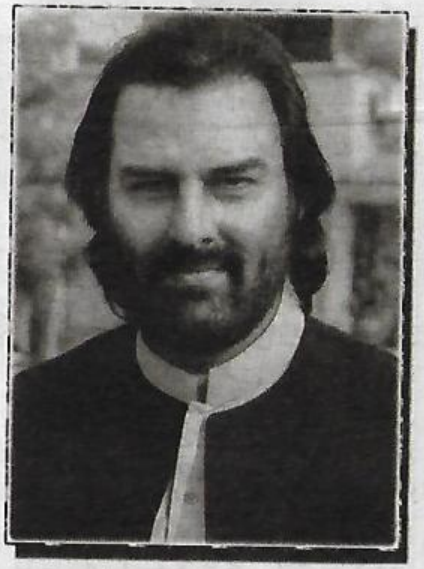

"میں اس فیلڈ میں 1984ء سے ہوں۔"

"کوئی ایسا ڈرامہ، کوئی ایسی فلم جو آپ کے لیے یادگار رہو یا جسے عوام نے بہت پسند کیا ہو؟"

"یہ تو عوام ہی بتا سکتے ہیں کہ میں نے اچھا کام کیا یا بُرا اور میری نظر میں تو میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو یادگار رہو یا مجھے یاد رہ گیا ہو، ابھی تک تو میں نے کچھ اچھا کام نہیں کیا۔"

"آپ کہہ رہے ہیں کہ میں نے نہ اپنی فلمیں دیکھی ہیں نہ ہی اپنے ڈرامے۔ نہ ہی دیگر تو کیسے پتا چلتا ہے کہ آپ نے کیسا کام کیا ہے اور کیا انڈین فلمیں بھی نہیں دیکھتے؟"

"گزشتہ تیس سالوں سے جو فلمیں بن رہی ہیں، وہ بہت بری فلمیں بن رہی ہیں، ان کا کوئی معیار نہیں ہے۔ ہندوستانی فلم انڈسٹری ایک زمانے میں واقعی ایک فلم انڈسٹری تھی، ایک زمانے میں لتا اور کشور کے گانے ہوا کرتے تھے..... جب وہ لوگ درمیان میں سے ہٹ گئے تو کیا رہ گیا فلم انڈسٹری میں..... اب آپ کا یہ سوال کہ آپ اپنی فلمیں اور ڈرامے نہیں دیکھتے تو کیسے اندازہ ہو جاتا ہے، تو میں آپ سے یہ کہوں گا کہ جب آپ لکھ رہی ہوتی ہیں تو آپ کو اندازہ ہو جاتا ہو گا کہ آپ کیا اچھا لکھ رہی ہیں اور کیا مناسب.....

تو مجھے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ میرا کیا کام اچھا ہے اور کیا اچھا نہیں ہے اور پھر کسی سے کیا موازنہ کرنا..... اگر کوئی اچھی چیز ہو رہی ہو مارکیٹ میں تب بندہ سوچتا ہے کہ میں اسے دیکھوں۔ تو مجھے ایسا کچھ نظر نہیں آتا کہ میں دیکھوں..... میں کیا دیکھوں کہ "راک اسٹار" فلاں اسٹار، بندے کو اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے۔ اپنی سوچ کو وسیع کرنا چاہیے انڈیا تو ازل سے ہمارا دشمن ہے، ہم ہی مرے جاتے ہیں ان پر، وہ نہیں۔"

"اگر وہ ہمارا دشمن ہے تو پھر ان کی فلموں اور ڈراموں کو کیوں دکھایا جاتا ہے ہمارے ملک میں؟"

"صرف ریلیز کی بات نہیں ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ انڈین فلمیں ہمارے معاشرے کے لیے اچھی نہیں ہیں یا انڈیا ہمارا دشمن ہے تو صرف فلموں پہ پابندی نہ لگائیں۔ پھر ان کی ہر چیز پہ پابندی لگائیں۔ ان کے چینل، ان کی ویڈیوز، ان کے ڈرامے سب کچھ بند کریں۔ اگر سینما ہاؤسز میں فلمیں بند کر کے آپ ٹی وی پہ ان کے ڈرامے اور ان کی فلمیں دکھا رہے ہیں یا ان کی ویڈیوز بازار میں بہ آسانی دستیاب ہیں تو پھر کیا فائدہ فلموں پہ پابندی کا۔"

"یہ جو گزشتہ ماہ بلیک فرائیڈے منایا گیا، اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

"ایک مسلمان ہونے کے ناتے آپ کو اس کا علم ہونا چاہیے۔ دیکھا ہے..... کافروں کی اس طرح کی حرکتیں تو اکثر ہوتی رہتی ہیں..... ہر زمانے میں انہوں نے کچھ نہ کچھ کیا ہے آج کل کی نسل کو انہوں نے موبائل کے ذریعے قابو میں کیا ہوا ہے۔ میڈیا سے، انٹرنیٹ سے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس نسل کی آبیاری ہم نے کی

www.urdugem.com

ہے، ہم نے انہیں پالا ہے، اب ہم انہیں خود بتائیں گے کہ "جمعہ" ہوتا کیا ہے؟....."

"اور جو مدر ڈے، فادر ڈے، ویلنٹائن ڈے وغیرہ منائے جاتے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"یہ بے شرم قوموں کی نشانیاں ہیں۔ میں نے آپ کو کہا نا کہ ہماری نئی نسل کی آبیاری ان لوگوں نے کی ہے اور اس نسل کے ماں باپ جنہوں نے انہیں کھلی چھوٹ دی ہوئی ہے۔ آج کے ماں باپ نام کے ماں باپ ہیں اور اس میڈیا نے نئی نسل کو بگاڑا نہیں بلکہ تباہ کر دیا ہے۔ بگڑے ہوئے پھر بھی سدھر جاتے ہیں مگر جو تباہ ہو جاتے ہیں وہ ٹوٹل لاس میں چلے جاتے ہیں۔"

"ماں باپ تو اپنے بچوں کی تربیت اسلامی پوائنٹ آف ویو سے کرتے ہیں..... ہر اچھی بات سمجھاتے ہیں۔ پھر جب کہیں سے تھوڑی سی بھی آزادی ملتی ہے تو بے قابو ہو جاتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟"

"اصل میں ان کی تربیت اس انداز میں نہیں ہوئی ہوتی جس انداز میں ہونی چاہیے۔ ہم نے ایک قاری کی ڈیوٹی لگائی ہوئی ہوتی ہے کہ سپارہ پڑھاؤ..... وہ طوطے کو ایک چیز رٹا رہا ہوتا ہے۔ وہ پڑھ کیا رہا ہے، اسے کچھ پتا نہیں ہوتا۔ اگر تربیت میں اسلام کی روح سمجھائی ہوتی تو سب کچھ ٹھیک چل رہا ہوتا..... اس نسل میں کچھ نوجوان بہت اچھے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر اسلام کی صحیح روح ڈالی ہوئی ہے۔ ان کا اپنے رب پر کامل ایمان ہوتا ہے کہ جو کرتا ہے اللہ نے ہی کرنا ہے۔"

"پرانا سوال ہے کہ اتنا کام کیا۔ بہترین کے کہیں گے۔ کوئی رول جو کرنے کے بعد آج تک ویسا نہ ملا ہو؟"

"سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے کسی کام سے مطمئن نہیں ہوں اور نہ ہی مطمئن ہوں گا جب تک مجھے خود اطمینان حاصل نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا اچھا کیا، کیا برا کیا۔"

"اس فیلڈ میں اتنا کچھ کیا، کوئی ایوارڈ ملا حکومت کی طرف سے آپ کو، انہوں نے آپ کی صلاحیتوں کو مانا؟"

"حکومت کا ماننا آرٹسٹ کے لیے سب سے بڑا جھوٹ ہوتا ہے۔ کیونکہ جب جب حکومت نے مانا ہے، آرٹسٹ کا ستیاناس ہی ہوا ہے..... آپ غور کریں، جب انہوں نے پذیرائی کی وہ آرٹسٹ اپنا کام کرنا چھوڑ جاتا ہے، وہ رک جاتا ہے۔ ہمارا ایوارڈ تو ہمارا کام ہے اور ہمارا ایوارڈ ہماری عوام ہے جو ہمیں پسند کرتی ہے۔"

"نئی نسل بقول آپ کے تباہی کی طرف جا رہی ہے تو آپ پیمرا سے کچھ کہنا چاہیں گے۔ میڈیا سے کچھ کہنا چاہیں گے؟"

"میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اس کام کے لیے والدین اٹھیں۔ اگر 50 ہزار بندے مال روڈ پر کھڑے ہو کر احتجاج کریں کہ ایسے پروگرام نہیں ہونے چاہئیں۔ ہماری نسل خراب ہو رہی ہے تو آپ دیکھیے گا کہ اگلے دن اس پر عمل درآمد ضرور ہونے لگے گا۔"

"آج کل کی سیاست کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"چلیں، یہ بتائیں کہ فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟"

"بس دوستوں کے ساتھ وقت گزارتا ہوں۔ ایکسرسائز کرتا ہوں یا پھر آرام کرتا ہوں یا کسی سے فون پہ بات کر لیتا ہوں۔"

"اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"فیملی کے لیے معذرت، کیونکہ ان کو میں میڈیا میں نہیں لانا چاہتا..... فیملی کو ڈسکس نہ کریں۔"

"اوکے..... کھانے پینے سے لگاؤ ہے؟"

"کھانے پینے سے بالکل بھی لگاؤ نہیں ہے۔ میں صرف بوائلڈ چیزیں کھاتا ہوں۔ سبزی کھاتا ہوں، سلاد کھاتا ہوں۔ روٹی نہیں کھاتا۔ اس نعمت سے محروم ہوں..... کیونکہ روٹی موٹاپے کا سبب بنتی ہے اور میں اسمارٹ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ قربانی اس فیلڈ کے لیے ہے۔"

"شوبز میں سب سے بڑی برائی کیا ہے؟"

"کیا کہوں..... ہر آدمی کا اپنا نظریہ ہوتا ہے۔ اگر میں اسے بہت گلیمرائز کر کے بہت اچھا کہہ دیتا ہوں تو مذہبی بندے کو یہ بات پسند نہیں آئے گی کیونکہ وہ تو کچھ اور انداز میں سوچتا ہے اور اگر برا کہوں گا تو آپ کا ہی اگلا سوال ہوگا کہ آپ کیوں کر رہے ہیں۔ ہمارا آرٹ ایک کری ایشن آرٹ ورک ہے اور یہ بہت حساس جاب ہے اور میں نے اس فیلڈ میں جس طرح کام کیا ہے، میں اس سے مطمئن ہوں..... لیکن جنہوں نے اسے شہرت کا زینہ بنایا۔ عیش و عشرت کی محفلوں میں اسے کیش کیا اور گمنامیوں اور بدنامیوں کی راہ میں چلے گئے..... ان کے لیے یہ فیلڈ کچھ اور ہے..... مگر میرے لیے تو یہ ایک بہت ہی اچھا آرٹ ورک ہے اور اس سے معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے اگر کوئی کرنا چاہے تو۔"

"آپ نے خود بھی تو فلمیں بنائیں، کیا رزلٹ رہا؟"

"جی..... میں نے دو اردو فلمیں بنائیں اور کچھ پشتو فلمیں بنائی ہیں۔ 2001ء میں ایک فلم بنائی "کھوئے ہو تم کہاں" اسے میں نے لکھا بھی اور ڈائریکٹ بھی کیا، دوسری 2005ء میں بنائی "تم سے اتنا پیار ہے" اس طرح پشتو فلمیں بنائیں۔"

"یہ دو اردو فلمیں لو اسٹوری تھیں یا معاشرے کی اصلاح کے لیے بنائیں؟"

"پہلی لو اسٹوری تھی اور دوسری "تھرل" تھی۔ میں نے زیادہ تر ٹی وی میں کام کر کے سیکھا۔ یہ

مشہور مزاح نگار اور شاعر
انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،
کارٹونوں سے مزین
آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش۔

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
گھری گھری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو / ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری / ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.urdugem.com

میرے لیے ایک تعلیمی درسگاہ تھا۔ نصرت ٹھاکر، یاور حیات، راشد ڈار، میں نے ان کے ساتھ بہت کام کیا..... میں خالصتاً پاکستان فلم انڈسٹری کی پروڈکٹ نہیں تھا اس لیے مجھ سے غلطیاں، گمراہیاں اور بدنامیاں نہیں ہوئیں..... میں اس طرح کا ''میکر'' نہیں ہوں کہ جو معاشرے کی اصلاح کے لیے کام نہ کرے اور صرف کمرشل کی بنیاد پہ کام کرے۔''

''کچھ نجی سوال کہ کھانے کا تو شوق نہیں پکانے سے ہے؟ پاٹھکل پٹھان ہیں؟''

''جی..... مجھے پکانے سے کوئی لگاؤ نہیں ہے..... بہت عجیب بات کی..... آپ کی بات سے یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے پٹھان کچھ نہیں کر سکتے، پٹھان کیا کچھ نہیں کر سکتے، پٹھان بڑے وضع دار لوگ، بڑے عزت دار لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی فیملی کو اپنے بزرگوں کو اپنے چاہنے والوں کو بڑا پیار دیتے ہیں۔ پٹھان پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں۔ پٹھان سوشل بھی ہوتے ہیں۔ پٹھان پوسٹ مین بھی ہے، صحافی بھی ہے، سیاست دان بھی ہے۔ سائنس دان بھی ہے، مجاہد بھی ہے، سپاہی بھی ہے، غازی بھی ہے اور شہید بھی ہے..... پٹھان ہر فیلڈ میں اپنی صلاحیتیں دکھا رہا ہے..... پٹھان نے ہی سب کچھ ایکسپلور کیا ہے پٹھان نے ہی بتایا ہے کہ کھیلنا ہے تو ایسے کھیلو، بولنا ہے تو ایسے بولو..... پٹھان نے تو پرفیکشن دی ہے۔ یہ تو لوگوں نے خواہ مخواہ مذاق بنا لیا ہے، لطیفے بنا دیے ہیں۔

پٹھان نے تو جتنا کام کیا نفاست اور سلیقے سے کیا ہے۔ پٹھان کی خصلت میں اور طبیعت میں تو یہ شامل ہی نہیں ہے کہ اگر اس کے سامنے کوئی گڑبڑ کر دے تو فوراً وہ کہے کہ لاؤ میں ٹھیک کر دوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ آپ کے گھر کا گارڈ ہے تو وہ آپ کی حفاظت اور آپ کے گھر کی حفاظت کرتا ہے، جب آپ گھر میں نہیں ہوتے..... پٹھان تو سب کا محافظ ہے اس پہ بھروسا کیا جا سکتا ہے.....

میں پٹھان کے ٹاپک پہ خدا کی قسم پورا دن بات کر سکتا ہوں۔ یقین کے ساتھ کر سکتا ہوں اور دوسری قوموں سے موازنہ بھی کر سکتا ہوں۔ پٹھانوں کو تو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت بدنام کیا گیا ہے۔''

''اور جناب چلتے چلتے ایک مزیدار سوال کہ عجیب سے ''عجب'' نکلا ہے اور آپ کا نام ''عجب گل'' ہے تو اس نام کی کیا وجہ تھی؟''

ہنستے ہوئے..... ''یہ تو میں اپنے ابو سے پوچھوں گا۔ جو کہ فوت ہو چکے ہیں اور جب اگلے جہاں جاؤں گا تو پوچھوں گا۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔ جب ہماری اور آپ کی وہاں ملاقات ہوگی تو مجھے ضرور بتایئے گا۔''

''ان شاء اللہ وہاں پہ آپ بھی ہوں گی۔'' ہنستے ہوئے۔

''جی بالکل ان شاء اللہ.....''

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ''عجب گل'' صاحب سے اجازت چاہی اس شکریہ کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

☆

بقیہ سروے

ایسے بے شمار جملے ہیں میری دوستوں کے جو میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ نے مجھے بہت پیاری دوستوں سے نوازا ہے جو خود بے مثال ہیں۔

شرارتیں تو بے شمار کی ہیں، اتنی کہ ایک کتاب مرتب کی جا سکتی ہے، گزرے سال کی تازہ شرارت کا حال بیان کرتی ہوں۔

جون 2017ء میں فیصل آباد جانا ہوا اپنے میکے میں، میں جب بھی فیصل آباد جاؤں تو انارکلی بازار ضرور جاتی ہوں وہاں کے مزیدار ''دہی بھلے'' کھانے۔

میں اور میری بھابی ہم دونوں انارکلی بازار گئے شاپنگ کرنے اس کے بعد اپنے پسندیدہ دہی بھلے کھانے کے لیے ایک دکان میں گئے جہاں کیبن میں بیٹھنے کا انتظام تھا۔ میں اور بھابی خوب چٹخارے لیتے ہوئے ''دہی بھلے'' کھانے میں مگن تھے کہ اچانک ٹیبل پر ایک ننھا سا ''لال بیگ'' نظر آیا اور آناً فاناً ہی شیطان نے ہمارے دماغ پر ڈیرہ ڈالتے ہوئے ہمیں شرارت پر اکسایا اور بھابھی کے ساتھ باہمی اتفاق کرتے ہوئے دہی بڑے ختم ہونے تک ہم نے گلاس الٹا کر کے لال بیگ کو ''قید'' کر لیا، جب دہی بھلے ایک چوتھائی ختم ہو گئے تو باقی بچنے والے میں ہم نے چمچ سے لال بیگ کو پلیٹ میں منتقل کرتے ہوئے سرو کرنے والے لڑکے کو آواز لگائی اور بنا کچھ بولے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا جس میں ''لال بیگ'' بڑی شان سے براجمان تھا۔ وہ لڑکا بے چارہ بوکھلا گیا۔

''نہیں، اب ہمیں نہیں کھانے۔''

اور اٹھ کر دکان سے باہر آ گئے (بنا پیسے دیے) تو وہ لڑکا ایک پارسل دہی بھلوں کا لیے پیچھے آیا اور معذرت کرتے ہوئے ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیا، میں نے اور بھابھی نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ہنسی کو لبوں سے آزاد کیا اور ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے گھر کی راہ لی اور آ کر سب کو مزے سے مفت دہی بھلے کھانے کا یہ قصہ سنایا تو ہنسی کے ساتھ ساتھ جو لعنت ملامت ملی اس کو آپ جانے دیں۔

(2) بالکل زندگی میں اچھے برے بہت سے کام کیے ہیں اور بے شک مجھے دوسروں کے لیے دوسروں کی خوشی کے لیے کام کرنا بہت اچھا لگتا ہے اور واقعی اس سے ذہنی سکون اور خوشی بھی ملتی ہے، لیکن میں سمجھتی ہوں کہ کسی بھی ایسے کام کا ذکر اس خوشی اور نیکی کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

(3) 2017ء میں بے شمار تحریریں پڑھنے کو ملیں، جو دل و دماغ پر اپنے نقش چھوڑ گئیں، سب سے تازہ تحریر ''سباس گل'' کا ناول پڑھا ہے۔ خاص طور پر ایک جملہ تو جیسے دل میں کھب گیا کہ۔

''ہم دل دکھانے میں تو ایک پل لگاتے ہیں اور منانے میں ایک سال اور کبھی کبھی پوری عمر لگا دیتے ہیں۔''

دوستو! زندگی بہت مختصر ہے۔ کوشش کیا کریں کہ کسی کا دل نہ دکھائیں۔ خواتین ڈائجسٹ کی پوری ٹیم اور تمام دوستوں کو نیا سال مبارک ہو۔

حافظہ عائشہ ستار..... سرگودھا

(1) ختم ہونے والے سال میں بہت سی خوب صورت باتیں اور یادیں ذہن میں جگنو کی طرح چمک رہی ہیں۔ سوچ رہی ہوں پہلے کیا بات احاطہ تحریر لاؤں۔ 2017ء میرے لیے کوئی ایسا خاص خوشیوں اور کامیابیوں کا سال نہیں رہا۔ بلکہ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو پریشانیوں کا بہت سامنا کرنا پڑا۔ جس میں سب سے بڑی پریشانی میری امی جان کی خرابی صحت تھی۔ ان کی دماغی حالت بہت نازک تھی۔ اور یہ بات ہمارے خاندان کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ مگر الحمدللہ اب وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکی ہیں۔

اس سال کی دونوں عیدوں پر کزنز اور دوستوں کے ساتھ خوب مزہ کیا۔ اس سال میری دوست آپی سمیعہ کی شادی ہوئی۔ میری چھوٹی بہن کی منگنی ہوئی۔ اس سال مجھے اپنے ابو جان سے بہت محبت اور تعریف ملی۔

www.urdugem.com

میرے دونوں بھائی چھوٹے ہیں۔ ہم چار بہنیں ہیں۔ بھائیوں سے بڑی۔ میرے ابو کہتے ہیں عائشہ بیٹا تو میرا دایاں بازو ہے اور امی کی خرابی صحت کے دوران ابو نے جو الفاظ کہے وہ ہمیشہ ذہن میں تروتازہ رہیں گے۔

"میری بیٹی عائشہ میرا بیٹا ہے اور میرا فخر ہے۔ وہ بہت بہادر ہے اور اس مشکل وقت میں اس نے مجھے بھی سہارا دیا اور اپنی امی کو بھی حوصلہ دیا اور ہمیں بالکل پریشان نہیں ہونے دیا۔

اللہ میرے والد کو صحت و تندرستی اور ایمان والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین)

اور مدرسے کے استاد محترم کہتے ہیں۔

"جیسی سوچ عائشہ کی ہے وہاں تک کوئی عام بچی نہیں سوچ سکتی۔"

بہت محبت کرنے والی دوستوں سے بھی بہت تعریفیں سننے کو ملتی ہیں اور سب کچھ اس وقت صفحہ قرطاس پر بکھیرنا ممکن نہیں۔ میری زندگی میں بس ایک ہی مخلص اور سچی محبت ہے جس نے مجھے کبھی کسی لمحے تنہا ہونے کا احساس نہیں دلایا۔ اور وہ سچی محبت ہے میرے رب العزت کی

یہ ہر لمحہ ایک نورانی روشنی کی طرح راستہ دکھاتا ہے۔ اور رہی شرارتوں کی بات تو ہمارے فتنہ خیز ذہن میں ہر لمحہ کوئی نہ کوئی شرارت آتی رہتی ہے۔ جیسے کسی بہن نے کہا میری تصویر بنا دو وہ بے چاری مزے سے پوز بنا کے بیٹھی ہے اور ہم صرف پاؤں کی تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ اور دونوں پاؤں میں جوتا بھی مختلف ڈیزائن کا (ہاہاہا)

اور کبھی چھوٹے بھائی کے سوتے ہوئے اسے لپ اسٹک، لائنر، مسکارا لگا کے پونی کر کے سر پہ دوپٹا اوڑھا کے لڑکی بنا دیا اور جب وہ سو کے اٹھے تو سب اسے دیکھ کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ اور وہ بے چارہ حیران و پریشان کہ آخر ماجرا کیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی اور بہت سی چھوٹی موٹی بے ضرر سی شرارتیں ہیں۔

(2) انسان بہت گناہ گار ہے اس بات کا تو قرآن پاک میں بھی ذکر ہے۔ (بے شک انسان خسارے میں ہے مگر سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے) میرا اس بات پر یقین ہے کہ روزانہ ایک ایسا نیکی کا کام ضرور کریں جس کا ہمارے رب کے علاوہ کسی کو علم نہ ہو۔

ہمارے مدرسے۔ میں ایک غریب بچی ہے اکثر سب سے چھپ کر اس کی مدد کر دیتی ہوں۔ جس سے وہ بہت خوش ہوتی ہے۔

چھت پر اکثر پرندوں کے لیے روٹی چور کر یا بچا ہوا سالن اور چاول وغیرہ ڈال دیتی ہوں اور گرمیوں میں پانی۔ کیا پتا یہی نیکی بخشش کا ذریعہ بن جائے۔ کسی کو اچھی بات بتا دینا بھی صدقہ ہے۔ سلام میں پہل کرنا بھی نیکی ہے۔

ایک ضروری بات کوئی بھی نیکی کا کام کرتے وقت مدنظر صرف اپنے رب کی رضا اور خوشی رکھیں۔

(3) خواتین ڈائجسٹ میں چھپنے والی تحریر "نمل" ـــــ جو مجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔ جس خوب صورتی سے نمرہ نے اس ناول کو لکھا، میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔

فرزانہ کھرل کا ناول "محبت مانگتی ہے جو" یہ بھی

"غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو، اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تمہاری پریشانی بھی دور کرے گا۔"

سیدہ بشریٰ ایمان ہمدانی......بھکر

(1) پہلا سوال کافی مشکل لگا۔ 2017ء بہت مشکل تکلیف دہ سال تھا۔ ہر لحاظ سے اگر کوئی خوش کن لمحہ آیا بھی تو دل اس کو ویسے محسوس نہ کر پایا۔ مگر انسان بہت ڈھیٹ شے ہے۔ دکھ جتنا گہرا ہو، ذہنی طور پر جتنا بکھر چکا ہو پھر بھی کوئی نہ کوئی بہانہ خود کو تسلی دینے کا اور دنیا میں رہنے کا جواز تلاش کر ہی لیتا ہے اور ایسے ہی کچھ خوشگوار لمحے یونیورسٹی میں دوستوں کے ساتھ بیتے۔ وہی لمحے 2017ء کے خوشگوار لمحے تھے۔ جیسے میڈم کے لیکچر میں جب سب کچھ سر کے اوپر سے گزر رہا ہوتا تھا تو میں اور

میری دوست نذرانہ رجسٹر پر لکھ باتیں کرتی تھیں کیونکہ ایک تو میڈم بولتی اتنا آہستہ تھیں اور اگر غلطی سے ان کا کوئی لفظ کلاس تک پہنچ ہی جاتا تو وہ ہمارے بچارے کمزور ذہنوں تک رسائی ہی نہ کر پاتا اور وہ گھنٹہ میں اور نذرانہ لکھ لکھ کر گزارتے اور جب میں بہت بور ہو رہی ہوتی ہوں تو وہ رجسٹر کھول لیتی ہوں۔

ایک دوست کی منگنی کی خوشی میں بھری دوپہر میں جو ٹریٹ لی، پیدل چل چل کر حشر ہو گیا مگر جب پیزا سامنے آیا تو ساری تھکن ہوا ہو گئی اور ہم لوگ پیزا پر ٹوٹ پڑے اور کلاس کے دوران کہ جب لڑکے ہماری سائڈ والا فین یہ کہہ کر بند کر دیتے کہ لیکچر سنائی نہیں دیتا اور ہم بے چاریاں برقعے کے ساتھ گرمی سے مر رہی ہوتیں مگر مروت میں چپ رہتیں۔ ایک دن ہمت کر کے میں نے کہہ ہی دیا کہ یہ کیا طریقہ ہے لیکچر آپ کو سنائی نہیں دیتا فین ہماری طرف والا کس خوشی میں بند کرتے ہو اپنے والا کرو۔"

پھر ان کی سمجھ میں آ گیا ہم لوگ اتنی معصوم نہیں آج کل کے دور میں حق چھین کے لینا پڑتا ہے۔

میری فرینڈ کی بولنے والی پھونک ہوتی ہماری کلاس کے ایک "لسوڑے" نے وہ پوری کلاس کو کشت زعفران بنا دیتا تھا اور کلاس کا ماحول گل و گلزار ہو جاتا کیونکہ وہ کلاس کا پورا نمونہ تھا۔ اس کو بولنے کی بیماری تھی اور ہم سب نے اس کا نام "لسوڑا" رکھا ہوا تھا۔ یہ کھٹی میٹھی یادیں اور معصوم شرارتیں تھیں جو 2017ء میں حصے میں آئیں ورنہ تو دکھ ہی دکھ اذیت ہی اذیت تھی۔

(2) اس سوال کا جواب اس "نظم" میں موجود ہے۔

لوگ خوش نہیں ہوتے
میں نے ان کو پرکھا ہے
چاہتیں لٹا کر کے
وقت کو تباہ کر کے
سارے حق ادا کر کے
ان کی ہر خواہش کو زندگی بنا کر کے
درد میں مصیبت میں
حوصلے عطا کر کے
میں نے ان کو پرکھا ہے
لوگ خوش نہیں ہوتے......!!

میں نے تو جس کے ساتھ بھی اچھا کیا، بدلہ برائی کی صورت میں ملا۔

(3) میں جب بھی رسالہ پڑھنے بیٹھی ہوں تو ساتھ پنسل لے کر بیٹھتی ہوں۔ مجھے جو بھی لائن، جملہ اچھا لگتا ہے اس کو انڈر لائن کر دیتی ہوں ان جملوں سے مجھے ہمت ملتی ہے دکھوں سے لڑنے کی۔ ان میں سے ایک جملہ جون کے شمارے میں "ایسا ہے مجھ میں" کا بہت دیر تک دماغ پر دستک دیتا رہا۔ جب بھی اداس ہوں تو وہ جملہ ذہن کے پردے پر جگمگانے لگتا ہے۔

"حادثہ واقعی گزر گیا، لیکن اس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں، تم تو اس ہاتھ کو دیکھ سکتے ہو اور میں تو ان زخموں کو نہ دیکھ سکتی ہوں اور نہ دکھا سکتی ہوں کیونکہ روح پر لگے زخم دکھائے نہیں جا سکتے۔"

☆

www.urdugem.com

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

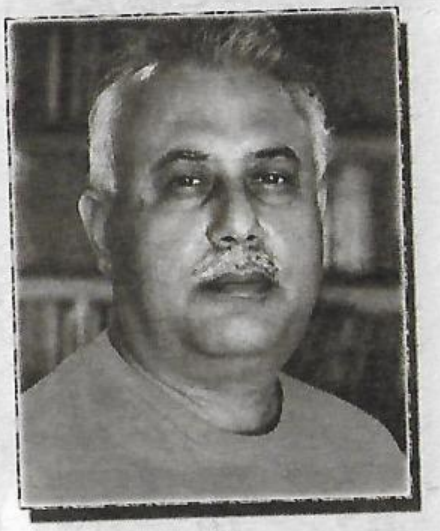

شرط

وسعت اللہ خان کے کالم پڑھنے والوں کے لیے یہ بات بہت حیرت کا باعث ہوگی کہ ان کے لکھنے کی ابتدا دو سو روپے کی ایک شرط تھی۔ وسعت اللہ خان اس بارے میں بتاتے ہیں کہ کراچی یونی ورسٹی میں وہ آئی، آر میں ماسٹر کر رہے تھے تو ایک ساتھی لڑکی کے افسانے کو سن کر میں نے اسے انتہائی پھٹیچر افسانہ کہا۔ اس نے کہا کہ تم صرف اس طرح کی باتیں ہی کر سکتے ہو۔ کبھی زندگی میں ایک لفظ بھی لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں نہیں لکھا، لیکن اس طرح کے افسانے جیسی ایک کتاب ایک رات میں لکھ سکتا ہوں۔ اس نے کہا کہ بونگیاں مارنے سے کام نہیں چلتا۔ تم ثابت کرو کہ تم لکھ سکتے ہو۔ یوں دو سو روپے کی شرط لگی۔ اب میں بالکل نہیں جانتا تھا کہ کیسے لکھتے ہیں۔ اخبار کیا ہوتا ہے۔ مضمون کسے دینا چاہیے۔ بس ایک چیلنج تھا۔ اس زمانے میں جنوبی افریقہ نے ایک خفیہ جوہری دھماکہ کیا تھا۔ میں نے خبر پڑھی تھی تو میری کلاس میں جنوبی افریقہ کے دو طالب علم تھے۔ میں نے ان دونوں سے کچھ معلومات لیں (کیوں کہ اس زمانے میں انٹرنیٹ تو تھا نہیں) اور اس کی بنیاد پر میں نے ایک کہانی بنائی اور ایک اخبار کے دفتر کے ایڈیٹر کے پاس لے گیا۔ ایڈیٹر نے کہا کہ رکھ جاؤ میں دیکھ لوں گا۔ میں نے اس سے کہا کہ رکھ نہیں جاؤ، یہ بہت خاص ہے۔ اس نے کہا میاں رکھ جاؤ، دیکھ لوں گا۔ اب میں نے سوچا یہ نہیں لگائے گا۔ لیکن اگلے اتوار کو ہی میگزین کے پہلے صفحے پر میری تحریر لگ گئی۔ یونی ورسٹی پہنچ کر مجھے امید ہوئی کہ سب مجھے مبارک باد دیں گے لیکن نہیں۔ یوں میں نے دو سو روپے جیت لیے۔ اہمیت اس بات کی تھی کہ میں نے اپنا نام اخبار میں جلی حروف میں چھپا دیکھا۔ تو میں نے کہا کہ یہ تو زبردست کام ہے تو یوں لکھنے میں ابتدا ہوئی۔ (یعنی دو سو روپے نے ہمیں ایک بہترین کالم نگار دے دیا۔)

چیلنج

عظمیٰ حسن کو آپ نے مختلف ڈراموں میں اداکاری کرتے ہوئے دیکھا ہوگا جس میں ''الو برائے فروخت ہیں'' جیسے ڈرامے بھی شامل ہیں جس میں عظمیٰ نے بہترین اداکاری کی ہے۔ عظمیٰ حسن کو اسٹیج پر اداکاری کرتے دیکھ کر ''ارتھ ٹو'' کے ہدایت کار نے جب انہیں اپنی فلم میں شانہ اعظمی والا کردار ادا کرنے کی پیشکش کی تو عظمیٰ حیران رہ گئیں۔ وہ اسے مذاق سمجھیں۔ اپنے کردار کے بارے میں عظمیٰ حسن کا کہنا ہے کہ میں شانہ اعظمی والی سچویشن میں ضرور پرفارم کر رہی ہوں مگر میں فلم میں ایک بالکل مختلف عورت نظر آؤں گی۔ (جی عظمیٰ! شانہ اعظمی اور آپ.....؟ فرق تو ہے ناں) عظمیٰ نے مزید کہا کہ اس فلم میں کام کرتے ہوئے مجھے ہر لمحے یہ احساس رہا کہ مجھے انڈسٹری کے بہترین ہدایت کار (آہم!) نے ایک کلاسیکل فلم (بھئی انڈین ارتھ) کے ری میک میں کام کرنے کے لیے منتخب کیا ہے تو مجھے ان کی توقعات پر پورا اترنا ہے۔ عظمیٰ کا کہنا ہے کہ ''آج کل کے رائٹرز جس قسم کے یکسانیت سے بھرپور اور اداکاری کے مارجن سے عاری کردار لکھ رہے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے میرے اس کردار میں میرے لیے پرفارمنس کی گنجائش تھی اور میں نے اسے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کیا تھا۔ (ویسے عظمیٰ! ان ہی رائٹرز کی وجہ سے آپ کو اداکاری کرنے کا موقع ملا اور آپ فلم والوں کو نظر آئیں تو.....؟)

دے رہے ہو ناں جی!)

کارنامہ

مہوش حیات کا شمار بھی ان اداکاراؤں میں ہوتا ہے جو ٹی وی پر اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے کے بعد فلم میں بھی مقبول ہوئیں۔ (اداکاری سے نہیں بلکہ گلیمر کے ذریعے) مہوش حیات کا کہنا ہے کہ ''پاکستانی میڈیا پر انہوں نے ہر قسم کے کردار کرنے کی کوشش کی مگر ہمارے رائٹرز یکسانیت سے بھرپور اسکرپٹ، ایک جیسی کہانیاں اور کردار لکھ لکھ کر اب تھک چکے ہیں (ہیں! یہ کس نے کہا؟ کیا اب آپ ٹی وی نہیں دیکھتیں جو.....) اس لیے انہوں نے کام کرنا بھی کم کر دیا ہے۔ (فلم کے کردار اور اسکرپٹ.....؟) اور وہ اسی انتظار میں ہیں کہ انہیں کوئی نیا اور اچھوتا کردار، کسی نئی کہانی کے ساتھ کرنے کو ملے۔ (کام مانگنے کا بہترین طریقہ.....) مہوش نے مزید کہا کہ ''وہ چاہتی ہیں کہ مغربی میڈیا میں مسلمان خواتین کا جو غلط تاثر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اصل حقیقت کو دنیا کے سامنے لایا جائے اور بتایا جائے کہ مسلمان عورت نے بھی تاریخ میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں (آہو جی، تسی تے اپنی فلموں کے ذریعے وڈے کارنامے انجام

اِدھر اُدھر سے

☆☆☆

جن عدالتوں کے لاکھوں کیس عدالتی فائلوں میں رُل رہے ہوں اور چیف جسٹس اسپتالوں کو چیک کر رہا ہو تو سمجھ لیں، جج انصاف نہیں سیاست کر رہے ہیں۔

(بی بی سی.....اردو)

☆ کنیڈا میں بچوں کی نفسیات کے ماہرین پانچ ماہ سے دس سال تک کی عمر کے بچوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ باقاعدگی سے والدین کے ساتھ کھانا کھانے والے بچے دیگر بچوں کے مقابلے میں زیادہ چاق و چوبند، صحت مند اور ذہین ہوتے ہیں۔ بچے اس دوران اپنی بات کرنا سیکھتے ہیں اور یوں وہ باقی دنیا سے اچھے انداز میں بات کر سکتے ہیں۔

www.urdugem.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

زنگر چکن

ضروری اشیا:

چکن بریسٹ (بون لیس)	آدھا کلو
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سفید مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
میدہ	آدھا کپ
کارن فلیکس	ایک کپ
کارن فلور	آدھا کپ
انڈا	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔ گوشت کو دھو کر اس کے حسب پسند ٹکڑے کاٹ لیں۔ اس پہ سیاہ مرچ پاؤڈر، سفید مرچ پاؤڈر، سویا ساس ـــــــ اور نمک لگا کر ایک گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔

اس کے بعد پیالے میں انڈا پھینٹ کر اس میں کارن فلور اور میدہ ڈال کر آمیزہ بنالیں۔ ایک پلیٹ میں کارن فلیکس ڈالیں میرینیٹ کی ہوئی چکن کو پہلے آمیزے میں ڈبو لیں۔ اس کے بعد کارن فلیکس سے لت پت کر کے گرم تیل میں سنہرا ہونے تک تل لیں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

رس ملائی

اجزا:

دودھ	دو لیٹر
سبز الائچی	آٹھ عدد
چینی	ڈیڑھ پیالی
خشک دودھ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
میدہ	دو چائے کے چمچے
گھی	دو کھانے کے چمچے
انڈے	دو عدد
پستہ	حسب ضرورت

ترکیب:۔ دودھ کو ابالیں۔ جب ابال آجائے تو چینی اور سبز الائچی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں، تاکہ دودھ گاڑھا ہوجائے۔ ایک بڑے پیالے میں خشک دودھ ڈالیں، پھر بیکنگ پاؤڈر اور میدہ ڈال کر ہاتھ سے مکس کریں، یہاں تک کہ یکجان ہوجائے۔

پھر اس میں گھی ڈال کر کچھ دیر بعد ہاتھ سے خوب ملائیں۔

اب انڈے ڈال کر مزید گوندھیں، اگر مرکب خشک محسوس ہو تو اس میں ایک چمچ دودھ شامل کرلیں۔

خیال رہے مرکب زیادہ پتلا نہ ہو۔

اب اس مرکب سے چھوٹی چھوٹی آٹھ یا دس بالز بنالیں اور انہیں پکتے ہوئے دودھ میں ڈال دیں، ساتھ ہی آنچ بھی ہلکی کردیں۔

احتیاط لازمی ہے، مرکب درست انداز میں مکس نہ ہونے یا چمچہ لگانے کی وجہ سے رس ملائی ٹوٹ بھی سکتی ہے۔

تین منٹ بعد چولہا بند کردیں اور رس ملائی کو کسی گہری ڈش میں نکال لیں۔

رس ملائی روم ٹمپریچر پر تھوڑی ٹھنڈی ہوجائے تو پستہ چھڑک کر اور چاندی کے ورق لگا کر فریج میں رکھ دیں اور کھانے کے لیے پیش کریں۔

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

بہترین انسان وہی ہے جو اپنی باتوں سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاتا ہو، جو لوگ نرم گفتار ہوتے ہیں اور شیریں بیانی کے گُر سے واقف ہوتے ہیں، دنیا ہمیشہ ان کی عزت کرتی ہے۔

اچھائی اور برائی دونوں زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پر موقوف ہے، اس کے لیے زبان کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے، آج ہم اپنے فرائض سے ناآشنا ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لیے خود بگاڑ کا باعث بھی بنتے جارہے ہیں۔

خاتون خانہ کا اپنا اخلاق و کردار قابل تحسین و تقلید ہوگا۔ تب ہی اس کی شخصیت کے اثرات کنبہ کے دیگر افراد قبول کرسکیں گے۔

ہمارے مذہب میں بھی غیبت، غرور، تکبر، چغل خوری اور مبالغہ آمیزی سخت گناہ ہے۔ اسی طرح دوسروں کو بلاوجہ برا بھلا کہنا اور لڑائی جھگڑا بھی منع ہے۔ غصہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہ دل کی خوشیاں چھین لیتا ہے۔

میں اپنی بہنوں کو مشورہ دوں گا کہ اگر وہ چاہتی ہیں کہ سب ان سے محبت کریں۔ کوئی انہیں برا نہ سمجھے تو وہ اپنی زبان پر قابو رکھیں۔ درگزر، صبر و تحمل، غصہ نہ کریں اور جہاں تک ہوسکے دوسروں سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ سب ان سے محبت کریں گے اور گھر کا ماحول خوش گوار ہوگا۔

ع

میری امی اور ابو کی شادی ہوئی۔ امی خوب صورت اور جوان جبکہ ابو کافی عمر کے اور ایک عام سے انسان تھے۔ ہم تین بہنیں پیدا ہوئیں۔ پھر ابو امی کو اپنے ساتھ لے گئے جہاں وہ کام کرتے تھے۔ وہاں امی کے تعلقات ابو کے کسی دوست کے ساتھ ہوگئے جو خوب صورت بھی تھا اور جوان بھی۔ تعلق بڑھا اور امی نے اس شخص کے تین بچے پیدا کیے۔ درمیان میں بہت جھگڑے بھی ہوئے۔ امی نے ابو سے طلاق بھی مانگی لیکن ابو نے یہ سوچ کر نہ دی کہ بچیاں رُل جائیں گی۔ خیر جب ہماری سب سے چھوٹی بہن کچھ ماہ کی ہوئی تو اس شخص (ابو کے دوست) کو کرنٹ لگا اور وہ ہماری زندگی سے چلا گیا۔ امی روتی تھیں۔ اس کے غم میں بیمار ہوگئیں پھر ابو کے ساتھ سیٹ ہوگئیں۔ ہم خوش تھے بہت۔ لیکن کچھ سال کے بعد تقریباً پانچ یا چھ سال وہ شخص دوبارہ آگیا (یہ بتادوں کہ وہ شخص شادی شدہ تھا۔ اور اس کی بھی تین بچیاں تھیں) اور جب وہ واپس آیا تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر آیا تھا۔ میری امی کی دوبارہ محبت جاگ گئی اور ابو سے خلع کا مطالبہ کیا اور ابو پر کیس کردیا۔ ابو تو گئے نہیں، عدالت نے خلع دے دیا اور امی نے اس شخص سے نکاح کرلیا۔

ساری فیملی نے امی کو سمجھایا مگر امی نہ مانیں سب ناراض ہوتے۔ تھو تھو کی۔ ابو کی حالت خراب ہوئی۔ (جب یہ خلع ہوا تب میں ترجمہ تفسیر پڑھنے اسلام آباد گئی ہوئی تھی۔ اور وہاں ہمیں فون رکھنے کی اجازت نہیں تھی) خیر مجھے وہاں پتا چلا۔ میں وہاں سے واپس آگئی۔ ہم بہن بھائی امی کے ساتھ رہے۔ ابو اپنے بھائیوں کے پاس چلے گئے۔ (یہ جو گھر

www.urdugem.com

ہے بنایا میرے ابو نے تھا لیکن امی نے رکھ لیا)۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی امی کو احساس ہو گیا کہ میں نے بہت غلط کیا ہے۔

میں جب اسلام آباد سے واپس آئی تو میں نے اور میری بہن نے کوشش کر کے امی کو ان کے بہن اور بھائیوں سے ملوایا یعنی صلح بھی کروادی (کیونکہ تقریباً دو سال پہلے امی کا روڈ حادثہ کے دوران دماغ پر اثر ہوا۔ ان کا آپریشن ہوا اور ان کی دماغی حالت پر تھوڑا اثر بھی ہوا ہے تو سب نے معاف کر دیا۔)

سب مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔ میں اکیلی سفر کرتی تھی۔ کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ ایک حد تک خود مختار تھی۔

اسلام آباد سے واپس آ کر میں ایک اسکول میں ٹیچنگ شروع کی جو کہ اب تک کر رہی ہوں۔

سب تعریف کرتے کام کی بھی اور اخلاق کی بھی۔ لیکن پھر وہ ہوا جو میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ میری زندگی میں ایک لڑکا آیا وہ اچھا تھا خوب صورت۔ میری اس سے دوستی ہوئی۔ میں دوبار ملی۔ پھر اس نے بتایا کہ تم سے پہلے بھی میری کئی دوستیاں تھیں لیکن اب میں یہ سب چھوڑنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ۔ میں چند دن روئی پھر سنبھل گئی۔ لیکن ایک بری عادت میرے اندر آ گئی کہ میں لڑکوں سے بات کرنے لگی۔

تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ایک لڑکے کا مجھے واٹس اپ پر پیغام آیا۔ پہلے اس نے مجھ سے جھوٹ بولا پھر سچ بتایا کہ جہاں تم پڑھاتی ہو وہاں سے میں نے اپنے ایک دوست کے ذریعے نمبر لیا ہے۔ دوستی بڑھی اور بات شادی تک آ گئی۔ وہ سعودیہ میں ہے اچھا ہے کمائی بھی ٹھیک ہے۔

مجھ سے پھر غلطی ہوئی۔ میں بینک گئی وہاں کے آپریشن منیجر نے مجھے دیکھا اور مجھے کہا کہ مجھ سے دوستی کر لو۔ میں نے کر لی۔ ایک بات واضح کر دوں کہ میں دوستی ایسے ہی کرتی تھی کہ جیسے دو لڑکیاں آپس میں یا دو لڑکے۔ خیر بینک والا شادی شدہ ہے۔ تین بچوں کا باپ ہے۔ جوان ہے۔ میں اس سے ملتی بھی تھی۔ اب ہوا یوں کہ جب سعودیہ والے کو میں نے کم ٹائم دیا یعنی کم بات کی تو اس کو شک ہوا اور اس نے میرے نمبر کی ساری تفصیلات نکلوالیں۔ اور کہا کہ تم ایسی ہو تم ویسی ہو۔ میں نے اس پر واضح کیا لیکن وہ نہ مانا اور اس نے میری خالہ کو کال کی۔ سب بتایا کہ آپ کی بھانجی یہ کرتی ہے۔ لڑکوں سے دوستیاں ہیں، ان سے ملتی ہے۔ راتیں بھی باہر گزارتی ہے۔

اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا اور میرے ساری فیملی کو بتایا کہ یہ ایسی ہے ویسی ہے۔ بینک والے لڑکے کو میں نے امی سے بھی ملوایا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ مجھ پر بہت اعتماد کرتا ہے۔ اسے سعودیہ والے لڑکے کے بارے میں بھی بتایا ہے۔ اب اس نے مجھے زیادہ تنگ کیا تو میں نے امی کو بتایا تو امی نے کہا کہ ہم اس کے گھر جاتے ہیں کہ وہ جو ہر جگہ تمہیں اپنی بیوی کہتا ہے اور اس کے باپ کو کہتے ہیں کہ لڑکے کو سمجھاؤ۔

اب میں اتنی پریشان ہوں۔ امی کو بینک والے لڑکے کی شادی کا نہیں پتا۔ ورنہ شاید وہ مانیں ہی ناں شادی کے لیے۔ لیکن میں جب سعودیہ والے لڑکے کی طرف دیکھتی ہوں تو جو اس نے کیا ہے اللہ کی پناہ، جس جس کے ساتھ بھی میں نے بات کی۔ اس نے اس کو تباہ کرنے کی ٹھانی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں بینک والے کو مار دوں گا۔

میں جانتی ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ اب کیا کروں۔ بینک والے سے شادی کروں تو سعودیہ والا بہت رسوا کرے گا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ تمہارے پاس دو راستے ہیں یا تم مجھ سے شادی کر و یا تمہیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔ اب وہ مجھے اس بات کا بھی طعنہ دیتا ہے کہ تمہاری ماں نے بھی تو چھ بچوں کے ساتھ دوسری شادی کی ہے غیر فیملی میں وہ ہر وقت کال کرتا ہے۔ دھمکیاں دیتا ہے۔ گالیاں دیتا ہے۔

میں اس سے کہتی ہوں کہ میرا دل نہیں مانتا کہ میں تم سے شادی کروں تو وہ کہتا ہے پھر وعدے کیوں کیے تھے۔

(1) اب اگر میں بینک والے کی دوسری بیوی بنوں تو کیا میں خوش رہوں گی؟ مجھے پتا ہے کہ مخالفت بہت ہو گی اس کی فیملی میں بھی اور میری میں بھی۔

(2) اگر میں سعودیہ والے سے شادی کروں تو کیا میں خوش رہ سکوں گی وہ مجھے ہر طرح کی ضمانت دینے کو تیار ہے۔ لیکن اعتماد نہیں کرتا ہر وقت کا حساب مانگتا ہے۔ میں سعودیہ والے سے ملی ایک بار بھی نہیں ہوں نہ ہی اسے دیکھا ہے بس فون پر ہی۔

خالہ نے مجھ سے کہا ہے کہ تم اسی سے شادی کر لو۔ دل کا کیا ہے۔ پیسہ تو ہو گا۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا، دل ہے کہ بینک والے سے کروں۔ لیکن جب یہ سوچتی ہوں کہ وہ شادی شدہ ہے بچے ہیں۔ مجھے ٹائم کم دے گا۔ اس کی فیملی چھوٹ جائے گی۔ بیوی بچوں کو میکے بھی لے جا سکتی ہے تو ٹھہر جاتی ہوں۔

جب سعودیہ والے کا سوچتی ہوں تو کہتی ہوں بعد میں نہ جانے کتنا تنگ کرے۔ سعودیہ والے نے میرے بہنوئی کو بھی سب بتا دیا۔ اور اب اس نے دوستی بھی کر لی۔ سعودیہ والے کو کہتی ہوں امی ابو کو بھیجو تو وہ کہتا ہے، وہ نہیں مانیں گے۔

ج: اچھی بہن! آپ نے زندگی کو کھیل یا مذاق بنا لیا۔ ہوش کے ناخن لیں۔ جو کچھ آپ کی والدہ نے کیا، کیا وہ کافی نہیں تھا۔ انہوں نے دل کے ہاتھوں مذہب، اخلاق، دنیا کسی کی بھی پروا نہ کی، والدہ کا انجام بھی آپ کے سامنے تھا۔ آپ کو تو بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے تھا۔ ماں کی زندگی سے سبق سیکھتیں جبکہ آپ نے قرآن پاک کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھا ہے، پہلے ایک لڑکے سے دوستی کی، اس نے چھوڑ دیا تو دوسرے لڑکے سے کر لی اور اسی دوران ایک تیسری دوستی شادی شدہ مرد سے کر لی اور اس سے ملنے لگیں۔ بقول آپ کے یہ خالص دوستی تھی تو پھر بات شادی تک کیسے پہنچی؟ کیا آپ نہیں جانتی تھیں کہ ہمارا مذہب اور معاشرہ اس طرح کی دوستیوں کی اجازت نہیں دیتا۔

آپ نے پوچھا ہے کہ اب کس سے شادی کروں؟

آپ کا دل بینک آفیسر کی طرف مائل ہے لیکن ڈرتی ہیں کہ سعودیہ والا آپ کو بدنام کر دے گا۔

اچھی بہن! اب بدنامی میں کیا کسر رہ گئی ہے، اس نے آپ کی خالہ، والدہ، بہنوئی، جہاں آپ جاب کرتی ہیں۔ سب ہی کو بتا دیا ہے دیگر جاننے والوں کے فون نمبر بھی اس کے پاس ہیں۔ آپ بدنامی کے خوف سے نکل آئیں۔ اس طرح بلیک میل کرنے والا شخص کس ذہنیت کا مالک ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ آپ پر اعتماد نہیں کرتا۔ بعد میں نہ جانے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ پھر آپ نے اس کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ آپ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتیں۔ ہو سکتا ہے وہ شادی شدہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی تعلیم اور آمدنی وہ نہ ہو جو اس نے بتائی ہے۔ یہ بات بھی اسے مشکوک بناتی ہے کہ وہ اپنے والدین کو لانے کے لیے تیار نہیں ہے۔

بینک آفیسر کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔ بیوی اور تین بچے ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کے لیے بیوی اور بچوں کو چھوڑ دے۔ بیوی کو بھی چھوڑ دیا تو بچوں کو چھوڑنا مشکل ہے۔ بیوی چلی گئی تو اس کے تین بچوں کی ذمہ داری آپ کو سنبھالنا پڑے گی۔

ان حالات کے پیش نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ وقتی طور پر اپنی شادی کے معاملے کو ٹال دیں۔ سعودیہ والے سے بات کرنا بند کر دیں اور بینک والے سے بھی تعلق کم کر دیں، ممکن ہے وقت کے ساتھ آپ کے لیے کوئی بہتر صورت سامنے آ جائے۔

www.urdugem.com

امت الصبور

بیوٹی بکس

شاہدہ.....راولپنڈی

س: میرا وزن میرے قد کے لحاظ سے بہت زیادہ تھا۔ سخت ڈائٹنگ کر کے وزن کم کیا۔ وزن تو کم ہو گیا لیکن چہرے پر کافی فرق پڑا۔ چہرے کی جلد ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ ٹھوڑی کا ہے۔ میری ٹھوڑی دہری ہو گئی ہے جسے ڈبل چن بھی کہتے ہیں؟

ج: یہ حقیقت ہے کہ دہری ٹھوڑی کی وجہ سے خواتین اپنی عمر سے بڑی نظر آتی ہیں۔ اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک مؤثر ترین طریقہ پلاسٹک سرجری ہے لیکن پلاسٹک سرجری کرانا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے چند ورزشیں بتا رہے ہیں جن پر عمل کر کے آپ دہری ٹھوڑی سے نجات حاصل کر سکتی ہیں۔

(1) اپنا منہ جس حد تک کھول سکتی ہیں کھولیں اور اپنی زبان پوری طرح باہر نکالیں۔ دس سیکنڈ تک اسی حالت میں رہیں پھر زبان اندر کر لیں۔ اس عمل کو دس بار دہرائیں۔ دن میں ایک بار یہ عمل ضرور کریں۔ ایک سے زائد بار بھی کر سکتی ہیں۔

(2) سر کو دائرے کی شکل میں گھڑی کی سوئیوں کی مانند حرکت دیں۔ اپنا سر ایک جانب جھکائیں اور پھر اسے گھماتے ہوئے دوسری جانب اس طرح لائیں کہ دائرے کی صورت میں یہ عمل مکمل ہو۔ اب اسی عمل کو دوسری سمت سے دہرائیں اور گھڑی کی سوئیوں کی مانند ایک اور دائرہ مکمل کر لیں۔

اس ورزش کو تین سے چار منٹ تک کریں اگر آپ باقاعدگی سے یہ ورزش کرتی رہیں تو بہت جلد دہری ٹھوڑی سے نجات حاصل کر لیں گی۔

س: میری عمر 25 سال ہے اور بال ابھی سے سفید ہو گئے ہیں۔ میں نے بالوں پر ہیئر کلر لگانا شروع کر دیا لیکن بدقسمتی سے مجھے اس سے الرجی ہے۔ اب میں ہیئر کلر نہیں لگا سکتی۔ مہندی لگانے سے بال سرخ ہو جاتے ہیں۔ جو مجھے پسند نہیں، بتائیں کیا کروں؟

ج: ہیئر کلر سے بالوں کی صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کے لیے مہندی بہترین نسخہ ہے۔ اس سے بالوں کی قدرتی چمک اور خوب صورتی برقرار رہتی ہے۔ مہندی میں اگر کچھ اور چیزیں شامل کر لیں تو اس کا رنگ قدرتی رنگ سے ہم آہنگ ہو جائے گا۔

(1) کافی یا کتھے میں سے کوئی بھی ایک چیز تھوڑی سی مقدار میں مہندی میں گھول لیں تو بالوں میں بہت خوب صورت براؤن رنگ آ جاتا ہے۔

(2) اخروٹ کی چھال جسے دنداسہ بھی کہتے ہیں، اس کا ایک ٹکڑا پانی میں رات بھر کے لیے بھگو دیں پھر اس پانی میں مہندی گھول کر بالوں میں لگائیں۔ اس سے بال خوش رنگ بھی ہو جاتے ہیں اور رنگ دیر تک قائم رہتا ہے۔

(3) آنولے کا پاؤڈر پانی میں گھول کر لگائیں اور دو گھنٹے لگا رہنے دیں۔ بال سیاہ ہو جائیں گے۔

مہندی میں ایک انڈا اور ایک چمچہ سرسوں کا تیل ملا لیں تو رنگ کے ساتھ ساتھ بالوں میں ایک قدرتی چمک پیدا ہو جائے گی۔

www.urdugem.com